مالیگاؤں میں اُردو نثر نگاری
ڈاکٹر الیاس صدیقی

ڈاکٹر الیاس صدیقی

کتاب کا نام : مالیگاؤں میں اردو نثر نگاری

: Malegaon mein Urdu Nasr Nigari

مصنف : ڈاکٹر الیاس صدیقی Dr. Ilyas Siddiqui

: E-Mail: Siddiqui_Ejaz@USA.Net

کمپیوٹر کمپوزر : عمران احمد صدیقی، اعجاز احمد صدیقی

: ماڈرن کمپیوٹرس، قدوائی روڈ، مالیگاؤں

طباعت : یونیٹی آفسیٹ پرنٹرس، نیا پورہ، مالیگاؤں

فون نمبر 0255 - 432635

سنہ اشاعت : اکتوبر ۲۰۰۱ء (باراول) Oct : 2001

تعداد : سات سو

قیمت : ہندوستان میں ۳۰۰ روپے

: بیرون ہند۔ ۱۵ر برطانوی پونڈ، ۲۰ر امریکی ڈالر

ناشر : امتیاز احمد صدیقی، 284، بیلباغ، گرووارڈ،

: مالیگاؤں، ضلع ناسک، (مہاراشٹر) Pin:423203

: دستیابی کے پتے:

ڈاکٹر الیاس صدیقی، 299، گرووارڈ، بیلباغ، مالیگاؤں،
ضلع ناسک۔ 423203 فون نمبر 439111

۲) اطفال بکڈپو، محمد علی روڈ، مالیگاؤں

۳) سویرا بک ڈپو، محمد علی روڈ، نزد مرچنٹ بینک، مالیگاؤں

۴) نورانی بک ڈپو، نزد نورانی مسجد، مالیگاؤں

انتساب

والدِ مرحوم،

محمد حنیف صدیقی،

کی

حوصلہ افزا یادوں کے نام !

(اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القرآن: قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ط إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ ۝ (سورۃ الزُّمر)

تو کہہ دے کہ کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں (مگر یہ بات) عقل والے ہی سوچتے سمجھتے ہیں۔

الحدیث: حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا: تم یا تو عالم بنو یا علم توجہ سے سننے والے بنو یا طالب علم بنو، یا علم اور علم والوں سے محبت کرنے والے بنو۔ (ان چاروں کے علاوہ) پانچویں قسم کے مت بنو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ پانچویں قسم یہ ہے کہ تم علم اور علم والوں سے بغض رکھو۔

(رواہ الطبرانی فی الثلاثہ والبزار ورجالہ موثقون مجمع الزوائد۔ا۔۳۲۸)

شعر:

مارا چوں شمع مرگ بود خامشی غنیؔ
اظہار زندگی بہ زباں می کنیم ما

(اے غنی! ہمارے لئے خاموشی شمع کی طرح موت ہوگی، اسلئے ہم اپنی زبان سے زندگی کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔)

...فہرست...

تیسرا باب
...دورِ دوم...

چوتھا باب
...دورِ سوم...

پانچواں باب
...دورِ چہارم...

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

عرضِ مصنّف

مالیگاؤں (ضلع ناسک) تیزی کے ساتھ بڑھتا، پھیلتا پھولتا شہر ہے۔ مساجد کے بلند مینارے اور گنبد نو واردین کا دور سے ہی استقبال کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جنہیں دیکھ کر دلوں پر عجیب سا روحانی کیف و سرور طاری ہو جاتا ہے۔ انہیں بلند میناروں کے زیرِ سایہ پاورلوم کے چھوٹے بڑے کارخانے رک رک کر سانسیں لیتے ہیں۔ ان سے ابھرنے والی مشینوں کی دل خوش کن صدائیں دلوں کو حوصلہ اور امنگ عطا کرتی ہیں۔ ان مشینوں کی بنیادیں سمنٹ اور کانکریٹ سے نہیں، محنت کش بنکروں کے پسینے اور لہو سے مضبوط ہوئی ہیں۔ شہر کے ایک جانب مسلمان بنکروں کی گھنی آبادیاں ہیں تو دوسری طرف غیر مسلم تاجروں کی کشادہ بستیاں۔ انہی لوگوں کے درمیان مزدوروں اور محنت کشوں نے بھی اپنے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ جھگی جھونپڑیوں کے باشندے ہوں یا بلند عمارتوں اور بنگلوں کے باسی، زندگی بہر حال دشوار ہے لیکن حیرت انگیز طور پر پُر سکون بھی ہے۔

بیسویں صدی کی ابتدا میں بیس ہزار نفوس پر مشتمل اس بستی نے پاورلوم صنعت کی وجہ سے ترقی کر کے صدی کا اختتام آتے آتے پانچ لاکھ آبادی کی حد کو پار کر لیا ہے۔ اس میں ساٹھ فیصد سے زیادہ تعداد مسلمانوں کی ہے۔ ان لوگوں نے اپنی تہذیب و روایات کے ساتھ ساتھ زبان اردو کو بھی سینے سے لگا رکھا ہے اور مقامی تاریخ کے ہر دور میں اس کی ترقی اور فروغ میں اپنا حصہ ادا کرتے رہے ہیں۔ مہاراشٹر میں ممبئی کے بعد مالیگاؤں اردو اور مسلمانوں کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ فی زمانہ یہاں سو کے قریب میونسپل اردو پرائمری مدارس، تیس سے زائد پرائیوٹ پرائمری اسکولیں، چھبیس ہائی اسکولیں، پانچ جونیئر کالجس، ایک سینئر کالج برائے نسواں، ڈی ایڈ اور بی ایڈ کالجس، فارمیسی اور میڈیکل کالج، آئی ٹی آئی، دس عظیم الشان دینی مدارس (ان میں خواتین کے مدارس بھی شامل ہیں) لا تعداد چھوٹے بڑے قرآنی تعلیم کے مکاتب، مسلمانوں کو دینی و عصری تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے میں دن رات مصروف ہیں۔ ان میں میونسپل اسکولوں کو چھوڑ کر باقی تمام ادارے مسلمانوں کے قائم کردہ ہیں۔

گذشتہ سو سال کے عرصے میں شہر نے اردو نظم و نثر کی بھی قابلِ قدر

خدمات انجام دی ہیں۔ شعراء کے بے شمار مجموعہ ہائے کلام منظر عام پر آئے، نثر کی سینکڑوں کتابیں اشاعت پذیر ہوئیں ان گنت اخبارات جاری ہوئے۔ ان میں چند اب بھی جاری ہیں، باقی پردۂ خفا میں چلے گئے، نہ جانے کتنے ادبی، دینی و ملی رسائل و جرائد جاری ہوئے جو "شکوۂ ظلمت شب" کی بجائے "اپنے حصے کی شمع" جلا کر اجالے پھیلاتے رہے۔ مختلف ادبی، تہذیبی، ثقافتی، تعلیمی، اصلاحی، صنعتی، دینی و مذہبی انجمنیں اور تنظیمیں وجود پاتی رہیں۔ اور علم و ادب اور تہذیب و زبان کے اس اہم مرکز کی ترقی میں ہاتھ بٹاتی رہیں۔

بد قسمتی سے ان شاندار شعری و نثری روایات اور حیرت انگیز کچی حکایات کو جمع کر کے شائع کروانے، فنکاروں اور قلمکاروں کے کارناموں کو منظر عام پر لانے اور اردو دنیا سے مالیگاؤں کا حقیقی تعارف کروانے کی ہمہ جہت اور بھرپور کوششوں میں نمایاں کمی رہی۔ جس کے سبب اس گہوارۂ علم و ادب کی ادبی خدمات پر گمنامی کے دبیز پردے پڑے رہے اور اردو دنیا اس بستی کو ایک چھوٹا موٹا سا "گاؤں" ہی سمجھتی رہ گئی۔ زیر نظر مقالہ اس غلط تصور کی دھند کو صاف کرنے کی ایک ادنیٰ سی کوشش ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شہر کو اس "دامِ عزلت" سے رہائی دلانے کا احساس پہلے بھی قلمکاروں کو رہا ہے اور وہ شہر کی ادبی تاریخ اور تذکرہ نویسی کی طرف توجہ دیتے رہے ہیں لیکن یہ ساری کوششیں ادب کے صرف ایک پہلو یعنی شاعری کا احاطہ کرتی ہیں۔ گذشتہ زمانے میں شعراء کے جو تذکرے منظر عام پر آئے ان میں زخم و مرہم، جمال ہم نشیں، شبکار ہم نشیں، شعلۂ احساس، نقوش (حفیظ مالیگانوی)، شعرائے مالیگاؤں (ڈاکٹر اشفاق انجم) کے علاوہ محمد صدیق مسلم کا ایک طویل مضمون "اردو زبان مالیگاؤں میں" قابل ذکر ہیں۔ افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ نقوش اور شعرائے مالیگاؤں کے علاوہ دیگر تذکرے نہایت سرسری اور مختصر ہیں جن سے نہ شعراء کے حالات کا ٹھیک طور سے پتہ چلتا ہے، نہ ان کی شعری خصوصیات ہی اجاگر ہوتی ہیں۔ دوسرا افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ نقوش کی محض ایک جلد اشاعت پذیر ہوئی۔ باقی تین جلدیں اب تک بیاضوں کے زنداں میں اسیر ہیں۔ ڈاکٹر اشفاق انجم کا تذکرہ شعرائے مالیگاؤں تحقیقی نقطۂ نظر سے سب سے زیادہ وقیع اور اہم ہے لیکن طباعت سے محروم ہونے کی وجہ سے جہان اردو کی دسترس سے دور ہے۔

راقم الحروف کو شدت سے احساس تھا کہ سو سال سے زائد کی ادبی تاریخ رکھنے کے باوجود ادب کے دوسرے پہلو یعنی نثر پر توجہ نہیں دی گئی اور نثر نگاروں پر کام نہ ہو سکا۔ نہ ان کا تذکرہ ہی وجود میں آیا، نہ ان کی تحریر کردہ کتابوں پر تبصرے لکھے گئے اور نہ ان کی نثری تخلیقات کے حسن و قبح اور قدر و قیمت کا جائزہ لینے کی کوئی کوشش ہی ہوئی۔ اس احساس نے راقم کو مالیگاؤں میں اردو نثر نگاری کی تاریخ

اور نثر نگاروں کا ایک جامع تذکرہ لکھنے کی جانب مائل وراغب کیا۔ رہنمائی کیلئے راقم نے استاد محترم عبدالحفیظ انصاری صاحب، (سابق پرنسپل سٹی کالج، مالیگاؤں) سے رجوع کیا۔ موصوف نے عدیم الفرصتی کے سبب اور مقالے کے موضوع کی مناسبت سے ڈاکٹر اشفاق انجم کی رہنمائی کو بہتر خیال کر کے ان کی طرف بھیج دیا۔

ڈاکٹر اشفاق انجم راقم کے دیرینہ دوستوں میں ہیں۔ علم و فضل میں بلند مقام رکھتے ہیں۔ شہر کی ادبی و سیاسی تاریخ پر گہری نظر ہے۔ انکی تنقیدی اور تحقیقی صلاحیتوں اور زبان وادب کے میدان میں ان کی مہارت میں کلام نہیں۔ یہ احساس کسی بھی قلمکار کو محتاط بنانے کیلئے کافی ہے کہ اس کی تحریر ڈاکٹر صاحب موصوف کی نظروں سے گذرے گی۔ ان کی رہنمائی کا میسر آجانا راقم کیلئے ایک نعمت سے کم نہیں تھا۔ مقالے کی تیاری میں اس حقیقت کے سبب راقم کو بہت سے فوائد حاصل ہوئے۔ ایک تو یہ کہ غیر ضروری تفصیلات اور افراط و تفریط کے گھنے بادل چھٹتے گئے اور جامعیت کے آفتاب کی رونمائی ہوتی گئی۔ دوسرے یہ کہ مواد و زبان کی صحت پر خصوصی توجہ رہی اور مقالہ غلطیوں سے پاک ہوتا چلا گیا اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ حالات و واقعات کے بیان میں حوالوں کا خصوصی اہتمام کرنا پڑا جس کے سبب روایتی اور داستانی قسم کے غیر ذمہ دارانہ اور مشکوک بیانات سے رستگاری ملتی گئی اور مستند اور صحیح بیان کے عناصر واضح ہوتے گئے۔

راقم نے جب کام کا آغاز کیا تو توقع کے عین مطابق ماضی میں دور دور تک نظریں دوڑانے کے باوجود اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دیا۔ نثر نگاری کی تاریخ پر کسی کتاب کی موجودگی تو کجا، چند صفحات بھی دستیاب نہ تھے۔ ان حالات میں مایوسی بالکل فطری تھی۔ سینکڑوں نثر نگاروں کے حالات و کوائف کی فراہمی اور ایک صدی کی نثری تخلیقات کا حصول جوئے شیر لانے سے کم نہیں تھا۔

اردو لائبریری، مالیگاؤں سے کام کی شروعات کرنے کا فیصلہ کیا۔ لائبریری میں قدیم رسائل و کتب کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ راقم نے ہزاروں رسائل کی گرد صاف کی، ان کی ورق گردانی کی، مطالعہ کیا اور ادب کے اس سمندر سے نثر نگاروں کی تخلیقات کے موتی چنے، ان کی فہرست سازی کرنے کے ساتھ ساتھ اہم خصوصیات بھی نوٹ کیں۔ اس کام میں تقریباً ایک سال کا عرصہ لگا۔ مواد کی فراہمی کے سلسلے میں کئی بار ممبئی جانا ہوا۔ مہاتما گاندھی میموریل ریسرچ سینٹر، انجمن اسلام ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اور عوامی ادارہ کے کتب خانوں میں محفوظ رسالوں اور اخبارات سے کافی مواد حاصل کیا۔

اس دوران راقم کے کرم فرما مشہور مورخ و مصنف شبیر احمد حکیم نے اطلاع دی کہ کامٹی (ضلع ناگپور) کے ایک بزرگ ظہیر وارثی صاحب کے پاس گذشتہ سو برسوں کے اخبارات و رسائل کا بڑا

ذخیرہ موجود ہے۔ راقم دسمبر ۱۹۹۶ء میں کامٹی پہنچا۔ بدقسمتی سے ظہیر وارثی صاحب پر فالج کا حملہ ہو گیا اور موصوف بولنے سے محروم ہو گئے۔ ان کے فرزند مقبول وارثی اگرچہ والد صاحب کی بیماری سے پریشان تھے اس کے باوجود انہوں نے بہت سے اخبارات کی فائلیں دکھائیں۔ اس کے علاوہ کامٹی میں مولانا عبدالستار فاروقی مرحوم کے مکان پر بھی رسائل و کتب کی چھان بین کا موقع ملا۔

ظہیر وارثی صاحب کی علالت کی وجہ سے ان کے یہاں موجود مکمل ذخیرہ دیکھنے کا موقع نہ مل سکا تھا اس لئے طبیعت کو اطمینان نہیں تھا۔ مئی ۱۹۹۷ء میں دوبارہ کامٹی حاضری دینے کا موقع نصیب ہوا۔ ظہیر صاحب صحت یاب ہو چکے تھے۔ انہوں نے یہ مایوس کن خبر سنائی کہ ۱۸۹۶ء سے ۱۹۴۶ء تک کے اخبارات و رسائل انہوں نے حیدرآباد کے کسی اردو ریسرچ سینٹر کو فروخت کر دئے ہیں۔ راقم اس ذخیرے کے تعاقب میں اکتوبر ۱۹۹۷ء میں حیدرآباد پہنچا۔ یہ جان کر خوشگوار حیرت ہوئی کہ یہ ریسرچ سینٹر انہیں عبدالصمد خان میکلیک صاحب کا ہے جن کا ذکر رضا علی عابدی کی کتاب ''کتب خانہ'' میں صفحہ ۷۱ پر موجود ہے۔ یہاں ایک اور صدمہ راقم کا منتظر تھا، معلوم ہوا کہ عبدالصمد خان نے اپنا سارا ذخیرہ امریکہ کی شکاگو یونیورسٹی کو بیس لاکھ روپے کے عوض فروخت کر دیا ہے۔ مزید تحقیق پر پتہ چلا کہ فی الحال یہ ذخیرہ حیدرآباد میں ہی ہے اور کمیونسٹ پارٹی کی ایک عظیم الشان لائبریری ''سندریا وگنانا کیندرم'' میں اسکی مائکرو فلم بنائی جا رہی ہے۔ بہرحال راقم نے سندریا وگنانا کیندرم سے کافی استفادہ کیا۔ حیدرآباد میں ہی سابق اسسٹنٹ انفارمیشن آفیسر، حکومت ہند، محمد اسحٰق ایوبی مرحوم کے مکان سے ان کی ذاتی بیاضیں بھی دستیاب ہوئیں۔ جن کے ذریعے بہت سے نثر نگاروں کے تفصیلی حالات کا علم ہوا اور شہر کی تاریخ کے چند نئے گوشے روشنی میں آئے۔ مزید برآں دھولیہ میں محمد نذیر عارج کے دولت کدے پر بھی قدیم رسائل کا اچھا خاصہ ذخیرہ دیکھنے کو ملا جس سے کافی مفید مطلب مواد حاصل ہوا۔ ان کے علاوہ شہر کی مختلف ہائی اسکولوں کی لائبریریوں اور دیگر کتب خانوں میں بھی مواد کی تلاش کارآمد ثابت ہوئی۔ مدرسہ بیت العلوم کے کتب خانے سے کئی قیمتی چیزیں دستیاب ہوئیں۔ راقم کی ذاتی لائبریری میں مقامی رسالوں کی مکمل فائلیں موجود ہونے کی وجہ سے بھی بڑی آسانیاں پیدا ہوئیں۔

تخلیقی مواد کی قابل اطمینان فراہمی کے باوجود دل میں ایک خلش موجود تھی۔ ان میں متقدمین نثر نگاروں کی تخلیقات کا ہی پتہ نہ تھا۔ راقم نے مولانا محمد حنیف ملی صاحب مرحوم سے تذکرہ کیا انہوں نے قلمی رسالے ''ادب'' کے سولہ شماروں کیساتھ ساتھ بہت سے دیگر رسائل کی فائلیں اور چند نایاب

کتب بھی عنایت کیں۔ ''ادب'' کے ان شماروں میں متقدمین کی نثری تخلیقات بڑی تعداد میں دستیاب ہوئیں۔ ان کی وجہ سے نثر نگاری کی تاریخ کا ایک بڑا خلاء پر ہوگیا۔ راقم مولانا محمد حنیف ملی مرحوم کا یہ احسان بھلا نہیں سکتا۔ دوسرا احسان الحاج محمد بشیر ادیب صاحب نے فرمایا۔ انہوں نے نہ صرف مالیگاؤں کے قلمکاروں کی شائع شدہ قدیم کتابیں جو ان کی ذاتی ملکیت تھیں، بڑی تعداد میں عطا کیں بلکہ شہر کے گوشے گوشے سے راقم کے لئے نایاب کتابیں اور مخطوطے ڈھونڈ ڈھونڈ کر لاتے رہے۔

مواد کی فراہمی کے بعد نثر نگاروں کے حالات جمع کرنے کا مرحلہ درپیش آیا۔ اس سلسلے میں راقم نے بے شمار لوگوں سے ملاقاتیں کیں، جو قلمکار حیات ہیں ان کے شخصی انٹرویوز ریکارڈ کئے، مرحومین کے متعلقین اور اہلِ خاندان سے ملاقات کر کے معلومات جمع کی۔ بے شمار اخبارات، رسائل، تذکروں، خود نوشتوں اور کتب سے استفادہ کر کے نثر نگاروں کے صحیح حالات دریافت کرنے کی کوشش کی۔ شہر کی تاریخ کے تعلق سے دھولیے کے راجواڑے سنشودھن منڈل کے ڈاکٹر پی این دیشپانڈے اور ان کی اہلیہ کے علاوہ مظفر نگر (یوپی) کے ایک بزرگ شری دیر سنگھ جی پربھاکر نے کافی مدد فرمائی۔ ان سے حاصل کردہ مواد کی بنیاد پر راقم نے مالیگاؤں کی سیاسی اور سماجی تاریخ پر کام شروع کر دیا ہے۔

راقم السطور نے نثر نگاری کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ ایک مخصوص زمانے میں جن نثر نگاروں کی تخلیقات اشاعت پذیر ہوئیں یا کتابیں منظر عام پر آئیں انہیں اسی دور میں شامل کیا گیا ہے۔ اس طرح سے ۱۹۱۰ء سے لیکر تا حال آسانی کے ساتھ چار دور وجود میں آگئے۔ ہر دور میں شامل نثر نگاروں کا تذکرہ تاریخ پیدائش کی ترتیب سے کیا گیا ہے۔

نثر نگاروں کے تذکرے میں ہر ایک کی صحیح تاریخ پیدائش، تاریخ وفات، مقام پیدائش، تعلیم، پیشہ اور نثر نگاری کی ابتداء وغیرہ کی تفصیلات پہلے بیان کی گئی ہیں۔ اسکے بعد انکی نثری خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ان رسالوں اور اخبارات کا ذکر ہے جن میں انکی تخلیقات اشاعت پذیر ہوئیں، نیز ان کی تحریر کردہ کتابوں کا جائزہ اور تبصرہ بھی تحریر کیا گیا ہے۔ آخر میں انکی نثر کی خصوصیات اور موضوعات کا احاطہ کرتے ہوئے حسب ضرورت نثر کے مختصر نمونے بھی دیئے گئے ہیں۔ غرض اس بات کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ کسی بھی نثر نگار کا تذکرہ ادھورا یا تشنہ نہ معلوم ہو اور اسکی شخصیت اور فن کی واضح تصویر سامنے آسکے۔ اسکے ساتھ ہی ساتھ اگر کسی نثر نگار نے شعری خدمات انجام دی ہیں یا کسی کا مجموعۂ کلام شائع ہوا ہے تو برسبیل تذکرہ مختصراً بیان کر دیا گیا ہے۔ مستقبل میں کسی نثر نگار پر تفصیلی کام کرنے کیلئے یہ تذکرہ اشاریہ

اور بنیاد کا کام دے سکتا ہے۔ ہر دور کے اختتام پر تبصرہ کے ذریعے دور کی خصوصیات اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ چاروں ادوار کے نثر نگاروں کے تذکرے کے بعد شہر کی نثری تاریخ کا مجموعی جائزہ پیش کیا گیا ہے اور مستقبل کے امکانات تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ آخر میں اس پوری صدی میں شہر سے جتنے رسالے جاری ہوئے اور جو ادبی انجمنیں قائم ہوئیں، انکا تذکرہ اور تعارف بھی شامل کردیا گیا ہے۔ تاکہ آئندہ نسلیں ان سے واقف ہوسکیں اور حوصلہ پاسکیں۔

زیر نظر تصنیف میں تنقیدی نقطۂ نظر سے زیادہ تاریخی بیان کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ ترتیب اس طرح قائم کی گئی ہے کہ قاری جوں جوں آگے بڑھتا جاتا ہے، نثر نگاری کی تاریخ مرتب ہوتی جاتی ہے اور شہر کے قلمکاروں کی تحریر کردہ کتابوں کی فہرست بھی آپ ہی آپ بنتی چلی جاتی ہے۔

بڑی مشہور کہاوت ہے کہ جو لوگ اپنے ماضی کو فراموش کردیتے ہیں، مستقبل انہیں فراموش کردیتا ہے۔ راقم الحروف کا یہ مقالہ ماضی کو زندہ کرنے اور حال کی کیفیات کو اجاگر کرنے کی ایک ادنٰی سے کوشش ہے۔ یہ دراصل اپنی پہچان اور شناخت کو محفوظ کرنے کا عمل ہے جو کسی صورت میں حرف آخر کے خانے میں نہیں رکھا جاسکتا۔ راقم نے پورے خلوص، نیک نیتی اور دیانت داری سے کام لینے کی کوشش کی ہے، اس کے باوجود غلطیوں کے امکانات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض نثر نگاروں کا تذکرہ سہواً چھوٹ گیا ہو۔ ارباب نظر اور اصحاب علم و ادب کی خدمات میں التماس ہے کہ جو غلطیاں اور خامیاں نظر آئیں، ان کی نشاندہی فرمائیں تاکہ تصحیح کی جاسکے۔

اس مقالے پر یونیورسٹی آف پٹنہ نے راقم کو پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کی ہے۔

❖❖❖❖❖

ریاست مہاراشٹر میں اردو ادب کا بڑا جزیرہ شہر مالیگاؤں

ڈاکٹر عصمت جاوید

''مالیگاؤں میں اردو نثر نگاری'' جناب ڈاکٹر محمد الیاس صدیقی وسیم کا وہ تحقیقی مقالہ ہے جسے موصوف نے ڈاکٹر اشفاق انجم کے زیر نگرانی مکمل کر کے یونیورسٹی آف پونے میں پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لئے داخل کیا تھا۔ اور جس پر انہیں فروری ۲۰۰۰ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی گئی۔ اب یہ مقالہ طباعت کی روشنی دیکھ کر شائقین ادب کے ہاتھوں میں ہے۔

فاضل مقالہ نگار علم و ادب سے گہرا شغف رکھتے ہیں۔ متعدد تعلیمی اداروں سے ان کی وابستگی ان کی فعال شخصیت کا ثبوت ہے۔ موصوف شاعر بھی ہیں اور وسیم تخلص رکھتے ہیں۔ لیکن انہوں نے اپنے تخلص کو جزو نام نہیں بنایا ہے۔ اصلاح سخن کسی سے نہیں لی۔ غالب کی طرح صرف مبدء الفیاض سے تلمذ ہے۔ لیکن استادی کے فرائض انجام دیتے ہوئے مقامی اور بیرونی شعراء کے کلام پر اصلاح بھی دیتے ہیں۔ شاعری کی بہن سنگیت سے بھی نہ صرف دلچسپی ہے بلکہ شاستریہ سنگیت مدھیما اول کا امتحان بھی کامیاب کیا ہے۔ اور غزل گائیکی سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں۔ آل انڈیا مشاعروں میں شرکت بھی کرتے ہیں۔ اور نظامت کے فرائض بھی انجام دیتے ہیں۔ زندگی کے مختلف ادوار میں ''بازیات'' (اسپورٹس) سے بھی دلچسپی رہی ہے۔ لیکن شاعری سے اس قدر دلچسپی کے باوجود وہ صرف اسی صنف کے نہیں ہو رہے بلکہ نثر سے بھی خاصہ لگاؤ رہا ہے۔ انہوں نے کئی مزاحیہ انشائیے بھی لکھے ہیں اور مختلف اخبارات میں کالم نویس کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ مقالہ ہذا بھی موصوف کے صنف نثر سے اس قلبی لگاؤ کا ثمرہ ہے۔ پیشہ مدرسی ہے۔ اور آج کل جمہور ہائی اسکول اینڈ جونیئر کالج مالیگاؤں کے معاون صدر مدرس ہیں۔ لکھنے لکھانے سے اس قدر دلچسپی کے باوجود اشاعت کتب کے سلسلے میں اب تک کوئی سرگرمی نہیں دکھائی۔ مقالہ ہذا ان کی پہلی تصنیف ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ موصوف نے ملازمت میں ترقی کی خاطر یا تنخواہ میں اضافے کی نیت سے تحقیق کا بار گراں اپنے کندھوں پر نہیں اٹھایا ہے اور نہ اس سہل نگاری سے کام لیا ہے جو موضوع کے انتخاب

میں صرف ڈگری حاصل کرنے کیلئے بالعموم طلبا اختیار کرتے ہیں۔ نیز دوسرے جائز کم ناجائز زیادہ ذرائع بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس بات سے فاضل مقالہ نگار کے جذبۂ خدمتِ ادب، خلوصِ نیت اور فنِ تحقیق سے ان کے فطری لگاؤ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اردو داں طبقہ شاعری کے لئے تو بڑا نرم گوشہ رکھتا ہے لیکن نثر میں بقدرِ ضرورت یا واجبی سے دلچسپی لیتا ہے۔ اسی لئے تو نہیں البتہ کہا جاسکتا ہے کہ من جملہ اسباب دیگر ایک سبب یہ بھی ہے کہ اردو ادب میں نثری سرمایہ نظم کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے۔ علمی اور سنجیدہ نثر نگاری تو بمنزلۂ صفر ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ راقم الحروف نے اس مقالے کو بڑے دلچسپی سے پڑھا اور اس دلچسپی میں بتدریج اضافہ اس لئے بھی ہوا کہ دورانِ مطالعہ مجھ میں مالیگاؤں کی ان ادبی شخصیتوں کی یاد تازہ ہوگئی جن میں کچھ کو میں قریب سے جانتا ہوں۔ کچھ سے سرسری ملاقاتیں آج بھی کسی نہ کسی بہانے ہوجاتی ہیں۔ کچھ مرحوم ہستیاں ایسی بھی ہیں جن سے میں شرف نیاز حاصل کرچکا ہوں۔ کچھ ایسی ہیں جن سے میں اسماعیل یوسف کالج کے اپنے زمانۂ طالب علمی میں مل چکا ہوں۔ کچھ ایسی ہیں جن سے بال بھارتی کی کارگاہوں میں ملا ہوں اور چند تو ایسی ہیں جن کے ساتھ میں نے بال بھارتی کی درسیاتی کمیٹی میں نہ صرف کام کیا اور لیا ہے بلکہ ان سے علمی استفادہ بھی کیا ہے۔ غرض اس مقالے کے مطالعے نے میرے سامنے ستاروں کا ایک گنجینۂ گوہر کھول دیا ہے۔

شب کو تھا گنجینۂ گوہر کھلا

فخر مہاراشٹر حضرت ادیب مالیگانوی مرحوم سے مجھے شرف نیاز حاصل تھا۔ ان کا مرحمت کردہ شعری مجموعہ "تبسم" آج بھی میری ذاتی لائبریری کی زینت ہے۔ جشن ادیب کے سلسلے میں محترمہ عائشہ حکیم نے خاکسار کو مالیگاؤں آنے کی پیشکش بھی کی تھی لیکن غالباً یہ جشن تنازعات کی نذر ہوگیا۔ شبیر احمد حکیم سے اسماعیل یوسف کالج کے زمانۂ طالب علمی ہی میں تعارف ہوا تھا۔ وہ دیکھئے ادیب مالیگانوی کے جانشین "شبیر شرزہ" خسرو انجم، اشفاق انجم، نگاہوں کے سامنے ابھر رہے ہیں۔ اشفاق انجم وہ بھاری بھرکم ہستی ہیں جو جملے میں کسی لفظ یا محاورے پر اڑ جائیں تو مجلس مشاورت کو مجلس مناظرہ بنادیں اور دورانِ بحث ایسے دلائل و براہین لائیں کہ دیگر اعضائے مجلس کو بھی انکی باتوں میں وزن محسوس ہونے لگے۔ یہ بشیر احمد انصاری ہیں جو درسی کتاب کا ایک جملہ تیار کرنے کیلئے کئی بیاضیں لکھ لکھ کر خراب کردیتے ہیں۔ یہ پرنسپل حسن فاروقی ہیں۔ جنہیں احسن فاروقی کہنے کی مجھے عادت سی ہوگئی تھی۔ لیکن انکے بار بار ٹوکنے پر اب میں محتاط ہوگیا ہوں۔ حسن فاروقی کی نیازمندی میں انکی نازآفرینی بھی کارفرما ہے۔ بچوں کیلئے

اسباق کی تیاری میں اپنی ساری توانائیاں صرف کر دیتے ہیں۔ یہ عائشہ حکیم مرحومہ ہیں جو اسماعیل یوسف کالج میں اپنے نام کے جزو ثانی کی رعایت سے ''حکیم مغرب'' کہلاتی تھیں۔ مرحومہ سے میرے قریبی تعلقات تھے اسلئے میں وثوق کیساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ خطاب ان پر چسپاں نہیں ہوتا تھا کیونکہ باطن میں وہ خالص ''خاتون مشرق'' تھیں۔ یہ ''توازن'' کی میزان ہاتھوں میں لئے ہوئے، ادیبوں اور شاعروں کے ''گوشے'' نکال کر ان میں سے اکثر کو ''گوشوں'' سے تلاش کر کے منصۂ شہود پر لانے والے دکن کے نیاز فتح پوری استاد فن عتیق احمد عتیق ہیں لیکن عہد عتیق سے تعلق نہیں رکھتے۔ بلکہ نئے نئے اصناف سخن کی وکالت و ترویج کرنے والے رجحان ساز Trend Setter رسالۂ توازن کے مدیر ہیں۔

یہ ڈاکٹر محمد فاروقی مرحوم ہیں جن کا میں ''ہم پیشہ'' بھی تھا۔ مرحوم کے تحقیقی مقالے ''چندر بھان برہمن'' (بزبان انگریزی) سے راقم نے اپنے تحقیقی مقالے میں ایک اقتباس بھی بطور سند نقل کیا تھا۔ چندر بھان برہمن عہد شاہجہانی کا فارسی گو شاعر تھا۔ اس سے پنڈت کیفی نے ایک اردو غزل منسوب کی تھی جسے بعد کے نقادوں نے جن میں ڈاکٹر مسعود حسن خان کا نام بھی شامل ہے، بے چون و چرا تسلیم کر لیا تھا۔ مجھے اس بات میں شبہ تھا کیونکہ عہد شاہجہانی میں اردو زبان بصورت موجود کا وجود ہی نہیں تھا۔ اسلئے صحیح صورت حال جاننے کے لئے مذکورہ کتاب کی ورق گردانی کی اور یہ جان کر اطمینان ہوا کہ میں فاروقی صاحب کا ہم خیال نکلا۔ چنانچہ ان کے حوالے سے میں نے وثوق کے ساتھ چندر بھان برہمن کو اردو کا پہلا غزل گو شاعر ماننے سے انکار کیا۔ فاروقی صاحب سے اور بھی کئی یادیں وابستہ ہیں۔ جن کے اعادے کا یہاں محل نہیں۔ یہ پرنسپل عبدالحفیظ انصاری ہیں جو ''اورینٹل ٹرانسلیٹر آفس'' میں میرے ہمکار تھے۔ جب بھی خاکسار سے ملتے ہیں ان کی معصومانہ مسکراہٹ مجھ پر یادوں کے دروازے کھول دیتی ہے۔ ان کی معصومانہ سادگی میں بناوٹ نہیں بلکہ آسمان میں بکھرے ہوئے ستاروں کی سجاوٹ ہے۔ یہ ہارون بی اے ہیں جن کے نام سے اگر بی اے علاحدہ کر دیا جائے تو اپنی شناخت ہی کھو بیٹھیں۔ یہ ''بیباک'' کے مدیر ہیں۔ ان کی بیباکی سے بال بھارتی کی درسی کتابیں بھی محفوظ نہ رہ سکیں ان کی حق گوئی اور بیباکی کے قصے سن کر میں کبھی خوفزدہ نہیں ہوا کیونکہ ''آں را کہ حساب پاک از محاسبہ چہ باک''۔ یہ شبیر آصف ہیں جن کی، غالب کی فارسی نعت کا منظوم ترجمہ انقلاب (ممبئی) میں راقم کی نظر سے گذرا تھا۔ اور بہت پسند آیا تھا۔ یہ قلم کے شہزادے سلیم شہزاد ہیں جن کی سنجیدہ نگاری سے میں کافی متاثر ہوں۔ شاعر بھی بہت اچھے ہیں۔ ہندو پاک گیر شہرت کے مالک ہیں۔ نئی اردو شاعری کے پیر مغاں شمس الرحمن فاروقی سے پنجہ لڑا کر انہوں نے کم از کم مجھ پر ثابت

کردیا کہ وہ معمولی فہم و ذکا کے آدمی نہیں ہیں۔ یہ اتحق خضر ہیں، بچوں کے سانتا کلاز۔ یہ بچوں کو طلسمی گھوڑے پر سوار کر کے سیر کروانے والے ایم یوسف انصاری ہیں۔ غرض اس ''فیشن پریڈ'' میں یکے بعد دیگرے سبھوں کو دیکھتا رہا اور ماضی کی گلیوں میں دور تک نکل گیا۔ مجھے یقین ہے اس کتاب کے وہ قارئین جو بیرون مالیگاؤں ہیں اور جنہیں مالیگاؤں سے جذباتی وابستگی ہے وہ فاضل مقالہ نگار کے ضرور شکر گذار ہوں گے کہ انہوں نے ان کے اپنے دوستوں اور شناساؤں سے دید و باز دید کی راہیں کھول دی ہیں۔

یہ تو خیر میرے ذاتی تاثرات ہیں اور ضروری نہیں کہ ہر کوئی اس میں برابر کا شریک ہو۔ لیکن معروضی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو بھی یہ کتاب معیاری ٹھہرتی ہے۔ میں پی ایچ ڈی کے لئے لکھے ہوئے تحقیقی مقالوں کا کئی بار ممتحن رہا ہوں اور اپنی نگرانی میں کئی تحقیقی مقالے لکھوائے بھی ہیں۔ لیکن ان میں مولوی مدن کی سی بات نظر نہیں آتی۔ مجھے یقین ہے کہ فاضل مقالہ نگار نے اس تحقیقی مقالے کی تیاری کے دوران بحیثیت محقق اپنی ''بازدریافت'' ضرور کی ہوگی۔ کیونکہ میں نے محسوس کیا ہے کہ ان میں وہ صلاحیتیں اچھی خاصی موجود ہیں جو ایک تحقیقی اسکالر کے لئے لازمی ہیں۔ بالخصوص ایسے موضوع کے لئے جس پر اس سے پہلے کام نہ ہوا ہو، یہ صلاحیتیں بہت ضروری ہیں۔ اگر ڈاکٹر الیاس صدیقی یہ بھاری ذمہ داری ایک چیلنج کے طور پر قبول نہ کرتے تو میر کا یہ شعر ان پر کیسے صادق آتا؟

سب پہ جس بار نے گرانی کی　　　اس کو یہ ناتواں اٹھالایا

اور مجھ جیسوں کو کیسے علم ہوتا کہ ان کے اندر ایک بڑا محقق چھپا ہوا ہے۔ شیخ سعدی نے گلستان میں ''زبان'' کو صاحب ہنر کے درگنج کی کلید سے تعبیر کرتے ہوئے کہا تھا۔

چو در بستہ باشد، چہ داند کسی　　　کہ جوہر فروش است یا پیلہ ور

(اگر خزانے کا) دروازہ بند رہا تو کون جانے گا کہ وہ گوہر فروش ہے یا بساطی)

ڈاکٹر الیاس صدیقی خوش نصیب ہیں کہ انہیں ڈاکٹر اشفاق انجم جیسا خضر راہ میسر آیا ورنہ کبھی کبھی ذہین طالب علم بھی اپنی آگ میں جل کر خاک ہو جاتا ہے۔

موصوف نے مالیگاؤں میں اردو نثر نگاری کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے۔

دور اوّل (۱۹۱۰ء تا ۱۹۴۰ء)　　دور دوم (۱۹۴۱ء تا ۱۹۶۰ء)　　دور سوم (۱۹۶۱ء تا ۱۹۸۰ء)

دور چہارم (۱۹۸۰ء تا ۲۰۰۰ء) ان ادوار کا مندرجۂ بالا تقسیم کے سلسلے میں جو اصول مقالہ نگار کے پیش نظر رہا وہ انہیں کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

''راقم السطور نے نثر نگاری کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ ایک مخصوص زمانے میں جن نثر نگاروں کی تخلیقات اشاعت پذیر ہوئیں یا منظرِ عام پر آئیں، انہیں اس دور میں شامل کیا گیا ہے۔ اس طرح ۱۹۱۰ء سے لے کر تا حال (مراد تا دمِ تحریر) ''آسانی کے ساتھ'' چار ادوار'' وجود میں آگئے''۔ (واوین راقم السطور کا اضافہ) نیز ہر دور میں شامل نثر نگاروں کا تذکرہ، تاریخ پیدائش کی ترتیب سے کیا گیا ہے۔''

ناچیز کی رائے میں اس طرح ''آسانی کے ساتھ'' چار ادوار'' وجود میں تو آگئے لیکن اس تقسیم کی روشنی میں نثر نگاری کے تدریجی ارتقاء کی کوئی تصویر قاری کے ذہن میں نہیں بنتی۔ یہ تقسیم قدیم تذکرہ نگاروں کی بے اعتبار حروفِ تہجی کی جانے والی ترتیب سے کوئی جداگانہ تاثر نہیں دیتی اور صرف مالیگانوی نثر نگاری کے حوالے کے لئے کام آنیوالی ایک ڈائرکٹری بن کر رہ جاتی ہے۔ پھر مقالہ نگار سے اس اصول کی سختی سے پابندی بھی نہیں ہو پائی ہے۔ مثلاً سلطان سبحانی (پیدائش یکم جون ۱۹۴۲ء) کو دورِ سوم (۱۹۶۱ء تا ۱۹۸۰ء) میں شامل کیا گیا ہے۔ جبکہ افسانوں کا مجموعہ بدن گشت بادبان بقول مقالہ نگار ۱۹۹۰ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ لیکن جناب اسحٰق خضر (پیدائش یکم ستمبر ۱۹۴۱ء) کا پہلا (اور غالباً تا دمِ تحریر آخری مجموعہ) ''پہلی غلطی'' بقول مقالہ نگار ۱۹۸۹ء میں مالیگاؤں سے طبع ہوا، انہیں دورِ چہارم (۱۹۸۰ء تا ۲۰۰۰ء) میں جگہ ملی۔ اسی طرح بشیر احمد انصاری کو جن کی کہانی ''پھول رانی'' ۱۹۸۸ء میں پونا سے شائع ہوئی انہیں دورِ دوم (۱۹۴۱ء تا ۱۹۶۰ء) میں رکھا گیا ہے۔ جبکہ دورِ چہارم میں ان سے زیادہ سینئر لوگوں کو جن کا کوئی نثری مجموعہ بھی شائع نہیں ہوا، مقام ملا ہے۔

بہر حال اس نوع کے تسامحات لائقِ درگذر ہیں۔ طریقۂ تقسیم ہی ایسا ہے کہ کسی مصنف کو دورِ دوم سے ہٹا کر دورِ سوم میں اور دورِ چہارم کے نثر نگار کو دورِ سوم میں رکھئے تو اس طرح ترتیب میں ردوبدل کرنے سے اردو نثر کے ارتقاء کی شبیہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ جس طرح کسی کلاسیکی غزل میں غزل کے اشعار (مطلع اور مقطع کو چھوڑ کر) کی ترتیب بدل دینے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر فاضل مقالہ نگار ادوار کی ترتیب صنف وار کرتے نیز دینی اور علمی نوعیت کی تحریروں کو ادبی اور تخلیقی نثر سے متمائز کرتے تو مالیگاؤں میں اردو نثر نگاری کے نشو و نما کو زیادہ بہتر طور پر سمجھنے میں آسانی ہوتی۔

باب اوّل میں شہر مالیگاؤں کے تاریخی، سیاسی، سماجی، اور لسانی منظر نامے کو بڑے سلیقے اور ہنر مندی سے بیان کیا گیا ہے۔ مالیگاؤں کے محلِ وقوع، اس کی وجہ تسمیہ، سیاسی تاریخ بالخصوص آزادی کی جدو جہد میں یہاں کے مہاجر باشندوں کی قربانیاں، جس کا سلسلہ پہلی جنگ آزادی

(۱۸۵۷ء) ہی سے شروع ہوتا ہے۔ مختلف سیاسی (تحریکِ خلافت) اور ادبی (ترقی پسند تحریک) تحریکوں کے حوالے سے اس شہر کی سیاسی اور ادبی تاریخ، شہر کی آبادکاری اور اس کی وجوہات، خاندیش اور اتر پردیش سے ہجرت کر کے یہیں مستقل طور پر بس جانے والے لسانی گروہ اور ان کی بولیاں یعنی مراٹھی آمیز دکنی اور اتر پردیش کے مشرقی اضلاع کے دیہاتوں میں بولی جانے والی مشرقی ہندی (جو موٹی تقسیم کے حساب سے پوربی کہلاتی ہے) اور ان کے میل جول سے پیدا ہونے والا مشترکہ لہجہ نیز شمالی ہند کی ادبی اردو کی درآمد، یہ ساری باتیں، سارے مرحلے اور پہلو کفایتِ الفاظ کے ساتھ اور مختلف النوع تصانیف کے حوالوں کی روشنی میں اس سلیقے سے بیان کئے گئے ہیں کہ سارا منظر نگاہوں کے سامنے گھوم جاتا ہے۔

باب دوّم میں شہر مالیگاؤں میں اردو نثر نگاری کی صبح کاذب کا بیان ہے جس میں مالیگاؤں کے اولین صاحب دیوان شاعر عبدالکریم وادا میاں عطاؔ کا دھندلا چہرہ نظروں کے سامنے آتا ہے جنھوں نے دیوانِ عطا کا دیباچہ اردو میں لکھا تھا۔ اس کا نمونہ بھی پیش کر دیا گیا ہے۔ لیکن انہیں اولین نثر نگار نہیں گردانا گیا۔ شمالی ہند میں اردو نثر کے آغاز کے سلسلے میں کچھ ایسی ہی صورتِ حال پیش آئی تھی۔ مرزا سوداؔ نے اپنے اردو دیوان کا دیباچہ اردو ہی میں لکھا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب نظم کے لئے اردو کا اور نثر کے لئے فارسی کا استعمال ہوتا تھا۔ لیکن چونکہ سودا کی یہ کوشش ایک تسلسل کی شکل اختیار نہ کر سکی اور صرف ان کی انفرادی اپج بن کر رہ گئی۔ اسلئے سودا کو بالاتفاق اردو کا اولین نثر نگار قرار نہیں دیا گیا۔ فاضل مقالہ نگار نے مولانا عبداللہ الاعظمی کو ان کے تحریر کردہ ایک رسالے کی بنیاد پر "صرف تاریخی اعتبار سے" اردو کا پہلا نثر نگار قرار دیا ہے اور بجا طور پر مولانا عبدالمجید وحیدؔ کے سر مالیگاؤں میں اردو کے اولین نثر نگار ہونے کا سہرا باندھا ہے۔ یہ مقالہ نگار کی تنقیدی بصیرت اور اصابت رائے پر دال ہے۔ اسطرح مالیگاؤں میں اردو نثر کی صبح صادق مولانا عبدالمجید وحیدؔ کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔ مقالہ نگار نے ان کی متعدد تصانیف و تراجم میں سے صرف نور المجالس سے ایک مختصر سا اقتباس پیش کیا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر مقالہ نگار مولانائے موصوف کی تصنیف تاریخ شہر مالیگاؤں سے مناسب اقتباسات درج کرنے کے بعد اپنا یہ تبصرہ پیش کرتے۔

"شہر کے بیان میں پیرایۂ اظہار ایسا دلکش ہے کہ معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی گائیڈ سیاحوں کا ہاتھ پکڑے، ایک ایک گلی، کوچے، بازار اور چوراہے کی سیر کرا رہا ہو......... راقم کے خیال میں مولانا وحیدؔ اور کچھ نہ لکھتے تو یہی ایک کتاب ان کے نام کو بقائے دوام عطا کرنے کے لئے کافی تھی۔"

فاضل مقالہ نگار نے یہ بھی لکھا ہے۔ "مولانا نے ترجمے میں اپنے عہد کی روایت یعنی

لفظی ترجمے سے کام لیا ہے۔ جس سے نہ صرف یہ کہ غلطیاں در آئی ہیں بلکہ بیان میں سقم بھی پیدا ہوگیا ہے۔ ''اس رائے کی تائید میں'' سراج مجید عرف نورالمجالس'' سے صرف یہ اقتباس پیش کیا گیا ہے۔ ''اور ہم ناجائز چیزوں سے اپنے دل کو سمیٹ لئے ہیں اور ایسی دنیا کی لذتوں سے برطرف ہوگئے ہیں۔ پھر اس نے کہا کہ اچھا جس تہمت کے باعث لوگ تجھے گرفتار کئے تھے اس سے تجھ کو امان دیا اور اس بہتان سے تجھے رستگاری دے کے امن بخشا۔''

اس اقتباس میں بیان میں کہیں سقم نہیں۔ اس کی روشنی میں صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک مالیگانوی اردو میں ضمیر فاعلی ''نے'' کے استعمال کا چلن عام نہیں ہوا تھا۔ جو موجودہ دکنی بول چال کی خصوصیت ہے (قدیم شمالی اردو میں بھی ''نے'' کے استعمال میں استقرار بعد میں آیا) مثلاً ....

''ہم ناجائز چیزوں سے اپنے دل کو سمیٹ لئے ہیں'' بجائے
ہم نے .... سمیٹ لیا ہے۔
''جس تہمت کے باعث لوگ تجھے گرفتار کئے تھے'' بجائے
لوگوں نے تجھے گرفتار کیا تھا۔
''اس سے میں تجھ کو امان دیا'' بجائے
میں نے تجھ کو امان دی۔

یہ بیان کا سقم نہیں بلکہ دکنی نثر کی قواعدی خصوصیت ہے۔ جس کے اثرات اس وقت غالباً مالیگانوی اردو سے زائل نہیں ہوئے تھے۔ مولانا عبدالمجید کے زمانۂ تصانیف کی مشکلات کے بارے میں مقالہ نگار نے بالکل صحیح کہا ہے۔

''.........یہ بات کم حیرت انگیز نہیں کہ انہوں نے ایک ایسے زمانے میں اٹھارہ (۱۸) کتابیں تصنیف و تالیف کیں جب شہر بجلی کی روشنی سے محروم تھا، طباعت کی آسانیاں میسر نہ تھیں، سفر دشوار گذار تھا اور ڈاک کا نظام اس قدر ترقی یافتہ نہ تھا۔ مالیگاؤں میں نثر نگاری کا یہ بچپن اپنی جوانی سے زیادہ پر بہار اور پختہ کار تھا۔''

ہمیں یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رکھنی چاہئے کہ تاریخ شہر مالیگاؤں کو چھوڑ کر مولانا کی نثری تصانیف کا موضوع تبلیغ دین تھا۔ تاریخ شہر مالیگاؤں کا موضوع بھی تاریخ ہے۔ ان نثری کاوشوں کو

''ادبی نثر'' سے متمائز رکھنا بھی ضروری ہے۔ مقالہ نگار نے منشی محمد عمر کے بارے میں لکھا ہے۔

''(ان کے) صرف دو مضامین ''خدا کی بارگاہ'' مطبوعہ ۱۹۳۶ء اور ''جواہر ریزے'' تحریر کردہ رسالہ ادب قلمی میں اور ایک مضمون ''مفلسی'' (مشمولہ گلدستۂ معیارِ سخن، مالیگاؤں ۱۹۲۷ء) نیز ''عالمِ شباب'' افتخارِ سخن مالیگاؤں میں شائع ہوا.........''

مزید لکھا ہے۔

''اول الذکر دو مضامین میں تو منشی اثر کی دینی فکر حاوی ہے لیکن باقی دو مضامین انشائیے کے زمرے میں آتے ہیں۔ خصوصاً ''مفلسی'' ان کا قابلِ قدر مضمون ہے.....مزید مضامین کا پتہ نہیں چلتا۔''

اگر مقالہ نگار ''مفلسی'' اور ''عالمِ شباب'' سے کچھ اقتباسات پیش کرتے تو ان کی روشنی میں منشی صاحب کے انشائیوں کی ادبی قدر و قیمت کا تعین بھی ہو جاتا اور قارئین کو یہ فیصلہ کرنے میں آسانی بھی ہوتی کہ مالیگاؤں میں منشی محمد عمر اثر اولین ادبی نثر نگار کہلانے کے مستحق ہیں یا نہیں۔

بہر حال ڈاکٹر الیاس صدیقی نے یہ گرانقدر مقالہ لکھ کر نہ صرف اپنے اندر چھپے ہوئے محقق کو تلاش کر لیا ہے بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ شہر مالیگاؤں کی مٹی صرف شاعری کی حد تک زرخیز نہیں ہے بلکہ اس مردم خیز شہر میں ایسے ایسے نثر نگار بھی موجود ہیں جو تاریخ ادب و روزگار میں مستقل جگہ پانے کے مستحق ہیں۔

امید ہے کہ آئندہ بھی ڈاکٹر موصوف اپنا تحقیقی اور تخلیقی سفر جاری رکھیں گے۔

اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے

ڈاکٹر عصمت جاوید
اورنگ آباد
۱۳/ جولائی ۲۰۰۰ء

تجدیدی کارنامہ

از : مولانا محمد حنیف ملّی مرحوم

مشہور و معروف ادیب وصحافی مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ اتنا پڑھو، اتنا پڑھو کہ ابلنے لگے، پھر کسی موضوع پر لکھنے کے لئے قلم سنبھالو۔ رشید احمد صدیقی اپنے بعض مکاتیب میں رقم طراز ہیں کہ مطالعہ میں سیر چشمی اور سیرابی کے بغیر کسی موضوع پر لکھنا شریعت سخن میں جائز نہیں ہے۔ جالب لکھنوی اور عبدالحلیم شرر بھی فرماتے ہیں کہ تصنیف وتالیف اور ریسرچ وتحقیق کا تخلیق طلب کام غیر معمولی وسعتِ مطالعہ کا طالب ہے۔ تیج بہادر سنہا اور پنڈت آنند نارائن ملا کے افکار بھی ملاحظہ فرمائیں۔

"اسے قلم سنبھالنے کا حق نہیں جو روحِ مطالعہ سے بے خبر ہو۔"

اس مختصر سی اصولی تمہید کے بعد یہ عرض ہے کہ برادرم محمد الیاس صدیقی نے مالیگاؤں کے نثر نگاروں پر ریسرچ کا حق ادا کردیا ہے۔ انہوں نے اپنے اس مقالے کے ذریعے اردو کی انمول اور مثالی خدمت انجام دی ہے۔ ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے جذبے سے سرشار ہوکر موصوف نے مالیگاؤں کے تمام نثر نگاروں کے حالات یکجا کر کے تجدیدی کارنامہ انجام دیا ہے اور آنے والی نسلوں کو اپنے ان بزرگوں سے بھی روشناس کرایا ہے جن کی نثری خدمات پر دبیز پردہ پڑا ہوا تھا۔ موصوف نے اس اہم کام کی تکمیل کے لئے ممبئی، ناگپور، حیدرآباد اور مالیگاؤں کی لائبریریوں میں کرم خوردہ کتابوں اور رسالوں کی ورق گردانی کی نیز بہت ساری کتابیں خرید کر تحقیق کے کام کو انجام تک پہنچایا۔ اس پر مزید حسن ترتیب، اسلوب نگارش، براعت فن، جملوں کی بوقلمونی، الفاظ کی مینا کاری اور تحقیق کی سرحدوں تک پہنچ کر انہوں نے جو درفشانی کی ہے اس سے مقالے کی شان دوبالا ہوگئی ہے۔ میں نے پورے مقالے کو اہتمام سے دیکھا اور جو پایا اس کا تذکرہ کررہا ہوں۔ اس میں نہ مبالغہ آمیزی ہے اور نہ شاعری بلکہ حقیقت ہے۔ تھوڑے سے تصرف کے ساتھ اور روحِ اقبال سے معذرت چاہتے ہوئے عرض ہے۔

حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی　　　خدا کرے کہ یہ کاوش تری رہے محفوظ

فاضل مقالہ نگار نے جن کھوئی ہوئی شخصیتوں کی جستجو میں قلم کو حرکت دی ہے ان میں مولانا عبداللہ اعظمی، مولانا محمد تقی، مولانا عبدالمجید وحید، مولانا محمد یوسف عزیز، مولانا عبدالحمید نعمانی، مولانا محمد عثمان

صاحب، مولانا دین محمد، محمد صدیق مسلم، قاری محمد حسین وغیرہ قابل ذکر ہیں جن کی زندگی کے بہت سے مخفی گوشوں سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ ان بزرگوں کی حیات اور کارناموں سے نئی نسل تقریباً نابلد ہے۔ علاوہ ازیں موصوف نے مالیگاؤں سے مختلف دور میں شائع ہونے والے جرائد اور رسائل کا بھی تعارفی احاطہ کیا ہے۔ یہ کام دراصل بڑی پتہ ماری کا ہوتا ہے۔ جسے حکومت کی سرپرستی میں کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی جیسے ادارے ہی کر سکتے ہیں۔ صدیقی صاحب نے اسے بھی سہل کر دیا ہے۔ خدا ان کو اس کی جزا عطا فرمائے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو جتنا بڑا افاضل ہوتا ہے تطہیر و تہذیب کا کام بھی بڑے پیمانے پر کرتا ہے جس کی وجہ سے بعض اہم اور تاریخی گوشے صیغۂ راز میں رہ جاتے ہیں، جو تاریخی خیانت بھی ہے اور حق تلفی بھی لیکن صدیقی صاحب نے یہ اصول بنایا ہے کہ غیر معروف اور گوشۂ گمنامی میں زندگی گذارنے والے نثر نگار بھی تاریخ اور سوانحی سلسلے کی اہم کڑی ہوتے ہیں۔ کسی کو معمولی سمجھ کر چشم پوشی نہیں کرنی چاہئے۔

دیکھ چھوٹوں کو ہے اللہ بڑائی دیتا
آسماں آنکھ کے تل میں ہے دکھائی دیتا

صدیقی صاحب نے اپنے مقالہ میں اس کا جو اہتمام کیا ہے وہ قابل تحسین و آفرین ہے۔ مخطوطات اور مصنفین کی طبع شدہ تصنیفات کا تعارف بھی بہت خوب ہے۔ اخیر میں ان سبھوں کو یکجا کر کے قاری کو بڑی آسانیاں مہیا کر دی ہیں۔ غرض اس طرح کے کام کیلئے وہ شہر کی موزوں ترین شخصیت ہیں۔ وہ ادب اور سربراہان سخن کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ میں ان کی اس کاوش پر خصوصی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

دامنِ شب زندہ دار

سلطان سبحانی

اگر میں کوئی ایسا جملہ تحریر کروں

"ایک شب زندہ دار نے جب اپنا دامن جھٹکا تو زمین پر کہکشاں بکھر گئی۔"

تو ممکن ہے اس جملے پر سب چونک کر کسی گہری سوچ میں کھو جائیں لیکن شاعر جب کہتا ہے "دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں" تو یہ بات فوراً اثر انداز ہوتی ہے اور بے ساختہ صدائے تحسین بلند ہو جاتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نثر اسرار و رمزیت اور مشکل پسندی میں شاعری سے ایک قدم آگے بھی چل سکتی ہے اور فکر و تحسین کے پھول چننے کی دعوت بھی دے سکتی ہے۔ یہ کرشمہ سازی دراصل اندازِ بیاں کی ہے اور نثر اتنی آزاد و خود بیں ہے کہ شعریت کو بھی اپنے تابع میں کر کے اسے بھی ششدر کر سکتی ہے۔

الیاس صدیقی کی نثر پر جس وقت میری نگاہ پڑی اور میں اس سے متعارف ہوا تو مجھے ایسا لگا کہ جیسے اس شب زندہ دار کا دامن میرے ہاتھ میں آ گیا ہو جی چاہا کہ کیوں نہ میں اسے تھوڑا سا جھٹک دوں۔

الیاس صدیقی کی نثری تحریریں الگ الگ انداز میں جلوہ نما ہو کر تاثرات کے مختلف دریچے وا کرتی ہیں۔ کہیں ایسا لگتا ہے کہ ندی بہت گہری ہے کہیں لگتا ہے کہ قوسِ قزح کھلکھلا کر ہنس رہی ہے اور کہیں کہیں تو برق چمک اٹھتی ہے۔ وہ نثر کی کئی سیڑھیاں بیک وقت طے کر رہے ہیں۔ افسانہ، انشائیہ، خاکہ، طنز و مزاح، تاریخ، تحقیق۔ ایسا لگتا ہے کہ نثر کی شش جہات میں سرگرم سفر ہیں۔ اگرچہ وہ شاعری کے طلسم خانے میں بھی جھانک لیتے ہیں لیکن اسکے سحر سے خود کو محفوظ رکھتے ہیں۔ شاعری اس گمنام پری کا نام ہے جس کے ہاتھوں میں جادو کی چھڑی ہر وقت موجود رہتی ہے اور جو اس چھڑی کے ذریعے جادو کر کے سب کو اپنی جلوہ گاہ میں کھینچ لیتی ہے۔ لیکن یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ جو نثر کے شش جہات میں گھوم رہا ہو وہ خود شاعری پر بھی جادو کر سکتا ہے۔

الیاس صدیقی کی نثر تازگی، شگفتگی، سنجیدگی اور تجسس کے نقطۂ اتصال پر پہنچ کر ایک ایسا اسلوب اختیار کرتی ہے جسے دیکھنے کے بعد وہ شعر یاد آ جاتا ہے۔

کیا خوب دلنواز تری جامہ زیبیاں　　جو رنگ تو نے پہنا وہی رنگ کھل گیا

ان کی نگارش مختلف مزاجوں کو اپنے حصار میں لیکر سمندر کے مدو جذر کی کیفیات میں آگے بڑھتی ہے۔ جہاں دھندلکا ہوتا ہے وہاں شعاع انداز ہو جاتی ہے اور جہاں تیز روشنی کی یورش ہوتی ہے وہاں علامت اور استعارے کے پردے کھینچ کر منظر کو دھندلا دیتی ہے۔ طرز نگارش کا یہ اتار چڑھاؤ ایک لمبی ریاضت کے بعد ہی جلوہ گر ہوتا ہے۔ میری دانست میں نثر بھی اپنا مناسب ٹریٹمینٹ چاہتی ہے اور میں اردو نثر اُسے سمجھتا ہوں جسے دیکھنے کے بعد اردو زبان کی قدو قامت کا اندازہ ہو سکے۔ ہم جانتے ہیں کہ نثر کی بہت ساری قسمیں ہیں۔ وہ بھی نثر ہی ہے جو مکتوب میں ہے۔ ''میں بفضل خدا ٹھیک ہوں آپ کی خیر و عافیت خداوند کریم سے نیک چاہتا ہوں۔'' اور وہ بھی نثر ہے جو اخبارات میں نظر آتی ہے ''دریائے جمنا کی سطح خطرے کے نشان سے تجاوز کر گئی۔'' وہ بھی نثر ہی ہے جو درسی کتابوں میں ہے۔ ''اردو کے داستانی ادب میں میر امّن کا نام سر فہرست آتا ہے۔ ان کا اصلی نام میر امان اور تخلص امّن تھا۔''

لیکن ایک نثر وہ بھی ہے جو تخلیقی ہوتی ہے اور مفاہیم کے نئے جہان میں سفر کرتی ہے۔ جو اشارے، کنایے، علامت، استعارے اور تمثیلات کے پیراہن میں ایک اسرار کی طرح نمودار ہوتی ہے اس کی زیریں رو میں معنی کا طلسم محوِ خواب ہوتا ہے جو ذرا سے لمس سے رباب کے تار کی طرح جھنجھنا اٹھتا ہے۔ اس نثر کو شاعری آئینہ نہیں دکھا سکتی۔ خود چیخ جائے گی۔ یہ الگ بات ہے کہ اس نثر کے لکھنے والے بہت کم ہیں اور پڑھنے والے اور بھی کم۔ لیکن ان باتوں کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ میں شاعری کی تردید یا تنقیح کر رہا ہوں اور نہ ہی میرا منشا نثر و شاعری کے درمیان کسی مقاومت کا ہے بلکہ میں ظاہر کر رہا ہوں کہ نثر بحور و اوزان اور ردیف و قافیے کی قید سے آزاد ہونے کے سبب خود کو اظہار کا بہترین ذریعہ ثابت کرنے میں کامیاب ہے اور غالباً اسی وسیع تناظر میں نثری شاعری کے امکانات روشن ہوئے ہیں۔ آجکل کچھ ادیب و نقاد مختلف لغات سامنے رکھ کر اپنی تحریر کو بھاری بھرکم، مشکل اور ثقیل الفاظ سے بدصورت دولہن کی طرح آراستہ کرتے ہیں۔ ان کی تحریر غیر فطری ہے۔ اس قسم کی تحریریں قارئین پر کھوکھلا رعب جمانے کی کوشش تو کرتی ہیں لیکن اپنے خالق کے عدم شعور کا اعلامیہ ہیں۔ یہ نثر نہیں بلکہ نثر کا ملغوبہ ہے۔ یہ صحیح ہے تنقید کی زبان کی ادا الگ ہوتی ہے لیکن جس تحریر میں الفاظ اندھوں کی طرح بھٹکنے لگ جائیں اور جملوں کا اور تجھور غائب ہو جائے وہاں تنقید کا تصور بھی مفلوج ہو جاتا ہے۔

تنقید کی سطح پر الیاس صدیقی کی تحریر بہت محتاط سفر کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ رواں دواں شائستہ جملے، انداز بیاں سنجیدہ، جس میں داستانی اور اساطیری طرز ادا کی جھلکیاں، تراکیب کی حسن

کاریاں، تلمیحات کی نورافشانیاں ایک سبک پرواز نثر کی صورت گری میں محو دکھائی دیتی ہیں۔ اپنے تحقیقی مقالہ ''مالیگاؤں میں اردو نثر نگاری'' میں ایک جگہ انہوں نے لکھا ہے۔

''بیسویں صدی کی پہلی دہائی کی طویل رات گل و بلبل کے افسانوں اور عشق و محبت کے ترانوں میں بسر ہوگئی۔ شاعری کے دنگل ہوتے رہے۔ مرثیوں کے مقابلے ہوتے رہے۔ بدیہہ گوئی کے کمالات دکھائے جاتے رہے۔ شعری محفلوں میں چشمکیں چلتی رہیں لیکن کسی کو نثر نگاری کا خیال نہیں آیا۔''

پھر آگے اصلاح معاشرہ وغیرہ کے تعلق سے انہوں نے لکھا ہے ۔

''وہ اگر چاہتے تو اصلاح کیلئے نثر کا استعمال بھی کر سکتے تھے۔ مگر افسوس ایسا نہ ہوسکا اور ایک مدت تک سحر شاعری انکے ذہنوں پر سحر سامری کی طرح چھایا رہا اور نثری ادب اپنے موسیٰ کا انتظار کرتا رہا۔'' ان کی تنقیدی تحریروں میں انشاپردازی بھی از خود در آتی ہے اور تمثیل کے ذریعے کسی نقطۂ نظر کی صراحت کرتی ہے۔ ''مومن انصاری برادری کی تہذیبی تاریخ'' پر انہوں نے اپنے مقالے کا آغاز یوں کیا ہے۔

''تاریخ کی حیثیت ایک سرچ لائٹ کی ہوتی ہے جو وقت کی تاریکی کا سینہ چیر کر حالات وواقعات کو پیرہن نور عطا کرتی ہے۔''

مندرجہ بالا اقتباسات ان کی تحریروں کے طرز ادا کا مکمل طور پر احاطہ کرتے ہیں ان میں جارحیت کا ذرا سا بھی شائبہ نہیں ہے بلکہ ایک مہذب اور شائستہ انداز زیر تحریر موضوع کا محاصرہ کررہا ہے۔ عصمت چغتائی نے کرشن چندر کی نثر کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا تھا۔ ''کرشن چندر کسی کو جوتا بھی مارتا ہے تو شاعری میں لپیٹ کر۔'' یعنی کرشن چندر طنز، اعتراض یا احتجاج میں بھی حسن و سلیقہ کو اولیت دیتے تھے۔ یہ ان کا فنکارانہ اور ظریفانہ مزاج تھا۔ نثر کے تعلق سے خود انہوں نے مدیر ماہنامہ ''آجکل'' کو اپنے خط میں لکھا تھا۔

''وہ نثر ہی کیا جس میں ظرافت نہ ہو۔''

ظرافت کی حمایت میں کرشن چندر کا یہ جملہ نثر کے پھولوں سے بھرے ہوئے دامن میں ایک پھول اور گراتا ہے۔ ظرافت نگاری ہر ایک کے بس کا کام نہیں ہے۔ یہ ایک مشکل فن ہے۔ یہ غالب کا جگر ہے کہ غزل اور خطوط کے پیانوں میں انہوں نے نہایت سادگی، دوراندیشی اور حکمت سے ظرافت کو بھی اتار دیا اور غزل کی پیشانی پر ذرا بھی شکن نہیں آیا بلکہ اس کا مزاج اور نکھر سنور گیا۔ ان چند سطور میں تذکرہ چونکہ ظرافت کا آگیا ہے تو مجھے اپنی نگاہیں الیاس صدیقی کی طرف منعطف کرنا پڑ رہی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ ان کے اندر کوئی ظریف شخص بھی چھپا ہوا ہے جو تبسم کے گلزار میں طنز کی بجلیاں اس طرح چمکاتا

ہے کہ گلزار سے ذرا بھی دھواں نہیں اٹھتا بلکہ سارا منظر گلزار خنداں ہو جاتا ہے۔ شاید اعجاز تحریر اسی کو کہتے ہیں۔

الیاس صدیقی کا محبوب موضوع خاکہ نگاری محسوس ہوتا ہے۔ اتنی مشکل اور جاں سوز شے کو جانِ جہاں بنانا بڑی جاں بازی یعنی خود کو نشانہ پر رکھ دینے کی کوشش ہے۔ یہ وہ فن ہے کہ قلم کی ہلکی سے لغزش قلم کار کو ہی زمین پر پھینک دیتی ہے۔ کسی زمانے میں خاکہ نگاری عروج پر تھی لیکن ادب میں جدیدیت کے در آنے کے بعد اس کا چلن رک سا گیا اور سب اپنی اپنی سوانح اور سیاحت نگاریوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ان حالات میں خاکہ نگار بس چند ہی رہ گئے۔ خاکہ نگاری انشا پردازی طنز و مزاح اور متوازی تحریری سفر کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ کسی شخصیت کو اپنے اختراعی فریم میں پیش کرنا کسی شخصیت کا لفظی اسکیچ یا قلمی پورٹریٹ تیار کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ مثال کے طور پر دیوندر ستیارتھی کی شخصیت کو پیش کر رہا ہوں کہ وہ دیش دیش گھوم کر گیت جمع کرتے تھے۔ ان کے بدن پر ایک لمبا کھلا ہوا اوورکوٹ رہتا تھا۔ کاندھے سے ایک طرف جھولا لٹکا ہوا ہوتا اور دوسری طرف کیمرہ اور چہرے پر لمبی سی داڑھی۔ ان کے قلمی اسکیچ کا آغاز اپندر ناتھ اشک نے اس طرح کیا تھا۔

"لمبا کھلا اوورکوٹ + داڑھی + کیمرہ + جھولا = دیوندر ستیارتھی"

الیاس صدیقی اپنے خاکوں میں شخصیت کے ذاتی پہلوؤں میں بھی اس انداز سے دندناتے ہوئے اتر جاتے ہیں کہ نہ تو شخصیت مجروح ہوتی ہے نہ وہ خود۔ اصغر جمیل ناگپوری کے خاکے "اصغر نما" میں انہوں نے اصغر صاحب کے "شوہر" تخلص اختیار کر لینے کے تعلق سے لکھا ہے۔

"ابھی ان کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی کہ وہ شوہر ہو گئے۔"

آگے ان کی شریکِ حیات کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"وہ انہیں بآسانی شوہر صاحب کہہ کر پکار سکتی تھیں لیکن پریشان تو وہ بی بی تھی جن کی شادی "ابا" تخلص رکھنے والے ایک شاعر سے ہوئی تھی۔"

ان سطروں پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں کسی شخصیت کا کوئی تضحیک آمیز پہلو نہیں نکلتا اور نہ ہی کوئی بھونڈا پن محسوس ہوتا ہے۔ "ظہیر قدسی کا خوردبینی جائزہ" میں وہ ان کے قہقہوں کے اتار چڑھاؤ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"قہقہے کی ابتدا ہوتے ہی شانے، بدن، پیر اور سر سب حرکت میں آجاتے ہیں لیکن قہقہے کے اختتام تک پہنچتے پہنچتے ہر چیز اپنی اصل حالت میں واپس آجاتی ہے۔ جیسے کسی جاپانی کھلونے کی چابی ختم ہو گئی۔"

آگے لکھتے ہیں۔

میں نے کئی بار سوچا کہ ظہیر سے کہہ دوں کہ شانوں کے جھٹکوں کی وجہ سے ان پر موجود فرشتے اچھل کود کا شکار ہو جاتے ہوں گے۔" اس خاکہ کا اختتام وہ یوں کرتے ہیں۔

''زیرِ نظر مضمون کے متعلق جب میں نے کہا۔ ''ظہیر میں نے تمہارا قلمی پورٹریٹ تیار کیا ہے چل کر سن لو'' کہنے لگے۔'' نماز پڑھ کر آتا ہوں'' میں آج تک حیران ہوں کہ اپنے بارے میں مضمون کی بات سن کر نماز کا وقت نہ ہوتے ہوئے بھی وہ نماز پڑھنے کیوں چلے گئے؟ خدا جانے یہ نماز استغفار تھی یا نمازِ شکرانہ'' ....

یہ اقتباسات الیاس صدیقی کی خاکہ نگاری کی قدر و قیمت متعین کرنے کے لئے کافی ہیں۔ چونکہ انشاپردازی ان کی فکری پرواز میں رچی بسی ہوئی ہے۔ اسلئے انشائیہ بھی ان کی دسترس میں ہے۔ انہوں نے اپنے انشائیہ ''گالی'' میں گالیوں کو دنیا سے الگ نقطۂ نظر سے دیکھ کر ان کے حسن و جمال، معیار اور افادی پہلو دریافت کئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

''گالیوں کا بڑا احسان ہے کہ مخالفین کو دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع فراہم کرتی ہیں۔''

آگے گالیوں کو پس منظر میں رکھ کر تحریر کرتے ہیں۔

''دنیا کی بڑی طاقتوں کی چوٹی کانفرنسیں اور سربراہان مملکت کی تنہائی میں ملاقاتوں کا سبب اب جا کر سمجھ میں آیا اور یہ بھی سمجھا کہ تیسری عالمی جنگ اب تک کیوں ٹلتی رہی ہے۔''

الیاس صدیقی کی نثری تحریریں اگر ایک سمت افسانہ نگاری، انشائیہ نگاری، خاکہ نگاری اور تاریخ نگاری کے ذریعے اپنی پہچان مقرر کر رہی ہیں تو اس نگارستان سے ذرا فاصلہ پر کالم نگاری کی سخت آزمائشوں سے بھی اپنی پختگی اور سلامت روی کا اعتراف کراتی ہیں۔ انکے کالم نویسی کے فن میں بھی وہی اندازِ بیان کی دلکشی، تشبیہ و استعارے کی حسن آرائی اور تلمیحات و تمثیلات کی سحر انگیزی موجود ہے جو انہیں دیگر کالم نویسوں سے ممیز کرتی ہے۔ انہوں نے اپنے ان صحافتی مضامین میں ادب کی چاشنی اس طرح گھول دی ہے کہ تحریر کا ذائقہ ناقابلِ فراموش بن گیا ہے۔ مالیگاؤں کے مشہور اخبار ''شاہنامہ'' میں انہوں نے اپنے مخصوص عنوان ''جاگ مرے شہر'' کے ذریعہ مالیگاؤں کی سیاسی، سماجی، معاشرتی، ادبی، تہذیبی، مذہبی اور تعلیمی سرگرمیوں کے گرد خطِ حصار کھینچ کر شہر کے ان تمام مسائل کا جائزہ بھی لیا ہے اور رہنمائی بھی کی ہے۔ ان کے ان تمام مضامین کے بین السطور میں سماج کی فلاح اور اصلاحی نقطۂ نظر کارفرما رہا ہے۔

انہوں نے "جاگ مرے شہر" کے مختلف ذیلی عنوانات کے تحت ہر قسط میں ایک الگ موضوع کو نہایت حقیقت کیساتھ پیش کیا ہے۔ مری دانست میں، اس سیریز کے تمام مضامین حقیقت نگاری اور صحافیانہ ہوشمندی کی بہترین مثال ہیں۔ اس بارے میں طوالتِ مضمون کے پیشِ نظر صرف ایک اقتباس مثالاً حاضر کررہا ہوں۔

"ہم سے اگر کوئی پوچھے کہ تم محاذ جنگ پر جانا پسند کروگے یا مالیگاؤں میں کسی شادی کی دعوت میں؟ تو ہم بلا جھجک محاذِ جنگ پر جانے کو ترجیح دیں گے۔ جنگ میں زیادہ سے زیادہ ایک بار مرنا پڑتا ہے۔ شادی کی دعوت میں جب جب جماعت اٹھتی ہے ہم زندہ ہوتے ہیں لیکن جگہ نہیں ملتی۔"

(دعوت کے سلسلے میں چند مشورے)

مندرجہ بالا عنوان اور اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مالیگاؤں کی تنگ گلیوں میں ہونے والی دعوتوں کا کیا اہتمام ہے؟ کیا حسن انتظام ہے کہ پے درپے جماعتیں اٹھنے کے بعد بھی جگہ ملنے کی "کوئی صورت نظر نہیں آتی۔" "جاگ مرے شہر" واقعی خوابِ غفلت سے جھنجھوڑنے اور تہذیب کے دروازے کھولنے کا ایک پرخلوص عمل ہے۔ مالیگاؤں کے سرد وگرم حالات پر الیاس صدیقی کے ۲۵۸ر مضامین ان کے قلم کی برق رفتاری اور منفرد شعورِ صحافت کے آئینہ دار ہیں۔ "برقعہ کی کہانی"۔ "ہم واپس جارہے ہیں"۔ "اپاہج کون ہے؟" "نوکری میں کیا رکھا ہے"۔ "رہنمائے اتی کرمن"۔ "چوہے، کاجو اور کشمکش"۔ "پھر غریبوں پہ ٹوٹی قیامت" اور "شیخ احمد کا وصیت نامہ" وغیرہ نہایت اہم اور فکر انگیز مضامین ہیں اور ان کے مطالعے سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ الیاس صدیقی نثر نگاری کے علاوہ ایک اہم سماجی کردار بھی ادا کررہے ہیں اور انکے یہ سارے مضامین ایک صحافتی کارنامے کی سطح پر ایستادہ ہیں۔ اس مثالی کارنامے کے سامنے ایک اور کارنامہ بھی ہے جو ایک تاریخ کی شکل میں ہمیشہ روشن رہے گا۔ "مالیگاؤں میں اردو نثر نگاری"

لہٰذا ان کارناموں پر الیاس صدیقی کی ہزاروں راتوں کی محنتوں کو سامنے رکھتے ہوئے میں آخر میں پھر وہی جملہ تحریر کررہا ہوں۔

ایک شب زندہ دار نے جب اپنا دامن جھٹکا تو زمین پر کہکشاں بکھر گئی۔

الیاس صدیقی ، ہمہ جہت شخصیت

ڈاکٹر اشفاق انجم

الیاس صدیقی کا میدان عمل بہت وسیع ہے۔ وہ بیک زماں سیاست داں بھی ہیں، مدرس بھی، وکالت کی اعلیٰ سند (L.L.M.) کے ساتھ موسیقی کی اسناد بھی رکھتے ہیں۔ خاندان کے سرپرست کی حیثیت سے تمام ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے نبھا رہے ہیں۔ زیراکس اور ایس ٹی ڈی کے کئی مراکز قائم کر رکھے ہیں۔ ان تمام شعبہ جات حیات کی الجھنوں میں شعر و ادب مستزاد......

اتنے خانوں میں بٹے ہوئے انسان کی مصروفیات کا بیک نظر اندازہ ہو جاتا ہے اور ایسے ہمہ جہت شخص کی ہر شعبے میں کامیابی مشکوک ہو جاتی ہے۔ لیکن الیاس صدیقی بہت ذہین اور ہوشیار انسان ہیں، انہوں نے .L.L.M کی سند تو حاصل کر لی لیکن وکالت نہیں کرتے، اکثر اپنا کلام ترنم سے پڑھتے ہیں۔ فن مو سیقی سے از حد دلچسپی رکھتے ہیں لیکن کبھی اس شوق کو خود پر حاوی نہیں ہونے دیا۔ الیکشن کے زمانے میں میدان سیاست میں عملی طور پر سرگرم نظر آتے ہیں اسکے بعد آئندہ الیکشن تک سیاست سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں لیکن شعر و ادب کو گلے کا ہار کر رکھا ہے۔ گیت، غزل، نظم ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں اور واقعہ ہے کہ اکثر بہت اچھا کہتے ہیں نئی نسل کے ممتاز شعراء میں شمار ہوتے ہیں۔ جب نثر کی طرف متوجہ ہوئے تو اچھا خاصہ سرمایہ اکٹھا کر لیا۔

کئی برس قبل مقامی اخبار ''شاہنامہ'' میں ''جاگ میرے شہر'' کے مستقل عنوان سے دو سو سے زائد مضامین قلم بند کر ڈالے جوان کے تحقیقی کام میں بڑی حد تک حارج ہوئے لیکن جب اس طرف رجوع ہوئے تو تمام کاموں کو بالائے طاق رکھ دیا اور حق تو یہ ہے کہ اس ضمن میں ہر ممکن سعی و کوشش کی اور ایک وقیع مقالہ قلم بند کیا جس پر پونہ یونیورسٹی نے انہیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی۔

مالیگاؤں کے نثر نگاروں پر تحقیقی مقالہ پیش کر کے صدیقی صاحب نے ایک جامع تاریخ مرتب کر دی ہے جو آئندہ نسل کے لئے ایک بنیادی ماخذ کا کام دے گی۔

صدیقی صاحب نے چونکہ میری نگرانی میں اس کام کی تکمیل کی ہے اسلئے ان کے کام اور اس کتاب پر خود کسی قسم کا تبصرہ کرنے کی بجائے یہ ذمہ داری قارئین کے سر ڈالتا ہوں کہ وہ اس کی اہمیت افادیت اور حسن و قبح کا خود احتساب فرمائیں۔

الیاس صدیقی صاحب کو اس تحقیقی کام کی اشاعت پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں اور اس کی مقبولیت کے لئے دعا گو ہوں۔

❖❖❖❖❖

پہلا باب

مالیگاؤں: سیاسی اور سماجی پیش رفت

ابتدائی زبان اور بولیاں

نثر نگاری کی ابتدا

مالیگاؤں: سیاسی اور سماجی پیش رفت

محل وقوع:

مالیگاؤں دنیا کے نقشے پر '32-20 شمالی عرض البلد اور '35-74 مشرقی طول البلد پر واقع ہے۔ صلہ بھارت کے مغربی ساحلی صوبے مہاراشٹر کے ایک ضلع ناسک میں ناسک سٹی کے بعد دوسرے نمبر کا بڑا شہر اور اسی نام کے تعلقے کا صدر مقام ہے۔ ریاست مہاراشٹر کی راجدھانی اور مشہور بندرگاہ ممبئی کے شمال مشرق میں ممبئی آگرہ روڈ (نیشنل ہائی وے نمبر ۳) پر ممبئی سے تقریباً ۳۰۰ رکلومیٹر کے فاصلے پر اور مشہور ریلوے جنکشن منماڑ کے شمال مشرق میں ۳۸ رکلومیٹر کی دوری پر واقع ہے موسم ندی کے دونوں کناروں پر ہموار زمین پر بسا ہوا ہے۔ موسم ندی شہر سے گذرنے کے بعد دو کلومیٹر آگے جا کر گرنا ندی سے مل جاتی ہے۔

شہر واضح طور پر تین حصوں میں منقسم ہے۔ موسم ندی کے بائیں جانب یعنی مشرقی سمت میں خاص شہر واقع ہے۔ دائیں جانب یعنی مغربی سمت میں سنگمیشور یا سمکسیر نام کی بستی ہے۔ سنگمیشور کی شمالی سمت میں دو کلومیٹر کی دوری پر کیمپ یا لشکر نام کی بستی ہے۔ جہاں کسی زمانے میں انگریزی فوجوں کا کیمپ ہوا کرتا تھا۔ شہر کا کل رقبہ تقریباً ۲۰ رمربع کلومیٹر ہے۔

وجہ تسمیہ:

شہر کا نام مالیگاؤں کیسے پڑا، اس کے بارے میں کئی نظریات پیش کئے جاتے ہیں جن کا مختصر تذکرہ غیر مفید نہ ہوگا

(۱) ایک خیال یہ ہے کہ مالیگاؤں کے جنوب میں تین کلومیٹر کے فاصلے پر ایک قدیم دیہات چندن پوری ہے۔ یہاں کھنڈوبا کا ایک پرانا مندر ہے۔ اسی کا دوسرا نام ملاری مارتنڈ ہے۔ یہی نام مالیگاؤں کی وجہ تسمیہ بنا ہوگا لیکن اس نظریے کو قبول کرنے میں یہ عذر مانع ہے کہ اگر ایسا ہی تھا تو چندن پوری کا نام مالیگاؤں پڑنا چاہئے تھا۔ مگر ایسا نہیں ہوا، بلکہ مالیگاؤں اور چندن پوری آج بھی ایک دوسرے سے تین کلومیٹر کے فاصلے پر موجود ہیں۔

(۲) بعض حضرات کا خیال ہے کہ شہر کے ایک حصے سنگمیشور میں بسنے والے مالی سماج کے لوگوں کی قابل لحاظ آبادی کے سبب قصبے کا نام مالی واڑہ یا مالی واڑی اور پھر بمرور ایام مالی گاؤں بنا ہوگا۔ صلہ

(۳) مالیگاؤں ایک زمانے میں پہلوانی اور فن کشتی کے مشہور تھا۔ مراٹھی زبان میں پہلوانی کے ہنر کو مَل وِدیا کہتے ہیں۔ ممکن ہے اسی مناسبت سے مَل کھیڑی یا مل گاؤں وغیرہ نام بنے ہوں۔ جو بعد میں مالیگاؤں کہلایا ہو لیکن

صلہ ناسک ڈسٹرکٹ گزیٹیر، ۱۸۸۳، دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۵، ص ۹۰۶

صلہ ڈاکٹر اشفاق انجم: شعرائے مالیگاؤں، (ڈاکٹریٹ کیلئے منظور شدہ تحقیقی مقالہ)، ص ۷

اس دعوے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

(۴) اہلیہ بائی ہولکر (۱۷۹۵ء۔۱۷۶۵ء) مالوے کی مہارانی تھی۔ جس کی حکمرانی اندور، اجین سے لے کر چاندوڑ تک تھی۔ اہلیہ بائی کو یکے بعد دیگرے اپنے شوہر کھنڈے راؤ، اپنے اکلوتے بیٹے مالے راؤ اور خسر ملہار راؤ کی موت کے صدمے سے دوچار ہونا پڑا۔ مالیگاؤں یہ نام ہولکر کے دور سے ہی ملتا ہے اس لئے قرین قیاس ہے کہ مالیگاؤں کا نام رانی نے اپنے اکلوتے بیٹے مالے راؤ کے نام پر رکھا ہوگا۔ ص۱ اس نظریے سے اتفاق اسلئے ممکن نہیں کہ ۱۷۶۵ء سے قبل بھی مالیگاؤں نام موجود تھا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت عالم گیر شاہ ثانی کا فرمان ہے جو اندازاً ۱۷۵۷ء کا ہے اس میں مالیگاؤں لکھا ہوا ہے۔

(۵) میجر بلیکر نے ۱۸۱۸ء میں ناسک ضلع کے مختلف قلعوں کی فتوحات کا بیان لکھا ہے۔ اس میں مالیگاؤں کا بیان بھی شامل ہے۔ میجر نے شہر کا نام ملّے گام Malleygaum اور موسم ندی کے دوسرے کنارے کی بستی سنگمیشور کو سمنگ سیر Sumungseer کے نام سے یاد کیا ہے۔ ص۲ اس کا امکان ہے کہ بستی کے ہندوستانی یا اردو بولنے والے طبقے نے ملّے گام کو اپنی زبان کے اصولوں پر خراد کر مالیگاؤں بنالیا ہو۔ جس طرح انہوں نے سمنگسیر کو سمنگسیر بنا لیا ہے۔ لیکن اس حقیقت کو قبول کرنے میں بھی وہی ثبوت مانع ہے جو اوپر نمبر ۴ میں بیان کیا گیا ہے۔

(۶) مراٹھی زبان میں ''مڑا'' کھیت کو کہتے ہیں جسے اردو خواں طبقے نے ''ملّہ'' بنادیا ہے۔ انگو سیٹھیہ کا ملّہ نام کا ایک قدیم محلہ قریب ڈیڑھ صدی سے قائم ہے۔ ہوسکتا ہے بہت سارے ملّوں کی موجودگی کی وجہ سے پہلے اس کا نام ملّے گاؤں اور پھر بتدریج مالیگاؤں پڑ گیا ہو۔

(۷) آٹھویں صدی عیسوی میں ہندوستان کے ایک بڑے علاقے میں راشٹر کُٹ خاندان کی حکومت قائم ہوئی جس کا سلسلہ صدیوں قائم رہا۔ مالیگاؤں سے چھ کلومیٹر کے فاصلے پر وزیر کھیڑا نام کے گاؤں میں ایک کسان کو ہل چلاتے ہوئے تانبے کی تختیاں ملیں جن پر سنسکرت میں عبارات کھدی ہوئی ہیں۔ ان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ راشٹر کُٹ سلسلے کے ایک راجہ اندر راج سوم نے کچھ گاؤں دان میں دیئے تھے۔ یہ تختیاں اسی کا دان پتر ہیں۔ ۲۴ر فروری ۹۱۵ء کی کندہ شدہ ان پلیٹوں پر مالیگاؤں کا نام ماہولی گرام بتایا گیا ہے۔ (اس کی تفصیل آگے آئے گی) اس اہم اور غیر متوقع دریافت کے بعد یہ تو واضح ہوجاتا ہے کہ مالیگاؤں کا قدیم نام ''ماہولی گرام'' ہی ہونا چاہئے لیکن بالکل ٹھیک طرح سے نہیں بتایا جاسکتا کہ ماہولی گرام سے مالیگاؤں تک کے لفظی سفر نے ترمیم وتبدل کی کتنی منزلیں طے کی ہیں اور کون کون سی؟

ص۱ شبیر احمد حکیم، ماجرائے وطن، [illegible] سرا ایڈیشن، مالیگاؤں، ۱۹۸۸ء، ص ۱۰۲

ص۲ ناسک ڈسٹرکٹ گزیٹیر، ۱۸۸۳ء [illegible] ری پرنٹ ۱۹۷۵ء، ص ۱۲۹

سیاسی تاریخ

چالوکیہ سلسلے کے بادشاہوں کے بعد آٹھویں صدی عیسوی میں راشٹرکٹ خاندان کی حکومت قائم ہوئی۔ جس کا بانی دنتی درگا نام کا راجہ تھا۔ اور جسکی راجدھانی مالکھیڑ (ضلع گلبرگہ۔ کرناٹک) تھی۔ ایلورا کے غار اسی کے زمانے کی یادگار ہیں۔ اس کی سلطنت کرناٹک، کوکن، مہاراشٹر، ودربھ اور گجرات تک پھیلی ہوئی تھی۔ اسکے بعد زمام اقتدار کرشنا اول کے ہاتھ میں آئی جس نے ایلورا میں ٹھوس چٹانیں تراش کر شیو مندر کی تعمیر کی جو آج کیلاش مندر کے نام سے جانا جاتا ہے۔ راشٹرکٹ خاندان میں عظیم فاتحین گزرے ہیں۔ جنہوں نے شمالی اور جنوبی ہندوستان میں فتوحات کے پرچم لہرائے۔ اس سلسلے کے ایک راجہ گووندا دوم نے تو شمال میں بنگال، قنوج یہاں تک کہ ہمالیہ کی ترائی تک اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے اور جنوب میں لنکا کے راجہ کو زیر کیا۔ ص۱

گووندا سوم کے زمانے کی تانبے کی تختیاں ناسک ضلع کے ڈنڈوری تعلقہ کے ونی نام کے گاؤں میں دریافت ہوئی ہیں جن پر شک ۷۰۷ کا سال (بمطابق ۸۰۸ء) دکھایا گیا ہے۔ اس تختی سے معلوم ہوتا ہے کہ راجہ نے دامودر بھٹ نام کے برہمن کو امبا کا گرام نام کا گاؤں دان میں دیا تھا اسی کے زمانے کی دوسری تختی بیڑ ضلع کے دھرور گاؤں میں دستیاب ہوئی ہے جو ۸۰۶ء کی ہے۔ جس میں ایک گاؤں عطیہ دینے کا ذکر ہے۔ کہتے ہیں گووندا چہارم نے اپنی تاجپوشی کے وقت آٹھ سو گاؤں، چار لاکھ سونے کے سکے اور بتیس لاکھ چاندی کے سکے مندروں کو تقسیم کیے تھے۔ حال ہی میں اکولہ ضلع کے اندورا گاؤں میں تانبے کی تختی دریافت ہوئی ہے جس میں الوری گاؤں کا عطیہ دیئے جانے کا ذکر ہے۔ ص۲

مختصر یہ کہ اس سلسلے کے راجاؤں کی فیاضی اور بہادری کی داستانیں ملک کے مختلف حصوں سے دریافت شدہ تانبے کی تختیوں پر بکھری پڑی ہیں۔ گویا ؎ ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما.....

ان تمام تختیوں کا بغائر مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ایک بات مشترک ہے۔ جو بھی گاؤں بطور عطیہ، انعام، بخشش یا دان دیئے جاتے تھے ان کے محل وقوع کی وضاحت اتنی تفصیل سے کی جاتی تھی کہ آس پاس کی ساری بستیاں، ان کی سمتیں، دریا اور پہاڑوں کے نام تک آجاتے تھے۔ یہ گویا اس زمانے کے ''دان پتروں'' کا طے شدہ روایتی اسلوب تھا۔

ص۱ ص۲ ناسک ڈسٹرکٹ گزیٹیر ۱۸۸۳ ری پرنٹ ۱۹۷۵ء، ص ۶۷

راشٹرکٹ خاندان کی تاریخ میں اندریا اندر راج سوم کی کارکردگی بھی حیرت انگیز ہے۔اس نے شمالی ہند میں بھوپال، جھانسی، کلپی، اور قنوج تک فتوحات حاصل کیں۔اسکے زمانے کی دو تانبے کی تختیاں دریافت ہوئی ہیں۔ایک تو اورنگ آباد ضلع کے گنگا پور تعلقہ میں جامبر گاؤں کی تختی کہلاتی ہے۔جس پر شک سال ۸۳۵ (۹۱۴ء) کی تاریخ ہے اس میں پرتسٹھان (موجودہ پیٹھن) کے قریب کھیروندی (موجودہ کھروندی) دان دیئے جانے کا ذکر ہے۔اسمیں آس پاس کے تمام دیہاتوں کی تفصیل موجود ہے۔صلہ

۱۹۶۶ء میں مالیگاؤں سے چھ کلومیٹر کے فاصلے پر وزیر کھیڑا نام کے گاؤں میں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے دو دان پتر ملے ہیں۔جن کے دونوں اطراف سنسکرت میں عبارتیں کندہ ہیں۔انہیں مالیگاؤں کی تاریخ کے گمشدہ اوراق کی بازیافت کا نام دیا جاسکتا ہے۔

ان تختیوں پر جو شک سال اور تاریخ دی گئی ہے وہ عیسوی کیلنڈر کے مطابق ۲۴ رفروری ۹۱۵ء ہوتی ہے۔تینوں تختیوں کی مفصل عبارت نہ بیان کرتے ہوئے صرف مالیگاؤں سے متعلق باتوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن سے شہر کی تاریخ پر روشنی پڑ سکے۔

پہلی تختی کا مقصد اموگھ (موجودہ چندن پوری) نام کی جین بستی کو دان دیئے گئے دو دیہاتوں کی سند ہے جو"لوک بھدرا" کے شاگرد "گرووردھمان" کو دان دیئے گئے تھے۔تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱)مالدہ:

پاڑلاوڈ علاقے کا گاؤں "مالدہ" دان گیا تھا۔یہ مالیگاؤں کے جنوب میں تین کلومیٹر کے فاصلے پر واقع "مالدے" گاؤں ہونا چاہئے۔پاڑلاوڈ موجودہ پاٹڑدہ ہونا چاہئے جو مالدہ سے بیس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔تختی میں مالدہ کے مشرق کی طرف چیچ وَتی بتایا گیا ہے۔جو آج کا چیچ گوان ہونا چاہئے۔مغرب اور جنوب کی جانب گری پرنا ندی بتائی گئی ہے جو یقیناً موجودہ گرنا ندی ہے جو مالدہ کے پاس سے بائیں جانب مڑ گئی ہے۔شمال کی سمت "ماہولی گرام" نام کی بستی دکھائی گئی ہے جو مالیگاؤں کا ہی قدیم نام ہونا چاہئے۔جس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ مالدہ کے شمال میں مالیگاؤں کے علاوہ اور کوئی بستی موجود نہیں ہے۔دوسرے نام کی مماثلت اس دعوے کی مزید دلیل مہیا کرتی ہے۔

(۲)پاریال گرام: دان دیا جانے والا دوسرا گاؤں سنہہ پور کے پاس پاریال گرام نام کا ہے۔یعنی

صلہ ناسک ڈسٹرکٹ گزیٹیر، ۱۸۸۳، ری پرنٹ، ۱۹۷۵ء، ص ۶۹

اورنگ آباد ضلع میں ویجاپور تعلقہ کا گاؤں ''پارڈ'' اس تختی میں ہمارے لئے اس کے علاوہ اور کوئی کام کی بات نہیں کہ اس میں مالیگاؤں سے گذرنے والی موسم ندی کا نام ''موسی ندی'' لکھا ہوا ہے۔

ان تختیوں کی دریافت سے دسویں صدی عیسوی میں مالیگاؤں کا وجود نا قابل تردید حد تک ثابت ہوتا ہے نیز یہ بھی کہ اس وقت مالیگاؤں راشٹر کٹ بادشاہوں کی عمل داری میں تھا۔ اس کے بعد تقریباً آٹھ سو سال تک اس چھوٹے سے دیہات پر گمنامی کے دبیز پردے پڑے رہے۔ یہ دراصل ایک مراٹھا سردار نارو شنکر راجہ بہادر کی نظر عنایت تھی کہ جس نے یہاں ایک خوبصورت اور عالی شان قلعہ تعمیر کر کے مالیگاؤں کو گمنامی کے اندھیروں سے نکالا اور کتاب تاریخ کا ایک روشن باب بنا دیا۔ نارو شنکر کے بغیر مالیگاؤں کی تاریخ ادھوری رہے گی اسلئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کے حالات زندگی اور کارناموں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے۔

راجہ نارو شنکر کے حالات زندگی: مراٹھا سرداروں میں نارو شنکر کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مراٹھوں کی تاریخ کے ماہر وشوناتھ راجواڑے نے مراٹھوں کے اہم سینتیس سپہ سالاروں کی ایک فہرست دی ہے جس میں دسواں نام نارو شنکر کا ہے۔[۱]

نارو شنکر کا گھرانہ پونہ کے قریب ساسوڑ کا تھا۔ ان کے والد کا نام شنکر راؤ دانی تھا جو رگ ویدی برہمن تھے۔ نارو شنکر روزی کی تلاش میں ناسک آئے اور ایک صراف کے یہاں ملازم ہوگئے۔ پنڈھاریوں کے حملے کی خبر سن کر اپنے گاؤں لوٹ گئے۔ گھریلو الجھنوں نے انہیں دوبارہ ناسک آنے پر مجبور کیا۔ بیوی کے رہنے سہنے، کھانے پینے کا انتظام اسی صراف کے یہاں کر کے تلاش معاش میں گاؤں گاؤں پھرنے لگے۔ انہیں ملہار راؤ ہولکر کی فوج میں ملازمت مل گئی۔ انہوں نے چھوٹی بڑی جنگوں میں اپنی مہارت اور دلیری کا مظاہرہ کیا۔ اسے دیکھ کر ملہار راؤ نے نہ صرف انکے عہدے کو بڑھایا بلکہ باجی راؤ سے سفارش کر کے اندور کی صوبہ داری بھی دلادی۔

نارو شنکر نے بندیل کھنڈ میں مواس قوم کے ہنگاموں کا سد باب کیا اور اڑیسہ کے راجہ پر حملہ کر کے اٹھارہ لاکھ محصول کا علاقہ جیتا اس سے خوش ہو کر پیشوا نے نارو شنکر کو ''راجہ'' کا خطاب دے کر جھانسی کا صوبہ دار بنا دیا۔ اس زمانے میں ہولکر اور سندھیا جیسے نامور مراٹھا سپہ سالاروں کیساتھ ساتھ نارو شنکر

---

[۱] وشوناتھ کاشی ناتھ راجواڑے، مراٹھیا نچیا اتہاساچی سادھنے، (مراٹھی) ۱۸۹۸ء، ص ۱۹

نے بھی ایک ماہر رزم سپہ سالار کی حیثیت سے اپنی جگہ بنالی تھی۔ پانی پت کی لڑائی کے لئے جب شری منت سداشیو بھاؤ صاحب (چماجی اپا کا لڑکا) اور وشواس راؤ دہلی کے راستے سے گذرے تو آگرہ کے قریب نارو شنکر بھی بھاؤ صاحب سے جاملے۔ بھاؤ صاحب نے دلّی پر قبضہ کرلیا اور نارو شنکر کو 'راجے بہادر' کا خطاب دے کر قلعہ، شہر اور خزانے کی ذمہ داری سونپ دی۔ ص۱

اس سلسلے میں مناظر احسن گیلانی کی تصنیف ''تذکرہ شاہ ولی اللہ دہلوی'' میں شاہ صاحب کی ایک تحریر کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جو اس طرح ہے:

> ''نویں ذی الحجه سال مذکوره ۱۱۷۳ھ (۱۷۶۰ء) قلعه بدست بهاؤ (بهاؤ، مراٹها سپه سالار) افتاده. حرم سرای شاہی و جمیع کارخانه جات سلطنت به اختیار مرہٹه رفت. بهاؤ قلعه داری شاہجہاں آباد به نارو شنکر تفویض کرد............'' ص۲

پانی پت میں مراٹھوں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ بعد میں نارو شنکر تجربہ کار سیناپتی کی حیثیت سے پونے دربار میں حکومت کے کاروبار میں شریک رہے۔ ان کا انتقال ۱۷۷۵ء میں ہوا۔

کہتے ہیں نارو شنکر کو نانا صاحب پیشوا نے مالیگاؤں سے قریب نمبایتی (نمبایت) اور آس پاس کا علاقہ بطور جاگیر دیا تھا۔ ص۳ علاوہ ازیں مغل بادشاہ عزیز الدین عالمگیر شاہ ثانی (۱۷۵۴ء۔۱۷۵۹ء) نے ناسک، شاہ پور اور مالیگاؤں وغیرہ آٹھ گاؤں انعام کے طور پر دیئے تھے۔ ص۴ کہتے ہیں نارو شنکر نے ۱۷۶۵ء میں مالیگاؤں میں ایک زمینی قلعہ بنایا۔

انگریزوں نے جب ۱۸۱۸ء میں مراٹھوں کے مختلف قلعوں کو نشانہ بنانے کی شروعات کی، انہوں نے مالیگاؤں کے قلعے پر بھی حملہ کیا۔ قلعہ کے اندر موجود عرب اور دیگر سپاہیوں نے

ص۱ سوهنی، بکهر بهاؤ صاحبانچی، (مراٹهی)، ناگپور، ۱۷۹۱ء، ص ۱۳۰۔

ص۲ مناظر احسن گیلانی، تذکره شاه ولی الله دهلوی، بحواله شعرائے مالیگاؤں، ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۵

ص۳ یشونت کنجاز، اتهاسچا باناور کورلے گیلے لے، مالیگاؤں، روزنامه لوک مت (مراٹهی)، ناسک، ۲۶ جنوری ۱۹۹۸ء، ص ۹........

ص۴ مولانا عبدالمجید وحید، تاریخ شهر مالیگاؤں، دوسرا ایڈیشن، ۱۹۵۶ء، ص ۴۱

مقابلہ کیا۔ لیکن گولہ بارود کا ذخیرہ تباہ ہو جانے کی وجہ سے مجبور ہو گئے اور ہتھیار رکھ دینے کا فیصلہ کیا۔ ۱۳؍جون ۱۸۱۸ء کو دوپہر تین بجے برطانوی پرچم لہرایا گیا۔ تقریباً ایک ماہ تک جان ہتھیلیوں پر لے کر برطانوی استعمار سے قلعہ کی حفاظت کرنے والے بہادر اور جانباز فوجی گرفتار کر لئے گئے۔

مالیگائوں میں جنگ آزادی: ہندوستان کی تحریک آزادی کے دوران دوبارہ مالیگاؤں کا نام اس وقت چمکا جب شہر نے پورے جوش وخروش کے ساتھ خلافت تحریک کا ساتھ دیا، جس کی قیادت مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کے ہاتھوں میں تھی اور جسے گاندھی جی کی تائید وحمایت حاصل تھی۔ ترک مے نوشی کی آواز بلند ہوئی تو منشی شعبان مرحوم کی قیادت میں ستیہ گرہ ہونے لگی، سودیشی کا نعرہ گونجا تو بدیشی کپڑوں کی ہولیاں جلنے لگیں۔ سول نافرمانی کی بات آئی تو لوگ سرکاری نوکریوں کو لات مار کر نکل آئے۔ مرحوم مولانا محمد اسحٰق مقصدؔ نے تو ایک جلسے میں اعلان فرمادیا:

> ''انگریز کا جنازہ اٹھ چکا ہے۔ عنقریب تجہیز و تکفین بھی ہوجائے گی، وطن آزاد ہوگا، ہمیں اللہ کے بھروسے جنگ آزادی کو تیز کرنا ہے.........''[۱]

مولانا کا یہ اعلان گویا منصور کے پردے میں خدا بول رہا تھا۔ ۱۹۲۱ء میں کی گئی ان کی پیشین گوئی حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی۔

تحریک خلافت میں حصہ لینے کے جرم کی پاداش میں پانچ جانبازوں کو پھانسی کے تختے پر لٹکایا گیا۔ ۹؍جیالوں کو'' کالا پانی بعبور دریائے شور'' کی سزا ہوئی، سینکڑوں افراد کو مقدمہ بازی اور قید وبند کی صعوبتوں سے گذرنا پڑا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ بنکروں پر، جو مسلمان تھے، سرکار انگلشیہ نے ۱۲؍لاکھ روپئے کا اجتماعی جرمانہ لگایا۔ جسے ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۴ء تک غریب بنکر اپنا پیٹ کاٹ کر ادا کرتے رہے۔ اس قسم کے اجتماعی جرمانے کی غالباً یہ ہندوستان میں واحد مثال ہے۔

۱۹۴۰ء کی انفرادی ستیہ گرہ اور ۱۹۴۲ء کی ہندوستان چھوڑ دو تحریکات میں بھی شہر پیچھے نہیں رہا۔ اس میں حصہ لینے کے سبب بہت سے افراد کو جیل کی مشقتیں برداشت کرنی پڑیں۔ آخر شہیدان وطن اور

---

[۱] محمد حسن احسن، مالیگانوی، مالیگاؤں میں جنگ آزادی، مالیگاؤں، ۱۹۶۷ء، ص ۳۲

مجاہدین آزادی کی قربانیاں رنگ لائیں اور ۱۵راگست ۱۹۴۷ء کو جب آزادی کا بگل بجا تو آنجہانی نارو شنکر راجے بہادر کے خاندان کے ایک فرد کے مکان سے مشعلی جلوس نکالا گیا اور برطانوی استعماریت کو الوداعی سلامی وہی توپ داغ کر دی گئی جسے کبھی عرب سپاہیوں نے قلعہ کی حفاظت کے لئے استعمال کیا تھا۔

مالیگاؤں کا جذبۂ آزادی اب بھی سرد نہ ہوا تھا۔ گوا پرتگیزوں کے قبضے میں تھا۔ اسلئے جب گوا کی آزادی کی تحریک شروع ہوئی، شہر کے بے شمار ستیہ گرہی اس میں شریک ہوئے جن کا نعرہ تھا۔

''لاٹھی گولی کھائیں گے پھر بھی گوا جائیں گے'' آخر کار مادر وطن کی اس سرزمین کو بھی پرتگیزوں سے نجات مل گئی۔

غرض مالیگاؤں کے جیالوں نے وطن کی حفاظت اور اس کی مٹی سے محبت کے جو روشن نقوش چھوڑے ہیں، انہیں تعصب کی گرد دھندلا نہیں سکتی اور تاریخ کے طوفان مٹا نہیں سکتے۔

بستی بسنا کھیل نہیں ہے

(آبادکاریٔ شہر)

گذشتہ صفحات میں راقم بیان کر چکا ہے کہ مالیگاؤں کا وجود ہزار سال سے بھی پرانا ہے۔ لیکن اس کی آبادی کی ترقی دراصل راجہ نارو شنکر کے دور سے شروع ہوئی۔ مالیگاؤں کی ترقی کی نوعیت ہشت پہلو ہے جو مختلف مدارج میں وقوع پذیر ہوئی۔ اب تک شہر کی جتنی تاریخیں لکھی گئیں ان میں آبادکاری کے ایک پہلو، یعنی ۱۸۵۷ء کی انقلابی جد وجہد کی ناکامی کے بعد یوپی سے مومن بنکروں کی آمد پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ صـــ۱ دوسرے پہلوؤں پر کم توجہ دی گئی ہے۔ اس وجہ سے مالیگاؤں کی آبادی کی ترقی کا تذکرہ درجہ بدرجہ کیا جاتا ہے تاکہ واضح تصویر سامنے آ سکے۔

(۱) **تعمیرِ قلعہ:** مولانا عبدالمجید وحیدؔ نے لکھا ہے:۔

> ''راجہ نارو شنکر نے ہی شہر مالیگاؤں کو بسایا اور آباد کیا اور ساتھ ہی ساتھ اس بھوئیں کوٹ قلعہ کو تعمیر کرنا شروع کیا''............صـــ۲۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

> ''اس شہر مالیگاؤں کو نارو شنکر راجہ نے بسایا۔ شروع میں تیس چالیس گھر تھے جب انہوں نے اس قلعے کو باندھنا شروع کیا اس وقت سے اس کی آبادی بہت بڑھ گئی۔ اس قلعہ کو بنانے میں پچاس ہزار آدمی مزدور تھے اس لئے دس برس کے اندر ہی بن کر تیار ہوگیا''............صـــ۳۔

صـــ۱: ماجرائے وطن از شبیر حکیم، مومن انصاری برادری کی تہذیبی تاریخ از مومن محی الدین، اس کی مثالیں ہیں۔
صـــ۲: مولانا عبدالمجید وحیدؔ، تاریخ شہر مالیگاؤں، ۱۹۲۷ء، ص ٤
صـــ۳: ....ایضاً............ص ۵۲

پچاس ہزار کی تعداد اگرچہ مبالغہ آمیز معلوم ہوتی ہے اس کے باوجود یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جب قلعے کی تعمیر شروع ہوئی تو یہ مزدور یہاں کی آبادی میں اضافے کا سب سے بڑا سبب بنے ظاہر ہے جو قلعہ دس برس تک بنتا رہا جہاں اتنی بڑی تعداد میں مزدور اور انجینیر کام کرتے ہوں وہاں رہائشی مکانات بنے ہوں گے، دکانیں آراستہ ہوئی ہوں گی، دھوبی، نائی، اشیائے خوردونوش کے تاجر پارچہ فروش غرض ہر پیشے سے منسلک افراد آئے ہوں گے۔ قلعے کی تکمیل کے بعد کچھ یہیں بس گئے ہوں گے، دوسرے اپنے اجرتیں وصول کر لینے کے بعد کسی اور مقام پر تعمیر کے لیے ہجرت کر گئے ہوں گے۔ بہرحال اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تیس چالیس گھروں والے اس گاؤں کو قلعے کی تعمیر نے نہ صرف تاجروں، دست کاروں اور دیگر پیشہ وروں کا مرکزِ نگاہ بنا دیا بلکہ یہ امر آبادی میں اضافے کا بڑا وسیلہ بھی ثابت ہوا۔

(۲) **عرب فوجی:** قلعے کی تعمیر کے بعد راجہ نارو شنکر نے عرب فوجیوں کو قلعہ کی حفاظت پر مامور کیا[ص۱]۔ انہوں نے آگے چل کر کافی طاقت حاصل کر لی۔ گوپال راؤ راجے بہادر کے زمانے میں قلعہ میں ۳۵۰/ کے قریب عرب سپاہی تھے جن کی زبردست مزاحمت کی وجہ سے ۱۸۱۸ء میں مالیگاؤں کا قلعہ فتح کرنے میں تاخیر ہوئی۔ لیکن مالیگاؤں کا تعلق صرف انہی عرب فوجیوں سے نہیں تھا بلکہ اس صدی کے شروع میں پورے خاندیش میں موجود عرب فوجیوں نے مالیگاؤں کو اپنی سرگرمیوں کا خاص مرکز بنا لیا تھا۔[ص۲] اور جن کی کہاوت تھی۔

ص۱: عرب' اس نام سے غلط فہمی نہ ہونی چاہئے کہ یہ فوجی براہ راست عرب سے آئے تھے یہ لوگ دراصل ان عربوں کی اولادوں میں سے تھے جنہوں نے فاروقی دورِ حکومت (۱۳۷۰ء، ۱۵۹۹ء) میں ملازمت اختیار کی اور پھر اس کے بعد مغل، مرانھا اور مقامی سردار انہیں کرایے پر لیتے رہے یہ اپنے مولدین کے ساتھ بڑی تعداد میں خاندیش کے مختلف مقامات پر پھیلے ہوئے تھے۔ دوسرے وہ لوگ تھے جو 'ملک' کہلاتے تھے یہ وہ لوگ تھے جن کے آباء و اجداد نے شمالی ہند میں اسلام قبول کیا تھا اور جو علاؤ الدین خلجی (۱۳۱۲ء) اور دوسرے غوری بادشاہوں اور سرداروں کے ساتھ آئے تھے (بحوالہ خاندیش ڈسٹرکٹ گزیٹیر، ۱۸۸۰ء، ص ۱۲۴) انہیں عربوں میں چاؤس اور عیدروس قبائل کے لشکری بھی تھے یہ براہ راست مالیگاؤں نہیں آئے سورت اور بھڑوچ سے (جہاں ان کے آباء واجداد مظفر شاہی فوج میں تنخواہ دار سپاہی کی حیثیت سے ملازم تھے) حیدر آباد، دکن اور خاندیش آئے جہاں سے ان کی رسائی مالیگاؤں تک ہوئی۔

ص۲: خاندیش ڈسٹرکٹ گزیٹیر، ۱۸۸۰ء، ری پرنٹ ۱۹۸۵ء، ص ۴۵۵۔

''مالیگاؤں کو ہاتھ میں رکھو اور تم خاندیش کو ناک سے پکڑ سکتے ہو۔'' مولانا وحید اس کی تصدیق یوں کرتے ہیں۔ ''اسی مالیگاؤں میں دکھن کے اکثر مسلمان اور عرب بستے تھے اس وقت مومن انصاری برادری کا ایک بچہ بھی نہ تھا'' صـ۱ اس کی رو سے دکن کے مسلمان اور ''عرب'' اس شہر کی آبادی میں اضافے کا دوسرا سبب ہے۔

(۳) خاندیشی مسلمان: یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح یوپی کے مومن بنکر ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں میں انگریزوں کے ظلم وستم کا شکار ہو کر اس شہر میں وارد ہوئے تھے۔ ٹھیک اسی طرح لیکن اس سے کافی پہلے خاندیش کے ہندو اور مسلمان بنکر اور دیگر پیشہ ور آفات ارضی وسماوی کے ہاتھوں مجبور ہو کر ترک وطن کر کے مالیگاؤں کو اپنا وطن بنا چکے تھے۔ انہیں عرف عام میں خاندیشی یا دکنی کہا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ کون سے حالات تھے جن کے تحت یہ لوگ ترک وطن پر مجبور ہوئے۔ اس کا تفصیلی بیان ناگزیر ہے۔

یوروپی سیاحوں کے مطابق سولہویں اور سترہویں صدی عیسوی میں خاندیش بہت مالدار اور آباد تھا۔ جہاں مختلف قسم کے قیمتی اور معمولی دونوں قسم کے کپڑے بنے جاتے تھے۔ سترہویں صدی کا وسطی حصہ خاندیش کی ترقی کا نقطۂ عروج تھا۔ جہاں سے ایران، ترکی، پولینڈ، عرب اور قاہرہ سفید رنگ کے قیمتی کپڑے برآمد ہوتے تھے۔ لیکن شاہجہاں کا دور شروع ہوتے ہی خاندیش جنگ اور قحط کی آفتوں میں گرفتار ہو گیا۔ ۱۶۷۵ء اور ۱۶۷۹ء میں شیواجی نے خاندیش میں غارتگری کی اور چوپڑہ اور دھرن گاؤں کے عظیم بازار لوٹ لئے۔ صـ۲

۱۶۸۴ء میں اورنگ زیب لڑائیاں لڑتا ہوا گذرا۔ ابھی اسے گذرے زیادہ وقت نہیں ہوا تھا کہ ۱۶۸۵ء میں سنبھاجی نے لوٹ مار مچادی، غرض ایک زمانے تک مراٹھے، مغل اور انگریزوں کی لڑائیاں خاندیش کو مسلسل تاراج کرتی رہیں۔

صـ۱: مولانا عبدالمجید وحید، تاریخ شہر مالیگاؤں، ۱۹۵۶ء، ص ۵۲

صـ۲: دھرن گاؤں خاندیش کا مشہور مقام ہے ۱۶۰۰ء کے آس پاس اچھے قسم کے کپڑوں کے لئے مشہور تھا۔ ۱۶۷۴ء میں یہاں انگریزوں نے تجارتی کوٹھی قائم کی تھی (بحوالہ مراٹھی وشوکوش، ۱۹۷۷ء، ص ۱۰۷۸) آئینِ اکبری میں صوبہ' خاندیش کے ذکر میں ہے۔ کپڑے عمدہ اور اعلیٰ قسم کے بنے جاتے ہیں جن میں سری صاف اور بھیرون دھرن گاؤں میں تیار ہوتے ہیں۔ (بحوالہ تاریخ خاندیش کے بکھرے اوراق، اکبر رحمانی، ۱۹۹۴ء، ص ۲۸)

مسلم حکمرانوں کی خانہ جنگیوں، مراٹھوں کی لوٹ مار اور آتش زنی اور انگریزوں کے ظلم وستم نے ایسی زبردست تباہی مچائی کہ اس علاقے کا امن وسکون غارت ہوگیا۔ درس گاہیں محفوظ نہ رہیں۔ علم وادب کے خزانے معدوم ہوگئے۔ علماء، فضلاء نے خاندیش کو خیر باد کہا۔ قدرتی آفات اور سیاسی عدم استحکام نے مسلمانوں کی معیشت کو زبردست نقصان پہنچایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ یہ سرزمین عالموں مربیوں، قدردانوں اور مشاہیر علم وادب سے خالی ہوتی چلی گئی۔ اور اس طرح علم وادب کا یہ مرکز ویرانے میں تبدیل ہوگیا۔ ص۱

۱۸۰۳ء کے بھیانک قحط نے رہی سہی کسر پوری کردی۔ قحط کے ختم ہونے کے بعد کچھ قدیم باشندے لوٹ آئے لیکن ضلع کے دوسرے مقامات کے حالات اتنے دگرگوں ہوگئے تھے کہ باقی لوگ لوٹ کر نہیں آئے۔

ان حالات میں اگر خاندیش کے ہندو اور مسلمان بنکروں اور دیگر پیشہ وروں کو تیز رفتاری سے بڑھتا، پھیلتا، پھولتا، مالیگاؤں اپنی منزل معلوم ہوا ہو تو حیرت نہ ہونی چاہئے۔ ناسک ضلع گزیٹیر میں مرقوم ہے۔

"مالیگاؤں میں رنگریزوں کے پچاس خاندان ہیں، ان میں ہندو اور مسلمان دونوں ہیں، ہندو بھاؤسار سماج کے ہیں اور تین چار نسلوں سے مالیگاؤں میں رہ رہے ہیں۔"............ص۲

اس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ اٹھارویں صدی کے وسطی زمانے میں مالیگاؤں میں آئے ہوں گے۔ ان کی موجودگی ثابت کرتی ہے کہ اٹھارویں صدی کے وسط میں مالیگاؤں میں رنگنے کے ساتھ ساتھ بننے کا کام بھی ہوتا رہا ہوگا۔ بُنائی یا تو خاندیش کے مسلم بنکر کرتے رہے ہوں گے یا سالی، کوشٹی اور کھتری سماج کے لوگ۔ بھاؤ سار سماج کے رنگائی کرنے والے خاندیش کے ہر شہر میں موجود تھے۔ خصوصاً نندربار اور ساوَدہ میں بڑی تعداد تھی۔ یہ تسلیم کرنے میں تامل نہ ہونا چاہئے کہ خاندیش کی غارتگری کے بعد ان میں سے کچھ لوگوں نے مالیگاؤں کو اپنا مسکن بنایا اور یہاں کی مٹی کا ایک حصہ بن گئے۔

ص۱ اکبر رحمانی: تاریخ خاندیش کے بکھرے اوراق، ۱۹۹٤ء، ص ۱۱۹

ص۲ ناسک ڈسٹرکٹ گزیٹیر ۱۸۸۳ء، ری پرنٹ ۱۹۷۵ء، ص ٤٦٧

(۴)فوجی چھاؤنی:

مالیگاؤں کا قلعہ ۱۸۱۸ء میں فتح ہوا۔ انگریزوں نے علاقہ خاندیش کے قلعہ جات پر قابض ہونے کی جس مہم کا آغاز اس سال کے اوائل میں کیا تھا۔ وہ آسیر گڑھ کی فتح کے بعد ختم ہوگئی۔ ریگولر پولیس کا ہیڈ کوارٹر مالیگاؤں کو بنایا گیا۔ انگریزی لشکر کا مستقل قیام شہر کی مزید اضافہ آبادی اور ترقی کا سبب بن گیا۔ آج شہر کا وہ علاقہ مالیگاؤں کیمپ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ فوجی چھاؤنیاں اپنے بازار اپنے ساتھ لاتی ہیں۔ یہاں بھی وہی ہوا کیمپ میں ایک بڑا بازار وجود میں آ گیا۔ اس دوران بہت سارے تعلیم یافتہ مسلمان سرکاری نوکریوں کی تلاش میں حیدرآباد سے مالیگاؤں پہنچے۔ ص۱ ایسے کئی خاندان آج بھی شہر میں موجود ہیں جن کے آباء واجداد اسی زمانے میں مالیگاؤں آئے ص۲۔ انگریزوں نے اپنی روایت کے مطابق ترقیاتی کاموں کا آغاز کیا۔ ۱۸۲۵ء میں نیٹیو جنرل لائبریری قائم کی جو آج کاکانی لائبریری کے نام سے موسوم ہے۔ ۱۸۶۳ء میں میونسپلٹی قائم ہوئی اور شہر تعلیم و ترقی کے مدارج تیزی سے طے کرنے لگا۔

(۵)اتر پردیش کے مومن بنکر:

۱۸۵۷ء کی آزادی کی انقلابی جدوجہد ناکام ہوگئی۔ انگریزوں نے ہندوستان پر مکمل قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد دارو گیر اور پکڑ دھکڑ کا جو طویل سلسلہ شروع ہوا اس نے ان پیشہ وروں کو بھی منتشر اور بدحال کردیا جنہوں نے اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ مومن بنکر اس تحریک آزادی میں سب سے آگے تھے۔ تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہے کہ انگریزوں کے خلاف لڑائی میں محنت کش بنکر طبقہ ہمیشہ صف اول میں رہا۔ خواہ وہ جہاد کا اعلان ہو یا ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ہو تحریک عدم تعاون ہو سول نافرمانی اور تحریک خلافت ہو۔ اس طبقے کا تعاون سب سے زیادہ رہا اس لئے نقصان بھی سب سے زیادہ اسی کو اٹھانا پڑا۔ انگریزوں سے مقابلہ آرائی کی سزا مومن بنکروں کو بڑی بھیانک ملی۔ ان کے کاروبار کو تدریجی طور پر ختم کردیا گیا۔ دست کاروں کے انگوٹھے کاٹ دیئے گئے۔ اس حقیقت کا ادراک سرسید احمد خان کو بھی تھا۔ لکھتے ہیں:۔

ص۱ حفیظ مالیگانوی، نقوش، مالیگاؤں، ۱۹۷۹ء، ص ۱۲

ص۲ ڈکو میاں واصف کا خاندان ان میں سے ایک ھے۔

''اہلِ حرفہ کا روزگار بہ سبب جاری و رائج ہونے اشیائے تجارت ولایت کے، بالکل جاتا رہا تھا یہاں تک کہ ہندوستان میں کوئی سوئی بنانے والے کو دیا سلائی بنانے والے کو بھی نہیں پوچھتا تھا۔ جولاہوں کا تار تو بالکل ٹوٹ گیا تھا۔ جو بد ذات سب سے زیادہ اس ہنگامے میں گرم جوش تھے.......صلہ۔

اہلِ حرفہ اور جولاہوں کے تار ٹوٹ جانے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ سرکار انگلشیہ کے وفاداروں نے ایسی تصنیفات لکھیں جن میں نام بنام ایک ایک برادری اور ایک ایک فرد کا بیان تھا، جنہوں نے اس معرکے میں جانبازی کا ثبوت دیا تھا صلہ۔

انگریز گویا اس قسم کی نشاندہی (آج کل اسے مخبری کہتے ہیں) کے منتظر ہی بیٹھے تھے انہوں نے غریب جولاہوں کی بستیاں اجاڑ دیں، انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر مارا، کسی کو گولی ماردی تو کسی کو درخت سے لٹکا کر پھانسی دے دی۔ اور وہ تمام بستیاں جہاں مومن بنکروں کی قابلِ لحاظ آبادی یا قابلِ ذکر کاروبار تھا انگریزوں کی چیرہ دستیوں کی زد میں آ گئیں ان میں خصوصیت سے اعظم گڑھ، مئو، مئو ناتھ بھنجن، مبارک پور، بارہ بنکی، الہ آباد، لکھنؤ، بنارس، کانپور، ٹانڈہ، فیض آباد، اور بستی وغیرہ کو نشانہ بنایا گیا۔ صوبہ متحدہ (یوپی) کے بنکروں کی تباہ حالی کے اسباب میں صرف غدر کے ہنگامے یا فرقہ وارانہ فسادات ہی نہیں تھے۔ بلکہ یہ بھی کہ قرض خواہ مہاجنوں اور ساہوکاروں کے ذریعے معاشی استحصال اپنی حدیں توڑ چکا تھا۔ قرض دار مجبور تھا کہ یا تو اپنا اثاثہ فرخت کرڈالے یا پھر باپ دادا کی میراث چند بیگہ زمین گروی رکھ دے۔

شکم سے اٹھتی ہوئی آگ کی لپٹوں نے مومن بنکروں کے پیروں میں راستے بچھا دیے۔ نتیجتاً بے شمار بنکر، قافلہ در قافلہ، اپنے شانوں پر اپنے گھر اٹھائے اور آنکھوں میں معاش کے خواب سجائے، جنوبی ہندوستان کی طرف چل پڑے جو نسبتاً پرسکون تھا۔ بمبئی آگرہ روڈ کے ذریعے یہ خانماں برباد پیدل، بیل گاڑیوں میں سفر کرتے

صلہ: سرسید احمد خان، اسباب بغاوت ہند، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۷ء، ص ۱۰۰.......

صلہ: خدنگ غدر از معین الدین حسن خان، اسکی ایک مثال ہے یہ روزنامچہ چارلس تھوفلس منکاف کے اصرار پر لکھا گیا تھا اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے معین الدین حسن خان کی زندگی میں شائع نہیں کروائے گا۔ معین الدین کا انتقال ۱۸۸۰ء میں ہوا۔ منکاف نے اسکا انگریزی ترجمہ ۱۸۹۸ء میں شائع کروادیا۔ اردو ترجمہ خواجہ احمد فاروقی کے مقدمے کیساتھ ۱۹۷۲ء میں طبع ہوا۔ اس روزنامچہ سے انگریزوں کو باغی برادریوں اور افراد کی شناخت میں کافی مدد ملی۔

مصیبتیں جھیلتے، دکھ اٹھاتے ممبئی تک جا پہنچے۔ راستے میں بے شمار مقامات پر ان بنکروں نے ڈیرے ڈالے ،جن میں جبلپور، ناگپور، کامٹی، شہادہ، دھولیہ، ایولہ، مالیگاؤں اور بھیونڈی شامل ہیں۔ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ مالیگاؤں میں بننے تننے کا کام کرنے والے مراٹھا، کھتری، سالی، اور کوشٹی بنکر اور ہندو مسلم رنگریز پہلے سے موجود تھے۔ مالیگاؤں سے گذرتے ہوئے کرگھے کی خوشنما آوازوں نے ان تارکین وطن کے قدم روک لئے ،مساجد سے اپنائیت کی صدا سنائی دی اور مومن بنکروں نے اپنے پہلے قدم اس سرزمین پر رکھ دیئے۔ بعد ازاں ان کی مسلسل آمد نے شہر کی آبادی میں زبردست اضافے کا کام ہی نہیں کیا، بلکہ یہاں کی صنعت کو بھی چار چاند لگا دیا۔

(۲)دیگر قابلِ ذکر طبقات:

ان میں سب سے پہلا نام مالی سماج کا آتا ہے۔ کہتے ہیں مالیگاؤں میں زمینی قلعہ کی تعمیر سے پہلے یہاں مالی لوگ آباد تھے۔ مالیگاؤں کی قدیم بستی سنگمیشور (سمکسیر) ان کا مسکن تھا۔ راجہ بہادر کے زمانے میں انہیں زمینیں انعام میں ملی تھیں۔ جن کی زرخیزی موسم اور گرنا ندی کی بنا پر بے مثال تھی۔ یہ لوگ کبھی کبھی سال میں تین فصلیں نکالتے تھے۔ آج بھی اس بستی میں مالی سماج کے ہزاروں لوگ آباد ہیں۔

مسلم شاہ برادری کے کچھ خاندان اگر چہ ۱۸۰۰ء سے قبل آچکے تھے لیکن ان کی بڑی تعداد عموماً حیدرآباد میں پولس ایکشن کے بعد اورنگ آباد، جلگاؤں اور دھولیہ کے اضلاع سے یہاں آئی۔ اس برادری کے تقریباً پانچ ہزار افراد قلعہ جھوپڑپٹی، عیدگاہ اور شہر کی دیگر بستیوں میں رہتے ہیں۔ اب یہ پراگندہ اور پریشان حال لوگ اپنی تنظیم کر رہے ہیں اور تعلیم کے ذریعے اپنی پسماندگی دور کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔

۱۸۱۸ء کے بعد شہر کا بڑا بازار کیمپ کے علاقے میں آراستہ ہوا۔ راجستھانی موچی پہلے پہل یہاں آئے۔ بعد میں جامع مسجد کے اردگرد آباد ہو گئے۔ سنار اور بڑھئی خاندیش، کلوان، باگلان اور آس پاس کے دیہی علاقوں سے آئے۔ گجراتی جین تقریباً ڈھائی سو سال پہلے پاٹن واقع مہسانہ (گجرات) سے آئے۔ قلعہ پر چڑھائی کے وقت یہ لوگ یہاں موجود تھے۔ لیکن مارواڑی جین قلعہ کی فتح کے بعد آئے۔ شروع میں کیمپ میں قیام پذیر رہے، بعد میں شہر میں منتقل ہو گئے۔ میمن بھی تجارت کی غرض سے زیادہ تر سوراشٹر سے آئے۔ داؤدی بوہرے یہاں تقریباً ڈیڑھ سو سال سے آباد ہیں۔ سندھی آزادی ہند

کے بعد آئے اور تجارت کو اپنایا۔

بعد میں پاورلوم کی ترقی ہونے کے ساتھ ساتھ مراٹھواڑہ، خاندیش اور اتر پردیش سے ہزاروں مزدور اور بنکر نیز راجستھان اور گجرات سے سینکڑوں تاجر یہاں آکر آباد ہوتے گئے۔ اور شہر کی آبادی کو چھ لاکھ تک پہنچادیا۔

آبادی کا نکتۂ زریں:

مندرجۂ بالا مبحث سے معلوم ہوتا ہے کہ یوپی کے مومن بنکر ہوں یا خاندیش کے محنت کش، دونوں خون کے آنسو روتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔ مالیگاؤں کی سرزمین نے دونوں کے آنسوؤں کو اپنے دامن مادری میں جذب کرلیا۔ ان لوگوں کو مہاجرین اور تارکین وطن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن راقم الحروف کے خیال میں ان لوگوں نے خود کو نہ مہاجر سمجھا نہ تارکین وطن کے خانے میں رکھا۔ بلکہ اپنے عمل سے ثابت کردیا گویا انہیں اصلی وطن مل گیا ہو۔ اس زمین پر انہیں شفقت مادری کا وہ لمس ملا کہ اپنے آباء و اجداد کی زمینوں کی طرف پلٹ کر نہیں دیکھا۔ تباہ حالی، بے کسی اور محرومی کا لاشہ اپنے کاندھوں پر اٹھائے شہر میں آنے والے یہ لوگ گنگا اور جمنا کے پانیوں کی طرح آپس میں مل کر شیر و شکر ہو گئے۔ انہوں نے اس کا زندہ ثبوت مہیا کردیا کہ ماں وہی نہیں ہوتی جو جنم دیتی ہے بلکہ اس کا درجہ بھی ماں سے کم نہیں ہوتا جو بچے کو دودھ پلا کر پالتی پوستی اور بڑا کرتی ہے۔

اضافۂ آبادی کا چارٹ:

مندرجہ ذیل چارٹ سے شہر کی اضافۂ آبادی کی صورت حال کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

سنوات	آبادی
۱۷۵۷ء	نامعلوم ص۱۔
۱۸۴۷ء	نامعلوم ص۲۔
۱۸۶۸ء	۸۴۶۴
۱۸۸۱ء	۱۰۶۲۳
۱۸۹۱ء	۱۵۵۴۳
۱۹۰۱ء	۱۹۰۵۴
۱۹۱۱ء	۲۱۸۶۹
۱۹۲۱ء	۲۳۵۰۵
۱۹۳۱ء	۲۹۴۴۳
۱۹۴۱ء	۳۶۷۸۰
۱۹۵۱ء	۵۵۰۲۳
۱۹۶۱ء	۱۲۱۴۰۸
۱۹۷۱ء	۱۹۱۸۴۷
۱۹۸۱ء	۲۴۵۸۸۳
۱۹۹۱ء	۳۴۴۴۳۱
۲۰۰۱ء	۶۰۰۰۰۰ (قریب کے دیہات ملا کر)

❖❖❖❖❖

ص۱: آبادی کی تفصیل معلوم نہیں لیکن مولانا وحید نے صرف اتنا بیان کیا ہے کہ تیس چالیس گھر تھے۔

ص۲: ناسک ڈسٹرکٹ گزیٹیر میں نو سو مکانات اور ستر دکانوں کا ذکر ہے، آبادی کا نہیں

مالیگاؤں کی ابتدائی زبان اور بولیاں

....

لوگ جب ایک مقام سے دوسرے مقام پر ہجرت کر کے جاتے ہیں تو اپنے ساتھ اپنی تہذیبی روایات، رسوم و رواج اور زبان بھی لیجاتے ہیں۔ مقامی آبادی سے گھل مل جانے کے بعد روایات، رسوم و رواج اور زبان میں غیر محسوس طور پر تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ مالیگاؤں میں اردو دانوں کا پہلا گروہ خاندیش اور دکن سے آیا۔ دوسرا گروہ ان مومن بنکروں کا تھا جو ۱۸۵۷ء کے بعد بربادیٔ معاش کا ماتم کرتا ہوا شہر میں داخل ہوا۔ اس بات کا جائزہ لینے کی اشد ضرورت ہے کہ یہ تمام لوگ جن مقامات سے آئے، وہاں زبان اور بولیوں کی نوعیت کیا تھی؟ آنے والے کون سی بولیاں بولتے ہوئے آئے تھے؟ اور یہاں آ کر ان کی زبان میں کونسی تبدیلیاں راہ پا گئیں؟

پہلے خاندیش پر نظر ڈالتے ہیں۔ خاندیش گزیٹیر کے مندرجہ ذیل اقتباسات دیکھئے۔

> ''گجراتی تقریباً پورے ضلع میں تجارت کی زبان ہے۔ مراٹھی سرکاری آفسوں اور اسکولوں کی زبان ہے۔ لیکن اپنے گھروں میں بے شمار لوگ خاندیشی، اہیرانی یا دھیڑ گجراتی بولتے ہیں۔ دھیڑ گجراتی، گجراتی، مراٹھی بیماتی اور ہندوستانی کا عجیب و غریب مرکب ہے .... ص[۱]۔

> ''بوہروں کو چھوڑ کر جو گجراتی بولتے ہیں، خاندیش کے تقریباً تمام مسلمانوں کی گھریلو زبان ہندوستانی ہے۔'' .... ص[۲]۔

> ''مومن یا جولاہا وہ مقامی لوگ ہیں جنھوں نے اورنگ زیب کے زمانے میں اسلام قبول کیا۔ وہ ہندوستانی بولتے ہیں'' .... ص[۳]۔

مندرجہ بالا اقتباسات سے جو حقائق سامنے آتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہندوستانی عموماً خاندیش کے مسلمانوں کی زبان تھی۔ دوسرے یہ کہ ہندوستانی اور خاندیشی دو علاحدہ بولیاں

ص[۱]: خاندیش ڈسٹرکٹ گزیٹیر ۱۸۸۰ء، ری پرنٹ ۱۹۷۷ء، ص ۶۴

ص[۲]: .... ایضاً .... ص ۶۴

ص[۳]: .... ایضاً .... ص ۱۲۶

ہیں۔ ہندوستانی کے بارے میں قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ اردو یا آسان قسم کی ہندی کی کوئی شکل ہوگی۔ یہ دکنی اردو بھی ہوسکتی ہے۔ لیکن خاندیشی کے بارے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش کی نہیں۔ یہ بولی آج بھی خاندیش کے بہت بڑے حصے میں بولی جاتی ہے اور جس پر مراٹھی زبان کے اچھے خاصے اثرات ہیں یہ تحریر میں نہیں آتی اور اپنی خصوصیت کی وجہ سے دکنی اردو اور حیدرآبادی سے کافی متمائز ہے۔ دکنی زبان میں زبردست ادب تخلیق پاچکا ہے۔ قلی قطب شاہ شاہی، نصرتی، ہاشمی بیجاپوری، سے لے کر ولی اور سراج اورنگ آبادی تک دکنی شعراء کی ایک طویل فہرست اس کا بیّن ثبوت ہے اس کے علاوہ ملاوجہی اور ابن نشاطی جیسے شعراء وادباء نے دکنی زبان میں نثر کا وہ قابل قدر سرمایہ چھوڑا ہے جس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ حیدرآبادی بھی دراصل دکنی کی ہی ایک شکل ہے۔ لیکن اپنے مخصوص لب ولہجہ اور لسانی خصوصیات کے سبب اپنی شناخت علاحدہ رکھتی ہے۔ اس میں بھی شعری ادب تخلیق کرنے کی کوشش ہوئی لیکن رواج نہ پاسکی۔ ص۱۔

تاریخ میں ایک وقت ایسا بھی آیا جب دکنی اور شمال کی معیاری اردو میں میل جول کی راہ ہموار ہوگئی۔ اورنگ زیب نے جب بیجاپور کو فتح کیا تو گولکنڈہ کی فتح کا راستہ بھی کھل گیا۔ (۱۶۸۶ء) اور شمال و جنوب مل کر ایک ہی سلطنت کا حصہ بن گئے۔ ص۲ شمال اور جنوب کے اس اتحاد سے جنوب کی ادبی روایت شمال کے اسلوب کے زیر اثر آتی چلی گئی۔ اور ایک نئے معیار زبان وسخن کے لئے راستہ ہموار ہوگیا۔ ص۳

برسوں بعد محمد باقر آگاہ نے گلزار عشق کے دیباچے میں اس حقیقت کا اظہار یوں کیا تھا:

"جب لگ ریاست سلاطین دکن کی قائم تھی زبان اونکی درمیانے اونکے رائج اور طعن وشماتت سے سالم تھی لیکن جب شاہان ہند اس گل زمین جنت نظیر کو تسخیر کئے طرز روز مرہ دکنی نہج محاورہ ہند سے تبدیل پائے"...... ص۴۔

اس نقطے کو نگاہ میں رکھئے اور مالیگاؤں کے قلعہ کے محافظ سپاہیوں کے تعلق سے ڈاکٹر اشفاق انجم کا یہ بیان دیکھئے:

"بعض شواہد کی بناء پر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ان فوجیوں میں کچھ خاندیشی سپاہی بھی شامل ہوگئے تھے ان میں ذوق شعری موجود تھا راقم کے خیال میں مالیگاؤں میں سب سے پہلے انہی خاندیشی اور عرب سپاہیوں نے ادب کی شمع روشن کی جس کا زندہ ثبوت عطآ کا قلمی نسخہ ہے جو

ص۱ سرور ڈنڈا اور سلیمان خطیب کی شاعری اس کی مثالیں ہے۔
ص۲ ڈاکٹر جمیل جالبی،تاریخ ادب اردو،جلد اول،مطبوعہ دہلی،۱۹۷۷ء،ص ۳۷۶
ص۳ ......ایضاً......،ص ۳۷۷
ص۴ ......ایضاً......،ص ۳۷۷

یہاں کی ابتدائی شاعری کا بہترین نمونہ ہے جس میں خاندیشی اور فارسی زبان میں کہے گئے مرثیے درج ہیں۔ لیکن اس میں خالص اردو کا ایک بھی شعر نہیں ملتا............"صلہ۔

اتفاق کی بات کہ راقم الحروف جب اردو لائبریری مالیگاؤں میں شہر کے نثر نگاروں کی تخلیقات کی تلاش میں رسالوں کی ورق گردانی میں مصروف تھا، خوش قسمتی سے منشی دادا میاں عطاؔ کا دیوان "دیوانِ عطاؔ المعروف بہ چراغ بقا" مطبوعہ ۱۸۸۹ء ہاتھ آ گیا۔ اس دریافت نے عطا کی شاعری اور اس وقت کی زبان پر پڑی ہوئی ساری گرد صاف کردی۔ اس کے مطالعہ سے یہ عقدہ کھلا کہ خاندیش سے تعلق رکھنے والے اس شاعر کا کلام اس عبوری دور کی نمائندگی کرتا ہے جب بقول محمد باقر آگاہ "طرز روزمرہ دکنی" "نہج محاورہ ہند" میں تبدیل ہو رہی تھی۔ بالفاظ دیگر یوں کہنا چاہئے کہ ان کی شاعری میں دکنی لسانی خصوصیات اپنی آخری سانسیں گن رہی تھیں۔

اس دیوان سے ایک مکمل نعت پاک دیکھئے۔ صلہ

دلا ہم کو محمدؐ کی حمایت ہے تو کیا غم ہے	اگر چہ کل کے دن بھی جو قیامت ہے تو کیا غم ہے
نبی ہے رہنما اپنا علی مشکلکشا اپنا	اگر شیطان کمینے سے عداوت ہے تو کیا غم ہے
ہمیں حضرت کے کلمہ پاک کا ورد و وظیفہ ہے	اگر چہ قبر کی شدت نہایت ہے تو کیا غم ہے
عدل کی کرسی پہ جس وقت فرماوے جلوس اللہ	وکیل اس وقت کے ختم رسالت ہے تو کیا غم ہے
رہیں گے مومنو خلدِ بریں میں عیش و عشرت سے	اگر دنیائے فانی میں مصیبت ہے تو کیا غم ہے

عطاؔ خاطر پریشان ہو نہ محشر کے عذابوں سے
تجھے نعت نبی لکھنے کی عادت ہے تو کیا غم ہے

مختصر یہ کہ دیوانِ عطاؔ کا تجزیہ کرنے سے یہ حقیقت سامنے آئی کہ اس میں دکنی عناصر بہت کم ہیں۔ اور زبان کی خاصی نکھری ہوئی شکل دکھائی دیتی ہے۔ اس بنا پر یہ کہنے میں حرج نہیں کہ عطاؔ کے یہاں دکنیت کا وقت رخصت انیسویں صدی کے نصف آخر میں آ چکا تھا۔ اس مجموعہ کی اشاعت کے بعد وہ مزید پچاس پچپن سال حیات رہے لیکن افسوس اس دور کا کلام ناپید ہے۔ ورنہ اردو کی اور زیادہ بجی سنوری شکل دیکھنے کو ملتی۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ دکن اور خاندیش سے تعلق رکھنے والے اسی زمانے کے

صلہ: ڈاکٹر اشفاق انجم، شعرائے مالیگاؤں، ص ۱۹

صلہ: دادا میاں عطاؔ مالیگانوی، دیوان عطا المعروف بہ چراغ بقا، ۱۸۸۹ء، ص ۳۷

اور اسکے بعد کے جن دوسرے شعراء کے کلام دستیاب ہیں انمیں دکنی زبان کا شائبہ تک نہیں بلکہ وہ دہلی اور لکھنؤ کی صاف ستھری معیاری زبان کی خصوصیات سے آراستہ ہیں۔ دوسری طرف یوپی کے مومن بنکروں کے جو خاندان مالیگاؤں پہنچے وہ سب پوربی بولی بولتے ہوئے آئے۔ یہ وہی بولی ہے جو آج بھی اپنی خالص شکل میں یوپی کے دیہاتوں میں رائج ہے۔ ان نووار دین میں بہت سے اہل علم، اہل ذوق اور شعراء موجود تھے۔ یہ لوگ لکھنؤ اور دلی کی شعری روایتوں سے آشنا تھے اور اسی نہج پر شعر بھی کہتے تھے۔ اسلئے ان کیلئے کوئی مسئلہ نہ تھا۔ بہت جلد وہ ہندوستان کے مقتدر گلدستوں میں شائع ہونے لگے۔

ڈاکٹر اشفاق انجم رقم طراز ہیں:۔

"اب تک جو سب سے قدیم گلدستہ دستیاب ہوا ہے وہ (پیام عاشق) قنوج ہے۔ جس کے ۱۸۹۲ء کے دو شمارے راقم کے پاس موجود ہیں۔ ان میں مالیگاؤں کے شعراء کا کلام شائع ہوا ہے۔ لهذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہاں آنے والے مہاجرین میں شعرا اور ذی علم حضرات یقیناً شامل تھے جن کے ہاتھوں یہاں اردو نے آنکھیں کھولیں اور ادب کی شمعیں روشن ہوئیں........" ص۱

مالیگاؤں کی شاعری بیسویں صدی کے آغاز سے ہی ہندوستان کے دیگر مقامات کی اردو شاعری سے آنکھیں ملانے لگی تھی۔ ۱۹۰۲ء میں اردو لائبریری مالیگاؤں کا قیام عمل میں آیا جہاں ہندوستان بھر کے ادبی رسالے اور شعری گلدستے آنے لگے۔ علمی کتابوں کا ایک ذخیرہ جمع ہوگیا جس سے یہاں کے شعراء و ادبا کو استفادے کا بھرپور موقع ملا۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ مقامی شعراء کا تعلق ملک کی معیاری زبان اور شاعری سے مستقلاً باقی رہا اور وہ ادب کی رفتار و ترقی سے واقف ہوتے رہے۔ دوسرے یہ کہ ان کے مطالعے اور مقامی مشاعروں اور مرثیہ خوانی کی مجلسوں کے سبب خاندیش اور دکن کے شعراء نے بہت جلد اپنی زبان سے دکنی خصوصیات کو الوداع کہہ دیا اور اس معیاری زبان کو اپنا لیا جو سارے ملک میں دھوم مچائے ہوئے تھی۔ اس وقت کے بعض شعرائے مالیگاؤں نے حضرت تجمل جالپوری اور حضرت نوح ناروی جیسے استادان فن کی شاگردی قبول کی۔ جسکے اثرات یقیناً مقامی زبان نے قبول کئے اور ادبی زبان میں مزید نکھار پیدا ہوا۔

ص۱ : ڈاکٹر اشفاق انجم، شعرائے مالیگاؤں، ص ۱۲

اوپر جن تبدیلیوں کی طرف اہم اشارے کئے گئے ہیں وہ تخلیقی زبان میں واقع ہوئیں۔اس کے ساتھ ہی ساتھ دونوں علاقوں سے آنے والوں کی بولیاں یعنی خاندیشی اور پوربی بھی تغیرات سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ پوربی لہجے کی ملائمیت اور نزاکت نے خاندیشی کی کرختگی کا اثر قبول کرلیا اور پوربی بولی خاندیشی اور مقامی اثرات قبول کرکے، نیز اردو کے اثرات سے ایک ایسی بولی میں تبدیل ہوگئی جسے مالیگانوی بولی کا نام دیا جاسکتا ہے۔ دوسری جانب خاندیشی بھی اپنی اصلی شکل میں باقی نہ رہ سکی اور کچھ اردو اور کچھ پوربی کے اثرات سے اپنی بہت سے خصوصیات گنوا بیٹھی اور اس میں کافی تبدیلی آگئی۔

نثر کی ابتدا

مقامی تذکروں میں ۱۸۸۰ء اور اس کے آس پاس کا زمانہ مالیگاؤں میں شاعری کی ابتدا کا زمانہ تسلیم کیا گیا ہے۔ جہاں تک نثر کا تعلق ہے اس سے تقریباً تیس برس کے بعد با قاعدہ نثر نگاری کا آغاز ممکن ہو سکا۔ یوپی سے مومن بنکروں کے انخلاء سے قبل شمال میں نثر نگاری کو کافی فروغ مل چکا تھا۔ ان آنے والوں میں چونکہ بہت سے ذی علم، اہلِ ذوق اور شعراء شامل تھے۔ اسلئے یقیناً نثر کی کتابیں ان کے مطالعہ میں آئی ہونگی۔ مثلاً اس وقت تک غالب کے خطوط منظر عام پر آچکے تھے۔ انہوں نے دیکھا ہوگا کہ اس عبقری شخصیت نے نثر کا ایک ایسا طرز نکالا جس میں سلاست، روانی اور بے تکلفی ہے، بھاری بھرکم الفاظ نہیں ہیں، مقفیٰ اور مسجع عبارتیں نہیں ہیں، تصنع اور بناوٹ نہیں ہے، بلکہ نہایت سادہ اور دلنشیں انداز رکھتی ہیں۔ غالب کے بعد بہت سارے ادیبوں نے نثر کے اسی طرز کا تتبع کیا۔ ان میں سب سے نمایاں سرسید احمد خان نظر آتے ہیں۔ سرسید کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح تھا، انہوں نے وہ شکنجے توڑ ڈالے جو ادب کو رسم پرستی اور تصنعات میں جکڑے ہوئے تھے۔ ان کی کوششوں سے فکری اظہار خیال کے سوتے پھوٹے اور دامن اردو بہار نظر بن کر لہلہا اٹھا۔ [۱]

ان کی جادو بھری شخصیت نے اعلیٰ تخلیقی صلاحیت رکھنے والے روشن خیال افراد کی ایک جماعت پیدا کر دی۔ حالی، شبلی، نذیر احمد، ذکاءاللہ، محسن الملک، چراغ علی، وقار الملک وغیرہ سرسید کے دامن فیض سے وابستہ تھے۔

حالی کی تحریروں نے سادہ نگاری کی اس روایت کو مستحکم کیا جسے سرسید احمد خان نے شروع کیا تھا اور بوجھل الفاظ وتراکیب سے رہائی دلائی۔ ادھر لکھنؤ میں اس زمانے میں فقیر محمد خاں گویا اور رجب علی بیگ سرور کا سرمایۂ نثر تخلیق پا چکا تھا۔ لیکن عربی وفارسی الفاظ کی کثرت کی وجہ سے گویا کا طرز تحریر بہت زیادہ پسندیدہ نہیں سمجھا گیا اور سرور کی مقفیٰ اور مسجع زبان اور فن کے آرائشی لوازمات کے بھرپور استعمال نے زبان میں تکلف پسندی اور تصنع پرستی پیدا کر دی تھی۔

---

[۱] نسیم قریشی، اردو ادب کی تاریخ مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۶۶ء، ص ۱۶۶

مالیگاؤں آنے والے اردو داں حضرات کی نظروں سے یقیناً یہ ذخیرۂ نثر بھی گذرا ہوگا۔ لیکن ان کے زخم خوردہ دماغ اور ستم برداشتہ دل آرائش اور مصنوعی زبان کے تکلفات کے متحمل نہ ہوسکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے حالیؔ کی سادہ نگاری کو اپنے دکھے دلوں سے قریب پایا۔ اس کی تفصیل مناسب موقع پر بیان کی جائے گی۔

فی الحال یہ بات قابل توجہ ہے کہ مالیگاؤں میں انیسویں صدی کے آخری پچاس سال اور بیسویں صدی کی پہلی دہائی کی طویل رات گل وبلبل کے افسانوں اور عشق ومحبت کے ترانوں میں بسر ہوگئی۔ شاعری کے ''دنگل'' ہوتے رہے، مرثیوں کے مقابلے ہوتے رہے، بدیہہ گوئی کے کمالات دکھائے جاتے رہے۔ شعری محفلوں میں چشمکیں چلتی رہیں لیکن کسی کو نثر نگاری کا خیال تک نہ آیا۔ حالانکہ یہ وہ لوگ تھے جن کے دل مسلمانوں کی اصلاح کے جذبے سے سرشار تھے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ یہاں پہنچ کر سکون پاتے ہی انہوں نے دینی مدارس کے قیام پر توجہ دی، مسجدیں تعمیر کیں، اصلاح معاشرہ کی عملی کوششیں کیں، وعظ ونصائح کی محفلیں آراستہ کیں۔ وہ اگر چاہتے تو اصلاح کے لئے نثر کا استعمال بھی کر سکتے تھے مگر افسوس ایسا نہ ہوسکا اور ایک مدت تک سحر شاعری ان کے ذہنوں پر سحر سامری کی طرح چھایا رہا اور نثری ادب اپنے موسیٰ کا انتظار کرتا رہا۔

تب شعر وشاعری کے ہنگاموں سے پر اس ماحول سے قلم کا ایک مجاہد اٹھا جس نے نہ صرف نثر کا آغاز کیا بلکہ تنقید، تاریخ، اسلامیات، اصلاح معاشرہ، ہر موضوع پر قلم کے وہ جوہر دکھائے کہ شہر مالیگاؤں آج بھی ان کے احسانوں کا بدلہ چکانے سے قاصر ہے۔ وہ شخصیت تھی مولانا عبدالمجید وحیدؔ کی، جنہوں نے ۱۹۱۰ء میں باقاعدہ نثر کا آغاز کیا صلہ[۱] انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف وتالیف کیں، انہیں چھپوایا، تقسیم کیا اور سخن ورانِ شہر کو اک نئی منزل کی طرف گامزن کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ آج اتنا طویل زمانہ گذر

صلہ[۱] "باقاعدہ" اس لئے کہا گیا ہے کہ ان سے قبل مولانا عبداللہ الاعظمی ایک رسالہ "آمین بالجہر کی تردید میں" ۱۹۰۰ء سے قبل تحریر کرچکے تھے۔ جس کی تفصیل مولانا عبداللہ کے تذکرے میں موجود ہے لیکن انہوں نے نثر نگاری کو باقاعدگی اور تسلسل کے ساتھ نہیں برتا۔ اس رسالے کے علاوہ ان کی کوئی دوسری نثر دستیاب نہیں ہے۔

جانے کے باوجود نثر کے اتنے سارے پہلوؤں کا احاطہ کرنے والی دوسری شخصیت شہر میں وجود میں نہ آسکی۔
...............(ان کا تفصیلی بیان مولانا کی شخصیت کے باب میں کیا جائے گا)

مولانا وحیدؔ سے قبل مولانا عبداللہ اعظمی کے قلمی رسالے کے علاوہ نثر کا ایک معمولی سا ٹکڑا ''دیوانِ عطا'' میں ملتا ہے۔ اسے عطا صاحب نے اپنے دیوان کے دیباچے کے طور پر تحریر کیا ہے۔ اس میں انہوں نے جس طرز کا استعمال کیا ہے وہ منشی نولکشور پریس سے شائع شدہ کتابوں کے دیباچوں کے طرز سے مماثلت رکھتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو؟ عطاؔ صاحب صرف اردو کے ہی نہیں فارسی کے بھی شاعر تھے۔ یقیناً نولکشور پریس سے چھپی ہوئی کتابیں ان کی نظر سے گذری ہوں گی جس کے سبب انہوں نے اپنی دکنی خصوصیت سے مملو زبان کی بجائے نثر میں وہی فارسی آمیز لکھنوی طرز اختیار کیا۔ چونکہ یہ دیباچہ مالیگاؤں میں نثر کا نقشِ اولین ہے اسلئے اسے جوں کا توں پیش کیا جارہا ہے:۔

''حمدوسپاس اوس خلاق علی الاطلاق کو زیبا
اور شایان ہیکه جس نے صدف دہان انسان سے
وہ گوہر بے بہا نکالے که بجز اس کی ذات پات کے
کوئی جوہری اوسکی قیمت و قدر و منزلت نه
کرسکے اورکوئی اوسکی خریداری کا دم نه
بھرسکے. اور نعت بے غایات اوس قافله سالار راہ
ہدایات کو که جس کے کرم و الطاف کے باعث
گمشدگان راہ ضلالت نیل مرام ومنزل و مقام کو
پہنچے ﷺ اما بعد ضعیف نحیف فقیر حقیر

سراپا تقصیر، ہیچمدان عبدالکریم عرف دادا میاں
ابن جناب شیخ چاند حنفی مالیگانوی متخلص بہ
عطاؔ اہل مطابع و تاجران ذیشان کی خدمت میں
ملتمس ہے کہ میں نے حق تالیف اس دیوان کا
بنام منبع فیض عظیم جناب قاضی عبدالکریم و
قاضی رحمتہ اللہ صانہم اللہ کے ہبہ کردیا
ہے۔لہذا کوئی صاحب قصد چھاپنے یا چھپوانے کا
نہ فرماویں اور طمع نفع قلیل سے نقصان کثیر نہ
اٹھاویں۔'' [۱]

اس نثر پارے اور مولانا عبداللہ اعظمی کے قلمی رسالے کے بعد ۱۹۱۰ء تک خاموشی حکمراں رہی۔

تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

مولانا عبدالمجید وحیدؔ نے اسی سال نثر کی بنیاد ڈالی اور ان اجنبی راستوں پر قدم بڑھائے جن سے شہر کا علمی طبقہ اب تک نا آشنا تھا۔ آج نثر نگاروں کے قافلے انہیں کے نقوش قدم پر رواں دواں ہیں۔

آئندہ صفحات ان نثر نگاروں کے تذکروں سے مزین و منور ہوں گے جنہوں نے نہ صرف اپنے صدف قلم سے ادب، ہنر، فن اور علم کے قیمتی موتی برآمد کیے بلکہ خون جگر میں قلم ڈبو کر وہ شہ پارے تخلیق کیے جن کے سبب مالیگاؤں آسمان ادب پر ماہ عالمتاب بن کر جگمگا رہا ہے۔ جب تک

---

[۱] : عطاؔ مالیگانوی، دیوان عطاؔ المعروف بہ چراغ بقا، ۱۸۸۹ء، ص ۲

اردو زندہ ہے ان تخلیق کاروں کا نام بھی تابندہ رہے گا:

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ان میں سب سے روشن اور نمایاں نام قافلہ سالار نثر نگاران مولانا عبدالمجید وحیدؔ کا ہے۔ راقم کے لئے یہ بڑی سعادت کی بات ہوگی کہ انہیں سے ''مالیگاؤں میں اردو نثر نگاری'' کے تذکرے کا آغاز کرے۔

دوسرا باب : دورِ اوّل

(۱۹۱۰ء تا ۱۹۴۰ء)

مولانا عبدالمجید وحیدؔ

پیدائش: ۲۵؍ذی الحجہ ۱۳۰۳ھ بمطابق ۱۴؍ستمبر ۱۸۸۶ء

وفات: ۳۰؍ستمبر ۱۹۵۹ء

شہر مالیگاؤں کے پہلے مورخ ابوالعمید مولوی عبدالمجید وحید اشرفی نعمانی کے والد کا نام مولانا حافظ قاری محمد نصراللہ عرف بابو حافظ تھا۔ والد ضلع اعظم گڑھ کے اور والدہ ولید پور کی تھیں۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں کے بعد ہی ترک وطن کر کے مالیگاؤں آ گئے۔ بابو حافظ نے بھوپال اور راندیر میں تعلیم حاصل کی۔ مدرسہ نظامیہ ممبئی میں چار برس تک درس دیتے رہے۔ ان کا انتقال ۱۹۰۲ء میں ہوا۔ مولانا عبدالمجید کی پیدائش مالیگاؤں میں ہوئی۔ مدرسہ بیت العلوم میں تعلیم حاصل کی۔ مولانا محمد اسحٰق مقصد نے ابتدائی جماعتوں کے بعد اعلیٰ تعلیم سے بہرہ ور کیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد علم دین کی اشاعت میں مصروف ہو گئے اور درس و تدریس کا سلسلہ اپنے مکان واقع محلہ قلعہ سے شروع کیا۔ مولانا وحیدؔ ہینڈلوم کی صنعت سے وابستہ تھے۔ کرگھے پر ساڑیاں تیار کرتے، جو کچھ یافت ہوتی اسی پر قناعت کرتے۔ ساڑیوں پر گل بوٹے سجانے کے ساتھ ساتھ گلزار شعر و ادب میں بھی غنچہ و گل کھلاتے رہے۔ محلہ قلعہ کی مسجد میں تیرہ برس تک امامت کی، مدرسہ چشمہ کوثر جاری کیا، انجمن ہدایت اسلام میں عربی و فارسی کا درس دیا، مدرسہ معین العلوم بیلباغ میں طالبات کو عربی، علوم دین اور ناظرہ کی تعلیمات سے مستفید فرمایا۔ مالیگاؤں میں ہی انتقال ہوا۔

مولانا وحیدؔ کی شخصیت عہد آفرین تھی۔ انہوں نے وہ زمانہ پایا۔ جب شہر کی گلی گلی میں شعر و ادب کی محفلیں منعقد ہو رہی تھیں۔ فی البدیہہ مشاعرے ہو رہے تھے، طرحی مصرعوں پر طبع آزمائیاں ہو رہی تھیں۔ انہوں نے بھی کچھ دور تک زمانے کی اس روش کا ساتھ دیا۔ شاعری میں حضرت تجمل جلال پوری کے شاگرد ہوئے۔ ’’تاجدار‘‘ نام کا شعری گلدستہ بھی جاری کیا جس میں طرحی مصرعوں پر شعراء کے کلام شائع ہوتے تھے۔

مولانا چاہتے تو شہر کے دیگر شعرا کی طرح خود بھی زلفِ شاعری کے اسیر ہو کر رہ جاتے۔ لیکن قدرت نے ان سے کچھ اور کام لینا طے کر رکھا تھا۔ بہت جلد مولانا وحیدؔ کا قلم قرطاسِ نظم سے صفحۂ نثر کی طرف مڑ گیا۔ نثر کے میدان میں ان کا قلم بہت تیز تھا۔ انہوں نے مختلف النوع موضوعات پر بہت کچھ لکھا اور لکھنے کے بعد اسے محض بیاضوں میں بند نہیں رکھا بلکہ چھوٹی بڑی ہر کتاب کو دور دراز کے مطابع سے چھپوا کر شائع کیا۔ انکی کتابیں ممبئی، منگلور، آگرہ، کانپور اور مالیگاؤں کے مطابع میں طبع ہوئیں اور دور دور تک تقسیم ہوئیں۔ مولانا کو اس کام میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مالیگاؤں انکی خدمات کا قرض کبھی نہ اتار سکے گا۔ مناسب معلوم ہوتا ہیکہ انکی تخلیقات کا ایک سرسری جائزہ لیا جائے تا کہ انکی خدمات کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

۱) گلشن ابراھیم خلیلؑ:

نثر کی ترغیب مولانا وحیدؔ کو جناب محمد عبدالعظیم سیٹھ اور منشی عبدالوہاب صاحب نے دلائی لیکن پہلی کتاب کا موضوع انہیں ان کے استاد مولانا محمد اسحٰق مقصدؔ نے دیا۔ جس کی بنا پر انہوں نے ۱۳۲۹ھ (۱۹۱۱ء) میں "گلشن ابراہیم خلیل" نام کی کتاب لکھی جو ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے اور مطبع مصطفائی ممبئی سے طبع ہوئی۔ اس میں قربانی کے مسائل بصراحت بیان کئے گئے ہیں۔ اس کتاب سے نہ صرف مالیگاؤں میں باقاعدہ نثر نگاری کا آغاز ہوتا ہے۔ بلکہ اسے شہر کی سب سے پہلی مطبوعہ نثری کتاب کا درجہ بھی حاصل ہے۔

۲) مکائد النساء المعروف به عورتوں کے مکر (حصہ اول):

اس میں عورتوں کے مکر و فریب کو قصے کہانیوں کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔ اندازاً ۱۳۲۹ھ ص۱ (۱۲۔۱۹۱۱ء) میں طبع ہوئی۔ مولانا نے یہ حکایتیں مثنوی مولانا روم، مراۃ النساء، دارالمجالس اور خیر المونس وغیرہ کتابوں سے اخذ و ترجمہ کی ہیں۔

ص۱: راقم کے پاس جو کتاب موجود ہے اس کے اول و آخر کے صفحات غائب ہیں سن اشاعت کا اندازہ اس بنیاد پر لگایا گیا ہیکہ مولانا وحیدؔ کی اولین کتاب گلشن ابراھیم خلیلؑ ۱۳۲۹ھ میں طبع ہوئی اور انہیں کے بیان کے مطابق "عورتوں کے مکر کا دوسرا حصہ ۱۳۳۰ھ میں شائع ہوا تھا اس لحاظ سے حصہ اول ان دونوں کتابوں کے درمیانی زمانے میں شائع ہوا ہوگا۔

۳)مکائدالنسا، عرف عورتوں کے مکر (حصہ دوم):

مکائدالنساء حصہ اول کی مقبولیت اور عام پسندیدگی سے حوصلہ پاکر مولانا نے اسکا دوسرا حصہ تحریر فرمایا۔ یہ رسالہ ۲۴؍صفحات کا ہے جو ۱۳۳۰ھ میں شائع ہوا۔ پیرایۂ اظہار وہی اختیار کیا گیا ہے جو حصہ اول میں ہے۔ اسکا دوسرا ایڈیشن مع اضافۂ جدید مسلم پریس بنگلور سے ۱۳۴۴ھ (۱۹۲۵ء) میں طبع ہوا۔

۴)تحفۂ مجید عرف چراغ نماز :

۳۲؍صفحات کی یہ کتاب ۱۳۳۴ھ (۱۹۱۶ء) میں مطبع مصطفائی ممبئی سے طبع ہوئی۔ اس میں نماز و وضو وغیرہ کے ضروری مسائل نہایت سلیس اور عام فہم انداز میں بیان کئے گئے ہیں جو نماز کی اصلاح کیلئے نہایت مفید ہیں۔

۵)مجید و غفار المعروف بہ قول مختار در بابت مسجد ضرار :

۱۶؍صفحات کا یہ رسالہ ۱۳۳۵ھ (۱۹۱۷ء) میں مصطفائی پریس ممبئی سے طبع ہوا۔ ایک مسجد کی موجودگی میں جس میں نمازی نہ رہتے ہوں، اسی مقام پر دوسری مسجد کے تعمیر کے ضرر کو شریعت کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ مسجد کے تعلق سے مسائل کا احاطہ کرنیوالی جامع کتاب ہے۔ اسکا دوسرا ایڈیشن ۱۳۴۴ھ (۱۹۲۵ء) میں شائع ہوا۔

۶) حرامی مغلوب : ترشحات وحید :

یہ رسالہ ۱۳۳۷ھ (۱۹۱۸ء) میں شائع ہوا یہ دراصل مولانا یوسف عزیزؔ کے ایک سہرے پر تنقید ہے جسے مولانا محمد یوسف عزیزؔ نے اسی سال تحریر کیا تھا۔ مولانا عزیزؔ نے مولانا وحیدؔ سے بار بار اصرار کیا کہ آخرالذکر اس سہرے پر تنقیدی نظر ڈالیں۔ مولانا پہلے تو ٹالتے رہے لیکن جب ادھر سے اصرار بڑھا تو تنقید لکھنے پر تیار ہو گئے۔ صلہ لیکن ان کی یہ تنقید تنازعہ کا سبب بن گئی کیونکہ انہوں نے اس میں مولانا عزیزؔ اور انکے شاگردوں کا ہنسی ٹھٹھا اور مضحکہ اڑانے پر سارا زورِ قلم صرف کر دیا۔ جو تنقید محض ایک دو پیراگراف میں لکھی جا سکتی تھی اسے زیبِ داستاں کے لئے اتنا بڑھا دیا گیا کہ بات بڑھ گئی۔ اس میں متانت اور سنجیدگی کی بجائے نہایت سخت زبان استعمال کی گئی ہے۔ اس تحریر پر مولانا وحیدؔ کو ''ایک بڑی علمی مجلس'' میں ان الفاظ میں معافی مانگنا پڑی:۔

صلہ: مولانا وحیدؔ ،حرامی مغلوب:ترشحات وحید۱۹۱۸ء ص ۲۶

میں نے افتخار سخن ۷.۶ میں ایک مضمون بعنوان ''حرامی مغلوب ترشحات وحیدؔ'' لکھا تھا جس میں برادر عزیز کے دو تین شعر کی تنقید کی تھی اس میں جو اعتراضات و الفاظ خلاف تہذیب تھے اسے میں واپس لیتا ہوں اور معافی کا خواستگار ہوں امید کہ مجھے معاف فرمائینگے والسلام صلہ

اس تنازعہ سے قطع نظر امر واقعہ ہے کہ ترشحات وحید اس شہر کی ادبی تنقید کی عمارت کا سنگِ بنیاد ہے۔

۷)باغ عروس مع افتخار مجید:

۳۴ رصفحات کا یہ رسالہ ۱۳۳۹ھ (۱۹۲۰ء) میں مطبع آگرہ اخبار آگرہ سے چھپ کر مالیگاؤں سے شائع ہوا۔اس رسالے میں مشہور پیغمبروں کی بی بیوں کے مختصر حالات ،نام مبارک،کنیت و لقب،حسب و نسب،طرزِ معاشرت،تاریخ ولادت،سال وفات،جائے مزارات وغیرہ کے بیان کے ساتھ ساتھ چند دیگر پاک دامن خواتین کے واقعات کا بامحاورہ اردو میں تذکرہ ہے۔''عورتوں کے مکر'' کا انکشاف کرنے کے بعد اصلاح نسواں کے تعلق سے یہ رسالہ مولانا کی ایک قابل قدر کوشش ہے۔کتابت وطباعت ان کے دیگر رسائل کی بہ نسبت کافی بہتر ہے۔

۸)نقارۂ شرعیہ عرف مجموعہ فتاویٰ مجیدیہ:

۳۲ رصفحات کا یہ رسالہ ۱۳۴۲ھ (۱۹۲۳ء) میں مطبع مصطفائی ممبئی میں طبع ہوا جس میں ۱۳۳۰ھ سے ۱۳۴۲ھ کے استفتاء کے جوابات شامل ہیں جو مولانا وحیدؔ سے دریافت کئے گئے تھے۔۱۳۳۰ھ تک کے استفتاء کی بیاض ان کے بیان کے مطابق کسی ''نقلی شریف زادے'' کے ہاتھ لگ گئی جس کا پتہ نہ چل سکا۔

۹)تاریخ شہر مالیگاؤں المعروف بہ فروغ مجید:

۶۴ رصفحات کی یہ کتاب ۱۳۴۳ھ (۱۹۲۴ء) میں شمس المطابع لکھنؤ میں طبع ہوئی۔یہ کتاب لکھ کر دراصل مولانا نے شہر پر ایک بڑا احسان کیا ہے۔اسکے لئے انہوں نے بڑی مشقتیں برداشت کیں،جگہ جگہ کی خاک چھانی سیکڑوں لوگوں سے ملاقاتیں کیں۔اور اس اہم کام کو تکمیل تک پہنچایا۔اس میں انہوں نے شہر

صلہ : گلدستہ بہار،مالیگاؤں،مئی ۱۹۲۴ء،ص ۴

مالیگاؤں کا جغرافیائی محل وقوع، بازار، گلیاں، کنویں، مساجد، منادر، کتب خانے اور مراٹھی اور عربی مدارس، اہم واقعات، وبائیں، سیلاب، قلعہ کی جزئیات، انگریزوں سے لڑائی کی تفصیلات، راجہ نارو شنکر کے حالات، شہر کی مختلف بستیوں کی کیفیات، جنگ آزادی کی تحریکات، مختلف اوقات میں اٹھنے والے تنازعات، آبادی وترقی وغیرہ کا ذکر اتنے جامع طریقے سے کیا ہے گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ شہر کے بیان میں پیرایۂ اظہار ایسا دلکش ہے کہ معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی گائیڈ سیاحوں کا ہاتھ پکڑے ایک ایک گلی، کوچے، بازار، اور چوراہے کی سیر کرا رہا ہو۔ مولانا انگریزی اور مراٹھی زبانوں سے ناواقف تھے۔ اس حقیقت کا برملا اعتراف کرنے کے ساتھ ساتھ مولانا نے ان حضرات کے اسمائے گرامی بھی شائع کئے ہیں جنھوں نے انکے لئے انگریزی گزیٹئر اور مراٹھی کتب ورسائل کے تراجم کئے۔ ۱۳۷۶ھ (۱۹۵۷ء) میں اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن مع اضافۂ جدید شائع ہوا جو رزاقی پریس کانپور میں چھپا۔ اس میں انہوں نے ۱۹۲۴ء سے ۱۹۵۷ء کے درمیان کے اہم واقعات، اہم شخصیات کی آمد، نئے مدارس کے قیام، مساجد کی تعمیر وتوسیع وغیرہ کو بھی شامل کر کے کتاب کو ایک دستاویز کی شکل دے دی ہے۔ اس کتاب کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ مولانا وحید شہر کے سب سے پہلے مورخ ہیں۔ اور ''تاریخ شہر مالیگاؤں'' تاریخ کے موضوع پر شہر کی اولین کتاب ہے۔ راقم کے خیال میں مولانا وحید اگر کچھ اور نہ بھی لکھتے تو یہی ایک کتاب ان کے نام کو بقائے دوام عطا کرنے کے لئے کافی تھی۔

۱۰) نسخۂ بابرکت مع مجربات مجید:

سن اشاعت ۱۳۴۱ھ (۱۹۲۲ء) ہے۔ کتاب نایاب ہے۔ غالباً یہ نقش وتعویذات کی کتاب ہے۔ ''تاریخ شہر مالیگاؤں'' میں جو اشتہار شائع ہوا ہے اس میں صرف اتنا تحریر ہے:

> ''اسکے نام ہی سے ظاہر ہے۔ اس کے ہر نسخے اور تعویذات حضرت مصنف صاحب مدفیوضہم کے بارہا آزمائے ہوئے ہیں جو جادو سا اثر رکھتے ہیں۔''

۱۱) آئینۂ قرأت:

صفحات ۲۸، ۱۳۴۵ھ (۱۹۲۶ء) میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کی وجہِ تصنیف یہ ہے کہ جب قاری محمد حسین اشرفی مرحوم الہ آباد سے شعبۂ قرأت کی تعلیم حاصل کر کے لوٹے تو انہوں نے اھدنا الصراط المستقیم کو بھدنا الصراط المستقیم اور اللہ الصمد کی بجائے ن اللہ الصمد وغیرہ پڑھنا شروع کیا۔ اس

طریقہ قرأت کی حمایت اور مخالفت میں لوگ جمع ہوگئے۔ بعض حضرات نے فتوے منگوائے جن کی بنیاد پر آئینہ قرأت لکھی گئی۔ مولانا وحید نے اس طرز قرأت کو فتنہ قرار دیتے ہوئے اسکے رد میں یہ رسالہ تحریر کیا ہے۔

۱۲) آئینۂ ترکیب:

یہ بھی دستیاب نہیں ہے۔ صرف مصنف کی کتابوں کے اشتہار میں شامل ہے۔ موضوع اور سن اشاعت نامعلوم ہے۔

۱۳) مصابیح شرعیہ عرف مجموعہ فتاویٰ وحیدیہ مع وصیت نامہ:

بیس صفحات کی یہ کتاب ۱۳۶۹ھ (۱۹۵۰ء) میں آزاد پریس مالیگاؤں میں طبع ہوئی۔ اس میں مولانا موصوف کے فتوے اور ان کا وصیت نامہ شامل اشاعت ہے۔

۱۴) مناجات وحید منظوم مع حمد باری تعالیٰ:

۱۶ رصفحات پر مشتمل مطبع رزاقی کانپور سے طبع شدہ مولانا وحید کا شعری رسالہ ہے۔ جو ستمبر ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا۔

۱۵) حاسد کی خرابی محسود کی خوبی:

یہ رسالہ بھی نایاب ہے۔ موضوع عنوان سے عیاں ہے۔

۱۶) سراج مجید عرف نور المجالس ترجمہ اردو دار المجالس: صلہ

یہ فارسی کتاب دار المجالس کا ترجمہ ہے۔ قلمی نسخہ فل اسکیپ سائز کاغذ پر جلی حرفوں میں کتابت کیا ہوا، ۲۲۶ رصفحات پر محیط ہے۔ یہ ترجمہ ماہ جمادی الثانی ۱۳۳۵ھ (مارچ ۱۹۱۷ء) میں مکمل ہوا اب تک اشاعت سے محروم ہے۔

۱۷) تحقیق مسائل شرعی:

''مصابیح شرعیہ'' کے آخری صفحے پر اس کتاب کے اشتہار میں ''غیر مطبوعہ'' لکھا ہوا ہے۔ چونکہ نظر سے نہیں گذری اس لئے رائے زنی نہیں کی جاسکتی۔

صلہ: اصل ترجمہ مدرسہ بیت العلوم میں موجود ہے۔ راقم کے پاس اس کی فوٹو کاپی ہے۔

(۱۸) چراغ عقبیٰ ترجمہ زاد الآخرت: اس ترجمے کا ذکر مولانا وحید نے خود کیا ہے صلہ۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا نے یہ ترجمہ ۱۹۱۵ء سے قبل کر لیا تھا۔ کیونکہ ڈاکٹر شمس الدین شاکر محمدی واڈیا ہاسپٹل میں ۱۹۱۵ء میں اسسٹنٹ سرجن کی حیثیت سے مالیگاؤں آئے تو یہ قلمی نسخہ موصوف کی خدمت میں پیش کیا گیا جو ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل تھا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس پر تقریظاً یوں لکھی:۔

> ''چراغ عقبیٰ جناب مولوی عبدالمجید صاحب پیش امام کی تصنیف ان کی مشقت ریزی کی پوری دلیل ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ قدر شناس اس تصنیف کی قدر کامل طور پر کریں گے'' صلہ

تلاش بسیار کے باوجود یہ قلمی نسخہ دستیاب نہ ہو سکا۔ اسلئے مزید تبصرے کی گنجائش نہیں۔ بہر حال ان تراجم سے مولانا کو سب سے پہلے مترجم کا اعزاز بھی حاصل ہوتا ہے۔

مولانا وحید کی نثر نگاری کی خصوصیات:

مولانا کی تحریروں میں علمی متانت اور فطری سادگی کمال درجے کی ہے۔ سیدھے سادے الفاظ سے جملوں میں زور پیدا کرتے ہیں۔ ان کی مختلف کتابوں میں اسلوب کے مختلف رنگ دکھائی دیتے ہیں۔ تنقید میں وہ بے حد جارح ہو جاتے ہیں اور اعتدال کی راہ چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف ''تاریخ شہر مالیگاؤں'' میں نہایت سلیس اور آسان زبان استعمال کی ہے جو تکلف اور تصنع سے پاک ہے۔ مولانا نے ترجمہ میں اپنے عہد کی روایات یعنی لفظی ترجمہ سے کام لیا ہے جس سے زبان میں نہ صرف یہ کہ غلطیاں در آئی ہیں بلکہ بیان میں سقم بھی پیدا ہو گیا ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو:۔

> ''اور ہم ناجائز چیزوں سے اپنے دل کو سمیٹ لئے ہیں اور ایسی دنیا کی لذتوں سے برطرف ہوگئے ہیں۔ پھر اس نے کہا کہ اچھا جس تہمت کے باعث لوگ تجھے گرفتار کئے تھے اس سے میں تجھ کو امان دیا اور اس بہتان سے تجھے رستگاری دے کے امن بخشا صلہ''۔

صلہ: مولانا عبدالمجید وحید۔ تاریخ شہر مالیگاؤں، ۱۹۵۷ء، ص ۳۱

صلہ: مولانا عبدالمجید وحید۔ تاریخ شہر مالیگاؤں، ۱۹۵۷ء، ص ۳۲

صلہ: مولانا عبدالمجید وحید۔ سراج مجید عرف نور المجالس (قلمی)، ۱۹۱۷ء، ص ۱۲۳

باایں ہمہ یہ بات کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ انہوں نے ایک ایسے زمانے میں اٹھارہ کتابیں تصنیف وتالیف کیں جب شہر بجلی کی روشنی سے محروم تھا، طباعت کی آسانیاں میسر نہیں تھیں، سفر دشوار گذار تھا اور ڈاک کا نظام اس قدر ترقی یافتہ نہ تھا۔ ان کتابوں میں انہوں نے تاریخ، تنقید، سوانح، اصلاح معاشرہ، دینی وفقہی مسائل وفضائل، قرأت، عبادات، شاعری، تجوید ومجربات، فتاوے اور ترجمے، سبھی کا احاطہ کرلیا۔ نثر کا ایسا تنوع شہر کا دوسرا نثر نگار اب تک نہ پیش کرسکا اور نہ اتنی کتابوں کا مصنف ومولف ہونے کا شرف کسی دوسرے کے حصے میں آسکا۔ مالیگاؤں میں نثر نگاری کا یہ بچپن اپنی جوانی سے زیادہ پر بہار اور پختہ کار تھا۔

مولانا عبداللہ الاعظمی

پیدائش: نامعلوم

وفات: ۱۷/ مارچ ۱۹۰۰ء

مولانا عبداللہ مرحوم کا نام شہر کی علمی و دینی تاریخ میں سب سے زیادہ روشن ہے۔اس بستی کو شہر علم و فضل بنانے کا سہرا انہیں کے سر ہے۔ وہ نہ ہوتے تو ہم نہ جانے کتنے برسوں بلکہ دہائیوں تک جہالت کے اندھیروں میں بھٹکتے رہتے۔

مولانا عبداللہ پورہ معروف ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ جامع العلوم کانپور میں اپنے زمانے کے جلیل القدر علماء و شیوخ سے کسب فیض فرمایا۔ جب علمائے کرام نے انگریزوں کے خلاف بغاوت کا فتویٰ دیا تو محضر فتویٰ پر اس وقت جن علماء نے تائیدی دستخط فرمائے تھے ان میں مولانا عبداللہ بھی شامل تھے۔ گرفتاری کا وارنٹ ان کے خلاف بھی جاری ہوا تھا۔ مولانا نے گرفتاری پر ترک وطن کو ترجیح دی اور مالیگاؤں جیسی چھوٹی سی بستی کو اپنی سرگرمیوں کی جولانگاہ بنایا۔ ص[۱]

مولانا عبداللہ نے ۱۳۰۵ھ بمطابق ۸۸۔۱۸۸۷ء میں مسجد گربید میں مدرسہ بیت العلوم کی بنیاد رکھی اور فیض علم کا لازوال چشمہ جاری کیا۔ اور خود اس میں اخلاص وللٰہیت کے ساتھ ساری عمر بلا معاوضہ تعلیم دیتے رہے۔ ہینڈلوم پر کپڑا بن کر روزی حاصل کرتے تھے۔ کہتے ہیں وہ زر کے تار سے ٹوپیاں اور بٹوے بنانا بھی خوب جانتے تھے۔ اس وقت کے بنکر مسلمانوں نے اپنی ساڑی میں زری کا کام بھی مولانا ہی سے سیکھا۔ ص[۲]

ص[۱] مولانا محمد حنیف ملی، مولانا عبداللہ الاعظمی، ہفت روزہ ملی بیداری، مالیگاؤں ۷/ دسمبر ۱۹۹۰ء، ص ۲........ مولانا محمد حنیف ملی سے راقم نے اس روایت کی سند کے تعلق سے استفسار کیا تو انھوں نے فرمایا کہ "مولانا عبدالحمید نعمانی مرحوم ہم سے بیان کیا کرتے تھے۔" سردست راقم مولانا محمد حنیف ملی کی روایت کو من وعن پیش کر رہا ہے بہر حال معاملے کی اہمیت کے پیش نظر تحقیق کی مزید گنجائش کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

ص[۲] مولانا محمد حنیف ملی، مولانا عبداللہ الاعظمی، ہفت روزہ ملی بیداری، ۷/ دسمبر ۱۹۹۰ء، ص ۲

مولانا کس وقت مالیگاؤں تشریف لائے ٹھیک بتانا مشکل ہے۔ اس وقت اگر چہ شہر کی آبادی چند ہزار ہی تھی لیکن اس میں اہل علم وکمال موجود تھے۔ مدرسہ بیت العلوم کے قیام نے انہیں ایک مرکزیت عطا کی۔ شہر میں شعری سرگرمیوں اور اصلاحی کاروائیوں کا آغاز بھی انہیں کے زمانے سے ہوا۔ مشن اسکول بند کروانے میں مولانا کا بڑا حصہ رہا۔ اصلاح عوام وسماج کیلئے وعظ ونصیحت کی محفلیں برپا کرتے اور لوگوں کو دین کی موٹی موٹی باتیں بتاتے۔ ص۱

وقتاً فوقتاً ایولہ جاکر مسلمانوں کو وعظ سے مستفیذ فرماتے۔ مولانا کے انتقال کے وقت دینی مدارس کا انتظام وانصرام کرنے اور علم دین کی اشاعت اور تبلیغ کرنے والوں کی ایک بڑی جماعت تیار ہو چکی تھی۔ گویا مولانا عبداللہ کا مشن سرزمین مالیگاؤں میں جاری وساری ہو چکا تھا۔ بعد میں بیت العلوم کا چھوٹا سا پودا بڑھتے بڑھتے تناور درخت بن گیا۔ سینکڑوں علماء یہاں سے سند فراغت حاصل کرکے علم دین کی خدمت میں لگ گئے۔ انہیں علماء نے ان گنت دینی مدارس قائم کئے اور مولانا عبداللہ کے دست بابرکت سے روشن کئے ہوئے ایک چھوٹے سے چراغ سے اتنے چراغ جلے جن کی گنتی بھی آج ممکن نہیں۔ حضرت مولانا نے مالیگاؤں میں انتقال فرمایا۔ ابھی تک ایک عام سوچ یہ تھی کہ مالیگاؤں میں نثر نگاری کا آغاز مولانا عبدالمجید وحیدؔ نے فرمایا۔ خود مولانا وحیدؔ نے تاریخ شہر مالیگاؤں میں تحریر کیا ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے ۱۹۱۰ء میں نثر نگاری کا آغاز کیا۔ لیکن مدرسۂ بیت العلوم کے ذخیرۂ کتب کی چھان بین کرتے وقت اتفاقاً مولانا عبداللہ اعظمی کی تحریر کا ایک قلمی نسخہ ہاتھ آگیا۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

رسالہ آمین بالجہر کی تردید میں:

یہ قلمی رسالہ فل اسکیپ سائز کے ۱۰۰ر صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر صفحہ پر سترہ سطریں ہیں۔ نہایت خوشخط کتابت کیا ہوا ہے۔ رسالہ کے پہلے صفحہ پر یہ الفاظ ہیں:۔

> ''یہ رسالہ آمین بالجہر کی تردید میں ہے۔ جس کو مولانا مولوی عبداللہ صاحب مرحوم نے تصنیف کیا۔''

اس تحریر میں مولانا عبداللہ کے نام کے ساتھ ''مرحوم'' کا اضافہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ مولانا کے

ص۱: مولانا عبدالاحد ازہری، حضرت مولانا عبداللہ، اجالوں کے سفیر، مالیگاؤں، ۱۹۹۲ء، ص ۱۰

انتقال کے بعد نقل کیا گیا ہے۔ یا پھر ہو سکتا ہے کہ مولانا کی زندگی میں لکھنے کا کام شروع ہوا ہو اور مکمل ہونے سے پہلے حضرت مولانا کا انتقال ہو گیا ہو۔ بہر حال جس اصل کاپی سے نقل کیا گیا اس کا پتہ نہ چل سکا۔ دوسری بات یہ کہ رسالے کے کسی مقام سے سال تصنیف کا پتہ نہیں چلتا۔ لیکن ایک بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ چونکہ مولانا کا انتقال ۱۹۰۰ء میں ہوا اس لئے یہ رسالہ اس سے قبل کی تصنیف ہے۔

رسالہ کا علمی مرتبہ نہایت بلند ہے۔ آمین بالجہر کی تردید کے ثبوت و دلائل پیش کرنے کیلئے مولانا نے نہایت دلچسپ اسلوب اختیار کیا ہے۔ وہ خود ہی سوال پیدا کرتے ہیں اور پھر دلائل و براہین و حوالے کی مدد سے جواب رقم کرتے جاتے ہیں۔ پورے رسالے میں سینکڑوں سوالات اور ان کے جوابات کی مدد سے آمین بالجہر کی تردید کی گئی ہے۔ مولانا محمد حنیف ملی نے رسالہ کا مطالعہ کیا تو راقم سے فرمایا:

"نہایت قیمتی چیز ہے۔ اتنے جامع انداز میں اس موضوع پر کوئی کتاب دستیاب نہیں ہے۔ اس کی اشاعت ہونی چاہئے۔"

مولانا کا یہ تبصرہ رسالہ کی اہمیت و افادیت پر دال ہے۔

اب تک دستیاب معلومات کے مطابق یہ کتاب شہر کی سب سے پہلی غیر مطبوعہ نثری تصنیف ہے۔ اسی کے توسط سے مولانا عبداللہ اعظمی شہر کے سب سے پہلے نثر نگار کا مقام پاتے ہیں۔ بہر حال باقاعدہ نثر نگاری اختیار کرنے اور کتابیں لکھ کر شائع کروانے میں مولانا عبدالمجید وحید کی اولیت برقرار رہتی ہے۔

مولوی حافظ قاری دین محمد

پیدائش: ۱۸۷۷ء

وفات: ۱۴رجنوری ۱۹۴۲ء

قاری دین محمد کے والد کا نام شیخ عبداللہ تھا۔ قاری صاحب کی پیدائش مالیگاؤں میں ہوئی۔ حافظ عبدالرحمن جنہیں عرف عام میں بڑے حافظ جی کہا جاتا تھا۔ ان کی خدمت میں رہ کر ۱۳۲۸ھ میں قرآن کریم کا حفظ مکمل کیا۔ بعد میں مدرسہ بیت العلوم میں حضرت شاہ محمد اسحٰق سے کتب عربیہ درسیہ کے متداولہ درس سے فارغ ہوئے اور ۱۳۴۱ھ میں سند حاصل کی اس کے بعد وہ الہ آباد چلے گئے۔ اور وہاں مدرسہ سبحانیہ میں مولانا ضیاء الدین احمد کی خدمت میں رہ کر کتب درسیہ روایت حفصؒ اور سبعہ متواترہ کے درس سے فراغت پائی۔ ۱۳۴۵ھ میں سند سے نوازے گئے۔ وہاں سے لوٹنے کے بعد مدرسہ دارالعلوم مسجد قصاب باڑہ میں قرأت اور فن تجوید کا درس دینے لگے۔ فن تجوید و قرأت سکھانے کے لئے انہوں نے ایک مفید رسالہ لکھا ہے۔

ھدایتہ التجوید:

حافظ دین محمد کو قرآن شریف سے قلبی لگاؤ تھا اسلئے ساری زندگی ان کی خصوصی دلچسپی حفظ قرآن، تجوید اور قرأت سبعہ وعشرہ ہی رہی۔ نثر کی کسی اور صنف کی طرف ان کی توجہ نہ گئی۔ انہوں نے ۱۳۴۷ھ (مئی ۱۹۲۹ء) میں ھدایۃ التجوید کے نام سے فن تجوید پر ایک قابل قدر رسالہ تصنیف کیا جو مطبع رزاقی، کانپور سے طبع ہو کر مدرسہ دارالعلوم قصاب باڑہ، مالیگاؤں سے شائع ہوا۔ اس رسالے کو فن تجوید میں شہر کی پہلی کتاب ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہ بڑی سائز کے چوبیس صفحات پر مشتمل ہے۔ مبتدیان فن کے لئے نہایت کار آمد ہے۔

منشی محمد عمر اثرؔ

پیدائش: ۱۸۹۰ء

وفات: ۱۹۲۹ء

محمد عمر اثرؔ کے والدین یو پی کے رہنے والے تھے۔ وہیں ان کی پیدائش ۱۸۹۰ء میں ہوئی۔ دو سال کی عمر میں والدین کے ساتھ مالیگاؤں آ گئے۔ تعلیم و تربیت میونسپل اسکول میں ہوئی۔ ساتویں جماعت کامیاب کرنے کے بعد یہیں کے ایک پرائمری اسکول میں مدرس ہو گئے۔ دس سال تک تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد آبائی پیشے پارچہ بافی سے وابستہ ہو گئے۔ اشعار خوب کہتے تھے۔ اور زبان و بیان کی حلاوت ان کی خاص صفت تھی۔ تیز مزاجی کی وجہ سے احباب کا حلقہ محدود تھا۔

منشی اثرؔ کے آثار سے پتہ چلتا ہے کہ وہ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ نثر نگار بھی تھے۔ ان کے تفصیلی حالات کی طرح ان کی نثر بھی دستیاب نہیں ہے۔ صرف دو مضامین خدا کی بارگاہ ص۱ اور جواہر ریزے ص۲، رسالہ ادب میں اور ایک مضمون ''مفلسی'' ص۳ کے عنوان سے شعری اور تنقیدی گلدستے معیار سخن میں دستیاب ہوا ہے۔ نیز ''عالم و شباب'' ص۴ افتخار سخن مالیگاؤں میں شائع ہوا۔

اول الذکر دو مضامین میں تو منشی اثرؔ کی دینی فکر حاوی نظر آتی ہے۔ لیکن باقی دو مضامین ''انشائیہ'' کے زمرے میں آتے ہیں خصوصاً ''مفلسی'' ان کا ایک قابل قدر مضمون ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ جن گلدستوں اور رسالوں میں دیگر شعراء اپنی غزلیں شائع کروا رہے تھے وہاں منشی اثرؔ شاعر ہوتے ہوئے بھی اپنی نثری تخلیقات شائع کرواتے تھے۔ اس لئے ان رسالوں میں ان کی شعری تخلیقات دیکھنے کو نہیں ملتیں۔ مزید مضامین کا پتہ نہیں چلتا۔ طاعون کی جان لیوا بیماری میں انتقال ہوا۔

ص۱: منشی محمد عمر اثرؔ، خدا کی بارگاہ، رسالہ ادب قلمی، مالیگاؤں، ۸، نومبر ۱۹۳۴ء، ص ۲۱

ص۲: منشی محمد عمر اثرؔ، جواہر ریزے، رسالہ ادب قلمی، مالیگاؤں، ۹، دسمبر ۱۹۳۴ء، ص ۳۴

ص۳: منشی محمد عمر اثرؔ، مفلسی، معیارِ سخن، مالیگاؤں، نومبر ۱۹۲۴ء

ص۴: منشی محمد عمر اثرؔ، عالم شباب، افتخارِ سخن، مالیگاؤں، مئی ۱۹۲۳ء، ص ۲۸

مولانا محمد یوسف عزیز

پیدائش: ۱۳۱۰ھ (۱۸۹۱ء)
وفات: ۲۸/اکتوبر ۱۹۵۷ء

مولانا محمد یوسف عزیز اپنے زمانے میں تعلیم و تعلم کی دنیا میں سب سے زیادہ محترم اور ہر دلعزیز تھے۔ ان کے والد ۱۸۵۸ء میں مئو ناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ (یوپی) سے پہلے بھیونڈی آئے۔ اس کے بعد مالیگاؤں منتقل ہوگئے۔ یہیں پر مولانا محمد یوسف عزیز کی پیدائش ہوئی۔ صدر مدرس مدرسہ بیت العلوم مولانا محمد اسحٰق مقتصد سے قرآن، حدیث، فقہ کی کتابیں پڑھیں۔ مولوی سراج الدین مرحوم سے فارسی سیکھی۔ اور ایسا ملکہ حاصل کیا کہ فارسی میں بھی شعر کہنے لگے۔ اراکین مدرسہ بیت العلوم نے آپ کو ایک ہونہار طالب علم سمجھ کر تین روپیہ ماہوار پر بسلسلۂ معلمی ملازم رکھا تھا تاکہ ضروریات زندگی کی کفالت میں مدد ہو سکے اور درس نظامی کی تکمیل بھی کر سکیں ص۱۔ ایک عالم دین کی حیثیت سے مولانا محمد یوسف عزیز تادم واپسیں خدمات دینیہ وعلمیہ سے وابستہ رہے۔ اور ہزار ہا تشنگان علوم دینیہ کو اپنی خداداد قابلیت اور بے مثال ذہانت و ذکاوت سے سیراب و فیضیاب کرتے رہے۔

علاوہ ازیں بے شمار اساتذہ و شعراء نے ان سے کسب فیض کیا اور شعر و شاعری میں اونچا مقام پایا۔ اس زمانے کے تقریباً تمام ہی شعرا نے آپ سے فارسی سیکھی۔ مولانا نہایت ہی وسیع القلب، بزم خوار مخلص تھے۔ ان کا حلقۂ احباب نہایت وسیع تھا جس میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل تھے۔

مولانا عزیز تقریباً چوبیس برس تک اردو لائبریری کے چیرمن رہے اور اس کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ شعراء کا ایک ہجوم تھا جو جوق در جوق حضرت مولانا سے اصلاح سخن کیلئے حاضری دیتا تھا۔ انھیں شعراء کی مدد سے ۱۹۲۳ء میں بزم عزیزی مولانا کی سرپرستی میں قائم ہوئی۔ شعری گلدستہ ''بہار'' بھی اسی سال انکی سرپرستی میں جاری ہوا۔ اس رسالہ میں مقامی اور بیرونی شعراء کا طرحی کلام شائع ہوتا تھا۔

ص۱: مولانا جمال الدین لبیب، تذکرہ یوسف، مالیگاؤں، ۱۹۶۰ء، ص ۲۳

مولانا نے تحریک خلافت میں بھی پر جوش حصہ لیا اور مقامی خلافت کمیٹی کے سکریٹری بنائے گئے۔ اخیر عمر میں فالج کا شکار ہوئے اور اسی عارضہ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

مولانا یوسف عزیزؔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے "متاع عزیز" کے نام سے ان کا ایک مجموعہ کلام ۱۹۸۳ء میں شائع ہو چکا ہے۔ دیکھا جائے تو مولانا کا نثر نگاری میں قابل ذکر حصہ نہیں رہا۔ کبھی کبھی اصلاحی اور دینی مضامین تحریر کرتے تھے جو بعض رسائل میں شائع ہوئے۔ "آفتاب رسالت کا طلوع" کے عنوان سے ان کا ایک مضمون شائع ہو چکا ہے ص<u>۱</u> اجمل اور خلافت (ممبئی) میں بعض مضامین شائع ہوئے۔ مالیگاؤں سے نکلنے والے قلمی رسالہ "ادب" میں "معلم اخلاق سعدیؔ اور انکی تعلیمات" کے عنوان سے ایک مضمون دستیاب ہوا ہے ص<u>۲</u>۔ اجمل (ممبئی) میں "باعزت زندگی اور اس کے اسباب" اور "مصطفیٰ ماجاء اللہ رحمتہ اللعالمین" کے عنوان سے دو مضامین ملے ہیں۔ "متاع عزیز" میں ان کا ایک تنقیدی مضمون "شعر وشاعری کے مقاصد" شامل ہے۔ جو ۲۵ر نومبر ۱۹۳۸ء کا تحریر کردہ ہے۔ ان کے علاوہ مولانا کے مزید مضامین دستیاب نہیں ہیں۔

مولانا محمد یوسف عزیز بیت العلوم اور چراغ علوم کی تدریسی مصروفیات میں اس طرح الجھے رہے کہ نثر نگاری کے لئے زیادہ وقت نہ دے سکے۔ لیکن ان کی کوششوں سے شہر میں شعروادب کا ایسا دلکش ماحول وجود میں آیا جس نے مالیگاؤں کو علم وادب کی دنیا میں بلند مقام عطا کیا۔ شہر کے اکثر نثر نگار اور شعراء ان کے ہی فیضان نظر سے درخشندہ ہوئے ہیں۔ ممتاز اساتذہ، ادباء اور شعراء کی ایک طویل فہرست ہے جو اس شمع علم کے گرد پروانہ وار جمع ہوئے اور اپنی مساعی جمیلہ سے شاعری اور نثر نگاری کو بام عروج تک پہنچا دیا۔ مولانا تاریخ ساز شخصیت کے مالک تھے۔ ان کا علمی قد کافی بلند تھا۔ آج شہر میں جو نثری اور شعری ماحول پایا جاتا ہے اس کی تشکیل میں مولانا کی کاوشیں اور خدمات سنگ بنیاد کا درجہ رکھتی ہیں۔

مولانا کی نثر میں علمی متانت، استدلال کا حسن اور فکر کی پختگی پائی جاتی ہے۔ توازن

ص<u>۱</u>: الموٴمن کلکتہ، اگست ۱۹۲۸ء بحوالۂ شعرائے مالیگاؤں، ڈاکٹر اشفاق انجم۔

ص<u>۲</u>: مولانا یوسف عزیز، معلم اخلاق سعدیؔ، ادب مالیگاؤں، جلد نمبر ۲، شمارہ ۱۲، اگست ۱۹۳۶ء

نوٹ: مولانا عبدالحمید نعمانی مرحوم کی زیر سرپرستی مالیگاؤں سے قلمی رسالہ "ادب" نکلتا تھا۔ جس کے ۱۶ر شمارے مولانا محمد حنیف ملی نے محفوظ کر لئے تھے۔ جو راقم کی گذارش پر انہوں نے عطا کئے۔ راقم مولانا کا بے حد شکر گذار ہے۔

تسلسل اور نظم و ترتیب ان کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ زبان صاف، سادہ اور پر اثر ہے۔ ان کے مضامین میں اصلاح ملت اسلام کا جذبہ جاری و ساری دکھائی دیتی ہے۔

نمونۂ نثر:

''خرمن فضل و کمال کے اس خوشہ چیں نے علم و دانش کا جو گرانقدر سرمایہ جمع کیا اس سے تمام عالم کو بہرہ یاب کرنا چاہا اور کیا۔ اپنے مجربات کے دو باغ گلستاں اور بوستاں ایسے لگائے جنکی خوشبو سے مشرق و مغرب، جنوب و شمال مہک اٹھے...... ص۱ ''

ص۱: مولانا محمد یوسف عز ''معلم اخلاق'' رسالہ ادب، مالیگاؤں، اگست ۱۹۳۴ء، ص ۱۳

مولانا عبدالحمید نعمانی [1]

پیدائش: ۱۸۹۲ء

وفات: ۲۰ رجنوری ۱۹۸۳ء

مولانا نعمانی نہایت فعال اور سیماب صفت شخصیت کے مالک تھے، نثر، شاعری، صحافت، صنعت، سیاست کوئی میدان مولانا کی خدمات سے خالی نہیں۔ انہوں نے تقریباً نوے برس کی عمر پائی اور آخری سانس تک ''گھر کی رونق'' ''کسی نہ کسی'' ہنگامے'' پر موقوف رہی۔

مولانا نعمانی کا آبائی وطن مبارکپور ضلع اعظم گڑھ ہے۔ ان کے دادا مہاجر کی حیثیت سے مالیگاؤں میں وارد ہوئے تھے۔ مولانا کے والد حاجی عظیم اللہ عرف پیارے حاجی اگر چہ پڑھے لکھے نہ تھے مگر بچوں کی تربیت میں کافی سرگرم رہتے تھے۔ روزانہ کچھ بچوں کو لے کر دین کی موٹی موٹی باتیں بتایا کرتے تھے۔ مولانا نعمانی کی بسم اللہ بھی یہیں سے ہوئی۔ انہوں نے ناظرہ قرآن اپنے والد کی نگرانی میں ختم کیا اور اپنے بڑے بھائی مولانا عبدالمجید سے فارسی اور دینیات کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ کچھ دنوں کے بعد مدرسہ بیت العلوم میں داخل ہوگئے۔ ۱۹۲۷ء میں جن گیارہ علمائے کرام کو علامہ وقت مولانا شبیر احمد عثمانی کے دست مبارک سے سند فراغت عطا کی گئی ان میں مولانا نعمانی بھی شامل تھے۔

مدرسہ بیت العلوم سے فارغ ہونے کے بعد مولانا نے ہندستان کی مشہور دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کی طرف کوچ کیا مگر بدقسمتی سے داخلہ نہ ہو سکا۔ کچھ وقت مظفر نگر میں ایک جز وقتی مکتب میں رہے۔ اس کے بعد مولانا محمد یحییٰ کے بلاوے پر ٹونک پہنچے اور معقولات کے امام مولانا برکات احمد کے قائم کردہ مدرسۂ خلیلیہ میں داخل ہوئے۔ اس مدرسے کے سارے اخراجات والی ریاست ٹونک کے ذمہ تھے۔ اسی دوران مدرسے کے کسی بنگالی طالب علم نے نواب اور ان کی شریک حیات میں ناچاقی پیدا کرنے کیلئے شریک حیات پر جادو کر دیا جس سے برافروختہ ہو کر نواب نے تمام بیرونی طلبہ کے اخراج کا حکم

---

[1] اس حصے کی اکثر معلومات مولانا محمد حنیف ملی کی تحریروں سے ماخوذ ہے۔

دے دیا۔ اس حکم کی زد میں مولانا بھی آ گئے۔ اخراج کے بعد انہوں نے دارالعلوم معینیہ اجمیر میں داخلے کی جدوجہد کی مگر ناکام رہے۔ بے سروسامانی کی حالت میں بھوپال پہنچے اور مدرسہ احمدیہ میں داخلہ لیا۔ یہاں حسن تقدیر سے مولانا کو عبدالحلیم صدیقی جیسے عربی کے ماہر عالم کی پاکیزہ تربیت میسر آ گئی۔ ان کی خدمت میں رہ کر انہوں نے عربی علم وادب کا گہرا مطالعہ کیا۔ استاد کی عنایت خصوصی کے سبب مولانا کا شمار ہندوستان کے ممتاز عربی اسکالروں میں ہونے لگا۔

اسی دوران مدرسہ الٰہیات کانپور کے صدر نشین مولانا آزاد سبحانی نے مولانا نعمانی کو عربی زبان وادب کے استاد کی حیثیت سے مدعو کیا۔ مولانا نے اس تقرری کو قبول کر لیا۔ یہاں دو سال کے قیام کے دوران مولانا نے عربی زبان کی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ ترمیم شدہ درس نظامی کی تکمیل بھی کی۔

مولانا ۱۳۴۹ھ میں راجع مالیگاؤں ہوئے۔ یہاں پہنچتے ہی انہوں نے فروغ علم دین کے لئے اپنی طویل جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ مسجدوں میں جزوقتی مدارس کے قیام کی طرف توجہ دی۔ اصلاح المسلمین اور جمعیۃ العلماء جیسی تنظیموں کے ذریعے دینی تعلیم کو عصری اسکولوں کے نصاب میں شامل کروانے میں کامیابی حاصل کی۔ اس دوران وہ جونی مسجد بیلباغ میں امامت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ مولانا نعمانی مدرسہ بیت العلوم میں خدمت کی خواہش رکھتے تھے۔ مگر بات نہ بنی اسلئے ایک بار پھر باہر قدم رکھنے کا فیصلہ کیا۔ عروس البلاد ممبئی پہنچے اور جامع مسجد کے کتب خانے کے لائبریرین کی حیثیت سے محض پندرہ روپئے ماہوار پر ملازمت اختیار کی۔ جوں توں کر کے ایک سال پورا کیا اور پھر ملازمت کو خیر باد کہہ کر اورنگ آباد روانہ ہو گئے۔ کچھ دن قیام کے بعد مالیگاؤں آئے مگر یہاں ترقی کے مواقع نہ ہونے کے برابر تھے۔ اس لئے تلاش معاش کے سلسلے میں حیدرآباد پہنچے۔ مولانا عبدالباری ندوی کے ذریعے دارالترجمہ میں ملازمت کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ملی۔ اسی دوران ان کی ملاقات حضرت مولانا حبیب الرحمن شیروانی سے ہوئی۔ انہوں نے انجمن اسلامیہ کے شعبۂ تبلیغ میں مولانا کا تقرر بطور مبلغ فرمایا۔ مولانا نے ریاست حیدرآباد کے مختلف شہروں میں رہ کر مسلمانوں میں اسلامی اور تعلیمی بیداری کا مبارک کام انجام دیا۔ یہاں بے شمار اہل فضل وکمال سے ان کی شناسائی ہوئی۔ کچھ روز سرگرم عمل رہنے کے بعد پھر مالیگاؤں چلے آئے۔

یہاں پہنچتے ہی مولانا نے برادری کی سماجی وصنعتی ترقی اور فروغ علم دین کی طرف توجہ فرمائی۔ لیکن ان کی سیماب صفتی ایک بار پھر انہیں ممبئی کھینچ لے گئی (ممبئی کے اسی قیام سے مولانا کے

نثری سفر کا آغاز ہوا) بمبئی سے لوٹنے کے بعد انہوں نے مالیگاؤں میں مستقل قیام کا فیصلہ کیا۔ ان کے اہم کاموں میں قلعہ کمپنی اور پکارنگ سازی ایسوسی ایشن جیسی صنعتی تنظیموں کا قیام، عربی زبان کی نشر و اشاعت کے لئے ''النادی الھندی'' کا قیام، دائرۂ ادبیہ اور ینگ مسلم کلب کا قیام بھکن شاہ کے عرس پر پابندی، طوائفوں کا اخراج اور اپنے رفقاء کی مدد سے اہم دینی درسگاہ معہد ملت کا قیام وغیرہ شامل ہیں۔

مولانا کی شخصیت بلاشبہ ایک مینارۂ نور تھی۔ اس آفتاب جہاں تاب کے غروب سے قبل سینکڑوں ذرے اس کی روشنی سے منور ہو چکے تھے۔ یہ سلسلۂ نور و عرفاں آج بھی جاری و ساری ہے۔

ادبی خدمات:

قیام بمبئی کے دوران مولانا شوکت علی کے مشہور اخبار ''خلافت'' میں عربی خبروں کے مترجم اور کالم نویس کی حیثیت سے خدمت کا موقع ملا۔ مولانا کو ہندوستان کے سرکاری عربی ترجمان ''الثقافۃ الھند'' کے ادارۂ تحریر میں رہ کر کام کرنے کا سنہری موقع پہلے ہی مل چکا تھا۔ وہاں انہوں نے مولانا آزاد کے ترجمان القرآن کا مقدمہ عربی میں لکھ کر زبان و قلم کے ماہر عربی ادیبوں کو بھی حیرت میں ڈال دیا تھا۔ نیز آل انڈیا ریڈیو دہلی کی عربی سروس سے بحیثیت مترجم اور نیوز ریڈر منسلک رہ کر اپنا لوہا منوا چکے تھے۔ ''خلافت'' سے وابستگی کے بعد انہوں نے بے شمار مضامین اور افسانوں کے ترجمے کیے، اداریئے لکھے، عصری مسائل پر مضامین قلمبند کئے۔ مولانا جمیل جہم کی کتاب ''المراۃ فی التاریخ والشرائع'' اور ''فلسفۃ الخلافۃ العثمانیہ'' کو اردو جامہ عطا کیا۔ اس کے بعد بعض مصلحتوں کی بنا پر ''خلافت'' سے علاحدگی اختیار کر کے معین الدین حارث کے ساتھ ''اجمل'' نکالنے لگے۔

''اجمل'' کا شاید ہی کوئی شمارہ ہوگا جو مولانا کے رشحات قلم سے خالی ہوگا۔ انہوں نے بیشمار طبع زاد مضامین لکھے، نسائیات پر ایک منفرد کتاب کا ترجمہ کیا، مصر کے مشہور ادیب لطفی منفلوطی کے اصلاحی افسانوں کے تراجم کئے۔ عربی کے معیاری رسالوں سے استفادہ کر کے اردو قارئین کو عرب دنیا کی سرگرمیوں سے واقف کروایا۔ چھوٹے چھوٹے مضامین کا کوئی شمار نہیں۔

۱۹۳۵ء میں مالیگاؤں سے ''بیداری'' نام کا ایک ہفت روزہ جاری کیا جو ممبئی میں چھپتا تھا اور مالیگاؤں سے شائع ہوتا تھا۔ اس اخبار کے ذریعے مولانا نے مالیگاؤں میں صحافت کا سنگ بنیاد رکھا۔ اسکی توسیع اشاعت کیلئے مولانا بمبئی چھوڑ کر مالیگاؤں تشریف لائے۔ یہ کچھ روز روزنامہ بھی رہا۔

بیداری پیتھو پریس کا قیام اسے مستحکم کرنے کی ایک کڑی تھی۔

اپنے اسلاف کے بیش بہا علمی ذخیروں کو منظر عام پر لانے کے لئے ۱۳۷۸ھ (۵۹۔۱۹۵۸ء) میں "احیاء المعارف" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس کے ناظم مولانا محمد عثمان مقرر ہوئے۔ اس کی پہلی کوشش "الترغیب والترہیب" کی اشاعت ہے۔ اس کے بعد عبداللہ بن مبارک کا احادیث کا مرتب کردہ مخطوطہ "کتاب الزھد والرقائق" اشاعت پذیر ہوا جسے مولانا عبدالحمید ازہری نے قاہرہ سے بھیجا تھا۔

دائرہ ادبیہ کا قیام:

اصلاح المسلمین کے نیک جذبے اور مقصد کے تحت اور نثر نگاری کے فروغ کے لئے ۱۳۴۱ھ (۱۹۲۲ء) میں دائرہ ادبیہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جسکے ناظم مولانا نعمانی اور نائب ناظم مولانا یوسف عزیز تھے۔ اسی ادارے کے تحت "ادب" نام کے قلمی رسالہ کو مالیگاؤں میں جاری کیا گیا۔ جسے مولانا عثمان اور ان کے رفقاء نے اس سے قبل دیوبند میں جاری کیا تھا۔ اس رسالے نے مالیگاؤں میں نثر نگاری کو مضبوط بنیاد عطا کی۔ ص۱

تصنیفات و تالیفات:

ملک کے مشہور اخبارات اور رسالے، برہان، معارف، مدینہ، المومن، الانصار، خلافت، جمہوریت، اجمل، اور بیداری وغیرہ میں مولانا نے جتنا کچھ لکھا ہے اس کے بیان کے لئے دفتر چاہئے۔ مراسلے، خاکے انشائیے تبصرے اور صحافتی مضامین ان کے علاوہ ہیں۔ مولانا کی سب سے پہلی تخلیق ایک مضمون بعنوان "درس گاہیں دین کے قلعے" ہے۔ جو طالب علمی کے زمانے میں لکھا گیا۔

۱)بچوں کی تربیت:

یہ جیبی سائز کا ایک کتابچہ تھا جو اب ناپید ہے۔ یہ ایک مختصر عربی رسالہ "تربیت البنین" کا ترجمہ ہے جسے مکتبہ اجمل نے شائع کیا تھا۔

ص۱ :رسالہ "ادب (قلمی) کے یہ شمارے ج اش ۱،۱۹ ؍دسمبر ۱۹۳۳ء سے لے کر ج ۳ ش ۱۱ اپریل ۱۹۳۵ء تک کے ہیں اس کے بعد یہ بند ہوگیا تھا۔

۲)تاج آفرینش:
مولانا کا دوسرا وقیع ترجمہ ہے جو پہلی بار۱۹۳۲ء میں اور دوسری بار۱۹۸۲ء میں شائع ہوا۔اصل کتاب کی مصنفہ مصر کی خاتون اہل قلم ملک خانم عرف باحثۃ البادیہ ہیں۔اس میں چند نسوانی اصلاحی مضامین ہیں۔اسے پڑھنے کے بعد ترجمہ نہیں بلکہ طبع زاد تصنیف کا گمان ہوتا ہے۔

۳)علیؓ،تاریخ اور سیاست کی روشنی میں:
مصر کے مشہور نقاد اور اہل قلم ڈاکٹر طہٰ حسین کی تصنیف ''علی و بنوہ'' (۱۹۵۳ء) کا ترجمہ ہے۔کتاب چھوٹی سائز کے پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے۔

۴)عثمانؓ صرف تاریخ کی روشنی میں:
ڈاکٹر طہٰ حسین کی دوسری تصنیف ''الفتنۃ الکبری'' کا ترجمہ ہے۔جو بڑی سائز کے ۳۵۰ صفحات پر پھیلا ہے۔

۵)کفاک علماً بالعربیہ:
عربی آموزی اور زبان و ادب کی باریکیوں سے واقفیت اور عربی کی توسیع و اشاعت کے پیش نظر اردو خواں طبقے کے لیے مولانا نے یہ کتاب تصنیف فرمائی جو چار حصوں پر مشتمل ہے۔اس کی تیاری میں مولانا نے بہت سے عربی ریڈروں سے استفادہ کیا ہے۔مولانا کی اس تصنیف نے علمائے ہند سے خراج تحسین پایا۔یہ معہد ملت اور اس کی شاخوں کے نصاب میں شامل ہے۔

۶)عورت قوم و تاریخ کی نظر میں:
مولانا کے عرب دوست اور فاضل استاد بیروت کے جمیل بیہم کی کتاب ''المراۃ فی التاریخ والشرائع'' کا ترجمہ ہے۔جس میں صنف نازک کی مظلومیت اور اس پر اسلام کے احسانات کا بیان ہے۔یہ ترجمہ اشاعت سے محروم ہے۔

۷)**فلسفتہ الخلافتہ العثمانیہ**:

کافی ضخیم کتاب ہے۔اس کے اکثر حصوں کا ترجمہ''اجمل''کے صفحات کی زینت بن چکا ہے۔یہ بھی کتابی شکل میں اشاعت پذیر نہ ہوسکی۔

۸)**خیالات**:

انجمن خیالیات،مالیگاؤں کی جانب سے یہ رسالہ اعظم گڑھ میں چھپوا کر مالیگاؤں سے شائع کیا گیا۔یہ میگزین نہیں ہے بلکہ درمیانی سائز کے ۱۶ ارصفحات پر مشتمل ایک کتاب ہے۔اسکے سرورق پر یہ الفاظ ہیں۔''مقالات خیالی،مباحثات اجتماعی،مضامین ادبی قومی احساس وبیداری کے زندہ ثبوت ہیں۔''اسے مولانا نعمانی نے''عارف''کے فرضی نام سے لکھا ہے۔ صا حصہ اوّل ہی دستیاب ہے۔اسکے علاوہ کوئی دوسرا حصہ دستیاب نہ ہوسکا۔رسالہ اصلاحی ہے۔جس میں عارف مختلف لوگوں کی گفتگو سنتا ہے اور اس پر چند سطروں میں اپنی رائے،تبصرہ اور تاثر پیش کرتا ہے۔اختتام پر''باقی آئندہ''تحریر ہے۔سن اشاعت نہیں دیا ہے۔

نثری خصوصیات:

مولانا عبدالحمید نعمانی کی طبع زاد تخلیقات سے ان کی اسلوب نگارش اور طرز تحریر کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ان کی زبان پاکیزہ اور شیریں ہے۔تحریر میں ادبی شان اور فکر کی پختگی کے عناصر نمایاں ہیں۔کہیں کہیں خطیبانہ انداز بھی پایا جاتا ہے لیکن علمیت اور استدلال کا حسن ہاتھ سے نہیں جاتا۔تراجم میں تخلیق کار کی زبان کا لطف پایا جاتا ہے۔جس کی وجہ سے ترجمہ ترجمہ نہیں طبع زاد تخلیق معلوم ہونے لگتا ہے۔اس دعوے کی دلیل کے طور پر یہ نمونے ملاحظہ ہوں۔ طبع زاد تحریر کا نمونہ:

''اللہ کی کائنات میں کیسی بڑی بڑی مہیب اور زبردست مخلوقات ہیں جن کو دیکھ کر انسان کے دل و دماغ پر خوف اور ہیبت کے جذبات طاری ہوجاتے ہیں۔کیسے کیسے خوفناک درندے اور قوی ہیکل حیوانات ہیں جن کے سامنے ہوتے ہوئے

صا :معروف شاعر مرحوم محمد اسحق ناصرؔ مالیگانوی نے مولانا عبدالحق رازؔی کی موجودگی میں راقم کو بتایا کہ عارفؔ کے نام سے مولانا نعمانی لکھا کرتے تھے۔

انسان مرعوب ہوکر کانپ اٹھتا ہے، اور بسا اوقات مارے ڈر کے غش کھا کر اس دنیا سے کسی دوسری دنیا میں جا پہنچتا ہے آسمان، آفتاب، بادل، اور بجلی ان میں کون سی چیز ایسی ہے جس کو ہم حقیر کہہ سکتے ہیں؟ اونچے اونچے پہاڑوں کے سلسلے، بحرِ ذخار کی متلاطم موجیں، ہوا اور بارش کا طوفانی جھونکا اور جھڑی، ہاتھی جیسا عظیم الجُثّہ جانور، شیر جیسا قوی درندہ، ان میں سے ہماری نظروں میں کون معمولی اور چھوٹا ہے؟ ان تمام چیزوں کی ہیبت اور قوت اپنی جگہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے لیکن انسان اللہ کی وہ مکرم مخلوق ہے جو معمولی تن و توش اور مختصر سی جان لے کر سب کے بالمقابل اور سب پر بالا ہے.....ص[۱]

ترجمہ کی مثال:

"کمزور میں جب تمیز کی قوت ہی باقی نہیں رہتی تو وہ سمجھنے لگتا ہے کہ قوی جو کچھ کرتا ہے بالکل درست اور عین حکمت ہے۔ یورپ کی لیڈیوں کے سامنے ہماری یہی مثال ہے۔ تو کیا میری بہنو تم چاہتی ہو کہ ہم قوم کے سامنے اعلان کردیں کہ ہم میں اب تمیز کی قوت باقی نہیں رہی؟ یا تم چاہتی ہو کہ ہم سراپا عمل بن کر اپنی قومیت کی حفاظت کریں، اپنے اندر اور اپنی آنے والی نسل کے اندر استقلال کی روح قوی کرنے کا سامان کریں؟.....ص[۲]"

مولانا نعمانی کی علمی، دینی اور ادبی خدمات کی وراثت ان کے معنوی فرزندوں تک ان کی حیات میں ہی پہنچ چکی تھی جسے انہوں نے کامیابی سے باقی رکھا۔ ان میں قابلِ ذکر مولانا محمد حنیف ملی مرحوم، مولانا عبدالاحد ازہری اور دیگر علمائے کرام ہیں۔

ص[۱] مولانا عبدالحمید نعمانی، عرض مترجم، تاج آفرینش، ہنگولی ضلع پربھنی، ۱۹۳۲ء، ص ۱

ص[۲] مولانا عبدالحمید نعمانی، تاج آفرینش، ہنگولی ضلع پربھنی، ۱۹۳۲ء، ص ۷۷

ماسٹر اکبر علی امیںؔ

پیدائش: ۱۸۹۴ء

وفات: ۹؍جنوری ۱۹۷۶ء

ماسٹر اکبر علی نام تخلص امیںؔ اور والد کا نام حسین بخش ہے۔ آبائی وطن اعظم گڑھ تھا۔ ان کی پیدائش مالیگاؤں میں ہوئی۔ ساتویں جماعت (ورنا کیولر فائنل) کا امتحان پاس کرنے کے بعد ٹیچرس ٹریننگ کا ۳ سالہ کورس پونہ سے کیا۔ بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں بحیثیت معلم میونسپل پرائمری اردو اسکول میں تقرر ہوا۔ ۱۹۴۴ء میں جب لازمی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا انہیں تھانہ ضلع میں ایجوکیشن انسپکٹر کی حیثیت سے بھیجا گیا۔ کچھ دنوں یہ خدمت انجام دینے کے بعد صدر مدرس کی جگہ پر مالیگاؤں واپس آگئے۔ بڑے وضع دار انسان تھے۔ چست پاجامہ، شیروانی اور جناح کیپ زیب تن کئے رہتے اور ''کلاہ کج'' میں ان کا وقار دیکھنے کی چیز بن جاتا۔

اکبر علی امیںؔ اہل تشیع میں سے تھے۔ ایک استاد کی حیثیت سے ان کا مرتبہ بلند تھا، نیز شعر و شاعری میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ مشاعروں میں بھی شرکت کرتے تھے اور محلّہ چونا بھٹی میں اپنے بڑے سے مکان پر شعری نشستیں منعقد کروا کے بھی دادِ سخن دیا کرتے تھے۔ حضرت احسنؔ مرحوم اکثر ایک شاندار نشست کا حوالہ دیا کرتے تھے جو ماسٹر اکبر علی کے مکان پر ۱۹۱۵ء میں منعقد ہوئی تھی۔ شاعری میں مولانا محمد یوسف عزیزؔ کے شاگرد تھے۔ غزل کے علاوہ سلام اور مرثیے بھی لکھتے۔ تحت اللفظ میں کلام سناتے تھے۔ پڑھنے کا انداز بڑا دلکش تھا۔ مقامی اور بیرونی مشاعروں میں مقبولیت حاصل تھی۔ بزم عزیزی کے بنیادی اراکین میں ان کا نام بھی شامل ہے۔ اخلاق و کردار میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ انداز گفتگو بڑا پیارا تھا۔ مختصری علالت کے بعد ۸۲ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

نثری خدمات:

ایک اچھے شاعر ہونے کے علاوہ اکبر علی امیںؔ سلجھے ہوئے نثار بھی تھے۔ رسالہ ''ادب'' میں ان کے مضامین

شائع ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کا ایک مضمون ''ہندی کی چندی'' کے عنوان سے رسالہ کہکشاں (دہلی) کے مالیگاؤں نمبر میں ۱۹۳۷ء میں شائع ہوا۔ انکے فرزند ریاض علی اور مرحوم محمد اسحٰق ناصر کی روایتوں کے مطابق یہ مضمون پہلے رسالہ ''ادب'' میں قسط وار شائع ہوتا رہا۔ لیکن ''ادب'' کا کوئی ایسا شمارہ دستیاب نہیں ہے جس میں یہ مضمون مل سکے۔ البتہ ان کے دو دیگر مضامین ''اردو زبان اور اسکی ترقی'' ص۱ اور ''پرواز تخیل'' ص۲ دستیاب ہوئے ہیں۔

اول الذکر مضمون میں ایک علمی بحث ہے۔ لیکن آخر الذکر ایک مزاحیہ مضمون ہے۔ ''ہندی کی چندی'' بھی اپنے نام سے مزاحیہ ہی لگتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ماسٹر اکبر علی کا رجحان مزاحیہ نثر کی طرف تھا۔ نمونہ درج ذیل ہے۔

''یہ صاحب حضرت معدہ ہیں بڑے گھرے آدمی ہیں۔ سنجیدگی کا یہ عالم ہے کہ کوئی بات نہیں اگلتے چاہے قسم کھلوا لو۔ کیا مجال جو کچھ بتادیں۔ ہر ایک کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ پہچانتے ہیں۔ مگر سب کی باتیں ہضم کرجاتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کے آگے کسی کی دال نہیں گلتی۔ پھر کلیجہ صاحب کی طرف ملتفت ہوکر کہا ''یہ حضرت بڑے دل گردے کے آدمی ہیں۔ رنگ ایسا بدلتے ہیں کہ کبھی ہاتھ بھر کے ہوجاتے ہیں تو کبھی پتھر بن جاتے ہیں۔ یہ کالے کلوٹے نظر آتے ہیں اس لئے کہ یہ خود آتش عشق میں اتنا جلے کہ اپنی صورت کالی بنا لی ہے۔ اس کے بعد حضرت دِل نے اچھل کر اور تن کر اپنی تعریف میں گلفشانی شروع کردی۔ جس سے ایک خونین منظر نظر کے سامنے پھر گیا۔ کہتے ہیں اگرچہ مٹھی بھر کا ہوں لیکن اپنے کام کے باعث سب کی نظروں میں ہردلعزیز ہوں خوں آشامی کے باعث سرخ رہتا ہوں۔ لیکن

ص۱: ماسٹر اکبر علی امینؔ، اردو زبان اور اس کی ترقی، ادب، مالیگاؤں، ۱/۴، جون ۱۹۳۴ء، ص ۱۳

ص۲: ماسٹر اکبر علی امینؔ، تخیل، ادب، مالیگاؤں، اپریل ۱۹۳۵ء، ص ۱۲۷۔

جب رنگ پر آتا ہوں تو خون کی ندیاں بہا دیتا ہوں اور یہ ندیاں جو آج تک میں نے بہائی ہیں اب تک جاری و ساری ہیں نیز ان سے نہریں بھی نکلی ہیں۔۔۔۔صلے[۱]"

ماسٹر صاحب شاعری کی زلفوں کے ایسے اسیر ہوئے کہ نثر ترک کردی۔ لکھتے رہتے تو ایک مسلمہ طنز و مزاح نگار کی حیثیت سے جانے جاتے۔

اکبر علی صاحب کی ظرافت ان کے فرزند ریاض علی کی گفتگو میں درآئی ہے۔ جو ماہر موسیقی ہیں اور ممبئی میونسپل کارپوریشن کے میوزک منیجر کی حیثیت سے ریٹائر ہو چکے ہیں، ماسٹر صاحب کے بڑے بیٹے ناصر علی کا انتقال ہو چکا ہے۔

صلے[۱] ماسٹر اکبر علی امین تخیل ادب، مالیگاؤں اپریل ۱۹۳۵ء، ص ۱۲۹، ۱۲۸

ماسٹر عبدالرحمٰن صدیقی

پیدائش: ۱۸۹۷ء

وفات: ۶ / اگست ۱۹۶۵ء

ماسٹر صاحب کے والد کا نام عبدالرشید ہے۔ عبدالرحمٰن کی پیدائش مالیگاؤں میں ہوئی۔ ساتویں جماعت کامیاب کرنے کے بعد ٹیچرس ٹریننگ کا ۳ سالہ کورس مکمل کیا اور پرائمری اسکول میں مدرس ہو گئے۔ لڑکیوں کے اردو مدرسے میں صدر مدرس کے فرائض بھی انجام دیئے۔ ۱۹۵۲ء میں سبکدوش ہوئے۔ ماسٹر عبدالرحمٰن حضرت مولانا حسین احمد مدنی سے بیعت تھے۔ جمعیۃ العلماء کے تادم حیات رکن رہے۔ ان کے حلقۂ احباب میں علماء کی کثرت تھی۔ ۱۹۴۸ء میں حیدرآباد کے تبلیغی اجتماع میں شریک ہوئے۔ وہیں سے لوٹنے کے بعد مالیگاؤں میں تبلیغی جماعت کی بنیاد ڈالی۔ روزانہ کسی نہ کسی مسجد میں بیان فرماتے۔ اللہ نے انہیں اس کام میں بے انتہا کامیابی دی۔ مالیگاؤں سے چالیس روز کی پہلی جماعت نظام الدین (دہلی) لے گئے۔ موصوف گھڑی ساز بھی تھے۔ اور کار پینٹر بھی، نیز گھر پر عطریات بھی بنایا کرتے تھے۔ تادمِ واپسیں صوم وصلوٰۃ کے پابند رہے۔ دس سال تک مالیگاؤں میونسپل اسکول بورڈ کے رکن اور ڈیڑھ برس تک چیئرمن رہے۔ حج بیت اللہ کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ انجمن ترقی تعلیم کے بانیوں میں سے ایک تھے۔ ایک عرصے تک اس انجمن کے نائب صدر رہے۔

ماسٹر عبدالرحمٰن مالیگاؤں کی سب سے قدیم ادبی انجمن ''دائرۂ ادبیہ'' کے بنیادی ارکان میں سے تھے۔ ساتھ ہی رسالہ ''ادب'' کی کتابت بھی کرتے تھے۔ اردو مراٹھی دونوں خط نہایت جاذب نظر تھے۔ مراٹھی زبان پر مکمل عبور رکھتے تھے۔ مولانا عبدالحمید نعمانی سے بہت زیادہ متاثر تھے۔

نثری سرگرمیاں:

ماسٹر عبدالرحمٰن بڑے اچھے نثر نگار تھے۔ انکی نثر نگاری کا آغاز تراجم سے ہوا۔ جسکا بیان خود انہوں نے کیا ہے

لکھتے ہیں کہ مولانا نعمانی نے ایک مراٹھی مضمون ترجمہ کرنے کے لئے دیا۔ ترجمہ کر کے انہوں نے مولانا کو دکھایا۔ انہوں نے یہ کہہ کر لوٹا دیا کہ یہ اخبار خلافت (بمبئی) میں شائع ہونے کے لائق نہیں ہوا۔ دوبارہ کوشش کیجئے۔ ماسٹر صاحب نے دوبارہ لکھا۔ مولانا نعمانی نے نظر ثانی کی اور اسے ''خلافت'' میں چھپنے کے لئے بھیج دیا۔ اس کے آگے کا دلچسپ بیان خود ماسٹر صاحب کی زبانی سنئے۔

کچھ دنوں کے بعد آگیا مضمون چھپ کر اخبار میں تب بتلایا مجھ کو مولوی جی نے مضمون میرا بلا کر مکان اپنے پر اور خوب بڑھایا مجھے واسطے لکھنے دوسرے مضمون کے میں نے بھی کہا دیکھا قلم چھپ گیا مضمون میرا بیچ اخبار خلافت کے اب لکھ مضمون دوسرا واسطے اخبار دوسرے کے تاکہ پھر چھپ جائے مضمون تیرا اخبار مین اور ہوجائے مشق تجھکو لکھنے مضمون کی...... ؀۱''

مولانا نعمانی کی گوہر شناس نظروں نے ماسٹر صاحب کی صلاحیتوں کو پہچان لیا تھا۔ دوسرا مضمون ''اجمل'' (بمبئی) میں شائع ہوا۔ یہ مضمون مولانا نعمانی نے دوبار لوٹایا تا کہ خوب صاف اور بہتر ہوجائے۔ اسطرح انہوں نے کئی مضمون لکھوائے جو ''اجمل'' اور ''خلافت'' میں شائع ہوئے۔ بعض وجوہات کی بنا پر ان کے اور مولانا نعمانی کے درمیان دیوار اٹھ گئی اور ماسٹر صاحب نے مضمون لکھنا بند کر دیا۔

مولانا محمد عثمان کے اصرار پر انہوں نے رسالہ ''ادب'' کے لئے مضمون نگاری کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا۔ ''ادب'' کے دستیاب شماروں میں انکے بارہ مضامین شامل ہیں جن کے موضوعات تاریخی، تعلیمی اور اصلاحی ہیں ؀۲ انکا صرف ایک افسانہ 'ایک عورت کی بہادری' کے عنوان سے ملتا ہے جو ''ادب'' کے آخرے شمارے میں شائع ہوا ؀۳ ''صوبہ بمبئی کی تعلیمی رفتار'' ؀۴ کے عنوان سے ایک

؀۱ عبدالرحمن صدیقی، چل میرے خامہ، رسالہ ادب، مالیگاؤں، ۰۵، فروری ۱۹۳۵ء

؀۲ قلمی رسالہ 'ادب' کے ۱۹۳٤ء اور ۱۹۳۵ء کے شماروں میں ماسٹر عبدالرحمن کے جو مضامین شائع ہوئے انمیں سے چند کے عنوانات حسب ذیل ہیں: سلطنت مغلیہ پر سرسری نظر، تاریخ ہند کا ایک ورق، تربیت، معلم، معیار شرافت، کام کی باتیں وغیرہ۔

؀۳ ماسٹر عبدارحمن صدیقی، ایک عورت کی بہادری، رسالہ ادب، اپریل ۱۹۳۵ء

؀۴ ماسٹر عبدالرحمن صدیقی، صوبۂ ممبئی کی تعلیمی رفتار، المومن، کلکتہ، ۸ اپریل ۱۹۲۶ء، ص ٤

معلوماتی مضمون ۱۹۲۶ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ یہ مراٹھی سے ترجمہ کیا گیا تھا۔ اشاعت پذیر ہونے والا یہ ان کا پہلا مضمون ہے۔

ماسٹر عبدالرحمن کی نثر کے اجزائے ترکیبی بھی وہی ہیں جو"ادب" کے دوسرے علماء کی نثر میں پائے جاتے ہیں، علمی استدلال، تاریخی حوالے، ناصحانہ انداز بیان اور اصلاحی مقاصد۔ ان کا افسانہ "ایک عورت کی بہادری" کافی طویل ہے جس میں ایک عورت ایک ڈوبتے ہوئے بچے کو بچاتی ہے۔ اس افسانے میں انہوں نے سادگی اور سلاست سے کام لیا ہے۔

ان تخلیقات کے علاوہ انکی مزید تخلیقات دستیاب نہ ہوسکیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے تبلیغی جماعت کے کاموں میں زیادہ دلچسپی لینی شروع کر دی تھی جس کی وجہ سے لکھنا پڑھنا ترک کر دیا تھا۔

ماسٹر صاحب بہت اچھے شاعر بھی تھے۔ فوقؔ تخلص کرتے تھے۔ مولانا عبدالحمید نعمانی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ موصوف مشہور شاعر اور معلم ریاض احمد ریاضؔ کے بڑے والد تھے۔ محلّہ بدر کا باڑہ میں اب بھی ان کے اخلاف سکونت رکھتے ہیں۔

منشی قمرالدین قمرؔ

پیدائش: ۱۸۹۸ء

وفات: ۱۹/دسمبر ۱۹۶۴ء

نام قمرالدین، عرفیت محمد چاند، تخلص قمرؔ، والد کا نام لعل محمد ہے۔ آباواجداد ضلع فتح پور (یوپی) کے باشندے تھے۔ قمرؔ صاحب کی ابتدائی تعلیم اردو اور مراٹھی میں ہوئی۔ ۱۹۱۴ء میں ورنا کیولر فائنل کا امتحان پاس کیا اور مدرسی کا پیشہ اختیار کیا۔ مولانا محمد یوسف عزیزؔ سے فارسی کی کچھ کتابیں پڑھیں۔ ۱۹۲۱ء قمرؔ صاحب کے لئے بڑا جان لیوا ثابت ہوا۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے ان کے پانچ بھائی انتقال کر گئے۔ ان میں حضرت جوہرؔ بھی شامل تھے جنکی ذات سے ان کے اندر شعروشاعری کا ذوق پیدا ہوا تھا۔ قمرؔ صاحب ایک تو خود بھی عیال دار تھے پھر بھائیوں کے اہل وعیال کی ذمہ داریوں نے کمر توڑ دی۔ ساری زندگی اس بارگراں کو ہلکا کرنے کی فکر میں سرگرداں رہے۔ فرائض منصبی ادا کرنے کے بعد ٹیوشن بھی کرتے تھے۔ مسلسل محنت اور فکروتردوات نے صحت پر مضر اثرات ڈالے۔ جس کی وجہ سے اکثر بیمار رہنے لگے تھے۔ ہندی کی اہمیت کے پیش نظر اس کے کئی امتحانات پاس کئے اور "پنڈت" کی سند حاصل کی۔ سکے اور ڈاک ٹکٹ جمع کرنا، مطالعہ اور موسیقی محبوب مشاغل تھے۔ ۱۹۵۳ء میں پرائمری اسکول کی ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ مالیگاؤں ہائی اسکول کے قیام کے بعد موصوف نے اس میں اخیر عمر تک اسپیشل ہندی ٹیچر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں، اسطرح گویا ساری زندگی درس وتدریس میں گذار دی۔ راقم السطور انکے شاگردوں میں ہے۔

قمرؔ صاحب نے شاعرانہ ماحول پایا۔ گھر میں بھی، گھر کے باہر بھی۔ اس زمانے کے تقریباً تمام ہی مدرسین شاعری کرتے تھے۔ منشی جی نے شاعری شروع کی تو باقاعدہ حضرت نوح ناروی کی شاگردی اختیار کی۔ نوحؔ ناروی مرحوم کی نواسی کی شادی میں نارہ بھی گئے تھے۔ وہیں انہیں "قمرالشعراء" کے خطاب سے نوازا گیا۔ اصلاحی اور اخلاقی نظموں اور قطعات کی طرف طبیعت مائل رہی۔ غزل پر توجہ کم رہی۔

راقم کی نظر سے یہ بیان گزرا۔

> قمرؔ مرحوم نثر بھی اچھی لکھتے تھے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر ظفر الاسلام رقم طراز ہیں قمرؔ صاحب نثر بھی اچھی لکھ سکتے تھے۔ نثر نگاری میں انکی عمدہ صلاحیت کا اندازہ ایک مضمون سے ہوتا ہے جو انہوں نے نوحؔ کے انتقال کے بعد لکھا اور رہنمائے تعلیم کے ''نوحؔ نمبر میں بعنوان ''حضرت نوحؔ ناروی شائع ہوا.....ص۱''

اس حوالے کے پیش نظر راقم نے اردو لائبریری مالیگاؤں میں دستیاب رہنمائے تعلیم (لاہور) کی تمام فائلوں کا بنظر غائر جائزہ لیا۔ نوحؔ نمبر تو دستیاب نہ ہو سکا البتہ دسمبر ۱۹۲۵ء اور جنوری ۱۹۲۶ء کے شماروں میں قمرؔ صاحب کا ایک افسانہ ''صبر کی دیوی'' ص۲ نظر سے گزرا جو دو قسطوں میں شائع ہوا ہے۔ نیز ایک افسانہ بعنوان ''ایام مصیبت'' ص۳ بھی دستیاب ہوا ہے۔

اس سے یہ تو پتہ چلتا ہے کہ قمرؔ مرحوم نثر بھی خوب لکھتے تھے لیکن جس طرح ان کی شاعری محفوظ نہیں ہے اسی طرح انکی نثری تخلیقات بھی غالباً انکی پریشانیوں کے سیلاب میں بہہ گئیں۔ قمرؔ صاحب کی کوئی تحریر اب انکے وارثین کے پاس بھی موجود نہیں ہے۔

ص۱ : ڈاکٹر اشفاق انجم، شعرائے مالیگاؤں، ص ۲۰

ص۲ : منشی قمر الدین قمر مالیگانوی، صبر کی دیوی قسط نمبر ۲، رہنمائے تعلیم لاہور، جنوری ۱۹۲۶ء، ص ۵۶

ص۳ : منشی قمر الدین قمر مالیگانوی، ایام مصیبت، رہنمائے تعلیم لاہور، مئی ۱۹۲۷ء، ص ۵۴

محمد صدیق مسلم

پیدائش: ۱۹۰۱ء

وفات: ۶ جنوری ۱۹۷۵ء

نام محمد صدیق، تخلص مسلم، والد کا نام الٰہی بخش، قوم مومن پارچہ باف، آباو اجداد کا وطن اتر پردیش، ضلع اعظم گڑھ، قصبہ مئوناتھ بھنجن ہے۔ جد امجد ۱۸۵۷ء کے بعد مالیگاؤں آکر آباد ہو گئے۔ والد اردو، فارسی اور عربی پڑھے ہوئے تھے۔ منشی کہلاتے تھے۔ یہیں ۱۹۰۱ء میں مسلم کی پیدائش ہوئی۔ ۱۹۰۴ء میں طاعون کی وبا نے محمد صدیق مسلم کے بھرے پرے خاندان کا صفایا کر دیا۔ صرف والدہ، ایک بہن اور دو بھائی بچ رہے۔ غریب والدہ نے محنت مزدوری کر کے پالا پوسا۔ مالیگاؤں کے میونسپل اردو اسکول میں اردو مراٹھی زبان میں تعلیم حاصل کی۔ بچپن ہی سے بڑے ذہین تھے۔ ۱۹۱۵ء میں انکے بڑے بھائی عبدالرحیم بھی طاعون کی وبا میں ہلاک ہو گئے۔ مسلم ۱۹۱۷ء میں ورنا کیولر فائنل (ساتویں) کے امتحان میں ضلع بھر میں اول آئے۔ ۱۹۱۸ء میں مقامی اردو اسکول میں مدرس بنائے گئے۔

وہ اسکول کی زندگی کے ساتھ ساتھ شروع ہی سے مدرسہ شبینہ چراغ علوم سے فارسی اور عربی کی تعلیم بھی حاصل کرتے رہے۔ فارسی انہوں نے شہر کے جید عالم، استاذ الاساتذہ مولانا یوسف عزیز مرحوم سے سیکھی۔ عربی زبان کا درس مختلف استادوں سے لیا۔ انگریزی کی ابتدائی کتابیں ایک ٹیچر سے پڑھیں۔ ہندی اور گجراتی کا علم ذاتی مطالعہ سے حاصل کیا۔ ۱۹۱۹ء میں ٹریننگ کے لئے پونہ بھیجے گئے جہاں انہوں نے ۱۹۲۱ء میں اول نمبر سے کامیابی حاصل کی۔

اس زمانے میں پونہ مختلف تحریکات کا مرکز بنا ہوا تھا۔ شہر میں روزانہ جلسے ہوتے، جلوس نکلتے، مہاتما گاندھی، مولانا آزاد، سیف الدین کچلو، علی برادران، لالہ لاجپت رائے، مسز سروجنی نائڈو، پنڈت مدن موہن مالویہ جیسے چوٹی کے لیڈروں کے بار بار دورے ہوتے۔ حضرت مسلم بھی کسی نہ کسی طرح پہنچ جایا کرتے تھے۔ پونہ کے قیام نے مسلم صاحب میں نیشنلسٹ خیالات کے بیج بوئے اور

ان کے سیاسی شعور کو پختگی عطا کی۔

خوش قسمتی سے انہیں بچپن ہی سے علمی و ادبی ماحول ملا۔ مدرسہ بیت العلوم کے منتظمین میں حاجی بابو حکیم عبداللہ اور حکیم محمد حسن تھے۔ ان کے دولت کدے پر روزانہ رات دیر گئے تک شہر کے رؤسا اور اہلِ علم حضرات کا مجمع ہوتا۔ اخبارات پڑھے جاتے تبصرے ہوتے، آپس میں علمی اور سیاسی بحثیں ہوتیں۔ مسلم آٹھ دس سال کی عمر سے ہی ان حضرات کی خدمت میں رہنے لگے تھے۔ وہ ان کی باتیں سنتے اور چھوٹے موٹے احکامات بجالاتے۔

ٹریننگ کالج سے واپسی کے بعد مسلم کو شہر کے نامور شعراء شوقؔ، احسنؔ، کوثرؔ، اوجؔ اور اکبر علی امینؔ وغیرہ کا ساتھ ملا۔ شاعری شروع کردی۔ مولانا یوسف عزیزؔ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ ۱۹۲۳ء میں مولانا محمد یوسف عزیزؔ کی سرپرستی میں رسالہ ''بہار'' کا اجراء ہوا تو مجلس ادارت میں مسلم صاحب بھی شامل تھے ۱۹۲۵ء میں اردو لائبریری کی مجلس منصرمہ میں شامل کیے گئے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ''بہار'' کی ادارت کے باوجود انہوں نے غزل کی طرف کامل توجہ نہیں فرمائی۔ غالب رجحان نظموں کی طرف رہا۔ اردو میں نیچرل نظمیں کہنے کا سلسلہ شہر میں مسلم سے ہی شروع ہوتا ہے۔ مسلم نے ۱۹۵۴ء میں ملازمت سے سبکدوشی اختیار کی اور اپنے آبائی پیشے پارچہ بافی کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کے کاروبار نے بڑی ترقی کی۔ ۱۹۶۱ء اور ۱۹۶۷ء میں دوبار مشرف بہ حج ہوئے۔ مدرسہ بیت العلوم، اردو لائبریری، جامع مسجد، سلیمانی مسجد کے ٹرسٹ بورڈ میں رہے۔ مشورۂ سخن لینے والے شعراء کی ایک بڑی تعداد ہے۔

۶ رجنوری ۱۹۷۵ء بروز پیر، علم و فضل اور شعر و سخن کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔

ادبی خدمات:

شہر کی علمی و ادبی تاریخ کا کوئی بھی تذکرہ نگار مسلم کو نظرانداز نہیں کرسکتا۔ انہوں نے ایک طویل زمانہ دیکھا۔ بلکہ کہنا چاہئے کہ وہ مالیگاؤں کے شعر و ادب کے ساتھ ساتھ جوان ہوئے۔ انکی نظروں نے ہر دور کے نشیب و فراز دیکھے اور ہر دور میں اپنا مقام بنائے رکھا خواہ شاعری ہو یا نثر۔ بیسویں صدی اور مسلم دونوں ہم عمر ہیں۔ انہوں نے اس صدی کا ساتھ پچھتر برس تک نبھایا۔ اور زندگی بھر کے تجربات وواقعات، جذبات و محسوسات، خیالات و مشاہدات کے موتیوں کو اپنی شاعری میں پرو کر اپنے مجموعۂ کلام ''ہزار انجم'' (۱۹۶۹ء) میں پیش کردیا۔ جسمیں ۸۶ رغزلوں کے علاوہ حمد، نعت، قومی، وطنی، سیاسی اور نیچرل نظموں کا اچھا خاصہ ذخیرہ جمع کردیا ہے۔ ظؔ انصاری مرحوم نے پیش لفظ میں غلط نہیں کہا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے بے خودی اور بے خبری کی زندگی نہیں بتائی بلکہ مختلف زمانوں کی شورشوں اور تحریکوں سے آب و رنگ لیا ہے....''

جہاں تک نثر کا تعلق ہے حضرت مسلم نے پوری زندگی نثر لکھی ہے۔ انکی نثر مولانا عبدالمجید وحید سے بھی زیادہ متنوع اور مفید ہے۔ راقم الحروف نے مختلف رسائل سے تلاش کر کے ان کی نثری تخلیقات کی ایک طویل فہرست تیار کی ہے۔ ان تخلیقات کی تعداد ستر سے کم نہیں ہے۔ ان میں سائنسی، جغرافیائی، تعلیمی، علم ریاضی، تجارتی، معاشرتی اور معلوماتی مضامین کی تعداد ۳۶ ہے۔ پانچ تراجم ہیں۔ ۱۳ رافسانوں کے علاوہ پانچ مزاحیہ وطنزیہ مضامین بھی دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ ساری تخلیقات اخبار تعلیم (لاہور)، سروش (ممبئی) اجمل (ممبئی)، ترجمان مومن انصار (بنارس)، اوبستان (ممبئی)، زبان (منگرول، کاٹھیاواڑ) جیسے اپنے وقت کے موقر رسائل میں شائع ہوئی ہیں۔ موصوف کے بعض مضامین قسط وار بھی شائع ہوتے رہے۔ مثلاً ''جاپان اور اسکے باشندے'' یہ مضمون ۱۹۲۴ء میں اخبار تعلیم (لاہور) میں ۱۶ رقسطوں میں شائع ہوا ہے۔ انکی نثری سرگرمیوں کا آغاز ۲۲۔۱۹۲۱ء سے ہو چکا تھا۔ اسکے بعد انکا اشہب قلم اس میدان سے تا عمر نہیں ہٹا۔ نثری تخلیقات میں غالباً انکا سب سے قیمتی سرمایہ انکا ادبی تاریخی تذکرہ ''اردو زبان مالیگاؤں میں'' ہے جو ۱۹۶۴ء میں دو طویل قسطوں میں روزنامہ اردو ٹائمز (ممبئی) میں شائع ہوا۔ اسکے علاوہ انکے تنقیدی اور تاثراتی مضامین وقتاً فوقتاً مقامی اخبارات کی زینت بھی بنتے رہے۔ آج بھی انکے کاغذات میں جو اردو لائبریری میں بحفاظت رکھے ہوئے ہیں، بیسیوں غیر مطبوعہ مضامین اور ڈرامے دیکھنے کو مل سکتے ہیں۔ ان نثری تخلیقات کی کئی جلدیں تیار ہو سکتی ہیں۔

انہوں نے جغرافیہ کی تین نصابی کتابیں بھی لکھی ہیں جو حکومت وقت کی جانب سے نصاب میں شامل کی گئیں۔

۱)جغرافیہ تعلقہ مالیگاؤں:

۱۶ رصفحات کی یہ مختصر لیکن جامع کتاب اگست ۱۹۲۸ء میں ممبئی میں طبع ہو کر شائع ہوئی۔

۲)جغرافیہ ضلع ناسک مع مراٹھی اضلاع:

۶۳ رصفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۹۲۸ء میں مفید عام پریس لاہور سے طبع ہوئی۔

۳) جغرافیہ احاطۂ بمبئی مع عام معلومات ہندوستان:

۱۱۲ رصفحات کی یہ چھوٹی سائز کی کتاب ۱۹۳۴ء میں طبع ہوئی۔

تبصرۂ عمومی:

ان کی نثری تخلیقات کا جائزہ لینے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ موصوف پہلے شخص تھے جنھوں نے اپنے ہمعصر علما کے اخلاقی، دینی اور مذہبی مضامین کے محدود دائرے سے باہر قدم نکالا اور علم وادب کی نئی زمینوں کو دریافت کیا۔ ان سے قبل نہ اتنے افسانے کسی نے لکھے اور نہ سنجیدہ علمی ادبی اور مزاحیہ مضامین۔

اپنے مضمون ''تجارت شروع کرنے سے پہلے'' ص۱ میں انہوں نے تجارت شروع کرنے سے قبل کی تیاریوں کا سیر حاصل جائزہ لیا ہے۔ جو معاشی مضمون نگاری میں انہیں سب سے پہلا قلمکار ثابت کرتا ہے۔

راقم کو یقین ہے کہ تلاش کرنے پر مسلمؔ کی مزید تخلیقات دریافت ہو سکتی ہیں۔ جہاں تک انکی نثر کی زبان، اسلوب اور فکر وفن کا جائزہ لینے کا سوال ہے اسکے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ اسکے بغیر موصوف کی ادبی خدمات سے کماحقہ عہدہ برآنہیں ہوا جاسکتا ص۲ بہر حال جو کچھ بھی آج پیش نظر ہے وہ محمد صدیق مسلمؔ کو ایک مسلم الثبوت استاد شاعر کیساتھ ساتھ ایک پختہ کار نثر نگار ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔

ص۱ : محمد صدیق مسلمؔ، تجارت شروع کرنے سے پہلے، ترجمان مومن انصار، بنارس،

مارچ ۱۹۳۰ء، ص ۳۱

ص۲ : مقامی کالج میں اردو کے ایک استاد، سابق پرنسپل سٹی کالج مالیگاؤں، عبد الحفیظ انصاری صاحب کے ہونہار فرزند ساجد انصاری نے حضرت مسلمؔ مالیگانوی کی شخصیت اور فکرو فن پر تحقیقی مقالہ لکھا ھے۔ یقین ھے کہ موصوف نے مسلمؔ کے فکرو فن کے ساتھ انصاف کیا ہوگا جو راقم کے لئے اس مختصر مقالے میں ممکن نہیں۔

مولانا مرتضیٰ حسن

پیدائش: ۱۹۰۱ء

وفات: ۵؍اکتوبر ۱۹۸۸ء

مولانا حکیم مرتضیٰ حسن کے والد کا نام ولی محمد ہے۔ ابتدائی تعلیم انہوں نے مدرسۂ حسینیہ راندیر (گجرات) میں حاصل کی۔ پھر مالیگاؤں واپس آگئے۔ اسکے بعد جب مولانا جمال الدین لبیب انوری ڈابھیل میں داخلہ لینے کی غرض سے گئے تو مولانا مرتضیٰ حسن بھی ساتھ ہو لیے۔ اتفاق سے مولانا مرتضیٰ حسن ممتحن کی نظر میں زیادہ قابل ثابت ہوئے مگر خانگی دشواریوں کے سبب داخلہ نہیں لیا۔ مالیگاؤں آکر اپنے اہل خاندان کو ساتھ لیا اور سورت (گجرات) چلے گئے۔ مزید تعلیم کے لئے اپنی پرانی درسگاہ مدرسۂ حسینیہ میں دوبارہ داخلہ لیا پھر چند سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد مولانا محمد الیاس، امام وخطیب مینارہ مسجد، کے ساتھ دیوبند چلے گئے اور وہاں تکمیل کی سند لی۔

۱۹۳۴ء میں مولوی مرتضیٰ حسن اور مولانا عبدالحق رازی جب سند فراغت لیکر وارد شہر ہوئے تو ان کا زبردست استقبال کیا گیا۔ ایک ہی دن میں مبارکبادی کے دو جلسوں کا انعقاد ہوا۔

ان کے گھر والوں کی معلومات کے مطابق وہ کچھ روز دہلی میں بھی رہے جہاں کسی بڑے دواخانے میں رہ کر طبابت سیکھی۔ مالیگاؤں میں کچھ دن معہد ملت میں مدرس رہے لیکن اس کے بعد مستقل طور پر طبابت کا پیشہ اختیار کیا۔ اور آخر عمر تک اسی سے وابستہ رہے۔

نثری خدمات:

مولانا نے نثر زیادہ نہیں لکھی۔ ان کے کچھ مضامین حافظ علی بہادر خان کے اخبار ''دور جدید'' میں شائع ہوئے مگر راقم کو دستیاب نہ ہو سکے۔ فضلاء دیوبند نے جب رسالہ ''ادب'' (قلمی) کا اجراء کیا تو مولانا نے بھی ان میں مضامین لکھے۔ ''ادب'' کے جتنے شمارے دستیاب ہیں ان میں مولانا کے تین مضامین ''عید اور اس کی حقیقت''، ''حج کی غرض'' اور ''حضرت سعید ابن العاص'' شامل ہیں۔ ان کے علاوہ ان کے اور مضامین دستیاب نہ ہو سکے۔
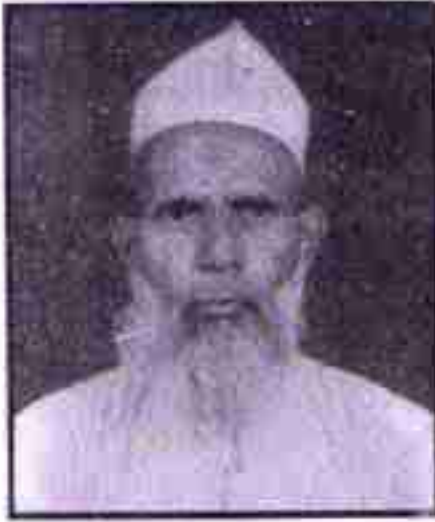
مولوی محمد حسن حافظؔ

پیدائش: ۱۹۰۱ء

وفات: ۲۲رجون ۱۹۷۷ء

مولوی محمد حسن کی پیدائش مالیگاؤں میں ہوئی۔ انکے والد کا نام حاجی محمد رمضان ہے۔ مولوی محمد حسن مشہور صنعت کار اور سماجی خدمت گار ڈاکٹر خلیل احمد انصاری کے والد تھے۔ مولوی صاحب کے حالات زیادہ معلوم نہ ہو سکے۔ ڈاکٹر صاحب کے بیان کے مطابق انہوں نے بیت العلوم سے سند فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی۔ مختلف اوقات میں مدرسۂ اسلامیہ اور اینگلو اردو ہائی اسکول میں مدرس رہے۔ حسین انور روایت کرتے ہیں کہ ۱۹۵۲ء میں اینگلو اردو ہائی اسکول کی انتظامیہ نے کچھ اساتذہ کو ان ٹرینڈ ہونے کی وجہ سے نکال دیا تھا۔ ان ستم رسیدوں میں مولوی محمد حسن بھی تھے۔ کچھ دنوں تک مالیگاؤں ہائی اسکول میں دینیات پڑھاتے رہے۔

مولوی صاحب کا ایک مضمون "ابراہیم خلیل اللہ" کے عنوان سے راقم کو دستیاب ہوا ہے۔ ص۱ اس کے علاوہ "مالیگاؤں میونسپلٹی اور مسلمان" کے عنوان سے آٹھ صفحات کا ایک کتابچہ بھی ملا ہے جو ۱۹۳۹ء میں ممبئی سے شائع ہوا تھا۔ ان کے نام کے ساتھ حافظؔ رسالہ "ادب" میں بھی موجود ہے۔ مولانا محمد حنیف ملی روایت کرتے ہیں کہ وہ حافظ ضرور تھے لیکن شاعری نہیں کرتے تھے۔ البتہ ان کے دوستوں میں شعراء کی تعداد زیادہ تھی۔

ص۱: مولوی محمد حسن حافظ، ابراهیم خلیل الله، رساله ادب قلمی، مالیگاؤں، مارچ ۱۹۳۰ء

مولانا محمد نقی صـ۱

پیدائش: ۱۹۰۳ء

وفات: ۱۸ر ستمبر ۱۹۶۱ء

مولانا مفتی محمد نقی نے دار العلوم دیو بند میں تعلیم مکمل کر کے ۱۹۲۳ء میں فراغت حاصل کی۔ اسکے بعد وہ علم دین کی اشاعت کے سلسلے میں ڈابھیل، ممبئی، کولہاپور، مراد آباد اور مالیگاؤں وغیرہ میں مختلف مدارس دینیہ سے منسلک رہے۔ موصوف کا طویل ترین قیام مالیگاؤں میں رہا۔ مولانا کے والد مولانا ناظر حسن، صدر مدرس مدرسہ عالیہ، کلکتہ، بڑے باکمال اور صاحب استعداد عالم دین تھے۔ مولانا نقی نے ظاہری وجاہت کے ساتھ ساتھ باطنی صفات وصلاحیت بھی پائی تھی۔ حضرت مولانا انور شاہ کاشمیری کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ مولانا نقی نے مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی سے فتویٰ نویسی اور افتا، کی عملی تربیت حاصل کر کے فقہی مسائل کے اصول وجزئیات پر مکمل عبور حاصل کیا۔ انہوں نے گیارہ سال کی عمر میں حفظ قرآن مکمل کیا تھا۔ ۱۹۵۴ء میں حج بیت اللہ کیلئے تشریف لے گئے۔ محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی لکھتے ہیں:

> ''میں نے اور مولانا نقی نے ایک ہی جہاز پر سفر کیا تھا۔ مولانا مرحوم بہت نیک مزاج اور پابند شریعت تھے۔۔۔۔۔۔۔ صـ۲''

حضرت مولانا محمد اسحاق مقصد کے سفر آخرت اختیار کرنے کے بعد حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کے مشورے سے مدرسہ بیت العلوم میں بحیثیت صدر مدرس بطور خاص مولانا نقی کی تقرری عمل آئی۔ ۱۹۴۶ء میں بعض وجوہات کی بناپر سبکدوش کر دیے گئے۔ وہ وہاں سے ڈابھیل چلے گئے۔ لیکن کچھ روز

صـ۱: مولانا نقی کی پیدائش اور وفات مالیگاؤں میں نہیں ہوئی لیکن انھوں نے عمر عزیز کا بڑا حصہ یہیں گزارا اور بے شمار علما و اساتذہ کی تربیت فرمائی۔ وہ مالیگاؤں کو اپنا وطن ثانی سمجھتے تھے اسلئے ان کا ذکر اس تذکرے میں شامل کیا گیاہے۔

صـ۲: مولانا محمد ادریس عقیل ملی، حضرت مولانا محمد نقی، اجالوں کے سفیر، مالیگاؤں ۱۹۹۲ء، ص ۱۱۲

کے بعد پھر مالیگاؤں آگئے اور جمعیۃ العلمائے ہند کے ریاستی نائب صدر کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔

مولانا نقی کی ذات مرجع خلائق تھی۔ دعا تعویز اور عملیات میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ حضرت مولانا عبدالحق مدنی کے وصال پر مدرسہ شاہی مراد آباد کا منصب اہتمام مولانا نقی کے سپرد کیا گیا۔ یہیں کے زمانۂ قیام میں مرض الموت کی شروعات ہوئی۔ دیوبند واپسی کا قصد کیا۔ مگر راستے میں روح پرواز کرگئی۔ مولانا کے انتقال پر مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی نے اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

> ''مولانا محمد نقی نے عمر کا بڑا حصہ خدمتِ علم و دین اور ارشاد و تلقین میں اس شان سے صرف کیا کہ ان کو دیکھ کر سلف کی یاد تازہ ہو جاتی تھی [صـ۱]''

نثری خدمات :

مولانا نے مالیگاؤں کے زمانۂ قیام میں کچھ اہم مسائل پر کتابیں تصنیف کیں جو مالیگاؤں میں طباعت کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے کانپور سے طبع ہو کر شائع ہوئیں [صـ۲] مولانا کے جو مضامین راقم کو دستیاب ہوئے ہیں ان میں ''نزول بلایات کا سبب اور انکے دفعیہ کا علاج قسط۲'' [صـ۳] اور ''خوشگوار زندگی'' [صـ۴] شامل ہیں۔ آخر الذکر مضمون کافی سبق آموز ہے۔ اسی زمانے میں مولانا کے کئی مضامین الکلام اور اجمل (بمبئی) میں اشاعت پذیر ہوئے۔

مولانا عموماً دینی موضوعات پر ہی قلم اٹھاتے تھے۔ ان کی تحریروں میں اصلاح کا جذبہ جاری وساری رہتا تھا۔ انداز عام فہم اور سادہ ہوتا تھا۔

❖❖❖❖❖

صـ۱ : مولانا محمد ادریس عقیل ملی ،حضرت مولانا نقی، اجالوں کے سفیر، مالیگاؤں ۱۹۹۲ء، ص ۱۱۱

صـ۲ : مولانا محمد ادریس عقیل ملی ،حضرت مولانا نقی، اجالوں کے سفیر، مالیگاؤں ۱۹۹۲ء، ص ۱۱۲

کافی تلاش کے باوجود مولانا نقی کی یہ تصنیفات دستیاب نہ ہو سکیں۔

صـ۳ : مولانا نقی ،ادب ،مالیگاؤں، ۱۰/جون ۱۹۳۴ء

صـ۴ : اجمل ،بمبئی، ۲۰/جولائی ۱۹۳۳ء

مولانا محمد عثمان

پیدائش: ۱۹۰۵ء

وفات: یکم فروری ۱۹۸۴ء
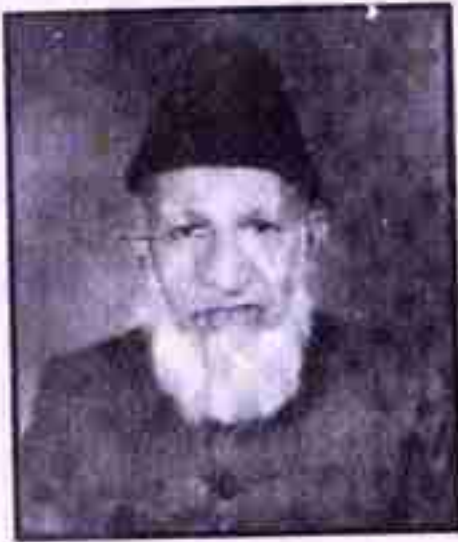
مولانا محمد عثمان ابن عبداللہ کی ولادت مالیگاؤں میں ہوئی۔ ان کے آباء اجداد کا تعلق موضع سعادت گنج ضلع بارہ بنکی (یوپی) سے تھا۔ ابتدائی تعلیم کے لئے پرائمری اسکول میں داخل ہوئے۔ لیکن ان کے دینی شوق کو دیکھتے ہوئے والد نے انہیں مدرسہ بیت العلوم میں داخل کردیا۔ غربت اور تنگدستی کے سبب مولانا ایک ہی وقت مدرسہ جاتے تھے اور دوپہر بعد ہینڈلوم پر ساڑیاں بن کر اہل خانہ کا ہاتھ بٹاتے۔ انہوں نے حفظ بھی کیا۔ مولانا کی علمی استعداد اور ذہانت و شوق کو دیکھتے ہوئے انہیں طالب علمی کے زمانے میں ہی دوسرے طلبہ کو تعلیم دینے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ ۱۹۲۷ء میں دیگر علماء و قراء کے ساتھ مولانا موصوف کو بھی سند فراغت علامہ شبیر احمد عثمانی کے دست فیض سے عطا کی گئی۔

بیت العلوم میں تکمیل کے بعد مولانا دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ ایک سال کے بعد مزید چند ساتھیوں کو دیوبند میں تعلیم کی ترغیب دے کر اپنے ساتھ لے گئے۔ غرض شہر اور آس پاس کے کافی طلبہ دیوبند پہنچے۔ مولانا عثمان نے وہاں ایک ادبی انجمن قائم کی اور ایک قلمی رسالہ "ادب" کا اجراء بھی کیا ص۱ جو بعد میں مالیگاؤں سے بھی جاری ہوا۔ ۱۹۳۲ء میں مولانا نے سند فراغت حاصل کی اور شہر کے سب سے پہلے فاضل دارالعلوم دیوبند کا اعزاز حاصل کیا۔ اس کے بعد وہ مالیگاؤں لوٹ آئے۔

یہاں آنیکے بعد انہوں نے اپنے رفقاء کیساتھ ایک ادارہ بنام "دارالتبلیغ" قائم کیا۔ جسکے اراکین مالیگاؤں کے قرب وجوار کے دیہاتوں میں جماعت کی شکل میں جاتے مسلمانوں کو تعلیم دیتے، انکے عقائد کی اصلاح کرتے، مسجدوں کو آباد کرتے اور وہاں کے باشندوں کو نماز کی ترغیب دیتے تھے۔ ص۲

ص۱: یہ بیان اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ قلمی رسالہ "ادب" بنیادی طور پر دیوبند میں جاری ہوا لیکن اس زمانے کا کوئی شمارہ دستیاب نہ ہوسکا۔

ص۲: یہ کام مولانا اور انکے ساتھیوں نے اس زمانے میں انجام دیا جب تبلیغی جماعت وجود میں بھی نہیں آئی تھی۔ اس سے انکے کام کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے۔

۱۹۳۴ء میں حیدر آباد کے مولانا سید زکریا ہاشمی کی دعوت پر جو خود بھی فاضل دیوبند تھے، مولانا حیدر آباد پہنچے۔ ابتداً مولانا موصوف کا تقرر امور شرعیہ میں بحیثیت مبلغ ہوا۔ انکا کام قریہ قریہ، شہر شہر گھوم کر اسلام کی تبلیغ مسلمانوں کی اصلاح اور انکو وعظ ونصیحت کرنا تھا۔ انہوں نے یہیں پر مسلمانوں میں اونچ نیچ کی تفریق کے خلاف آواز اٹھائی۔ دو سال کے بعد نظام آباد (آندھرا پردیش) میں ان کا تقرر بحیثیت منتظم انجمن اسلام اور امام وخطیب جامع مسجد وعیدگاہ ہوا۔ مولانا نے تقریباً دس سال ریاست حیدر آباد میں خدمات انجام دینے کے بعد ۱۹۴۴ء میں دوبارہ وطن عزیز کو مراجعت فرمائی۔

یہاں آنے کے بعد انہوں نے مسلمانوں اور انکی صنعت کی ترقی کے لئے دوسرے علما کے ساتھ محاذ قائم کیا۔ اسی دوران انہیں جمعیۃ العلماء ہند کی ریاستی شاخ کا صدر مقرر کیا گیا۔ یہ مقام شہر کے کسی شخص کو پہلی بار ملا تھا۔

۱۹۴۹ء میں انہوں نے مدنی مسجد نیا پورہ میں عربی سکھانے کی کلاس کا اجراء کیا اور اس شبینہ مدرسے کا نام تقویۃ الاسلام رکھا۔ ۱۹۵۲ء میں جب مولانا نے انکو سیٹھ کی ملے کی مسجد کی امامت قبول کی تو یہ مدرسہ وہاں منتقل ہو گیا۔ اس مدرسے میں مولانا نے ناظرۂ قرآن کے ساتھ ساتھ تفسیر، فقہ و بخاری کے درس تک کی ذمہ داری تنہا نبھائی۔ اسی دوران مولانا عبدالحمید نعمانی، مولانا محمد عثمان، مولانا عبد الحق، مولانا عبدالقادر، مولانا محمد شفیع اور مولانا جمال الدین وغیرہم نے بیت العلوم کے علاوہ ایک اور مدرسے کے قیام کی جدوجہد شروع کی۔ یہ جدوجہد رنگ لائی اور ۱۹۵۲ء میں معہد ملت کا قیام عمل میں آیا۔ مولانا عثمان اور انکے رفقاء نے بلا معاوضہ تدریس کے لئے اپنی خدمات پیش کر دیں۔ مولانا عثمان تقریباً ۱۳ برس تک درس وتدریس کی خدمات بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ ۱۹۵۸ء میں ادارۂ ''احیاء المعارف'' کا قیام عمل میں آیا اور مولانا محمد عثمان اسکے ناظم مقرر ہوئے۔ اس ادارے سے دو کتابیں شائع ہوئیں ص۱۔ کچھ دنوں کے بعد مولانا محمد عثمان اور انکے دوسرے رفقاء بعض اختلافات کے سبب معہد ملت سے علاحدہ ہو گئے۔

مولانا عثمان کو خواتین میں اعلیٰ دینی تعلیم کی ضرورت کا شدت سے احساس تھا۔ انہوں نے ۱۹۶۵ء میں اپنے ہی خاندان کی کچھ لڑکیوں کو فقہ، عربی ادب اور قواعد کی کچھ کتابیں پڑھائیں۔ لیکن انہوں نے محسوس کیا کہ جب تک باقاعدہ جماعت کا اجراء نہ ہو اور زیادہ سے زیادہ وقت نہ دیا جائے خاطر خواہ نتائج حاصل نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ ۱۹۶۸ء میں مولانا عبد الحق، مولانا محمد الیاس اور

ص۱: اسکی تفصیل مولانا عبدالحمید نعمانی کے ذکر میں دیکھئے۔

مولانا محمد ایوب کی رفاقت اور مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کی سرپرستی میں جامعتہ الصالحات کی بنیاد ڈالی جو پہلے پہل ''تقویت الاسلام'' میں شروع کیا گیا۔ فی الحال یہ مدرسہ عظیم الشان عمارتوں میں جاری ہے۔ گذشتہ تیس برسوں میں کئی سو طالبات عالمہ اور قاریہ کی سند لیکر فارغ ہو چکی ہیں۔ ان میں سیکڑوں طالبات انگلینڈ، افریقہ اور امریکہ کی بھی شامل ہیں۔ یہ مدرسہ نہ صرف آج مالیگاؤں کی شناخت بن چکا ہے بلکہ مولانا عثمان کی دور بین نگاہوں کی یادگار بھی ہے۔ مولانا نے دنیا کو الوداع تو کہہ دیا لیکن باری تعالیٰ کو ان سے جو کام لینا تھا وہ پورا ہو چکا تھا۔ خواتین کو علم دین سکھانے کے بہت سے مدارس اس شہر میں ہی نہیں دیگر شہروں میں قائم ہونے شروع ہوئے جس کی خشت اول اس ملک میں مولانا محمد عثمان مرحوم کے دست فیض سے رکھی گئی۔

وفات سے ایک سال قبل ان پر فالج کا حملہ ہوا۔ کچھ دنوں کے بعد طبیعت سنبھل گئی لیکن معذوری برقرار رہی۔ آخر اس ''محسن نسوانیت'' نے یا بقول مولانا عبدالکریم پاریکھ ''تعلیم نسواں میں مہاراشٹر کے سرسید'' نے یکم فروری ۱۹۸۴ء کو دنیائے رنگ و بو کو الوداع کہہ دیا۔

مولانا کے فرزندوں میں ساتھی نہال احمد ربع صدی تک شہر کے ہردلعزیز ایم ایل اے رہ چکے ہیں۔ حکومت مہاراشٹر میں وزیر بھی بنے۔ ہلال احمد علم دین اور عصری علوم دونوں کی تدریس میں مصروف ہیں۔ اسی خانوادے کے ڈاکٹر اشفاق انجم اردو اور فارسی کے ماہر، محقق اور نقاد ہیں۔

نثری خدمات:

قلمی رسالہ ''ادب'' جسے مولانا عثمان نے دیوبند میں جاری کیا تھا، مالیگاؤں سے اسکا اجراء کرنے میں بھی پیش پیش رہے۔ یہ رسالہ تیار ہونے کے بعد عوامی مطالعہ کے لئے مختلف کتب خانوں میں رکھ دیا جاتا تھا۔ مولانا عبدالحق رازی کی روایت کے مطابق اس کے بعض شمارے یوپی بھی گئے۔

اس رسالے میں مولانا محمد عثمان کے بہت سے مضامین شائع ہوئے جن میں خصوصیت سے ''عربی مدارس اور انکا نظام تعلیم'' آٹھ قسطوں میں دستیاب ہے۔ ایک شمارے میں انہوں نے ضلع نظام آباد کے دورے کا حال بڑے دلچسپ انداز میں قلم بند کیا ہے [۱] ترجمان انصار (بنارس) اور المومن (کلکتہ) میں بھی مولانا کے مضامین شائع ہوئے۔

---

۱) مولانا محمد عثمان تعلقہ ارمور ضلع نظام آباد کا دورہ، ایک تاریخی نظر رسالہ ادب، ج ۲ ش ۱۲، مارچ ۱۹۳۵، ص ۵۱

جس وقت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی مرتب کردہ متنازعہ کتاب ''غایات النسب'' شائع ہوئی، مولانا محمد عثمان کی قیادت میں طلباء مالیگاؤں نے بھی اسکے خلاف قلم اٹھالیا۔ مولانا کا مضمون ''اکاسب حبیب اللہ کو جھٹلانے والے علماء'' کے عنوان سے روزنامہ انقلاب (لاہور) میں شائع ہوا۔ مضمون ایسا مدلل، بھرپور اور پر اثر تھا کہ دیوبند میں ہنگامہ مچ گیا۔ آخر کار دیوبند کے ارباب حل وعقد کو ''غایات النسب'' پر پابندی لگانی پڑی۔

یہ مولانا محمد عثمان اور ان کے رفقاء کے قلم کی طاقت تھی کہ برادریوں میں نفرت کا بیج بونے والی تحریر کا قلع قمع ہوا اور محبت کی اسلامی روایت کو تابندگی نصیب ہوئی۔

مولانا کی نثر نہایت دلکش اور متوازن تھی اور ایسے زبردست استدلال سے مزین رہتی تھی کہ سیدھے دل پر اثر کرتی تھی۔ مولانا نے زبان کے معیار کو ہمیشہ باقی رکھا اور نفس مضمون میں اعلیٰ علمی مرتبے سے کبھی روگردانی نہیں کی۔ جس وقت ''غایات النسب'' کا ہنگامہ کھڑا ہوا مولانا نے ''ادب'' میں بھی ایک مضمون لکھا اس کا ایک اقتباس دیکھئے:۔ مولانا محمد شفیع سے مخاطب ہو کر لکھتے ہیں۔

> ''آپ نے پہلی حدیث جو ابن عمرؓ سے نقل کی ہے اور جس میں بتایا ہے کہ قیامت کے دن ایک پکارنے والا پکارے گا کہ وہ لوگ کہاں ہیں جنھوں نے زمین میں رہ کر اللہ کے ساتھ خیانت کی ہے اس پر تھٹھیرے، صراف، اور جلاہے حاضر کئے جائینگے۔ اس کے متعلق جناب سے سوال ہے کہ کونسی خیانت ہے جس کو جلاہے نے اللہ کے ساتھ روا رکھی ہے۔ اس حدیث کی نقل فرما کر جناب نے جلاہوں کو خائن قرار دیا ہے اور وہ بھی اللہ کا۔ اسلئے ضرورت ہے کہ اس خیانت کی تصریح فرمائیں جو ان جلاہوں نے آپ کے ساتھ نہیں، آپ کی قوم کے ساتھ نہیں شیخوں اور سیدوں کے ساتھ نہیں بلکہ خود اللہ کے ساتھ کی ہے۔ '' ص[1]

یہ نثر پارہ خود اس بات کا گواہ ہے کہ مولانا کی نثر میں علمیت کیساتھ ساتھ ادبیت کی چاشنی بھی پائی جاتی ہے۔

ص[1] : مولانا محمد عثمان۔ مولانا محمد شفیع صاحب مفتی دارلعلوم دیوبند کا جارحانہ اقدام، ادب، مالیگاؤں ستمبر ۱۹۳۰ء، ص ۲۱

مولانا عبدالحق رازیؒ

پیدائش: ۱۹۰۶ء

وفات: ۱۹؍ جولائی ۱۹۹۸ء

مولانا عبدالحق رازی الانصاری کے والد کا نام نبی بخش تھا۔ تجارت کرتے تھے۔ مولانا مالیگاؤں میں پیدا ہوئے اور تعلیم حاصل کرنے کے لئے مدرسہ بیت العلوم میں داخل کئے گئے۔ کچھ دنوں مولانا محمد اسحاق سے درس لیا لیکن سند فراغت حاصل کئے بغیر دیوبند روانہ ہو گئے۔ جہاں سے ۱۹۳۴ء میں سند فراغت حاصل کی۔ ان کے ساتھ ہی مولانا مرتضیٰ حسن بھی سند فراغت لیکر لوٹے تھے۔ دونوں حضرات کی مالیگاؤں واپسی پر زبردست استقبال کیا گیا اور ایک ہی دن میں دو مختلف مقامات پر مبارک بادی کے جلسوں کا اہتمام کیا گیا۔ مولانا موصوف کو مدرسہ عین العلوم بیلباغ، حافظ العلوم، معہد ملت اور جامعۃ الصالحات جیسے دینی تعلیم کے اداروں میں تدریس علم دین کے مواقع نصیب ہوئے۔ خصوصاً معہد ملت میں سولہ برس تک بلا معاوضہ علم دین سکھاتے رہے۔ مولانا کے شاگردوں میں کئی ممتاز علماء شامل ہیں۔ ان میں سے بعض نے جامعہ ازہر مصر سے بھی سند فراغت حاصل کی۔

مولانا عبدالحق، مولانا محمد عثمان کے بہنوئی اور رفیق کار تھے۔ اس لئے ہر قدم پر انکا ساتھ دیا کرتے تھے۔ مولانا محمد عثمان جب معہد ملت سے علاحدہ ہوئے اور عظیم دینی درسگاہ برائے نسواں جامعۃ الصالحات کی جدو جہد شروع کی تو مولانا عبدالحق رازی ان کا ساتھ دینے میں پیش پیش رہے۔ مولانا عبدالحق نے بھی جامعۃ الصالحات میں تدریس علم دین کی ذمہ داری سنبھالی۔ ان بزرگوں کی کوششوں سے ایسی دخترانِ اسلام تیار ہوئیں جنہوں نے عالمہ اور قاریہ کی اسناد لے کر مدرسہ میں تدریس کی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ مولانا عبدالحق اپنی بزرگی اور ضعیفی کے سبب سبکدوش ہو گئے۔ لیکن انہوں نے خواتین میں علم دین کی جو شمع روشن کی تھی اس کے اجالے دنیا کے بیشتر مادہ پرست ملکوں تک پہنچے اور دیار کفر میں دینی مدارس برائے نسواں کی بنیادیں پڑنی شروع ہو گئیں۔ مولانا کے انتقال پر جلوس جنازہ میں ہزاروں لوگ شریک

ہوئے جن میں ہر طبقہ خیال اور مکتب فکر کے لوگ شامل تھے۔

نثری سرگرمیاں:

مولانا عبدالحق اچھے شاعر تھے، رازی تخلص رکھتے تھے، عموماً نعت اور حمد کہتے تھے اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ ایک منفرد نثر نگار بھی تھے۔ مولانا نے دیوبند کی تعلیم کے دوران ہی اپنی نثری سرگرمیوں کا آغاز کر دیا تھا۔ جب وہ مالیگاؤں تشریف لائے تو قلمی رسالے ''ادب'' کا اجراء ہو چکا تھا۔ مولانا عبدالحمید نعمانی کے اصرار پر انہیں ادارت کی ذمہ داری سونپی گئی۔ مولانا نے اس ذمہ داری کو بخوبی نبھایا 'ادب'' کے تقریباً ہر شمارے میں ان کی نثری تخلیقات موجود ہیں۔

خود مولانا کی روایت کے مطابق ان کے مضامین مدینہ (بجنور) میں شائع ہوئے۔ جس میں'' احکام شرعیہ کا جنازہ خواتین اسلام کے کاندھوں پر'' بے حد پسند کیا گیا۔ اس کے علاوہ ایک مضمون مومن انصاری برادری کی صنعت وحرفت کے پیش نظر'' دستی کرگھے کی پست حالی، اسباب پر ایک نظر'' ص۱ کے عنوان سے دستیاب ہوا ہے۔ رسالہ'' ادب'' میں ۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۵ء کے درمیان مولانا کے گیارہ علمی اور دینی مضامین اور ایک افسانہ'' برباد محبت'' کے عنوان سے موجود ہے ص۲۔ لیکن مولانا کی سب سے اہم تحریر ان کا مکالمہ ہے جو'بات چیت'' کے مستقل عنوان کے تحت رسالہ'' ادب'' کے آٹھ شماروں میں شائع ہوا ہے۔ اس میں دو تین خواتین کو آپس میں گفتگو کرتے دکھایا گیا ہے۔ انہیں مکالموں کے توسط سے مولانا اپنا اصلاحی اور ناصحانہ پیغام قارئین تک پہنچاتے ہیں۔ یہ سلسلہ خواتین میں بہت مقبول اور پسندیدہ تھا۔ ان کے اکثر شمارے یوپی تک جاتے تھے۔ جہاں خواتین بڑی دلچسپی سے پڑھا کرتی تھیں۔

نثری خصوصیات:

مولانا عبدالحق کے علمی دینی اور اصلاحی مضامین میں نہایت پاکیزہ اور بامحاورہ زبان استعمال کی گئی ہے۔ افسانہ'' برباد محبت'' ایک روایتی عشق کی کہانی ہے جس سے آگے بڑھنے کے بارے میں مولانا شاید سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ لیکن ان کی تحریر کا اصل جوہر'' بات چیت'' میں پایا جاتا ہے۔ جو اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ وہ مکالماتی زبان لکھنے میں مہارت رکھتے تھے۔ خصوصاً عورتوں کی زبان اور ان کے محاوروں کا استعمال نہایت مشاقی سے کیا ہے۔ ان مکالموں کے ذریعے مولانا خواتین تک نہ صرف دین کی بنیادی باتیں

ص۱: مولانا عبدالحق رازی، ماہنامہ مومن، بدایوں، جولائی ۱۹۳۶ء۔

ص۲: مولانا عبدالحق رازی، برباد محبت، ادب، مالیگاؤں، ۱۹؍ دسمبر ۱۹۳۳ء، ص ۴۰

پہنچانے میں کامیاب ہیں بلکہ ان کو ضعیف الاعتقادی اور توہمات سے نجات دلانے کی بھرپور کوشش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ راقم کے نزدیک مولانا کی نثر کا یہ سرمایہ سب سے زیادہ قیمتی ہے اسلئے نمونہ بھی اسی کا پیش کیا جاتا ہے۔

"وکیلہ: زبیدہ! تمہاری شادی کے متعلق تو حضرت پیر صاحب قبلہ کا بڑا اصرار تھا چنانچہ جاتے جاتے تاکید کر گئے تھے۔ ورنہ تمہارے یہاں تو کوئی بھی راضی نہ تھا۔
زبیدہ: (جھنجھلاکر): خدا ان جاہل پیروں کو غارت کرے۔ انہیں لوگوں نے تو دنیا کو تباہ کر رکھا ہے۔
شکیلہ: بالکل صحیح! یہ ہر سال دو سال کے بعد آتے ہیں اور غریبوں کی گاڑھی کمائیاں کھیتی کی طرح کاٹ کر لیجاتے ہیں۔
زبیدہ: جی ہاں! اگر اتفاق سے کبھی آنا نہ ہوا تو کوئی نہ کوئی حیلہ تراش کر روپیہ منگوالیا جاتا ہے۔
وکیلہ: نہ معلوم آپ لوگ پیروں اور فقیروں کے اس قدر مخالف کیوں ہیں؟
شکیلہ: لاحول ولاقوۃ.... اس میں مخالفت اور عدم مخالفت کیا یہ تو ساری دنیا جانتی ہے کہ آج کل کے پیر و فقیر دنیا ساز اور نفس پرست ہوتے ہیں۔
وکیلہ: اچھا تو پھر دنیا کیوں اسقدر ان کی مرید اور معتقد ہوتی جارہی ہے۔
شکیلہ: اسلئے کہ حضور نے فرما دیا ہے کہ آخری زمانہ یعنی قیامت کے قریب قوم کے سردار اور رہنما بیوقوف اور جاہل ہونگے اور انکی مکاری اور ہوشیاری کے سبب دنیا انکی مٹھی میں ہوگی۔ یہ جس طرف چاہینگے قوم کو لے جائیں گے۔"

مندرجہ بالا نثر پارہ اگرچہ قدرے طویل ہے۔ لیکن مولانا کی نثری خصوصیات کے تعلق سے درج بالا دعوے کی دلیل بھی ہے نیز توانا اور صحت مند قدروں کا ترجمان بھی۔

❖❖❖❖❖❖

ماسٹر یار محمد ظہیرؔ

پیدائش: ۲۶؍جون ۱۹۰۸ء

وفات: ۲۵؍جون ۱۹۸۳ء

ماسٹر یار محمد ظہیرؔ بھی پرانے زمانے کے ان وضعدار بزرگوں میں سے تھے جنہوں نے حقیقی معنوں میں تدریس کے ذریعے قوم کی تعمیر کا مبارک فریضہ انجام دیا اور ساتھ ہی ساتھ شعروادب کی خدمت میں بھی غافل نہیں رہے۔ موصوف کا پورا نام یار محمد ابن پیر محمد ہے۔ ظہیرؔ تخلص کرتے تھے۔ مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔ ساتویں جماعت (فائنل) کا امتحان کامیاب کرنے کے بعد ۱۹۳۳ء میں پونا سے سینئر پی ٹی سی کی ٹریننگ حاصل کی۔ پوری زندگی پرائمری اسکولوں میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۲۶؍جون ۱۹۶۶ء کو ملازمت سے سبکدوش ہوگئے۔ کامل ۷۵ سال (ایکدن کم نہ ایک دن زیادہ) کی عمر میں وفات پائی۔

موصوف کو تصوف سے خصوصی دلچسپی تھی۔ اسلئے شاعری میں حمد، نعت، مناجات وغیرہ پر زیادہ توجہ رہی۔ غزل کی زلفوں کے اسیر نہ ہوسکے۔ جب بھی موقع ملتا نثر کے میدان میں بھی اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھاتے۔ رسالہ ادب قلمی (مالیگاؤں) کے دستیاب شماروں میں انکے پانچ مضامین شامل ہیں جو ۱۹۳۴ء میں شائع ہوئے۔ ان میں فقیری، فلسفۂ خاموشی، جواہرات بے بہا از خزانۂ صوفیا قابل ذکر ہیں۔ اس سے قبل ایک مضمون "بے ثباتی عالم" ص۱ کے عنوان سے بھی اشاعت پذیر ہوچکا ہے۔

مضامین کے عنوانات اس کے مظہر ہیں کہ موصوف کا طبعی میلان تصوف کی طرف تھا۔ نثر ہو یا نظم انہوں نے اس نورانی حصار کے باہر قدم نہیں نکالا۔ حضرت مولانا برکت علی سے بیعت تھے۔ نقشبندیہ مجددیہ سلسلے سے وابستہ تھے۔

موصوف کثیر العیال تھے۔ انہوں نے سترہ اولادیں چھوڑیں جن میں سے اکثر نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور مختلف مقامات پر درس وتدریس کے پیشے سے وابستہ ہیں۔ دو لڑکیوں نے عالمہ کے کورس کی تکمیل کی ہے۔

ص۱: ماسٹر یار محمد ظہیر: بے ثباتی عالم: رہنمائے تعلیم، لاہور، اگست ستمبر ۱۹۲۷ء، ص ۲۹

مولانا محمد حسن نایابؔ

پیدائش: ۱۹۰۸ء

وفات: ۲۳ر فروری ۱۹۷۴ء

مولانا محمد حسن المتخلص بہ نایابؔ کی ابتدائی تعلیم بیت العلوم میں ہوئی۔ دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا تو خوش قسمتی سے اس کلاس میں داخل ہوئے جو "صاحب زادگان" کی کلاس کہلاتی تھی ص۱ کتابت بہت اچھی جانتے تھے۔ شاعری سے مناسبت مولانا محمد یوسف عزیز کی صحبت میں پیدا ہوئی۔ دیوبند سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد گھریلو کاروبار میں مصروف ہوگئے۔

رسالہ "ادب" سے موصوف کی گہری وابستگی تھی۔ ادب کا پہلا صفحہ اکثر انہیں کی بوقلمونیوں سے مزین ہوا کرتا تھا۔ طبیعت میں بڑی ظرافت تھی۔ اس لئے مجلس کی جان رہا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ طلبائے معہد ملت کو کتابت اور خطاطی سکھانے پر مامور رہے۔

مولانا محمد حسن شاعری کے ساتھ ساتھ نثر بھی لکھا کرتے تھے۔ "ادب" کے شماروں میں مولانا نایابؔ کی بہت سی نظمیں اور حمد ونعت شائع ہوچکی ہیں۔ ۱۹۳۴ء کے شماروں میں انکے چار مضامین بھی موجود ہیں جن کے عنوانات "توحید، آفتاب اسلام، ناکام محبت، شمع ہدایت" ہیں۔ اپنے ہم عصروں کی طرح مولانا نے بھی انہیں موضوعات کو برتا ہے جن کا تعلق علم دین اور اصلاح سے ہے۔ نثر میں علمیت پائی جاتی ہے۔ مشکل عربی الفاظ استعمال کرتے تھے جس سے سلاست اور روانی پر حرف آتا ہے۔ لکھتے ہیں:

"اور اگر دوسرے خدا کے لئے یہ احتمال بھی نکالو کہ دوسرا ناقص بھی ہوسکتا ہے اور اس امکان کی وجہ سے یوں دلیل بیان کرنے لگو کہ جس طرح دو چراغوں کی روشنی مل کر ایک شئے پر کامل

ص۱: اس کلاس میں مولانا حسین احمد مدنی اور قاری طیبؒ جیسے بزرگوں کے صاحبزادے علم دین حاصل کرتے تھے۔ اسی لئے اسے صاحبزادگان کی کلاس کہا جاتا تھا۔

نورانیت عطا کرتی ہے اسی طرح دو خدا کے عطا کئے ہوئے بھی کامل ہوجائیں۔ یہ شک بھی بداہتہً باطل ہے اسلئے کہ تمام اہل عقل اور فہم اس پر متفق ہیں کہ خداوندی کے لائق وہی ذات ہے جو کہ مستجمع جمیع صفات کمالیہ ہو، عیوبات و نواقص سے منزہ ہو، نقصان کا کسی طرح گذر نہ ہو۔ ص۱

اس قسم کی نثر تقریباً تمام مضامین میں موجود ہیں۔ اس کے بعد غالباً مولانا نے نثر نگاری بالکل ترک کردی تھی۔ لکھتے رہتے تو اچھے اہلِ قلم ہوتے۔

ص۱: مولانا محمد حسن نایاب، توحید، رسالہ ادب، مالیگاؤں، ۱۴ مئی ۱۹۲۴ء، ص ۲۳

مولانا جمال الدین لبیبؔ انوری

پیدائش: ۲۳؍اکتوبر ۱۹۰۸ء

وفات: ۹؍جنوری ۱۹۸۷ء

مولانا جمال الدین کی پیدائش مالیگاؤں میں ایک متوسط مومن انصار گھرانے میں ہوئی۔ والد کا نام الحاج حافظ فیض اللہ تھا جو قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ مولانا جمال الدین نے اپنے والد سے ہی ناظرہ قرآن پڑھا۔ ۱۳۳۶ھ میں مدرسہ بیت العلوم میں داخلہ لیا۔ ۱۳۴۶ھ (۱۹۲۷ء) میں جب گیارہ علماء اور دس قراء کو علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا قاری ضیاء الدین احمد الہ آبادی کے دست مبارک سے سند و دستار تکمیل حدیث وقرأت عطا کی گئی تھی، مولانا جمال الدین بھی ان فارغین میں شامل تھے۔ بعد ازاں انہوں نے جامعہ اسلامیہ (ڈابھیل۔ گجرات) میں داخلہ لیا۔ یہاں انہوں نے مولانا عبدالجبار پشاوری، مولانا محمد یوسف پشاوری، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا قاری مفتی عتیق الرحمٰن، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا بدر عالم میرٹھی (مرتب فیض الباری) اور مولانا شبیر احمد عثمانی جیسے جید علمائے عصر سے علم دین کی تحصیل کی اور چار سال کے بعد علامہ مفتی کفایت اللہ کے دست فیض سے دستار بندی ہوئی۔

ڈابھیل روانگی سے قبل انہیں مدرسہ چشمۂ رحمت، چاندوڑ (ضلع ناسک) میں تدریس اور متصلہ مسجد میں امامت و خطابت کا موقع مل چکا تھا۔ ڈابھیل سے فراغت کے بعد مولانا کو چاندوڑ میں تدریس کی پیش کش ہوئی لیکن والد صاحب نے اجازت نہ دی۔ اس لئے کچھ دنوں مالیگاؤں میں ہی رہ کر پہلے شبینہ مدرسہ عین العلوم بیلباغ اور پھر مدرسہ عثمانیہ دارالعلوم (تعلیم النساء) میں درس و تدریس میں مصروف رہے۔

۲۱؍مارچ ۱۹۳۸ء کو سخت مسابقت کے بعد اردو مدارس، صبیان، میونسپل بمبئی میں اسپیشل قرآن ٹیچر کی حیثیت سے منتخب ہوئے۔ اس ملازمت میں مولانا نے سترہ سال گذار دیئے۔ اسی دوران اہلیہ کا انتقال ہوگیا۔ نیز مولانا کو قرآن کی تعلیم سے ہٹا کر کلاس ٹیچر بنا دیا گیا اسلئے طبیعت اچاٹ ہوگئی۔

اور وہ ملازمت ترک کر کے مالیگاؤں آ گئے اور معہد ملت میں فقہ اور قرأت کی تدریس کا آغاز کیا۔ لیکن طریقۂ تعلیم پر مولانا عبدالحمید نعمانی سے اختلاف کی بنیاد پر علاحدہ ہو گئے۔ ۱۳۷۵ھ (۱۹۵۵ء) میں قبرستان کے احاطے میں جاری شبینہ مدرسہ اسلامیہ کو دن میں جاری کیا۔ ۱۱ر دسمبر ۱۹۵۵ء سے ۷رجنوری ۱۹۸۷ء تک مسلسل ۳۲ رسال مدرسہ اسلامیہ کی ترقی و بقا کی جد و جہد میں مصروف رہے۔ اپنی وفات سے صرف دو روز قبل انہوں نے طلبہ کا فارسی کا امتحان لیا تھا۔ آج یہ مدرسہ ایک عظیم دینی درس گاہ میں تبدیل ہو چکا ہے۔ مولانا عبدالباری، مولانا جمال الدین لبیبؔ کی جانشینی فرما رہے ہیں۔

تحریری سرگرمیاں:

مولانا جمال الدین اچھے شاعر تھے۔ لبیبؔ تخلص کرتے تھے۔ اردو اور فارسی دونوں میں شعر کہتے تھے۔ بیت العلوم کی طالب علمی کے زمانے سے ہی وہ مولانا محمد یوسف عزیز اور مولانا عبدالحمید نعمانی کے زیر اثر نثر نگاری شروع کر چکے تھے۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے فارغ ہونے کے بعد یہ سلسلہ مزید آگے بڑھا۔ مختلف اخبارات و رسائل میں کئی اصلاحی اور تنقیدی مضامین شائع ہوئے۔ خصوصاً قلمی رسالہ 'ادب' (مالیگاؤں) میں بہت سارے مضامین شائع ہوئے جس میں کئی قسطوں میں تحریر کردہ ان کا مضمون ''النصائح والعبر'' قابل ذکر ہے۔

مولانا کی علمی قابلیت اور جوہر قلم اس وقت ظاہر ہوئے جب دارالعلوم دیوبند کے مولانا و مفتی محمد شفیع نے ایک رسالہ ''غایات النسب'' کے نام سے شائع کیا۔ جس کا دوسرا نام ''مساوات اسلامی اور اس کی حقیقت'' تھا۔ اس مضمون میں مولانا محمد شفیع نے جلاہوں اور مومن انصار برادری کے ساتھ ہی دیگر پیشہ ور طبقات کی تذلیل کی تھی۔ اس رسالے کا سب سے مدلل جواب مولانا محمد عثمان نے دیا۔ مولانا جمال الدین نے بھی ''مساوات مفتی دارالعلوم دیوبند اور اس کی حقیقت'' کے عنوان سے ایک طویل معرکۃ الآراء مضمون تحریر کیا جو مومن (بدایوں) میں شائع ہوا۔ اس کے علاوہ ''ادب'' میں بھی اسی تعلق سے کئی مضامین سپرد قلم کئے۔ مولانا کے حسب ذیل رسالے اور کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

(۱) : سوانح عمری حاجی امداد اللہ صاحب:

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی برسی پر مالیگاؤں میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا تھا۔ اس موقع پر یہ رسالہ شائع کر کے تقسیم کیا گیا۔

(۲) روئداد مشاعرہ، یوم عزیز یا تذکرہ یوسف:

مولانا محمد یوسف عزیز کی وفات کے ایک سال بعد یعنی ۱۹۵۸ء میں ایک جلسہ مولانا کی یاد میں منعقد ہوا۔ اس موقع پر مولانا جمال الدین نے ایک مقالہ مولانائے مرحوم کی زندگی پر سنایا۔ دو سال کے بعد ۱۹۶۰ء میں اس موقع پر پڑھی گئیں نظمیں اور مقالات مولانا جمال الدین نے رسالے کی شکل میں اپنے خرچ سے شائع کئے۔ رسالہ ۴۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

۳) افضل السوانح:

۲۰ صفحات کی یہ کتاب حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب مقصد مجددی نقش بندی، سابق صدر المدرسین مدرسہ بیت العلوم کی مختصر سوانح حیات ہے جو ۱۹۸۱ء میں مالیگاؤں سے شائع ہوئی۔ مولانا نے اس کی تالیف میں بڑی محنت کی ہے۔ رسالہ کے آخر میں "بیان سلوک" کے عنوان سے حضرت مجدد الف ثانی" کا ایک مضمون بھی شامل کر دیا ہے۔ تاکہ راہ سلوک کے راہی "راہ ورسم منزلہا" سے بے خبر نہ رہیں۔

نمونۂ نثر:

........ایک روز راقم الحروف حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق" صاحب کے مزار کے پاس دروازے پر فاتحہ خوانی کے لئے کھڑا ہوا تھا۔ یکا یک خیال گذرا کہ اگرچہ ایک زبان بند ہے مگر اسی ایک زبان کی وجہ سے ان کے شاگردوں کے طفیل مدارس و مکاتب کے ذریعہ ہزاروں زبانیں یادِ خداوندی و ذکرِ الٰہی کے لئے کھلی ہوئی ہیں۔ لہٰذا اے دل! تجھے بھی کوئی ایسا کام کرنا چاہئے کہ جب تیری ایک زبان بند ہو تو تیری وجہ سے سینکڑوں زبانیں کھلی ہوئی ہوں..... (افضل السوانح، ص۴)

مولوی حافظ محمد ثوبان

پیدائش: ۲؍فروری ۱۹۰۹ء

وفات: ۲۸؍اگست ۱۹۸۸ء

۱۹۲۷ء کے مدرسہ بیت العلوم کے جس جلسۂ دستارِ فضیلت کا ذکر پہلے آچکا ہے، اسی جلسے میں مولانا محمد ثوبان کو بھی تجوید و قرأت کی سند سے نوازا گیا۔ انہوں نے حفظ مولانا حافظ قاری دین محمد کے پاس کیا۔ پھر بیت العلوم میں داخلہ لیا جہاں مولانا محمد اسحٰق، مولانا محمد نقی اور مولانا عبدالستار اعظمی سے علم دین سیکھا۔ تکمیل کے بعد بیت العلوم میں مدرس ہوگئے۔ جس وقت مولانا محمد نقی پر سبکدوشی کی تلوار گری، مولانا ثوبان نے بھی استادِ محترم کی آن پر اپنی ملازمت قربان کردی۔ فنِ کتابت سکھانے کے لئے مولانا عبدالحمید نعمانی انہیں ممبئی لے گئے جہاں کتابت سیکھنے کے ساتھ ساتھ "بیداری" کی کتابت بھی کرتے تھے۔ موصوف نورانی مسجد میں امامت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔

پہلے مالیگاؤں میں عیدین کی نمازیں مساجد میں ہی ادا کی جاتی تھیں۔ مولانا محمد نقی نے مسلمانانِ شہر کو عیدگاہ میں نمازِ عیدین پڑھنے کی فضیلت بتائی۔ غرض ۱۹۴۴ء میں سب سے پہلے اے ٹی ٹی ہائی اسکول کے قریب جو پلے گراؤنڈ تھا، جہاں اب پانی کی ٹانکی ہے۔ نمازِ عید کا اہتمام ہوا۔ جس کی امامت کے لئے مولانا محمد نقی اور مولانا عثمان نے مولانا ثوبان کو آگے کردیا۔ دوسرے سال لشکر والی عیدگاہ پر نماز شروع ہوئی۔ تب سے لیکر ۱۹۸۱ء تک مولانا محمد ثوبان ہی امامت کرتے رہے۔ مولانا ثوبان نے دس اولادیں چھوڑیں۔ خوبصورت کتابت کی وراثت ان کے فرزندان حفیظ الرحمٰن اطہر اور عبدالرحمٰن نے پائی۔ اطہر صاحب بہت اچھے شاعر اور صحافی بھی ہیں۔ ان کے علاوہ یہ فن مولانا کے پسرزادگان احمد امین اور احمد سعید تک بھی پہنچا۔

نثر نگاری:

مولانا حافظ محمد ثوبان کی نثر نگاری کی اطلاع سن کر بہت سوں کو حیرت ہوگی۔ لیکن یہ سچ ہے کہ انہوں نے نثر نگاری بھی کی۔ راقم کو تحقیق کے دوران مولانا کے دو مضامین دستیاب ہوئے ہیں۔ جن میں سے ایک ''اسلام اور صداقت'' [1] کے عنوان سے ہے، دوسرا ''ایک بوڑھی عورت اور عبداللہ ابن مبارک کا مکالمہ'' ہے [2] ان کے علاوہ ان کی مزید تحریریں حاصل نہ ہوسکیں۔ نمونۂ تحریر حسب ذیل ہے۔

''جس طرح تمام اشیاء حسن و قبح، خوبصورتی و بدصورتی، مہذب اور غیر مہذب صفتوں کے ساتھ متصف ہیں اسی طرح کلام بھی صدق یا کذب کے ساتھ موصوف ہوتا ہے۔ صداقت کلام کے لئے زیور اور کلام کے حسن و خوبی کو دوبالا کرنے والی چیز ہے۔ [3]......''

ان مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی نثر علمی اور دین اسلام سے لگاؤ کی مظہر ہے۔

---

[1]: مولانا محمد ثوبان، رسالہ ادب، قلمی، ج ۱ ش ٤، فروری ١٩٣٤ء، ص ۷

[2]: مولانا محمد ثوبان، رسالہ ادب، قلمی، ج ۱ ش ٥، مارچ ١٩٣٤ء، ص ۳۲

[3]: مولانا محمد ثوبان، اسلام اور صداقت، ادب، فروری ١٩٣٤ء، ص ۸

ادیبؔ مالیگانوی

پیدائش: ۱۹؍اگست ۱۹۰۹ء

وفات: ۱۳؍مئی ۱۹۸۷ء

ایک زمانہ تھا کہ شہر مالیگاؤں "ادیب کے مالیگاؤں" سے جانا جاتا تھا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ادیب صاحب نے اپنے ساٹھ برس کے تخلیقی اور شعری تجربوں سے وہ مقام بنایا جو کسی دوسرے شاعر کو نصیب نہ ہوسکا۔ پاکستان سے جب اردو انسائیکلو پیڈیا کی اشاعت ہوئی تو اس میں ادیب صاحب کا مختصر تعارف اور حالات زندگی درج تھے، جس سے ان کی شہرت دوچند ہوگئی۔ انہوں نے مختلف مقامات پر اپنی شاعری کا علم لہرایا اور ملک کے مقتدر رسائل و جرائد ادب میں ان کا کلام شائع ہوکر اہل علم و ادب سے خراج تحسین وصول کرتا رہا۔

ادیبؔ صاحب کا نام محمد بشیر اور والد کا نام امین الدین ہے۔ آبائی وطن الہ آباد تھا۔ انکی پیدائش مالیگاؤں میں ہوئی۔ فائنل (ساتویں) پاس کرنے کے بعد سیکنڈ ایر ٹیچرس ٹریننگ کا کورس ۱۹۳۰ء میں احمد آباد سے پاس کیا۔ وہ ۱۹۲۷ء سے ۱۹۶۰ء تک درس و تدریس کے مقدس پیشے سے وابستہ رہے۔ اسی دوران دس سال تک صدر مدرس بھی رہے۔

ادیبؔ صاحب کے خاندانی ماحول اور شعری و ادبی سفر کا مطالعہ کافی دلچسپ ہے۔ ان کے والد امین الدین عرف مٹڑی سیٹھ نے ایک زمانے تک رئیسانہ ٹھاٹ باٹ کے ساتھ زندگی گذاری۔ ستر سے بہتر ہینڈلوم کا کارخانہ تھا۔ پگڑیاں اور ساڑیاں تیار کرتے تھے۔ دس دس مزدور روزانہ مال دوکانوں تک پہنچاتے، ادیب ہر روز سونے چاندی کی کھنکھناہٹ سنا کرتے تھے۔ اتفاق سے ۱۹۲۱ء کے خلافت تحریک کے ہنگاموں میں ادیبؔ کے منہ بولے چچا ایوب بوہل والے جو گھر کا سارا کاروبار سنبھالتے تھے، ملوث ہوگئے۔ انہیں دس برس قید کی سزا ہوئی۔ سارا کاروبار اور کارخانہ تباہ ہوگیا۔ ۱۹۲۴ء میں ان کے والد نے اردو لائبریری کے سامنے ایک ریسٹورنٹ جاری کیا۔ یہاں شعراء جمع ہوتے تھے۔ ادیبؔ ان سے

اشعار سنتے اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہوتے تھے۔ یہیں ان کے شعری شعور کو جلا ملی۔

ادیب صاحب کی شاعری کا آغاز ۱۹۲۷ء سے ہوا۔ ابتداً تجمل حسین تجمل جلالپوری سے اصلاح سخن لی بعد میں قدیر ایولوی کے دامن فیض سے وابستہ ہو گئے۔ دور دراز کے مقامات پر مشاعرے پڑھے اور اپنی شاعری اور دلکش ترنم کا جادو جگایا۔ سینکڑوں نامور شعراء سے ملاقاتیں رہیں۔ بعض سے خط و کتابت بھی رہی۔ ان پر ابتدا ہی سے ترقی پسندی کے اثرات نمایاں تھے حالانکہ یہ تحریک ابھی باضابطہ طور پر شروع بھی نہیں ہوئی تھی۔ شاید اسی لئے مرحوم سجاد ظہیر نے اپنی قابلِ قدر تصنیف ''روشنائی'' میں ادیب کا ذکر بڑے ادب و احترام سے کیا ہے۔ ماہنامہ صبح امید (ممبئی) نے انھیں ''شاعر حیات'' اور دہلی کے رسالے ''مشہور'' نے انھیں ادیب الملک کے خطابات سے نوازا۔ شاعری میں طنز کی خصوصیت نمایاں ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ زندگی بھر ''ادبی اور شاعرانہ چشمکوں'' میں گرفتار رہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ

چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسد، والا معاملہ تھا

۱۹۲۹ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشن کانفرنس میں انہیں گولڈ میڈل سے نوازا گیا۔ یہ اعزاز ان سے ایک سال قبل حضرت مسلم کو مل چکا تھا۔ ۱۹۳۰ء میں شعر و سخن کی ترقی اور شعراء کی تربیت کے لئے انہوں نے ایک ادبی انجمن ''قصر الادب'' قائم کی جس میں تقریباً چالیس شعراء تھے اور وہ بھی ادیب سے اصلاح لیتے تھے۔ ۱۹۴۸ء میں ماہنامہ ''خورشید'' جاری کیا جو دو تین شماروں کے بعد بند ہو گیا۔ ۱۹۵۸ء میں انہوں نے مولانا نعمانی مرحوم کے بیداری پریس کو خرید کر اس کا نام شوکت پریس رکھا جہاں سے کئی مجموعے اور کتابیں اشاعت پذیر ہوئیں۔ ادیب صاحب پریس کا سارا کام کاج خود کرتے تھے۔ وہ ایک اچھے خوش نویس بھی تھے۔

۱۹۴۳ء میں ایڈیٹر ماہنامہ ''مشہور'' (دہلی) حکیم محمد تقی نے ادیب کے سو اشعار اور قطعات کا ایک مجموعہ ''ستارے'' کے نام سے شائع کیا۔ عید سے متعلق نظموں کا مجموعہ سلطان بکڈپو، بھنڈی بازار، ممبئی سے طبع ہوا۔ ۱۹۶۰ء میں اسی غزلوں کا مجموعہ ''تبسم'' قصر الادب نے شائع کیا۔ تعزیتی نظموں کا مجموعہ ''چراغ رہگذر'' حکیم رازی ادیبی نے ۱۹۸۸ء میں پونہ سے شائع کیا۔

ادیب مزاح نگار بھی تھے۔ مرزا طوسی کے نام سے مزاحیہ کلام لکھتے تھے۔ ان کی موت کے ساتھ مالیگاؤں میں شعر و شاعری کا ایک روشن باب اختتام کو پہنچا۔ ان کے نامور شاگردوں میں ڈاکٹر اشفاق انجم، مرحوم احمد نسیم مینا نگری، عزیز ادیبی، اور حکیم رازی پونوی وغیرہ شامل ہیں۔

نثری خدمات:

ادیب صاحب کا قد شاعری میں جتنا بلند ہے۔ نثر میں انہیں وہ مرتبہ حاصل نہ ہو سکا۔ دراصل قدرت نے انہیں شاعر پیدا کیا تھا۔ اس لئے جب کبھی نثر لکھنے کی نوبت آتی تو وہ اس میں بھی شاعری کرنے لگتے تھے۔

اپنی نثری تصنیف ''یادیں'' میں جو اشاعت سے محروم ہے، ادیبؔ خود لکھتے ہیں:۔

> ''سب کو معلوم ہے کہ لوگ مجھے ایک شاعر کی حیثیت سے جانتے ہیں. نثر نگاری سے میرا کوئی مستقل یا گہرا رشتہ نہیں ہے. صرف کبھی کبھی یہ مجھ سے سرزد ہوجاتی ہے. ابتداء میں ہندی افسانوں کے ترجمے کا شوق تھا. میں نے متعدد افسانوں کے ترجمے بھی کئے. جو رہنمائے تعلیم(لاہور)، ادب لطیف((لاہور)اورخلافت (ممبئی) میں شائع ہوئے. میں نے ایک افسانہ ''مجرم کون؟'' کے عنوان سے ہندی سے اردو میں منتقل کیا. چھپ کر مقبول ہوا. سعادت حسن منٹو سے جب ان کے دولت کدے پر بمبئی میں ملاقات ہوئی تو منٹو نے پوچھا ''آپ مجرم کون والے ادیبؔ ہیں؟'' دیر تک اسی افسانے سے متعلق باتیں کرتے رہے. اسکے باوجود نثر نگاری کا اہل اپنے کو نہیں پاتا اور لکھنے سے بہت گھبراتا ہوں. ادھر کچھ عرصے سے انصار ویکلی(مالیگاؤں)میں '' میں بھی حاضر تھا وہاں'' کے عنوان سے ایک سلسلہ مختصر واقعات کا شروع کیا ہے.......''

۔ نت (ممبئی) کے فائل سے ادیبؔ کے کچھ افسانے دستیاب ہوئے ہیں۔ ان میں ''مجرم کون؟'' ص[1] ''زخمی'' ص[2] شامل ہیں۔ نیز ''تربیت اطفال'' ص[3] کے عنوان سے ایک مضمون بھی دستیاب ہوا ہے۔ ۱۹۳۶ء کے ایک شمارے میں ایک تخیلی مضمون بھی ہے جس کا عنوان ''شیکسپیر کا مولد'' ص[4] ہے اس میں شیکسپیر کی جائے پیدائش اسٹریٹ فورڈ کی سیر کا بیان ہے۔

ص[1]: ادیبؔ مالیگانوی، خلافت ممبئی، ۲۸/ جون ۱۹۳۶ء، ص ۱۵

ص[2]: ....ایضاً..........۲۷/ جون ۱۹۳۷ء، ص ۲۴

ص[3]: ....ایضاً..........۳۰/ اگست ۱۹۳۶ء، ص ۱۵

ص[4]: ....ایضاً..........۷/ جون ۱۹۳۶ء، ص ۳۲

''زخمی'' جنگ کے ماحول میں ایک سپاہی کی داستان ہے۔''مجرم کون؟'' ایک بیروزگار نوجوان کے چوری کرنے اور گرفتاری کی کہانی ہے۔ادیبؔ نے اپنی نثری تخلیقات میں نہایت خوبصورت زبان استعمال کی ہے۔ایسی دلکش زبان کہ اگر وہ نثر مستقل جاری رکھتے تو شاید شہر کی نثر نگاری کی تاریخ میں بھی اپنا نام سر فہرست لکھواجاتے۔ یہ چند افسانے، چند مضامین،''یادیں'' کے واقعات، اور ''میں بھی حاضر تھا وہاں'' کے دلچسپ قصے ان کی نثر کا کل سرمایہ ہیں۔ادیبؔ صاحب کی شعری وادبی خدمات پر احسان دانش اور رئیس احمد جعفری نے مضامین لکھے ہیں۔ پروفیسر آل احمد سرور نے ان کا تذکرہ ان الفاظ میں تحریر کیا ہے:

> ''ادیبؔ مالیگانوی جس انہماک اور توجہ سے ۵۰ سال سے اردو زبان و ادب کی خدمت کررہے ہیں وہ بہت قابل قدر ہے.............''

منشی محمد اسحٰق

آزاد انصاری

پیدائش: ۲۴/ستمبر ۱۹۱۳ء

وفات: ۷/اگست ۱۹۵۸ء

فیض اللہ سیٹھ محلہ نیا پورہ کے ایک خوشحال باعزت آدمی تھے۔ ان کے پانچ لڑکے تھے۔ محمد عمر، محمد یوسف، اکبر، محمد اسحٰق اور محمد۔ محمد اسحٰق آزاد انصاری نے پرائمری چوتھی جماعت تک تعلیم حاصل کی لیکن اپنی آزاد مزاجی کی وجہ سے اسکول کے پابند نہ رہ سکے اور تعلیمی سلسلہ ختم کردیا۔ طبیعت میں جولانی اور تیزی تھی۔ بڑا آدمی بننے کا شوق تھا اسلئے لباس، بات چیت، چال ڈھال امیروں کی سی رکھتے تھے۔ ۱۹۳۰ء میں دہلی کی مومن کانفرنس میں مالیگاؤں کے نمائندگی کے لئے ماسٹر عبدالغفور نبیل کا انتخاب کیا گیا تھا، لیکن انہوں نے اپنی بجائے آزاد انصاری کا نام پیش کردیا۔ آزاد انصاری دہلی کی مومن کانفرنس میں شریک ہوئے۔ تقریر کا ملکہ بڑے غضب کا تھا اس لئے اپنی گرم گفتاری کا جادو دکھایا بڑے مقبول ہوئے۔ مالیگاؤں واپس آنے پر زبردست خیر مقدم ہوا۔ تقریر کی صلاحیت کا عالم یہ تھا کہ تین تین چار چار گھنٹے بے تکان تقریریں کرتے، ہنساتے، گرماتے اور کبھی کبھی رات کے چار بجادیتے تھے۔ جلسے میں ہزاروں لوگ شریک ہوتے۔ دھولیہ، مالیگاؤں، برہانپور، بھیونڈی اور ممبئی کے جلسوں میں اپنی دھاک بٹھادی۔ میونسپلٹی کے ممبر ہوئے اور صدر بلدیہ کے عہدے تک پہنچے۔

ممبئی سے سوت کا کاروبار شروع کیا تھا۔ کاروبار میں خوب ترقی ہوئی۔ لاکھوں کمائے۔ غرض تجارت اور سیاست دونوں میں اپنا لوہا منوایا۔ آخری عمر میں ذیابیطس کا شکار ہوئے۔ ۱۹۵۷ء میں فالج کا حملہ ہوا اور ۷/اگست ۱۹۵۸ء کو دنیائے فانی سے جہان باقی کی طرف کوچ کیا۔

ادبی سرگرمیاں:

آزاد انصاری نے اگرچہ اسکولی تعلیم نہیں پائی لیکن مطالعہ کا شوق جنون کی حد تک تھا۔ نئی نئی کتابیں خریدتے۔ شوق بڑھا تو ممبئی سے بھی کتابیں منگوانے اور مطالعہ کرنے لگے۔ نہ جانے کتنے رسائل اور اخبارات انکے یہاں آتے تھے۔

ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے انگریزی ادب کا مطالعہ براہ راست کیا تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ شہر میں سب سے پہلے اردو میں Sonnets انہوں نے ہی کہے۔ ص۱ شاعری ان کی تقریروں کی طرح پرجوش تھی۔ غزل کی بجائے نظم کی طرف رجحان تھا۔ ان کی نظموں میں سلاست اور زور بیان پورے شباب پر نظر آتے ہیں۔ ص۲۔

نثر میں انہوں نے افسانہ نگاری کا انتخاب کیا۔ مشہور رباعی گو شاعر مرحوم عبدالغفور سہیل کہا کرتے تھے کہ آزاد روز ایک افسانہ لکھتا ہے روز ایک نظم کہتا ہے۔ ان کی سب سے قدیم شائع شدہ تخلیق ''آرزوئے ناکام'' ص۳ کے عنوان سے دستیاب ہوئی ہے۔ جو ایک انشائیہ ہے اور اس زمانے میں اسے ادب لطیف کے نام سے جانا جاتا تھا۔ اس میں تخیل کی اڑان، فکر کی پرواز اور شوکت الفاظ قابل دید ہے۔ حیرت یہ ہے کہ جس وقت یہ تخلیق شائع ہوئی اس وقت آزاد کی عمر محض سولہ سال کی تھی۔ ستمبر ۱۹۲۹ء کی اس تخلیق کے بعد ''ترجمان مومن انصار'' کے چار مسلسل شماروں میں ان کی تخلیقات شائع ہوئیں۔ جن میں تین افسانے ہیں اور ایک خوبصورت انشائیہ شامل ہے ص۴ دسمبر ۱۹۲۹ء کے شمارے پر محمد اسحق آزاد انصاری مالیگانوی کا نام جوائنٹ ایڈیٹر کی حیثیت سے سرورق پر چھپا ہے۔

افسانہ ''عورت کا انتقام'' ۱۹۳۲ء میں طبع ہوا۔ ص۵۔ اسکے بعد ۱۹۳۳ء کی ابتدا میں ایک اور افسانہ ''ہلال عید'' ص۶۔ ''ندیم'' میں شائع ہوا۔ جو مصری پس منظر رکھتا ہے اور انور پاشا اور یوسف بے وغیرہ اس کے کردار ہیں۔ رسالہ ''ادب'' قلمی کے ۱۹۳۴ء کے شماروں میں ان کا ایک انشائیہ اور ایک طویل افسانہ بھی دستیاب ہوا ہے۔ ص۷۔ ان کا ایک مضمون ''ہمدردی'' کے عنوان سے ملا ہے جسے پڑھ کر سرسید کے مضامین کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ ص۸۔ ان کا صرف ایک تنقیدی مضمون دستیاب ہوا ہے جو سحر کی تنقید کا جواب ہے اور ''افسانۂ آئینۂ است وزنگی'' کے عنوان سے دو قسطوں میں چھپا ہے۔ ص۹۔

ص۲: ڈاکٹر اشفاق انجم، شعرائے مالیگاؤں، ص ۲۵۵

ص۳: منشی محمد اسحق آزاد انصاری، آرزوئے ناکام، ترجمان مومن انصار، بنارس، ستمبر ۱۹۲۹ء، ص ۸

ص۴: افسانوں میں شہید فراق، کامیاب محبت، گمشدہ بیٹا، ہیں، اور انشائیہ ہستی کے عنوان سے ہے۔

ص۵: محمد اسحق آزاد انصاری، عورت کا انتقام، ہفتہ وار ندیم، بمبئی ۸، اکتوبر ۱۹۳۲ء، ص ۱۱

ص۶: محمد اسحق آزاد انصاری، ہلال عید، ہفتہ وار ندیم، بمبئی ۸، جنوری ۱۹۳۳ء، ص ۱۵

ص۷: انشائیہ، پیام سروش کے عنوان سے اور افسانہ خون آرزو کے عنوان سے ہے۔ یہ افسانہ دو قسطوں میں شائع ہوا۔

ص۸: محمد اسحق آزاد انصاری، ہمدردی، تعلیم و تربیت، لاہور، جون ۱۹۳۱ء، ص ۱۰۔

ص۹: محمد اسحق آزاد انصاری، ہفتہ وار صداقت، بمبئی ۷، مئی و ۲۳، جون ۱۹۳۱ء، ص ۱۵

بقل سہیلؔ مرحوم "روز ایک افسانہ اور روز ایک نظم" لکھنے والے شاعر اور افسانہ نویس کی صرف بارہ عدد نثری تخلیقات ہی تلاش بسیار کے بعد دستیاب ہو سکی ہیں۔ آزاد انصاری کے پاس نظم و نثر کا بڑا سرمایہ تھا جو اب بھی ان کے مکان کے کسی گوشے میں موجود ہونا چاہیے۔

نثر کی خصوصیات:

اپنے مضامین میں آزاد انصاری نے بڑی خوبصورت اور مرصع زبان استعمال کی ہے جس کا تھوڑا سا اندازہ درج ذیل اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے:

> "جب عالم آب و گل کا ہر ذرہ نیند کی دنیا میں پڑا خواب ناز کے مزے لیتا ہے میں اپنے غم خانے میں بیٹھا ہوا اختر شماری کیا کرتا ہوں. اورجب میرا سوزدروں میرے جسم و جاں میں آتش فراق روشن کردیتا ہے تو میں فرط غم سے خدا کے حضور میں اپنے سرنیاز کو خم کردیتا ہوں. اس وقت اس عالم فانی کا ہر ذرہ مجھے تمہارے جلوے سے منور نظر آتا ہے.................صد۱"

افسانوں میں وہ عموماً بیانیہ انداز اختیار کرتے ہیں۔ نثر میں فطری سادگی اور محاورے کی صحت ان کی خصوصیات ہیں۔ روزمرہ کے پرلطف استعمال اور کامیاب منظرکشی سے انکے افسانوں میں جان آجاتی ہے۔

ان کے ایک اور افسانے "آرزوے ناکام" میں بھی مصری پس منظر ملتا ہے اور کرداروں کے نام بھی مصری ہیں۔ مثلاً ارشد پاشا فہمی بے وغیرہ۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ موصوف کو اپنے افسانوں کے لئے مصری ماحول کیوں اتنا پسند تھا؟

حضرت ادیب مالیگانوی اور آزاد انصاری شہر میں ماموں بھانجے مشہور تھے۔ شاعری میں آزاد نے مسلم سے اصلاح لی لیکن نثر میں ان کی سب سے زیادہ رہنمائی حضرت سہیلؔ فرماتے تھے اور آزاد کی نثر و نظم کو ملک کے مقتدر رسائل و اخبارات میں چھپوانے کے لئے خصوصی دلچسپی لیتے تھے۔ آخر میں آزاد انصاری مولانا محمود اسرائیلی کے دامن فیض سے وابستہ ہو گئے تھے۔ اور انہیں اپنا استاد تسلیم کرتے تھے۔

صد۱: منشی محمد اسحق آزاد انصاری، پیام سروش، قلمی رسالہ ادب، مالیگاؤں، ۱۰ رجون ۱۹۳۴ء، ص ۶۱

مولانا محمد شفیع حسرت

پیدائش: ۲رجنوری ۱۹۱۱ء

وفات: ۱۹راگست ۱۹۸۶ء

مولانا محمد شفیع ابن حسرت محلہ رسولپورہ کے ایک متمول گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد حسرت سیٹھ کہلاتے تھے۔ مولانا محمد شفیع نے ابتدائی تعلیم کی شروعات مدرسہ بیت العلوم سے کی۔ ۱۹۳۰ء میں دارالعلوم دیوبند گئے اور مولانا حسین احمد مدنی کی شاگردی میں درس نظامی کی تکمیل ۱۹۳۶ء میں کی۔ مالیگاؤں لوٹنے کے بعد آبائی کاروبار میں مصروف ہوگئے۔ ۱۹۵۳ء میں معہد ملت میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور ۱۹۸۶ء تک یعنی اپنی وفات تک تقریباً ۳۳ربرس درس دیتے رہے۔ بڑے ذی استعداد تھے۔ مولانا عبدالحمید نعمانی کے معاون خاص بلکہ دست راست سمجھے جاتے تھے۔ بڑے اچھے قاری قرآن تھے۔

مولانا شاعر بھی تھے، نثر نگار بھی۔ ان کی چار نثری تخلیقات رسالہ ادب کی زینت بنیں۔ کسی دوسرے رسالے میں ان کی تخلیقات دستیاب نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے صرف ادب کے لئے ہی لکھا۔ موصوف بھی اپنے ہم عصروں کی طرح دینی مزاج رکھتے تھے۔ جو ان کے مضامین کے عنوانات سے ظاہر ہے۔ مثلاً امتحان خلیل، اسلام اور مسلمان، وصال نبی، ایک خدا کا محبوب میدان امتحان میں، وغیرہ۔ آخر الذکر مضمون بھی حضرت ابراہیمؑ سے متعلق ہے۔ مولانا کے یہ تمام مضامین دارالعلوم دیوبند کے زمانہ طالب علمی کے ہیں۔ ان میں علمیت کی شان کے ساتھ ساتھ وہ انداز خطیبانہ بھی موجود ہے جو ''خطبات آزاد'' میں پائے جاتے ہیں۔ نمونہ دیکھئے:

> ''آہ رے زمانہ! تیری نیرنگیوں نے اقوام عالم میں کیا کیا گل کھلائے۔ اے آسمان اور زمین کے جوف! تیری کشادگیوں نے اپنے سکوں پذیر انسانوں کے ساتھ کیا کیا انقلاب پیدا کیا۔ اے ارض عالم! تیری سطح

نے ماندگانِ سفر کا کس کس طرح امتحان لیا؟......اے زمین و آسمان! تیرے دور اورچکروں نے عالم میں یہ چیزیں پیدا نہیں کیں، تیری سیاہ و سفید بیٹیں، طلوع وغروب کے انقلاب اس بات کی خبر دے رہے ہیں کہ توتو خود محکوم اور فرمانبردار ہے،تجھ میں یہ قدرت کہاں!......صد

اس طرز نگارش کا حامل اگر سلسلۂ تحریر جاری رکھتا تو یقیناً ایک توانا قلم کار کا روپ اختیار کرتا لیکن افسوس مولانا نے یہ سلسلہ ترک کردیا اور اس کے بعد زندگی بھر کچھ نہیں لکھا۔

اخیر عمر میں بیماری کے باوجود مدرسہ پیدل ہی جاتے رہے اور احباب اور شاگردوں کے تعاون اور پیشکش کو ان کی غیور و خوددار طبیعت نے گوارا نہ کیا یہاں تک کہ اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی۔

صد. مولانا محمد شفیع، ایک خدا کا محبوب میدانِ امتحان میں، رسالہ ادب، مالیگاؤں ۷؍مارچ ۱۹۳۰ء، ص ۷

مولانا عبدالقادر

پیدائش: ۱۹۱۲ء

وفات: ۲۱رنومبر ۱۹۹۲ء

موصوف کا پورا نام عبدالقادر ابن حبیب اللہ ہے۔ محلہ رسولپورہ میں رہائش رکھتے تھے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم مدرسہ بیت العلوم میں حاصل کی اور عالمیت کے درجے تک پہنچے۔ مولانا عثمان نے جب دیوبند میں داخلہ لیا تو تنہا تھے۔ ایک سال کے بعد یہاں سے کئی طلبہ کو اپنے ہمراہ لے گئے۔ انہیں میں مولانا عبدالقادر بھی تھے۔ مولانا عبدالقادر نے دیوبند سے ۱۳۵۶ھ (۱۹۳۷ء) میں سند فراغت حاصل کی۔ ابتدا میں انہوں نے ناندگاؤں میں قرآن پاک کی تعلیم دینا شروع کیا۔ بڑے باکمال حافظ تھے۔ مولانا حسین احمد مدنی سے نسبت خاص رکھتے تھے۔ تحریک آزادی میں بھی حصہ لیا۔ ان کے اندر قائدانہ صلاحیت بدرجۂ اتم موجود تھی۔ انڈین نیشنل کانگریس کی مقامی شاخ کے اہم عہدوں پر فائز رہے۔ جمعیۃ العلمائے ہند کے توسط سے متحرک رول ادا کیا۔ مولانا عبدالقادر معہد ملت کے بانیان کی صف اول میں رہے۔ مولانا عبدالحمید نعمانی کے دہلی چلے جانے کے بعد تین سال تک انہوں نے ہی مدرسہ کی ذمہ داریاں سنبھالیں ساتھ ہی تدریسی خدمات بھی انجام دیں۔ مولانا نعمانی اور مولانا محمد عثمان کے شانہ بہ شانہ صنعت پارچہ بافی کی ترقی کی جدوجہد میں حصہ لیا۔

ریاست مہاراشٹر میں دینی تعلیم کا جال پھیلانے میں مولانا کی کوششوں کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ اکثر دیہاتوں اور قصبوں میں جاکر مدارس دینیہ کے قیام کی ترغیب دیتے۔ مدرسہ مدینۃ العلوم سری رامپور کے سرپرست تھے، توکل مسجد کے بانیوں میں سے تھے۔ دارالفلاح یتیم خانہ کے وائس چئیرمین تھے۔ مدرسہ بیت العلوم میں بھی بحیثیت مدرس اور ناظم تعلیمات خدمات انجام دیں۔ موصوف کو دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ایک رکن کی حیثیت سے بھی خدمات دین وملت کی سعادت نصیب تھی۔

کسی بھی مقام پر ہندو مسلم فساد کی خبر سن کر ان کا دل تڑپ اٹھتا تھا۔ اور فوراً شہر سے

عطیات ورقومات کی فراہمی کر کے مدد کو پہنچ جاتے تھے۔ مولانا کی ساری زندگی تادم واپسیں مسلمانوں کی فلاح وخدمت کے جذبے سے سرشار رہی۔ ان کے بارے میں یہ مصرعہ کافی ہے۔

سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے۔

موصوف کا جذبہ خدمت ان کے فرزند مولانا عبدالقیوم نے ورثہ میں پایا ہے اور جمعیۃ العلماء ہند کی مقامی شاخ کے ذریعے مسلمانوں کی خدمت میں مصروف ہیں۔

ادبی و تخلیقی سرگرمیاں:

دارالعلوم دیوبند میں تحریر وتقریر کی مشق کے لئے ہر صوبہ کے طلبہ نے انجمنیں بنا رکھی تھیں۔ مولانا محمد عثمان نے بھی ''دائرۂ ادبیہ'' کے نام سے ایک انجمن دیوبند میں قائم کی تھی۔ نیز ایک قلمی رسالہ ''ادب'' کے نام سے جاری کیا تھا۔ جس میں طلبائے مدرسہ کے مضامین شائع ہوتے تھے۔ مولانا عبدالقادر نے بھی اپنی تحریری سرگرمیوں کا آغاز یہیں سے کیا۔ لیکن دیوبند کے رسالے ''ادب'' کا کوئی شمارہ دستیاب نہیں ہے۔ مالیگاؤں سے جب ''ادب'' کا اجراء ہوا تو مولانا عبدالقادر کو بھی قلم کے جوہر دکھانے کا موقع ملا۔ اس وقت جو مضامین شائع ہوئے ان کا محور مسلمانوں کی تعلیمی ترقی اور اتحاد باہمی ہے۔ اس کا اندازہ ان کے عنوانات سے ہوگا۔ ان مضامین میں ''مسلمانوں کی ترقی کے اسباب، حقیقی ترقی، اتحاد کا بلاوا، علم ہی ترقی کا زینہ ہے، اخلاق حسنہ'' وغیرہ شامل ہیں۔ ان کا ایک مضمون ''مسلم کی زندگی'' [صلہ] ہے۔ جو 'انصار' میں شائع ہوا، اس کا موضوع بھی مسلمانوں کی ترقی کو ہی بنایا گیا ہے۔

مولانا اکثر اپنے صدارتی خطبات تحریری شکل میں پیش کرتے تھے جو بعد میں شائع کر دیئے جاتے تھے۔ ان کے کئی خطبات مضامین کی شکل میں مقامی اخبارات ورسائل میں شائع شدہ حالت میں موجود ہیں۔

مندرجہ ذیل الفاظ سے اندازہ لگایئے کہ مولانا عبدالقادر نے آج سے ۶۷ برس قبل جو بات پیش کی تھی وہ آج بھی کتنی صحیح ہے۔

صلہ: مولوی عبدالقادر، مسلم کی زندگی، انصار، سہارنپور، یکم مئی ۱۹۳۳ء

"ان تمام خرابیوں کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہماری حقیقی ترقی و عروج کا بنیادی پتھر یعنی اتحاد و اتفاق باقی نہیں رہا۔ غیر قومیں جتنی ترقی کررہی ہیں ہم میں اس کی بوتک نہیں پائی جاتی۔ خدا نے جس پر عمل کرنے کو واجب قرار دیا ہے ہم اس سے یکسر خالی ہیں۔ آج ہر شخص ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ قائم کرنا چاہتا ہے۔ اورکسی دوسرے کے ماتحت رہنا اپنے لئے عار سمجھتا ہے۔ متحد اور منظم ہوکر کام کرنا نہیں چاہتا۔ اگر ایک شخص نے اپنی کوششوں اور ایثار و قربانی کی بدولت قوم کے اندر رسوخ پیدا کرلیا ہے تو دوسرا اسکی مخالفت میں حتی الامکان ایڑی سے چوٹی تک زور صرف کردیتا ہے گو وہ حق پر ہی کیوں نہ ہو......صلہ

ادب کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی فوراً جان جائے گا کہ مولانا کی نثر میں سرسید احمد خاں کے خیالات کی جھلک تو ہے لیکن نثر ان سے زیادہ رواں ہے۔ یہ دلنشیں طرز ادا مولانا کے اکثر مضامین میں موجود ہے۔ عمر کے ساتھ ساتھ مولانا کے خیالات اور نثر دونوں میں ایسی پختگی آئی جو آج کی اردو دنیا کے کسی بھی مصنف سے کم نہیں۔ لکھتے ہیں:

"یہ حقیقت مسلّم ہے کہ ہر زندہ قوم تاریخ عالم کا عموماً اور اپنی قومی تاریخ کا خصوصاً مطالعہ رکھتی ہے۔ اسی تاریخ کے ذریعے قوموں کے عروج و زوال کا اصول معلوم کیا جاتا ہے اور اسی تاریخ کے ذریعے ذہن انسانی کی صحیح تربیت کی جاتی ہے۔ جس قوم کو آئندہ کی باعزت زندگی سے محروم کردینا مقصود ہو اس کے حال کا رشتہ ماضی سے منقطع کردیجئے پھر دیکھئے وہ کس طرح گونڈ، مانگ اور بھیل کی پستیوں تک جا پہنچتی ہے۔ نہ بوڑھوں کے دل میں ترقی کی تمنا پیدا ہوتی ہے اورنہ جوانوں کے دل میں کوئی حوصلہ پیدا ہوتا ہے.......صلہ۲

صلہ۔ مولانا عبدالقادر مالیگانوی، اتحاد کا بلاوا رسالہ ادب مالیگاؤں، ۱۴/جون ۱۹۳۴ء، ص ۵۰۔۴۹

صلہ۲۔ مولانا عبدالقادر، اپنی تاریخ کو فراموش نہ کیجئے، اجالوں کے سفیر، اگست ۱۹۹۲ء، ص ز

(یہ مولانا کی آخری تحریر ہے)

یہ سادہ لیکن دلکش اور پر تاثیر تحریر نوک قلم سے ٹپکتی ہے اور سیدھے دل پر اثر کرتی ہے۔ افسوس! مولانا کی مصروف زندگی نے انہیں اس طرف زیادہ توجہ دینے کا موقع نہیں دیا، پھر بھی جو کچھ ہے وہ نہ صرف غنیمت ہے بلکہ قابل تقلید و عمل بھی۔

مولانا عبدالمجید غازی

پیدائش: نامعلوم

وفات: جنوری ۱۹۹۲ء

مولانا عبدالمجید غازیؔ مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم بیت العلوم سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کیلئے ڈابھیل اور دیوبند بھی گئے۔ لیکن تعلیم مکمل نہ کرسکے۔ منماڑ، چاندوڑ اور ناندگاؤں میں امامت کے ساتھ ابتدائی دینیات بھی پڑھاتے رہے۔ شعر وسخن کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ انتہائی شریف النفس، خوددار، کم گو، کم آمیز شخصیت کے مالک تھے۔ مولانا محمد اسحٰق کے کافی قریب رہے۔ کچھ دنوں تک رسالہ ''ادب'' مالیگاؤں کے مدیر بھی رہے۔

مولانا کی نثر نگاری کی شروعات رسالہ ''ادب'' سے ہی ہوئی۔ ادب کے دستیاب شماروں میں ان کے پانچ مضامین شامل ہیں جو' تاریخ اسلام کا ایک صفحہ، پیکر حلم وعفو، گنہگار کی پکار، انصاف اور مساوات'' کے عنوان سے ہیں۔ ''مسلمانوں کی پستی اور اس کا علاج'' صـــ۱ـ۔ اور'' جہانگیر کی انصاف پرستی'' صـــ۲ـ۔ کے عنوان سے مزید دو تخلیقات راقم کی تلاش کے دوران دستیاب ہوئی ہیں۔

یقین کیا جاسکتا ہے کہ مولانا نے باقاعدہ نثر نگاری کی ہوگی۔ بدقسمتی سے ان کے حالات کی تفصیل بتانے والا کوئی بھی شخص نہیں مل سکا۔

مولانا غازیؔ اسلام کی تاریخ سے واقعات کا انتخاب کرکے اصلاح کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ لیکن جہاں فکری اور بیانیہ مضمون کے لیے قلم اٹھاتے ہیں تو خطیبانہ انداز میں مثالوں کے ذریعے اپنی بات بیان کرتے چلے جاتے ہیں اور موضوع کا حق ادا کردیتے ہیں۔ اس قبیل کے ان کے مضامین میں ''مساوات'' اور'' مسلمانوں کی پستی اور اس کا علاج'' شامل ہیں۔ خصوصاً آخر الذکر مضمون انکی ملت اسلامیہ سے ہمدردی اور بہی خواہی کا مظہر ہے اور نہایت قابل قدر کوشش ہے۔

صـ۱: مولانا عبدالمجید غازیؔ: مسلمانوں کی پستی اور اس کا علاج، مساوات، پھلواری شریف، پٹنہ، ستمبر ۱۹۳۶ء، ص ۳۶

صـ۲: مولانا عبدالمجید غازیؔ: جہانگیر کی انصاف پرستی، ماہوار مومن، بدایوں، ستمبر ۱۹۳۶ء، ص ۸

آخر میں انہوں نے دھولیہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان کی بہن کی روایت کے مطابق جنوری ۱۹۹۲ء میں وہیں انتقال فرمایا۔ ان کی بہن ایل ایم سردار ہائی اسکول اینڈ جونیئر کالج کے سابق پرنسپل نثار سر کی بھابھی ہیں۔ دیوپور میں رہتی ہیں۔

مولانا محمد الیاس

پیدائش: ۱۹۱۵ء

مولانا محمد الیاس ابن عبدالعزیز ان بزرگ شخصیتوں میں سے ہیں جنہوں نے تقریباً پوری صدی کا اتار چڑھاؤ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ خصوصاً دینی تعلیم کی خدمات کے سلسلے میں ان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی پیدائش مالیگاؤں کی ہے۔ مدرسہ بیت العلوم سے تعلیم کا آغاز ہوا۔ مولانا نقی سے عربی اور مولانا محمد یوسف عزیز سے فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ بیت العلوم سے سند فراغت پانے کے بعد ڈابھیل (گجرات) گئے وہاں چھ مہینے رہے۔ پھر دیوبند چلے گئے۔ ۱۹۳۶ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے۔ واپسی پر بھاؤ میاں کی مسجد میں امامت اور فرزندانِ اسلام کو قرآن کی تعلیم دینے کی ذمہ داری سنبھالی۔ اس کے بعد نیا پورہ کی مینارہ مسجد میں امامت کی خدمات انجام دیں۔ یہ سلسلہ ۲۳ر برس تک قائم رہا۔ مولانا ہر جمعہ کو تفسیر قرآن بیان فرماتے۔ چھ سات سال میں پندرہ پاروں کی تفسیر بیان کر پائے۔ معہد ملت میں ۱۴ر برس تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد جب مولانا محمد عثمان اور مولانا عبدالحق رازی وغیرہ نے معہد ملت سے علیحدگی اختیار کر کے لڑکیوں کے مدرسہ جامعۃ الصالحات کی بنیاد ڈالی تو مولانا محمد الیاس بھی ان کے ہم قدم رہے۔ بیس سال تک جامعۃ الصالحات میں لڑکیوں کو علومِ دین سکھاتے رہے۔ ۱۹۹۱ء میں یہاں سے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی۔ مولانا کو فتاویٰ نویسی میں بھی خاصا درک ہے۔ جو انہوں نے مولانا نقی سے سیکھی تھی۔

مولانا نے نثر پر زیادہ توجہ نہیں دی۔ دائرۂ ادبیہ سے وابستہ تھے۔ صرف چند مضامین تحریر کئے ہیں۔ ان میں سے ایک "مساوات اور اسلام" ص دہی دریافت ہو سکا ہے۔ حج میں رہنمائی کے لئے انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے۔

ص: مولوی محمد الیاس مساوات اور اسلام، رسالہ ادب قلمی مالیگاؤں، ۱۴ر جون ۱۹۳۴ء

حج بیت اللہ:

رمضان میں دورانِ اعتکاف انہوں نے یہ کتاب دس دنوں میں تالیف کی۔ مولانا کو پانچ بار حج کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ اس لئے اس قسم کی رہنما کتاب لکھنے کا استحقاق انہیں بہر حال حاصل ہے۔ کتاب مالیگاؤں میں شائع ہوئی۔ لیکن اب نایاب ہے۔ مولانا خود فرماتے ہیں کہ انہوں نے اس کتاب میں خصوصیت سے خواتین اسلام کی رہنمائی کی ہے اور ان دشواریوں کا بیان خصوصی طور پر کیا ہے جو خواتین کو پیش آتی ہیں۔ فی الحال ضعیف العمری کے سبب معذور اور گوشہ نشین ہو کر رہ گئے ہیں۔

دورِ اوّل پر تبصرہ

(۱۹۱۰ء تا ۱۹۴۰ء)

مالیگاؤں میں شاعری کا دوسرا دور نثر کا دوراول ہے۔ اسکی شروعات ۱۹۱۰ء سے ہوتی ہے اور ۱۹۴۰ء تک قائم رہتا ہے۔ اسکا ذکر اس سے پہلے کیا جاچکا ہے کہ شہر کی آبادکاری ۱۸۵۷ء کے بعد تیز رفتاری سے عمل میں آئی جب اتر پردیش کے مختلف علاقوں سے ترک وطن کر کے لوگ یہاں پہنچے۔ ان تارکین وطن کے کاروبار اجڑ چکے تھے۔ لوگ گھر سے بے گھر ہو چکے تھے۔ اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو گود میں اٹھائے عورت، مرد، بوڑھے، جوان ایک لٹے ہوئے کارواں کی شکل میں سیکڑوں میل کا سفر کر کے مالیگاؤں پہنچے۔ ان کے معاش کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ خاندانی زندگی بکھر چکی تھی، تعلیم کا سلسلہ ٹوٹ چکا تھا۔ صرف ایک چیز تھی جس کے بل پر یہ زندہ تھے وہ ہے حوصلہ، جو سب کچھ چھوٹ جانے کے باوجود نہیں چھوٹا تھا۔

یہ ذکر آچکا ہے کہ ان نو واردوں میں اہل علم، شعراء اور اہل ذوق بھی تھے۔ یہ لوگ جب شہر میں داخل ہوئے تو بے شک گلیوں اور چوراہوں پر اندھیرا تھا، لیکن ان کے دل و دماغ علم و ادب کی روشنی سے منور تھے۔ یہ روشنی انکے کام آئی۔ اپنے ماضی کو فراموش کر کے نئے سرے سے زندگی گزارنے کا عزم و حوصلہ لئے سکونت پذیر ہوئے۔ سکون ملتے ہی سب سے پہلے شعر و ادب کی خدمت کی طرف توجہ کی۔ علم دین کے اداروں کے قیام کا خیال آیا، اصلاح معاشرہ اور اپنی ترقی پر دھیان گیا۔ مسجدیں تعمیر اور آباد ہونے لگیں، منشیوں کے گھر مکتب میں تبدیل ہو گئے اور اپنی آبائی سرزمینوں سے اپنے آباء و اجداد کا جو تہذیبی، ثقافتی اور علمی ورثہ لے کر آئے تھے اسے سرزمین مالیگاؤں کو سونپ دیا۔

انہوں نے مصیبتیں برداشت کی تھیں، دکھ اٹھائے تھے، غریب الوطنی کا کرب جھیلا تھا، ان کی شاعری، شاعری نہیں، حالات و واقعات کا مرثیہ ہونی چاہئے تھی۔ لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ شاعری کے دوراول اور دوم کے کسی بھی شاعر کے یہاں مایوسی اور قنوطیت پسندی کی ادنیٰ سی جھلک بھی دکھائی نہیں دیتی۔ ہمت کے ساتھ آگے بڑھنے کا عزم، ناسازگار حالات کو سازگار بنانے کی کوششیں، اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کا مضبوط ارادہ، یہ سب تو دکھائی دیتے ہیں، ناامیدی کا دور دور تک

پتہ نہیں چلتا۔ یہ ان نو واردین کو قدرت کی طرف سے ملا ہوا عطیہ تھا۔

ملک کے سیاسی حالات دگرگوں تھے۔ ملک پر مکمل طور سے انگریزوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ انڈین نیشنل کانگریس کے پرچم تلے ملک متحد ہو رہا تھا۔ اضطراب میں اضافہ ہو رہا تھا۔ غلامی کا جوا کاندھے سے اتار پھینکنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ محنت کش بنکر اپنے شکم کی آگ بجھانے کے ساتھ ساتھ ملک کو آزاد کرانے میں اپنا حصہ ادا کر رہے تھے۔

ادبی صورت حال یہ تھی کہ جس وقت مالیگاؤں میں شاعری کی پہلی شمع روشن کی گئی تھی، دہلی اور لکھنؤ میں صفی لکھنوی، جلیل مانکپوری، حسرت موہانی، حالی، شبلی اور آرزو لکھنوی کا طوطی بول رہا تھا غالب اور ذوق کا زمانہ ختم ہو چکا تھا۔ شاعری نئے رنگ و آہنگ سے آشنا ہو رہی تھی۔ یہی انقلاب نثر میں بھی دکھائی دے رہا تھا۔ غالب کے خطوط میں برتی گئی سادہ زبان کے انقلابی اثرات مرتب ہو رہے تھے۔ اردو کے جدید معماروں میں سرسید، مولانا حالی، علامہ شبلی، محمد حسین آزاد، ذکاء اللہ، اور ڈپٹی نذیر احمد کے چرچے تھے مالیگاؤں آنے والوں کی نظروں سے نظم و نثر کے یہ سارے ذخیرے گذر چکے تھے۔ لیکن وہ شاعری کی زلفوں کے ایسے اسیر تھے کہ نثر کی طرف توجہ ہی نہ گئی۔ حتیٰ کہ مالیگاؤں میں شاعری کا پہلا دور مکمل ہو گیا۔ لیکن نثر سے بالکل خالی رہا۔ ۱۹۱۰ء میں مولانا عبدالمجید وحید نے نثر کی وادیوں کی طرف قدم بڑھایا اور پھر ان کے نقش قدم پر وہ سارے ادبا ایک قافلے کی شکل میں چل پڑے، جن کا ذکر دور اول میں کیا جا چکا ہے۔

پہلے دور میں پچیس نثر نگار شامل ہیں۔ ان میں سترہ علمائے کرام ہیں اور سات میونسپل مدارس کے اساتذہ ہیں جو کسی نہ کسی شکل میں انھیں علماء کے فیض نظر کے تربیت یافتہ ہیں۔ ان میں سے اکثر کی نثر بھی انہیں علماء کی پاکیزہ صحبتوں کی مرہون منت ہے۔ ان تمام علماء کا تعلق مدرسہ بیت العلوم سے ہے۔ جسے مولانا عبداللہ اعظمی نے ۸۸۔۱۸۸۷ء میں قائم کیا تھا۔ مدرسہ کا قیام نثر نگاری کے تعلق سے اس دور کا سب سے اہم، بنیادی اور انقلابی قدم ہے جہاں کے فارغ شدہ علماء کے طفیل نثر نگاری کو تیزی سے فروغ ملا ورنہ نہ جانے اور کتنے عرصے تک شہر نثر سے نا آشنا رہتا۔

نثر کے فروغ میں دوسرا اہم کردار اردو لائبریری کے قیام نے ادا کیا جو ۱۹۰۲ء میں عمل میں آیا۔ ملک بھر سے رسالے آنے لگے، کتابوں کے ذخیرے میں اضافہ ہونے لگا، ملک کے مختلف علاقوں میں ادب کی رفتار، زبان و بیان میں تبدیلیوں اور مختلف النوع موضوعات سے آگاہی ہوتی گئی، ادب کی وسیع کائنات کا علم ہوا اور طبائع خلاق چمنستان نظم سے گلستان نثر کی طرف مائل و راغب ہوئیں۔

تیسری چیز یہ کہ بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں یکے بعد دیگرے چار شعری اور ادبی گلدستے، بہار، افتخار سخن، تاجدار سخن اور معیار سخن جاری ہوئے۔ ان میں شعراء کے طرحی اور غیر طرحی کلام کے ساتھ ساتھ مضامین کی اشاعت بھی ہوتی تھی۔ مولانا محمد یوسف عزیز، مولانا وحید، منشی محمد عمر اثر، اور محمد صدیق مسلم کی بہت سی نثری تخلیقات ان گلدستوں میں موجود ہیں۔ نیز ۱۹۳۵ء میں ہفت روزہ ''بیداری'' کے اجراء نے بھی نثر نگاری کے فروغ میں معاونت کی۔

چوتھی اور بے حد اہم چیز ادبی بزم دائرۂ ادبیہ کا قیام ہے۔ اسے علمائے کرام نے محض نثری مضامین تخلیق کرنے کے لئے قائم کیا تھا۔ جس کی سرپرستی مولانا عبدالحمید نعمانی اور مولانا محمد یوسف عزیز فرما رہے تھے۔ اس بزم کے اراکین کے مضامین ملک کے مقتدر علمی وادبی پرچوں میں شائع ہونے لگے۔ دائرۂ ادبیہ نے ایک قلمی رسالے ''ادب'' کا اجرا کیا جو کافی ضخیم ہوتا تھا۔ اس رسالے میں بہت سے علماء کے مضامین اشاعت پذیر ہوئے جن کے جابجا حوالے پہلے دور کے نثر نگاروں کے تذکرے میں موجود ہیں۔

نثر کی خصوصیات:

مالیگاؤں آنے والے چاہے لکھنؤ کے قرب وجوار سے آئے ہوں یا دلی کے نواح سے، دونوں نے نثر نگاری کا وہی طرز اختیار کیا اور انہیں موضوعات کو برتا جو سرسید احمد خاں اور ان کے رفقاء کا خاصہ رہا ہے۔ مالیگاؤں میں نثر کی ابتدا کے وقت سرسید، حالی، ذکاء اللہ وغیرہ کا دور ختم ہو چکا تھا۔ دنیا نئی صدی میں داخل ہو چکی تھی۔ مگر مالیگاؤں میں ۱۹۴۰ء تک موضوعات، زبان اور طرز وہی باقی رہے جو گذشتہ صدی کے آخری نصف کی خصوصیات میں شامل تھے۔ ان کا تقابلی مطالعہ بات کو زیادہ واضح کردے گا۔ یہ نثر پارہ دیکھئے:۔

> ''سرسید کو مسلمانوں کی اصلاح کا خیال شروع سے تھا۔ چنانچہ ۱۸۶۹ء میں ولایت جاکر وہاں کے لوگوں کے اخلاق اور طرز معاشرت کا معائنہ اس لئے کیا کہ ہندوستان چل کر یہاں کی عمدہ باتوں کو مسلمانوں میں رائج کیا جائے۔۔۔۔۔ اس منصوبے کی تکمیل کے لئے رسالہ تہذیب الاخلاق جاری کیا جس میں مذہبی اور اخلاقی مضامین ہوتے تھے۔ منشا یہ تھا کہ مسلمانوں کے خیالات میں وسعت اور ترقی پیدا ہوجائے۔۔۔۔۔۔ صد۔

صد: پروفیسر ڈاکٹر سید اعجاز حسین، مختصر تاریخ ادب اردو، الہ آباد، ۱۹۳۴ء، ص ۲۶۱

مالیگاؤں کے علماء ولایت تو نہیں گئے البتہ انہیں دیوبند، کانپور، دہلی، بمبئی، پونہ، حیدرآباد، نظام آباد، اور گجرات وغیرہ مقامات پر رہ کر دنیا کو سمجھنے اور مسلمانوں کے حالات سے واقف ہونے کے مواقع ضرور ملے۔ انہوں نے بھی مسلمانوں کی اصلاح کے خیال سے مذہبی اور اخلاقی مضامین تحریر کئے جو ملک بھر کے رسائل و اخبارات کے علاوہ مقامی قلمی رسالہ ''ادب'' میں بھی بڑی تعداد میں شائع ہوئے۔

۲) اسی کتاب سے دوسرا ٹکڑا دیکھئے:

''عام طور سے حالی کی عبارت سادگی اور صفائی کی سرمایہ دار ہے۔ عبارت آرائی و رنگینی سے یک قلم گریز ہے۔......ص۲

مالیگاؤں کے دور اول کے تقریباً تمام ہی نثر نگاروں نے اسی طرز کا تتبع کیا ہے۔ چند تحریروں کے علاوہ تمام ہی تخلیقات کی نثر بے تکلف، سادہ، رواں اور صاف ہے۔

۳) تیسرا حصہ بھی دیکھئے:

''سید علی بلگرامی نے تصنیف کی طرف توجہ بہت کم کی ہے آپ کی جو کچھ یادگاریں ہیں وہ ترجمے ہیں۔ مگر اس میں شک نہیں کہ وہ ترجمے بھی کسی تصنیف سے کم نہیں۔.....ص۳

سرسید کے اس ہم عصر کے بیان میں سید علی بلگرامی کی جگہ مولانا عبدالحمید نعمانی رکھ کر پوری عبارت دوبارہ پڑھ لی جائے تب بھی سچائی قائم رہتی ہے۔

۴) سرسید کے بیان میں لکھا ہے:

''سرسیدکے قلم کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ انہوں نے مذہب، سیاست، تعلیم، اصلاح معاشرت و تمدن غرض کہ مختلف موضوعات پر فکر و زبان کی ہمواری کے ساتھ قلم اٹھایا۔''.....ص۴

ص۱ پروفیسر ڈاکٹر سید اعجاز حسین، مختصر تاریخ ادب اردو الہ آباد، ۱۹۳۴ء، ص ۲۷۱
ص۲......................ایضاً...................... ص ۲۷۳

ص۳ نسیم قریشی، اردو ادب کی تاریخ، فرینڈس بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۶۶ء، ص ۱۵۵

مالیگاؤں کے نثر نگاروں نے بھی دور اوّل میں انہیں تمام موضوعات کو برتا۔ مسلمانوں کے ہر سچے اور مخلص بہی خواہ کی طرح اس دور کے تخلیق کاروں کے دل بھی مسلمانوں کی حالت زار پر، ان کی جہالت اور معاشی پسماندگی پر کڑھتے تھے اور ان کی ترقی کی شدید خواہش رکھتے تھے۔ یہی سبب ہے کہ وہ اصلاحِ معاشرت، تعلیم، مذہب اور ملّی و سیاسی موضوعات پر بڑی دردمندی کے ساتھ لکھتے رہے۔ مقصد محدود تھا۔ اس لئے تحریر کا کینوس بھی محدود تھا۔ لیکن چند شخصیتیں ایسی بھی ہیں جنھوں نے اس محدود دائرے سے باہر قدم نکالا۔ مولانا وحید کی تحریروں نے تاریخ، تنقید، اصلاح، سوانح، مذہب سبھی کو سمیٹ لیا اور انہوں نے اٹھارہ کتابیں تصنیف و تالیف کر ڈالیں۔ محمد صدیق مسلم کی تحریروں نے اس دائرے کو اور وسیع کر کے تاریخ، جغرافیہ، سیاسیات، معاشیات، طنز و مزاح، افسانے اور تنقید کو بھی شامل کر لیا۔ ترجموں میں مولانا نعمانی کا مقام سب سے بلند ہے۔ منشی محمد اسحٰق آزاد انصاری نے افسانہ نگاری پر خصوصی توجہ دی۔ اس دور میں ڈرامے، ناول، بچوں کے ادب اور تحقیق کے تعلق سے کچھ نہیں لکھا گیا۔ افسانے بھی کم ہیں۔ تنقید، انشائیے اور مزاحیہ مضامین بھی خال خال ہی دکھائی دیتے ہیں۔

حرفِ آخر کے طور پر کہا جا سکتا ہے کہ مالیگاؤں میں نثر نگاری کی ابتدا، علمائے کرام سے ہوئی جو اگرچہ سرسید اسکول سے متاثر تھے لیکن ان کی نثر اس دور سے زیادہ رواں ہے۔ زبان و بیان میں عصری خصوصیات کا جلوہ دکھائی دیتا ہے۔ نفسِ مضمون کا خیال تھا اس لئے عبارت آرائی پر توجہ نہ دی۔ نامساعد حالات، غربت، مفلوک الحالی، محنت کشی کے باوجود انہوں نے جو تخلیقات پیش کیں وہ ایک کارنامے سے کم نہیں۔

علمی، اخلاقی، اصلاحی اور مذہبی مضامین دورِ اوّل کی نثری عمارت کے بنیادی ستون ہیں۔

تیسرا باب.... دورِ دوّم

(۱۹۴۱ء تا ۱۹۶۰ء)

محمد ابراھیم عارجؔ

پیدائش: ۳/مارچ،۱۸۹۰ء

وفات: ۲۴/جولائی،۱۹۵۳ء

نام محمد ابراہیم۔ تخلص عارجؔ، والد کا نام منشی فتح محمد ہے۔

خاندان:

عارج صاحب کی ساتویں پشت میں ایک بزرگ شیخ خداداد نامی قریشی النسل تھے۔ شاہجہاں کے عہد میں فوجی خدمت پر معمور تھے۔ وہ خان جہاں لودھی المعروف بہ لودھی پٹھان صوبہ دار دکن کے لشکر کے ہمراہ دکن میں آئے۔ خان جہاں نے بغاوت کردی۔ آخر کالنجر کے قریب شکست کھا کر مارا گیا۔ ساتھی منتشر ہو گئے۔ ۱۶۲۸ء سے ۱۶۳۲ء کے درمیان دکن، گجرات اور کاٹھیاواڑ میں زبردست قحط پڑے، ہزاروں آدمی بھوک سے مر گئے۔ فوجیوں میں ابتری پھیل گئی۔ چنانچہ شیخ خداداد نے اپنے دو فرزندوں عبدالجبار اور عبدالغفار کے ساتھ قصبہ بہادر پور (خاندیش) میں سکونت اختیار کرلی۔ عبدالغفار کا ایک بیٹا تھا جو صغرسنی میں ہی انتقال کر گیا۔ اور سلسلہ نسل منقطع ہو گیا۔ عبدالجبار کے پوتے شیخ کڑو کے چار بیٹے تھے۔ چاروں کثیر الاولاد ہوئے۔ سب سے چھوٹے شیخ بھیکن نے تلاش روزگار میں بہادر پور کو خیر باد کہا اور مالیگاؤں آکر مقیم ہوئے ان کے پانچ فرزند ہوئے جن میں سے ایک عارجؔ کے دادا تھے۔ ص۱

پیدائش اور تربیت:

محمد ابراہیم عارجؔ مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں ابتدائی جماعت میں داخل ہوئے۔

ص۱: خاندانی حالات عارجؔ صاحب کی خود نوشت سے ماخوذ ہیں جو دھولیہ میں ان کے فرزند نذیر عارجؔ کے پاس محفوظ ہے۔

اس زمانے میں مالیگاؤں کا اردو مدرسہ ہندوستانی اسکول کہلاتا تھا۔ اس اسکول میں پانچویں جماعت تک تعلیم پانے کے بعد وہ مراٹھی اسکول میں داخل ہوئے۔ ۱۹۰۷ء میں ورنا کیولر فائنل (ساتویں) کا سندی امتحان پاس کیا۔ اس وقت تک مالیگاؤں کا کوئی مسلمان باشندہ کسی سندی امتحان میں کامیاب نہ ہوا تھا۔ اس کامیابی کے بعد تقریباً دو سال اردو پرائمری اسکول میں مدرسی کی۔ پھر ٹریننگ کے لئے دھولیہ اور پونہ میں رہے اور تین سال تعلیم حاصل کر کے ۱۹۱۲ء میں اوّل درجے میں کامیاب ہوئے۔ مدرسے کے علاوہ کچھ انگریزی فارسی اور عربی گھر پر پڑھی۔

ملازمت اور پینشن:

۱۹۱۲ھ میں ناظر تعلیمات ریاست حیدرآباد دکن، سید نورالحسن پونہ تشریف لائے۔ انہوں نے مسلمان طلبہ سے فرداً فرداً ملاقات کی اور عارج صاحب کا انتخاب کر کے ملازمت میں آنے کی ترغیب دی مگر وہ راضی نہ ہوئے۔ یکم جنوری ۱۹۱۳ء میں دوبارہ مالیگاؤں میں پرائمری اسکول کی مدرسی اختیار کی۔ پانچ سال کے بعد دھولیہ ٹریننگ کالج میں بحیثیت فارسی ٹیچر کے تقرری ہوئی۔ ۱۹۲۰ء میں پونہ تبادلہ ہوگیا۔ ۱۹۲۱ء میں دھولیہ گورنمنٹ ہائی اسکول میں تبادلہ ہوا۔ تین سال کے بعد اسسٹنٹ ڈپٹی ایجوکیشن انسپکٹر مقرر ہوئے۔ اور اسی عہدے پر رہتے ہوئے ۱۹۴۰ء میں وظیفہ یاب ہوئے اور دھولیہ ہی میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ وہیں جہانِ فانی کو الوداع کہا۔

ادبی سرگرمیاں:

قدرت کی طرف سے انہیں اعلیٰ ذوق شعری ودیعت ہوا تھا۔ بڑے زود گو شاعر تھے۔ ۱۹۱۳ء میں انہوں نے فصاحت جنگ حضرت جلیل مانک پوری کی شاگردی اختیار کی۔ اس کے بعد لسان العصر حضرت ریاض خیرآبادی سے استفادہ کیا۔ نظم، غزل، رباعی، قصیدہ، مرثیہ، تاریخ گوئی ہر صنف میں طبع آزمائی کی۔ غزل محبوب ترین صنف سخن تھی۔ انہوں نے غزل کا دیوان اور جملِ اکبر کے تاریخی الفاظ کا مجموعہ ترتیب دیا تھا مگر دونوں اشاعت پذیر نہ ہوسکے۔ ۱۹۲۳ء اور ۱۹۲۴ء کے دوران مالیگاؤں سے ایک ماہانہ شعری گلدستہ ''معیارِ سخن'' عبداللطیف لطف مالیگانوی کے زیرِ اہتمام نہایت آب و تاب سے شائع ہوتا تھا۔ عارج صاحب اس کے سرپرست اور نگراں تھے۔

شاعری کے علاوہ انہوں نے نثر پر بھی توجہ فرمائی۔ حضرت طالب کی غزل پر تحریر کردہ ایک طویل تنقیدی مضمون شائع ہو چکا ہے۔ جس کی تنقیدی زبان بہت سخت ہے ص۱۔ حضرت احسن مالیگانوی فرماتے تھے کہ ''عارج صاحب جب اپنے استاد جلیل مانکپوری سے ملنے گئے تھے تو انہوں نے واپسی کا سفرنامہ لکھا تھا جو نہایت دلچسپ تھا اور ماہنامہ فصاحت (حیدرآباد) میں شائع ہوا تھا'' ص۲۔

ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد ان کا رجحان نثر کی طرف زیادہ ہو گیا تھا۔ اسی دوران انہیں ماہنامہ فصاحت (حیدرآباد) کا معاون مدیر مقرر کیا گیا۔ یہ رسالہ حضرت جلیل مانکپوری کے فرزند صدیق احمد اثر بلالی نکالتے تھے ''فصاحت'' کے ۱۹۴۲ء کے شماروں میں عارج صاحب کا ایک مضمون ''اردو کے عوامل'' چار قسطوں میں شائع ہوا تھا ص۳ جو لسانیات سے متعلق ہے۔ اس طویل مضمون میں عارج صاحب نے تذکیر و تانیث کی الجھنوں اور الفاظ کے تغیر و تبدل پر عالمانہ بحث کی ہے اور اردو والے کے کچھ زرین اصول اور قوانین وضع کئے ہیں۔ یہ مضامین اس کا مظہر ہیں کہ انہوں نے اس زمانے میں ان عوامل پر توجہ دلائی جس پر بعد میں گیان چند جین اور رشید حسن خان جیسے محققین نے توجہ فرمائی۔ ایک اور قابلِ قدر مضمون ''ہمزہ کے عدد'' کے عنوان سے دستیاب ہوا ہے ص۴۔ جو تاریخ گویوں کی رہنمائی کے لئے لکھا گیا ہے۔ ''نواب فصاحت جنگ جلیل مرحوم'' کے عنوان سے مرحوم کے فن اور شخصیت پر ایک قابلِ ذکر مضمون رسالہ ''ہندوستانی ادب'' کے جلیل نمبر میں دستیاب ہوا ہے ص۵ لکھتے ہیں:

ص۱: رسالہ تصویر یار ممبئی، جون ۱۹۷۴ء، ص ۱۰ تا ۱۴، بحوالہ شعرائے مالیگاؤں،

ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۱۱۴

ص۲: ڈاکٹر اشفاق انجم، شعرائے مالیگاؤں، ص ۱۱۵

ص۳: ابراهیم عارج، اردو کے عوامل، فصاحت، حیدرآباد، اپریل تا اکتوبر ۱۹۴۲ء۔

ص۴: محمد ابراهیم عارج "همزه کے عدد" فصاحت، حیدرآباد، جنوری تا فروری ۱۹۴۴ء، ص ۱:

اس مضمون میں انهوں نے لکھا هے که مسئلے کی همزه کو "ی" سمجھنے کی بجائے "ء" کے اعداد هی نه شمار کئے جائیں۔ اسی طرح تشدید اور مد وغیره کی حرکات و سکنات کے عدد بهی شمار نه کئے جائیں۔ اس سے فن جمل کے عام مسلمه قانون کی پوری پوری پابندی هوجائیگی اور اختلاف مٹ جائے گا۔

ص۵: محمد ابراهیم عارج، نواب فصاحت جنگ جلیل مرحوم، هندوستانی ادب، حیدرآباد، مئی جون ۱۹۴۶ء، ص ۱۰۹۔

"مرحوم کامل فن، نازک خیال او رعدیم المثال سخنور تھے۔ الفاظ صاف، شستا زبان، فصیح محاورات، سلیس روزمرّا سے ان کے اشعار نے دلوں میں گھر کرلیا......فارسی کی بڑی بڑی ترکیبیں اور ثقیل الفاظ آپ کے یہاں مطلق نہیں، شوخی کلام، انوکھا اندازِ بیان، اورخیالات کی برجستگی ایسی ہے کہ سننے والے کے منہ سے بے ساختہ داد نکلتی ہے۔ یہ ایسا کہہ گئے کہ دوسرا نہیں کہہ سکتا۔ آپ کا مرتبہ شاعری کی دنیا میں اتنا بلند ہے جس کا صحی اندازہ بہت کم نظریں کرسکتی ہیں۔"......ص۱

مندرجہ بالا سطور اورحوالوں سے یہ بات روشن ہوتی ہے کہ عارجؔ صاحب کو افسانوں اور کہانیوں سے شغف نہیں تھا۔ علمی، تنقیدی اور تحقیقی موضوعات پر مضامین لکھتے تھے۔ افسوس انہوں نے جم کرنہیں لکھا ورنہ آج ان کا نام بھی ممتاز محققین اورناقدین میں شامل ہوتا۔

ص۱۔ مضمون میں بعض الفاظ مثلاً شستا، روزمرّا، صحی وغیرہ غور طلب ہیں۔ ان الفاظ کے علاوہ پورے مضمون میں املے کا بھی طریقہ اختیار کیا گیا ھے۔ مثلاً فائدا، حصا، ہمیشا، خد، جستاجستا، حشی، وغیرہ۔ اورکوشش کی گئی ھے کہ الفاظ زبان سے جس طرح ادا ہوتے ہیں ان کا املا اسی طرح لکھا جائے۔ رسالہ ھندوستانی ادب (حیدرآباد) کے ایڈیٹر محمد خان ایم اے عثمانیہ تھے۔ املا اس طریقے سے لکھنے کی تحریک انھی کی پیدا کی ہوئی نظر آتی ھے۔ ورنہ عارجؔ صاحب کے جو مضامین فصاحت (حیدرآباد) میں شائع ہوئے ان میں یہ بات دکھائی نہیں دیتی۔ (راقم)

محمد نظیر اوجؔ

پیدائش: ۲؍جنوری ۱۸۹۶ء

وفات: ۶؍نومبر ۱۹۷۱ء

ان کا پورا نام محمد نظیر ابن علیم الدین ہے۔ اوجؔ تخلص کرتے تھے۔ آبائی وطن مئو (ضلع اعظم گڑھ) ہے۔ جد بزرگوار سرکاری فوج میں ملازم تھے۔ امیر الدین گھوڑے سوار کہلاتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ترک وطن کر کے مالیگاؤں آبسے تھے۔ اوجؔ نے ابتدائی تعلیم سرکاری مدرسے میں پائی۔ ۱۹۱۳ء میں ورنا کیولر فائنل کا امتحان پاس کر کے چند برس ساہوکاری ملازمت کی پھر دھولیہ کے ٹریننگ کالج سے ۱۹۱۷ء میں سیکنڈ ائیر کی سند حاصل کی۔ اور پیشۂ درس وتدریس سے وابستہ ہو گئے۔

اوجؔ بڑے کیم شحیم، سرخ وسپید اور بارعب آدمی تھے۔ آواز بلند اور طبیعت میں گرمی تھی۔ اپنے زمانے کے ممتاز شعراء میں شمار ہوتے تھے۔ مشاعروں میں تحت اللفظ میں کلام سناتے اور اپنی پاٹ دار آواز اور زبردست انداز کی بدولت چھا جاتے۔ حضرت محوی صدیقی لکھنوی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ ۱۹۵۸ء میں ایک مجموعہ کلام ''حرف شیریں'' کے نام سے شائع ہو کر اہل ذوق سے خراج تحسین پا چکا ہے اوجؔ صاحب نثر نگار بھی تھے۔ غالباً ان کا نثری سرمایہ دست برد زمانہ کی نذر ہو گیا۔ دوران تحقیق ان کا ایک قیمتی مضمون ''علامہ سیماب میری نظر میں'' دستیاب ہوا ہے صد۔ اسی ایک مضمون سے انکی نثری صلاحیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ انہوں نے علامہ سیمابؔ کی شخصیت اور شاعری پر جسطرح ناقدانہ نظر ڈالی ہے وہ اپنے زمانے کے لحاظ سے نہایت وقیع مانی جائیگی۔ اس ایک تخلیق کے علاوہ دوسرا کوئی نثر پارہ دستیاب نہ ہو سکا۔

ان کی اولادوں میں نازاں مالیگانوی نے شاعری اور نثر میں کاوشیں کی۔ اب ان کا بھی انتقال ہو چکا ہے۔ نازاںؔ کے نواسے ضیاء الدین بچوں کے ادب میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ اگر مستقل مزاجی کا ثبوت دیا تو یقیناً اعتبار حاصل کریں گے۔

❖❖❖❖❖❖

صد: محمد نظیر اوجؔ مالیگانوی، علامہ سیماب میری نظر میں، الوارث، بمبئی، جنوری فروری ۱۹۴۹ء، ص ۶۶

حمید اختر

پیدائش: ۱۹۱۴ء

وفات: ۲۸/جون ۱۹۷۹ء

عبدالحمید نام اور اختر تخلص ہے۔ ان کے والد عبدالرزاق ابن ابراہیم انا سیٹھ، یارن مرچنٹ تھے۔ حمید اختر شہر کے مشہور مولوی اور شاعر مولوی عبدالسلام صمصام کے نواسے تھے۔ آبائی وطن مئوناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ ہے۔ عنفوان شباب میں ہی والدین کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے سبب فکر معاش میں گرفتار ہو گئے اور ممبئی پہنچے۔ ان کے ممبئی پہنچنے کا قصہ بھی دلچسپ ہے۔

۱۹۳۳ء میں عابد انصاری، اسحٰق ناصر، ادیب صاحب، اور حمید اختر چاروں مل کر قلمی ماہنامہ نکالتے تھے۔ جس میں شاعروں کی غزلوں کے ساتھ ساتھ نو آموز اور نومشق ادیبوں کے افسانے اور مضامین بھی ہوتے تھے۔ حمید اختر اور عابد انصاری ان دونوں حضرات کو باہر کے ادیبوں اور مدیران رسائل سے خط و کتابت کا شوق تھا۔ اسی خط و کتابت کی وجہ سے آغا حشر کاشمیری کے شاگرد رشید خواجہ حمید اللہ صابر بنارسی نے حمید اختر کو ممبئی بلا لیا اور اپنے ماہنامہ ''تمثیل'' کا جوائنٹ ایڈیٹر بنا دیا۔ خواجہ صابر فلموں میں ایکٹنگ کرتے اور مکالمہ لکھتے تھے۔ اپنی مصروفیت کی وجہ سے وہ تمثیل کے لئے وقت نہ دے پاتے تھے۔ اس لئے پوری ذمہ داری حمید اختر کو سنبھالنا پڑتی تھی۔ خواجہ صابر کی دوستی نے انہیں بھی فلمی دنیا میں پہنچا دیا۔ کئی فلموں میں چھوٹے موٹے رول کئے۔ کہانیاں لکھیں، مکالمے لکھے لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ انہوں نے اپنے خاندان کو بھی ممبئی بلا لیا۔ ایک عرصہ تک وہ خلافت، انقلاب، عکاس اور شیاما جیسے اخبارات و رسائل میں کالم نگار، مدیر اور نائب مدیر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ لیکن خاندان کی کفالت کی صورت نہ نکل سکی۔ ممبئی میں اٹھارہ برس گذارنے کے بعد ۱۹۵۵ء میں مالیگاؤں لوٹ آئے۔

یہاں آنے کے بعد میونسپلٹی میں ٹھیکیداری کرنے لگے ہفت روزہ ''عوامی آواز'' کے اجراء کے بعد اس میں مرزا عکاس کائناتی کے نام سے طنزیہ و مزاحیہ خاکے، تبصرے اور نظمیں لکھنے لگے۔ بعد میں اپنا ہفت روزہ شہریار جاری کیا جو آگے چل کر کانگریس پارٹی کا آرگن بن گیا۔ انکے فرزند مسعود اختر آج

بھی اسے زندہ رکھے ہوئے ہیں۔

حمید اختر بہت زود نویس تھے۔ انہوں نے چالیس برسوں میں کئی ہزار نظمیں، غزلیں اور مضامین لکھے اور جو کچھ لکھا وہ تمام کا تمام مختلف اخبارات میں شائع ہو چکا ہے۔ ان طبع شدہ صفحات کو اگر اکٹھا کیا جائے تو سینکڑوں کتابیں وجود میں آجائیں۔ ۱۹۵۷ء میں ایک ناول الہ آباد سے شائع ہوا تھا ص۱۔ انہوں نے ساری زندگی تصنیف و تالیف میں گذار دی۔ خصوصاً نثر میں آٹھ دس کتابوں کے مسودے تھے ص۲

حمید اختر کا سارا سرمایۂ نثر عنقا ہو چکا ہے۔ نہ ان صفحات کا پتہ ہے جن سے بقول امین عشرت سینکڑوں کتابیں وجود میں آجائیں۔ نہ ان آٹھ دس کتابوں کے مسودوں کا کوئی نشان ہے جن کا ڈاکٹر اشفاق انجم نے ذکر کیا ہے اور نہ ان کا شائع شدہ ناول ہی دستیاب ہے ص۳۔

ہزار داستان:

جو دو چیزیں سامنے ہے ان میں ایک تو ہفت روزہ عوامی آواز میں شائع شدہ ان کی دلچسپ تحریریں ہیں اور دوسری ان کی ایک کتاب ''ہزار داستان'' ہے۔ سینکڑوں کتابوں سے استفادے کے بعد حمید اختر نے ایک ہزار سچے واقعات جمع کئے۔ یہ واقعات نہایت دلچسپ ہیں اور قاری کی معلومات میں بے حد اضافہ کرتے ہیں۔ اس میں ہماری عظمت دیرینہ کی تاریخ اور علمی ادبی اور ثقافتی داستانوں کو مستند حوالوں سے بیان کیا گیا ہے۔ ان میں ڈھائی سو داستانوں کا ایک مجموعہ ''ہزار داستان'' کے نام سے ۱۹۸۱ء میں مالیگاؤں سے شائع ہوا۔ باقی ساڑھے سات سو داستانوں کی اشاعت کی کوئی سبیل نہ نکل سکی

حمید اختر کی چالیس سالہ علمی، ادبی اور صحافتی سرگرمیوں پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ لیکن ان کی تحریروں کی عدم دستیابی کی بنا پر کوئی جامع تبصرہ نہیں ہو سکتا۔ البتہ ہفت روزہ عوامی آواز میں ان کے کالم نے شہر میں بڑی دھوم مچائی۔ اس میں انہوں نے ''نئی گلستان'' کا طرز اپنایا۔ موضوعات اگرچہ سیاسی ہوتے تھے لیکن ان میں ادبیت کی شان ہوتی تھی۔ اور فی البدیہہ اشعار کے نگینوں کی وجہ سے اس کی خوبصورتی اور دلچسپی میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ جس کی وجہ سے خاص و عام میں مقبول تھا۔

حمید اختر کا انتقال مالیگاؤں میں دورۂ قلب کے باعث ہوا۔

ص۱: محمد امین عشرت، ساتھی ایک بچپن کا، ہزار داستان از حمید اختر، مالیگاؤں، ۱۹۸۱ء۔

ص۲: شعرائے مالیگاؤں، ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۳۶۳۔

ص۳: ممکن ہے کہ ان کے مکان پر یہ ساری چیزیں مل جائیں۔ ان کی اہلیہ اور فرزند اس طرف توجہ کریں تو ہوسکتا ہے کہ مرحوم کا سرمایۂ نثر و نظم بھی سامنے آجائے اور مالیگاؤں کی ادبی تاریخ کا کوئی نیا گوشہ دریافت ہو جائے۔ (راقم)

ڈاکٹر محمد فاروقی ؎۱

پیدائش: ۱۹۱۴ء

وفات: ۱۶/اگست ۱۹۸۰ء

ڈاکٹر محمد فاروقی کی پیدائش مالیگاؤں کے ایک اعلیٰ خاندان میں ہوئی۔ان کے والد عبدالحمید فاروقی حاذق طبیب تھے۔انہوں نے اپنے تمام فرزندوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائی۔بڑے صاحبزادے محمد حسین جو حسینا وکیل کے نام سے مشہور تھے جج کے عہدے پر پہنچ کر سبکدوش ہوئے۔دوسرے صاحبزادے محمد علی فاروقی اے ٹی ٹی ہائی اسکول میں مدرس کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے۔تیسرے محمد فاروقی ہیں۔

ڈاکٹر محمد فاروقی نے ابتدائی تعلیم مالیگاؤں میں مکمل کی۔اور اپنے برادر بزرگ حسینا وکیل کے پاس پونہ چلے گئے۔وہاں انہوں نے بی اے اور ایم اے امتیازی نمبر سے کامیاب کیا اور پونہ میں مدرسی اختیار کی۔وہیں پر انہوں نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے اپنا تحقیقی مقالہ لکھا؎۲ انہیں مالیگاؤں کے سب سے پہلے پی ایچ ڈی ہونے کا شرف حاصل ہے۔دھارواڑ کالج (گجرات) میں لیکچرر شپ مل جانے کے بعد پونہ کی ملازمت ترک کر کے گجرات چلے گئے۔صوبۂ ممبئی کی تقسیم کے بعد جب مہاراشٹر اور گجرات دو ریاستوں کی تشکیل عمل میں آئی تو ان کا تبادلہ احمد آباد میں گجرات کالج میں کر دیا گیا اور انہیں شعبۂ اردو فارسی کا صدر بنا دیا گیا۔کچھ دنوں کے بعد گجرات یونیورسٹی احمد آباد میں بحیثیت نگرانِ کار Guiding Teacher تقرری ہوئی۔یہیں آپ کو پروفیسر شپ عطا ہوئی۔ان کی نگرانی میں کئی اسکالرز نے

؎۱: موصوف کے حالات کے تعلق سے زیادہ تر مواد ڈاکٹر اشفاق انجم کی تالیف شعرائے مالیگاؤں سے لیا گیا ہے،ص ۲۸۱،۸۲

؎۲: ڈاکٹر فاروقی نے "چندر بھان برہمن،حیات اور تالیف دیوان برہمن کے عنوان سے اپنا تحقیقی مقالہ ممبئی یونیورسٹی کو پیش کیا۔جس پر انہیں ڈاکٹریٹ عطا ہوئی۔یہ مقالہ ۱۹۶۷ء میں چندربھان برہمن کے نام سے احمد آباد سے شائع ہوچکاہے۔

ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری حاصل کی ص۱۔

ڈاکٹر فاروقی زمانہ طالب علمی سے ہی ادبی محفلوں میں شریک ہوتے رہے۔ تصنیف و تالیف سے انہیں خاص لگاؤ تھا۔ ان کی تخلیقی سرگرمیاں ہشت پہلو ہیں۔ ان کی دلچسپی ڈراموں، افسانوں، بچوں کی کہانیوں، نظموں اور طنزیہ و مزاحیہ مضامین میں رہی ہے۔ ترجمہ میں بھی دلچسپی رکھتے تھے۔

اینگلو اردو ہائی اسکول پونہ کی تعلیم کے دوران اسکول میگزین ''رفیق الطلباء'' میں ان کے بہت سے مضامین، کہانیاں اور نظمیں شائع ہوئیں۔ مدرس بن جانے کے بعد بھی ان کی تخلیقات اس رسالے کی زینت بنتی رہیں۔ یہ زمانہ ۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۵ء تک کا ہے۔ اس دور میں ان کی نظمیں اور کہانیاں بچوں کے مشہور رسائل مثلاً بچوں کی دنیا، پھول (لاہور) وغیرہ میں شائع ہوتی رہیں ص۲ تین سین کا ایک مکمل ڈرامہ ''غریب کی عید'' بھی اشاعت پذیر ہو چکا ہے ص۳ جاپان کی خفیہ تنظیم، اژدہا اور اسکے مدارج ارتقاء، نیز محبت اور زندگی، یہ دو مضامین خلافت ممبئی کے شماروں میں شائع ہوئے ص۴۔ محبت اور زندگی، جاپانی ادیب بونے نگوچی کے اشعار منثور کا ترجمہ ہے۔ موصوف کے دو مزاحیہ مضامین ''مولوی صاحب'' ص۵ اور ''میاں بیوی'' ص۶ بھی دستیاب ہوئے ہیں۔ جو نہایت دلچسپ ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے افسانے ساقی اور ادبی دنیا (لاہور) میں بھی شائع ہوتے رہے۔ ص۷ رفتہ رفتہ ڈاکٹر صاحب کو افسانہ نگاری میں اعتبار حاصل ہونے لگا۔ لیکن وہ افسانوں کی افادیت کی طرف سے مشکوک ہو گئے اسلئے اپنی ساری توجہ بچوں کے ادب پر مرکوز کردی۔ اتنا ہی نہیں اپنے قریبی شعراء و ادباء کو بھی اس طرف راغب کرتے رہے۔ ان کی بہت ساری کہانیاں، ڈرامے، سفرنامے اور نظمیں ان کی تخلیقی صلاحیتوں کی آئینہ دار ہیں۔

ص۱: راقم الحروف کے گائیڈ ڈاکٹر اشفاق انجم نے انھیں کی رہنمائی میں اپنے قابل قدر کام شعرائے مالیگاؤں کا آغاز کیا۔ لیکن ڈاکٹر فاروقی کا انتقال ہوجانے کے سبب انھوں نے اپنا مقالہ ڈاکٹر احمد حسین قریشی کی نگرانی میں مکمل کیا۔

ص۲: ڈاکٹر اشفاق انجم نے ان کی بہت سی کہانیوں افسانوں اور نظموں کی فوٹو کاپی عنایت کی ہے۔ راقم ان کا شکر گذار ہے۔

ص۳: روزنامہ "ہلال" ممبئی، جلد نمبر ۲، شمارہ نمبر ۲۲، جنوری ۱۹۳۴ء، ص ۹

ص۴: روزنامہ خلافت ممبئی ۷/ جون ۱۹۳۶ء اور ۲۸/ جون ۱۹۳۶ء۔

ص۵: ادبی دنیا، لاہور، جلد ۱۱، شمارہ ۲۲، نومبر ۱۹۴۴ء۔

ص۶: روزنامہ ہلال، ممبئی، ۱۷/ دسمبر ۱۹۳۳ء۔

ص۷: شعرائے مالیگاؤں، ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۲۸۲

موصوف بہت اچھے شاعر تھے لیکن انہوں نے اپنی شاعری کو بچوں کی نظموں تک محدود رکھا۔ کبھی کبھی وہ ''پجاری'' کے نام سے بھی نظمیں شائع کرواتے رہے۔ انہوں نے ادب کی قسمت سنوارنے کے ساتھ ساتھ اپنے بچوں کو بھی محروم نہیں رکھا۔ انہیں اعلیٰ تعلیم دلا کر دنیا میں اپنا مقام بنانے کے قابل بنایا۔ ان کے بڑے صاحبزادے شاہد فاروقی، امریکہ کی کسی کمپنی میں اعلیٰ عہدے دار ہیں۔ دوسرے فرزند خالد فاروقی احمد آباد کے ایک جونیئر کالج میں لیکچرر ہیں۔ تیسرے بیٹے زاہد فاروقی صنعت کار ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی نثر نگاری کی خصوصیت یہ ہے کہ بچوں کے لئے لکھتے ہیں تو زبان اور الفاظ کی سطح، بچوں کی عمر کی سطح Age Level پر لے آتے ہیں۔ جس سے بچے حقیقی معنوں میں لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ ان کی خواہشِ مقصدیت اور تمنائے افادیت زبان کے مناسب استعمال کی اس شعوری کوشش سے ظاہر ہوتی ہے۔ جب افسانوں کی طرف آتے ہیں تو زبان کا معیار اسی لحاظ سے بلند کر دیتے ہیں۔ ان کی زبان میں کہیں بھی جھول یا خامی نظر نہیں آتی۔ یہاں تک کہ طالب علمی کے زمانے کی کہانیوں میں بھی صحتِ زبان کا پورا خیال رکھا۔ یہ صلاحیت بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔

ڈاکٹر اشفاق انجم کی روایت کے مطابق ڈاکٹر فاروقی اپنی کہانیوں اور نظموں کی اشاعت کا تہیہ اور تیاری کر چکے تھے۔ مگر فرشتۂ اجل نے مہلت نہ دی اور وہ یہ کام ادھورا چھوڑ کر دنیا سے سدھار گئے۔ اگر آج یہ شائع ہو کر منظرِ عام پر آ جائیں تو بچوں کے ادب میں گراں قدر اضافہ ہوگا۔

عبدالستار سبحانی

پیدائش: ۳۰/اپریل ۱۹۱۴ء

وفات: ۲۰/جولائی ۱۹۹۱ء

عبدالستار سبحانی کی پیدائش مالیگاؤں میں ہوئی۔ ان کے والد محمد سبحان یارن کی تجارت کرتے تھے۔ کھاتا پیتا گھرانہ تھا۔ عبدالستار سبحانی نے اینگلو اردو ہائی اسکول میں چھٹی جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ لیکن والد صاحب انہیں اپنے ساتھ کاروبار میں شریک کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے سلسلۂ تعلیم ترک کروادیا۔ عبدالستار سبحانی بھی سوت کی دکان پر بیٹھنے لگے۔ بدقسمتی سے ۱۹۴۴ء میں مالیگاؤں ایک زبردست سیلاب کی تباہ کاریوں سے دوچار ہوا۔ اس سیلابی پانی میں ان کا مکان اور دکان دونوں غرق ہوگئے۔ اس کے بعد سے لوم کا کاروبار شروع کیا۔

عبدالستار سبحانی کو مطالعے کا بڑا شوق تھا۔ کہکشاں (دہلی) اور سلطنت (دہلی) ان دو رسالوں کی ایجنسی انکے پاس تھی۔ انکے یہاں دیگر رسائل بھی آتے تھے۔ وہ کلاسیکل موسیقی کے ماہر تھے۔ ستار بہت اچھا بجاتے تھے۔ خط نہایت خوبصورت تھا۔ فارسی کا مطالعہ کا بھی اچھا خاصہ تھا۔

عبدالستار سبحانی نے شاعری بھی کی لیکن ان کا اصل میدان افسانہ نگاری تھا۔ جس کا سلسلہ انہوں نے ۳۴-۱۹۳۳ء سے شروع کیا۔ ان کا ایک افسانہ "عورت کی محبت" ماہنامہ کہکشاں (دہلی)، میں ۱۹۳۷ء میں شائع ہوا۔ جو کافی مقبول ہوا۔ اس کے علاوہ ان کے جو دیگر افسانے اشاعت پذیر ہوئے ان میں "محبت" ص۱، "تکمیل جستجو" ص۲ اور "افسانہ عہد" ص۳ ہیں۔ آخر الذکر افسانہ دو قسطوں میں شائع ہوا ہے۔ ان کے علاوہ مرحوم کی اور تخلیقات دستیاب نہ ہوسکیں۔

ص۱: عبدالستار سبحانی، ہفت وار سروش، ممبئی، ۱۳/مارچ، ص ۱۹۳۸ء، ص ۱۷

ص۲: عبدالستار سبحانی، فصاحت، حیدر آباد، مارچ ۱۹۴۲ء، ص ۲۸

ص۳: عبدالستار سبحانی، فصاحت، حیدر آباد، نومبر دسمبر، ۱۹۴۲ء، ص ۲۸

ان کے افسانے خواہ دہلی سے شائع ہوئے ہوں، حیدرآباد یا ممبئی سے، چند خصوصیت رکھتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان کے ہر افسانے کا موضوع محبت ہے دوسرے یہ کہ ان افسانوں کے اکثر کردار انگریزی نام رکھتے ہیں۔ ۱۹۴۴ء کے سیلاب میں اخبارات و رسائل کے ان کے ذاتی ذخیرے کے ساتھ ساتھ ان کی تخلیقات بھی ضائع ہوگئیں۔ غالباً اس کے بعد انہوں نے شاعری اور نثر نگاری دونوں ترک کردی تھیں۔ ۷۷ برس کی عمر میں مالیگاؤں میں انتقال فرمایا۔

محمد اسحٰق ایوبی

پیدائش: ۱۱رمئی ۱۹۱۶ء

وفات: یکم اپریل ۱۹۸۹ء

محمد اسحٰق ایوبی کی شخصیت اور ادبی خدمت بالکل منفرد ہے۔ سرکاری ملازمت میں ہونے کی وجہ سے اگرچہ انہیں مالیگاؤں میں قیام کا موقع کم ملا لیکن اپنے وطن کو انہوں نے کبھی فراموش نہیں کیا۔ ان کے ہشت پہلو کاموں کے سبب ان کا ذکر قدرے تفصیل سے کرنا بہتر ہوگا۔

ایوبی صاحب نے ۱۱رمئی ۱۹۱۶ء کو اس دار العجائب میں قدم رکھا۔ ان کے والد بزرگوار جوانی کے ایام میں یوپی سے ہجرت کر کے مالیگاؤں پہنچے تھے۔ وہ موضع کبر کولی تحصیل مچھلی شہر ضلع جون پور کے رہنے والے تھے۔ ایوبی صاحب کے نانا کے آبا و اجداد علم و حکمت کے سلسلے میں شہرت رکھتے تھے اور انہیں راجوں مہاراجوں کی سرپرستی بھی حاصل تھی۔

اسحٰق ایوبی کی پیدائش مالیگاؤں میں ہوئی۔ انکے بڑے بھائی محمد اسماعیل ایک پرائمری ٹیچر تھے۔ انہوں نے اپنے چھوٹے بھائیوں کو اعلیٰ تعلیم دلانے کا بیڑا اٹھایا۔ اسحٰق ایوبی اور انکے چھوٹے بھائی محمد صدیق نے پرائمری اور ثانوی تعلیم کے مراحل مالیگاؤں میں طے کئے۔ بعد ازاں اسحٰق ایوبی اعلیٰ تعلیم کے لئے جوناگڑھ (گجرات) چلے گئے۔ اور محمد صدیق پونہ، جوناگڑھ سے ایوبی صاحب نے بی اے (آنرز) کیا اور دو سال کے بعد ممبئی یونیورسٹی سے ایم اے بھی کرلیا۔

اسحٰق ایوبی نے ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۴ء کے درمیان پونہ، ساتارہ، مالیگاؤں اور بیاول میں ملازمتیں کیں۔ ۱۹۴۱ء میں ان کی شادی مالیگاؤں کے رئیس اور سابق ایم ایل اے مرحوم محمد صابر عبدالستار کی صاحبزادی (ہارون بی اے کی بہن) سے ہوئی۔ ۵ ربرسوں میں یہ اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ دوسری شادی انہوں نے مالیگاؤں ہی میں کی۔ دوسری رفیقۂ حیات سے چار بچے ہوئے اور چاروں بقید حیات ہیں۔ اس دوران وہ کچھ دنوں کے لئے اینگلو اردو ہائی اسکول مالیگاؤں میں مدرس بھی رہے۔

۱۹۴۵ء میں وہ حکومت ممبئی کے شعبۂ نشر و اشاعت میں ملازم ہوئے۔ دو تین مہینوں کے بعد انہیں شعبۂ اردو کا انچارج بنایا گیا۔ اس عہدے پر وہ جولائی ۱۹۵۴ء تک رہے۔ اگست ۱۹۵۴ء میں وہ حکومتِ ہند کے محکمۂ اطلاعات و نشریات میں دہلی آ گئے۔ ایک سال کے اندر انہیں اسسٹنٹ انفارمیشن آفیسر بنا دیا گیا۔

۱۹۶۰ء میں حکومتِ ہند نے دہلی، سری نگر اور جالندھر کے علاوہ حیدر آباد میں بھی ایک انفارمیشن سینٹر قائم کیا۔ جس کی نگرانی کے لئے محمد اسحٰق ایوبی کو مقرر کیا گیا۔ موصوف نے مرکزی حکومت کی پبلی سٹی کو بامِ عروج پر پہنچا دیا۔ حیدر آباد میں ان کی تقرری کا زبردست استقبال ہوا۔ ایوبی صاحب اردو انگریزی، فارسی اور عربی کے عالم تھے۔ اس کے علاوہ ہندی اور مراٹھی سے بھی واقف تھے۔

موصوف کی نثری سرگرمیاں اینگلو اردو ہائی اسکول کی ملازمت کے زمانے سے شروع ہوئیں۔ ان کا ایک مضمون "انسانی طبیعت پر آب و ہوا کا اثر" کے عنوان سے اسکول کے قلمی رسالے رہبر میں دکھائی دیتا ہے۔ ص۱ اس زمانے میں ان کے جو دیگر مضامین شائع ہوئے ان میں سے ایک فرقۂ معتزلہ کا مختصر تعارف و تاریخ "الاعتزال و المعتزلہ" کے عنوان سے دو قسطوں میں شائع ہوا ص۲ جنگ اور تمدن کے عنوان سے ایک مضمون عالمگیر میں اشاعت پذیر ہوا ص۳ دہلی میں ملازمت کے دوران حکومتِ ہند کے سہ ماہی عربی رسالے "الثقافت الهند" میں تامل تیلگو اور ملیالم ادب کے تعلق سے تعارفی مضامین شائع ہوئے تھے۔ محمد اسحٰق ایوبی نے ان تمام مضامین کا با محاورہ اردو میں ترجمہ کر کے جنوبی ہندوستان کی زبانوں اور اردو کو ایک دوسرے سے قریب لانے کا مبارک فریضہ انجام دیا۔ یہ مضامین سلاست کے اعتبار سے ترجمہ نہیں معلوم ہوتے۔ انہیں درجنوں اردو اخبارات نے شائع کیا۔ ص۴ ان تراجم کی زبردست پذیرائی ہوئی اور اسحٰق ایوبی صاحب کی بے حد ستائش کی گئی۔ ان میں ایک خاص قسم کی ادبی لطافت اور علمیت کی چاشنی پائی جاتی ہے۔ نیز سلاست و روانی ان کا طرۂ امتیاز ہے۔

ایوبی صاحب نے کالج کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد چند افسانے اور علمی ادبی مقالے بھی لکھے۔ جو لاہور کے رسائل ہمایوں اور عالمگیر میں شائع ہوئے۔ ص۵

ص۱: قلمی رسالہ، رہبر، مدیر حسین انور، مالیگاؤں، ۱۹۴۲ء، ص ۲۳

ص۲: عالمگیر، لاہور، مارچ اپریل ۱۹۴۳ء، ص ۳۱

ص۳: عالمگیر، لاہور، مئی ۱۹۴۳ء، ص ۴۹

ص۴: ان تمام اخبارات کے تراشے راقم الحروف کے پاس محفوظ ہیں۔

ص۵: انجم انصاری محمد اسحق ایوبی، روزنامہ اردو ٹائمز، ممبئی ۲۰، اکتوبر ۱۹۶۰ء

دو چار افسانے گاہے بگاہے ممبئی کے رسائل میں بھی چھپے۔ ص۱ ان کے علاوہ فنِ تعمیر کے عنوان سے ایک انشائیہ بھی یادگار ہے۔ ص۲ ان کے کاغذات میں چند اور مزاحیہ مضامین موجود ہیں۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کہیں شائع ہوئے یا نہیں۔ انہوں نے طبیعت بھی موزوں پائی تھی۔ سخن فہمی میں جواب نہیں رکھتے تھے۔ اردو فارسی اور عربی کے ہزاروں اشعار ازبر تھے جنہیں حسنِ کلام کے طور پر اپنی گفتگو میں برمحل استعمال کرتے تھے۔ طبیعت میں ظرافت کا مادہ بھی تھا۔ ان کی حاضر جوابی عجب لطف پیدا کر دیتی تھی۔

حیدرآباد کے قیام کے دوران ان کے بہت سارے مضامین مقامی اخبارات نے اہتمام سے شائع کئے۔ ان میں سے بیشتر کا تعلق ان کے پبلی سٹی ڈپارٹمنٹ سے تھا۔ اگر وہ سرکاری مصروفیات سے وقت نکال کر ادبی نثر نگاری پر زیادہ توجہ فرماتے تو آج آسمان ادب پر آفتاب بن کر چمکتے۔

ایک اہم کام:

۱۹۷۴ء میں خدمات سے سبکدوش ہونے کے بعد یوں تو رہائش حیدرآباد میں ہی اختیار کی جہاں ان کا خاندان سکونت پذیر تھا لیکن موصوف کا زیادہ وقت مالیگاؤں میں گذرا۔ یہاں انہوں نے تحقیق و تلاش کے ایک نہایت مفید اور دلچسپ مشغلہ کا آغاز کیا۔ بے شمار شخصیتوں سے انٹرویوز لئے ان کے اوران کے ذکر کردہ لوگوں کے حالاتِ زندگی محفوظ کئے۔ تعلیمی اداروں کی تاریخ جمع کی۔ مختلف مساجد و مدارس کے قیام اور تاریخ کے تعلق سے قیمتی مواد اکٹھا کیا۔ مالیگاؤں کے قرب وجوار کے دیہاتوں میں جا کر وہاں کے مسلمانوں کے حالات لکھے اور وہاں کی مسجدوں اور درگاہوں کی معلومات حاصل کیں۔ مالیگاؤں کے اہم واقعات کے عینی شاہدین سے ملاقات کر کے آنکھوں دیکھا بیان لیا۔ گجراتی، مارواڑی، مراٹھا اور دیگر سماجوں اور برادریوں کی مالیگاؤں آمد کے تعلق سے مواد فراہم کیا۔ آج ان کی یہ تحریریں ہیروں سے زیادہ قیمتی ہے۔ ص۳

موصوف نے ان تمام چیزوں کو ترتیب وار تحریر کرنے کے کام کا آغاز کیا تھا مگر عمر نے وفا نہ کی۔ ان کی تحریروں سے شہر کی تاریخ کے بہت سے تاریک گوشوں پر روشنی پڑتی ہے۔

ص۱: انجم انصاری محمد اسحق ایوبی، روزنامہ اردو ٹائمز، ممبئی، ۲۰ اکتوبر ۱۹۶۰ء

ص۲: ماہنامہ صبح امید، ممبئی، اکتوبر ۱۹۶۴ء، ص ۳۱

ص۳: افسوس کی بات یہ ہے کہ ان میں سے کئی بیاضیں افراد خاندان کی بے توجھی کے سبب ضائع ہوگئیں جو چند بیاضیں دستیاب ہوئیں وہ راقم کے پاس محفوظ ہیں۔

ان کی نظر تحقیقی تھی۔ ہر چیز کی تہہ تک پہنچ کر معلومات حاصل کرنے کا جذبہ تھا۔ افسانہ نگاری سے شروعات کر کے تحقیق کے خارزاروں تک پہنچنے میں اس تخلیق کار کو بڑے مشکل مراحل سے گذرنا پڑا۔ ان کے حوصلے کی داد دینی پڑتی ہے کہ پیرانہ سالی کے باوجود وہ دیہات دیہات بھٹکتے رہے اور کھنڈروں کی ٹوٹی ہوئی دیواروں میں داستان ہائے پارینہ تلاش کرتے رہے۔

اخیر عمر میں صحت کی خرابی کے باعث حیدرآباد چلے گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔ ان کے برادر خرد نورالرحمٰن ایوبی بھی بڑی سلجھی ہوئی فکر کے بلند پایہ محقق اور نقاد تھے۔ ان کا بھی انتقال ہو چکا ہے۔ اسحٰق ایوبی کے دو فرزندان اور ایک بیٹی حیدرآباد میں رہائش پذیر ہیں۔

ضیا ڈراماٹسٹ

پیدائش: یکم فروری ۱۹۱۹ء

وفات: ۲۹/دسمبر ۱۹۸۹ء

پورا نام محمد اسحٰق ابن ضیاء اللہ، والد کے نام کی مناسبت سے ضیاؔ تخلص اختیار کیا۔ ضیا ڈراماٹسٹ کے نام سے مشہور ہوئے اور یہی قلمی نام بھی استعمال کرنے لگے۔ ان کے والد غریب اور ان پڑھ تھے۔ لیکن ضیاء کو تعلیم دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، پرائمری تعلیم مکمل کرنے کے بعد ضیا نے انگریزی چھٹی جماعت تک تعلیم پائی۔ اسی دوران ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ وہ میونسپل ملازم تھے۔ ان کی جگہ پر بحیثیت کلرک ضیا کی تقرری عمل میں آئی۔ ۱۹۷۷ء میں اپنی سبکدوشی تک اسی حیثیت سے کام کیا۔

ضیاء ڈراماٹسٹ کی تخلیقی سرگرمیوں کا آغاز ۱۹۳۷ء میں شاعری سے ہوا۔ اصلاح سخن کی ضرورت محسوس ہوئی اسلئے حضرت اخترؔ مالیگانوی سے مشورہ سخن لینے لگے۔ شہر کی ایک شعری بزم ''قصر الادب'' سے وابستہ رہے۔ ان کا ایک مجموعۂ کلام ''رقصِ جام'' کے نام سے منظرِ عام پر آچکا ہے۔

نثر نگاری ۱۹۳۸ء میں اختیار کی اور اس میدان میں بڑا نام پیدا کیا۔ ان کی نثر کو تین خانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱) ڈرامہ نگاری:

ضیا کی نثری سرگرمیوں کا آغاز ڈراموں سے ہوا۔ ان کا اولین ڈرامہ جو اشاعت پذیر ہوا وہ ''کالج کا لڑکا'' تھاص۱ لیکن اس وقت یہ مکمل طور پر شائع نہ ہو سکا۔ اسی سال کے آخر میں دوسرا ڈرامہ ''غریب کی عید'' شائع ہوا۔ص۲ دو سال کے بعد ''کالج کا لڑکا'' چھ قسطوں میں اشاعت پذیر ہوا۔ص۳ اپنی ڈرامہ نگاری کے

ص۱: اسٹار، لاہور، جون ۱۹۳۸ء، ص ۴۷

ص۲: ہلال، سبقی، ۱۱/ دسمبر ۱۹۳۸ء، ص ۱۴

ص۳: جمہور، سبقی، ۲۱ جولائی تا ۲۰ اگست ۱۹۴۰ء

سبب وہ ضیا ڈراماٹسٹ کے نام سے مشہور ہوگئے۔ ان کے علاوہ ان کے مزید ڈرامے دستیاب نہ ہوسکے۔

۲) مزاح نگاری:

ڈراموں کے ساتھ ساتھ وہ طنزیہ ومزاحیہ مضامین بھی باقاعدگی سے لکھتے رہے۔ ان کا سب سے پہلا مزاحیہ مضمون ''مرزا جی کے پانچ سوال، کیا میں شادی کرلوں'' ہے [۱] بعدازاں ''افکار شاعر'' کے عنوان سے ایک دلچسپ مضمون لکھا۔[۲] انکا ایک اور مزاحیہ مضمون ''مرزا جی پٹ گئے'' چار قسطوں میں شائع ہوا۔[۳] میر کلن ۱۹۴۰ء میں شائع ہوا[۴] اور بیوی کی تلاش، یادگار مشاعرہ، بیگم وغیرہ مزاحیہ تخلیقات دو برس کے بعد شائع ہوئیں۔[۵]

۳) افسانہ نگاری:

ڈرامے اور مزاح نگاری کے بعد ضیا، صاحب نے جس صنف میں اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے وہ افسانہ نگاری ہے۔ انکا سب سے پہلا افسانہ جو دستیاب ہوا ہے وہ ''مکتوب ساحرہ'' ہے۔ یہ اتنا طویل ہے کہ اسے ناولٹ کہنا مناسب ہوگا، یہ مسلسل دس قسطوں میں شائع ہوا۔[۶] دیگر دستیاب افسانوں میں ''پریم کا شعلہ''[۷] انسپکٹر،[۸] دوشیزہ،[۹] اور حادثہ[۱۰] شامل ہیں۔

''حادثہ'' ان کا آخری افسانہ ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ۱۹۴۸ء کے بعد وہ نثر نگاری سے

ص۱: اسٹار لاہور، ۷ اگست ۱۹۳۸ء، ص ۱۰

ص۲: اسٹار لاہور، ۴ دسمبر ۱۹۳۸ء، ص ۲۵

ص۳: ہفتہ وار جمہور، ممبئی، ۸ ستمبر تا ۲۹ ستمبر ۱۹۴۰

ص۴: ہفتہ وار جمہور، ممبئی، ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۰، ص ۱۴

ص۵: ہفتہ وار حشر، ممبئی، ۲۲ فروری تا ۲۲ مارچ ۱۹۴۲

ص۶: ہفتہ وار جمہور، ممبئی، ۸ دسمبر ۱۹۴۰ تا ۱۶ فروری ۱۹۴۱ء

ص۷: ہفتہ وار آئینہ، ممبئی، ۲۲ مارچ ۱۹۴۲ء، ص ۷

ص۸: ہفتہ وار حشر، ممبئی، ۲۹ مارچ ۱۹۴۲ء، ص ۱۶

ص۹: ہفتہ وار حشر، ممبئی، ۲۲ فروری ۱۹۴۲ء

ص۱۰: ہفتہ وار جمہور، ممبئی، ۱۶ مئی ۱۹۴۸ء، ص ۲۱

تائب ہوکر محض شاعری کی زلفیں سنوارنے میں مصروف ہو گئے تھے۔ انہوں نے باقاعدہ تنقید نہیں لکھی لیکن مولانا انجم فوقی بدایونی مرحوم کی ایک غزل پر "نقادفن سے" کے عنوان سے ایک تنقیدی مضمون لکھا ہے۔ صد

ضیاء کے ڈرامے اپنے وقت میں بے حد مقبول ہوئے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ اپنے افسانوں میں بھی ڈرامائی کیفیت پیدا کرنے میں جواب نہیں رکھتے اور موقع موقع سے ان میں مزاح کے عناصر شامل کر کے دوآتشہ بنا دیتے تھے۔ ۱۹۳۸ء اور ۱۹۴۲ء کے دوران ان کی جو بھی تخلیقات شائع ہوتی تھیں قارئین اسے بے حد پسند کرتے تھے۔ اس کا ثبوت انہیں اخبارات میں شائع شدہ خطوط اور تبصروں سے ملتا ہے۔ ان کی نثر میں سادگی اور بے تکلفی کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ زبان و بیان کی خامیاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنی نثر کو سنوارنے میں بڑی محنت کرتے تھے۔

ضیاء مشاعروں میں بڑے اچھے ترنم میں کلام سناتے۔ چونکہ ان کے لہجے اور شاعری سے دختِ رز کی مہک اٹھتی تھی اسلئے ان کا انداز تو والہانہ ہوتا ہی تھا، سامعین بھی جھوم جھوم جاتے تھے۔ افسوس کہ انہوں نے زندگی کے محض چار برس نثر کے لئے وقف کئے۔ اگر یہ سلسلہ جاری رہتا تو آج ان کا شمار بھی ممتاز نثر نگاروں میں ہوتا۔ بہر حال تین مختلف اصناف میں انہوں نے جو سرمایہ چھوڑا ہے وہ بھی اس زمانے کے پس منظر میں کچھ کم قابلِ قدر نہیں۔

صد: ماہنامہ خورشید، مالیگاؤں، جلد ۲، شمارہ ۲، مئی ۱۹۴۸ء، ص ۶

عابد انصاری

پیدائش: ۲۹ر ستمبر ۱۹۱۹ء

وفات: ۲۵ر جولائی ۱۹۸۴ء

عابد انصاری مرحوم شہر کی مشہور سیاسی اور سماجی شخصیتوں میں سے ایک تھے۔ ان کا پورا نام عبدالعزیز ابن محمد حافظ ہے۔ ابتدا میں عابد اصلاحی کے نام سے لکھا کرتے تھے۔ انہوں نے ورنا کیولر فائنل (ساتویں) کا امتحان ۱۹۳۷ء میں پاس کیا۔ لیکن مزید تعلیم حاصل کرنے سے محروم رہے۔ شاعری بھی کرتے تھے اور نثر بھی لکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے بارے میں لکھا ہے:

> ''زمانۂ طالب علمی میں مضامین لکھنے کا شوق ہوا۔ ابتداء میں اصلاحی افسانے اور علمی مضامین لکھتا رہا۔ ۱۹۳۹ء سے شاعری شروع کی۔ قبلہ حضرت مسلم کا شاگرد ہوں'' [۱]

مشہور افسانہ نگار سجاد عزیز ان کے فرزند ہیں۔ سجاد عزیز کی روایت کے مطابق ان کے والد نے کافی افسانے لکھے ہیں جو شائع بھی ہوئے ہیں لیکن اب مرحوم کا سرمایہ نثر و نظم دستیاب نہیں ہے۔ جو چند تخلیقات راقم کی تلاش کے دوران دستیاب ہوئی ہیں ان میں ایک مضمون ''بھارت میں مسلمانوں کا مستقبل'' ہے جو ۱۹۴۵ء میں شائع ہوا [۲] موصوف کی افسانہ نگاری کے دو ثبوت ملے ہیں۔ ایک کا عنوان ''حفیظ کے نام'' ہے [۳]۔ اور دوسرا ''مکتوبات عابد قسط نمبر دو'' [۴] کے عنوان سے ہے۔ آخر الذکر ادبی چاشنی لئے ہوئے ایک طنزیہ خط ہے۔ اس کی پہلی قسط دستیاب نہ ہو سکی۔

---

[۱]: مولف الحاج غلام رسول 'زخم و مرہم' ۱۹۷۶ء، ص ۸۶

[۲]: عابد انصاری 'بھارت میں مسلمانوں کا مستقبل' اخبار مسلم ڈیلی بمبئی ۱۰ر فروری ۱۹۴۵ء

[۳]: عابد انصاری 'حفیظ کے نام' ہفتہ وار سروش بمبئی ۲۸ر اگست ۱۹۳۸ء، ص ۱۸

[۴]: عابد انصاری 'مکتوبات عابد' ہفتہ وار جمہور بمبئی ۲۰ر جنوری ۱۹۴۱ء، ص ۲۳

مرحوم عابد انصاری مزاح بھی لکھتے تھے۔ اخبار مسلم (ڈیلی) ممبئی کے ۱۹۴۵ء کے شماروں میں ایک مستقل مزاحیہ کالم لکھا جاتا تھا۔ جس میں سیاسی اور سماجی شخصیتوں کو ہدف طنز و استہزا بنایا جاتا تھا ۱۔ کالم نگار کے نام کی جگہ کہیں "بقراط کے قلم سے" لکھا ہے اور کہیں "مالیگاؤں کے بقراط کے قلم سے" سجاد عزیز کی روایت کے مطابق مسلم ڈیلی کے مزاحیہ کالم ان کے والد ہی بقراط کے فرضی نام سے لکھا کرتے تھے۔

ان تحریروں کے علاوہ موصوف کی دیگر تخلیقات دستیاب نہ ہو سکیں۔ عابد انصاری کی مزاحیہ تحریروں میں مزاح سے زیادہ طنز کی کارفرمائی ہے، کہیں کہیں طنز کی کاٹ اپنی حدوں کو پار کر جاتی ہے اور کہیں سادہ اور راست بیانی ہو جاتی ہے۔ نیز دستیاب افسانوں سے ان کی طرز تحریر کی خصوصیات دریافت کرنا اور حکم لگانا "برف کی تہہ میں شرر کی جستجو" کے مصداق ہے۔ ممکن ہے مزید تخلیقات کی دستیابی کے بعد کوئی حتمی رائے قائم کی جا سکے۔

ص۱: یہ شمارے مرحوم عابد انصاری کے فرزند خالد عزیز کے پاس محفوظ ہیں۔ اور راقم کی نظر سے گذر چکے ہیں۔

خورشید حسن مرزا

پیدائش: ۱۱ر فروری ۱۹۲۰ء

وفات: ۱۱ر مارچ ۱۹۸۰ء

خورشید حسن مرزا کی پیدائش مالیگاؤں کی ہے۔ ابتدائی تعلیم پرائمری مدارس میں اور ثانوی تعلیم کی تکمیل اینگلو اردو ہائی اسکول سے کی۔ ۱۹۴۴ء میں بہاؤالدین کالج جونا گڑھ سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ وہ مالیگاؤں کے چند اولین گریجویٹس میں سے تھے۔ ۱۹۵۳ء میں بی ٹی کی ڈگری حاصل کی۔ آزادیٔ ہند کے بعد انہوں نے خود کو کلی طور پر تعلیم و تدریس کے لئے وقف کر دیا تھا۔ شروع میں اینگلو اردو ہائی اسکول میونسپلٹی کے زیر انتظام تھا۔ ۱۹۵۴ء میں اس کا انتظام موجودہ انجمن ترقی تعلیم کے حوالے کیا گیا۔ اسی وقت سے اسکول کا نام بدل کر اے ٹی ٹی ہائی اسکول کر دیا گیا۔ اور خورشید حسن مرزا کو اس کا صدر مدرس مقرر کیا گیا۔ اس عہدے پر رہتے ہوئے وہ ۱۹۷۸ء میں سبکدوش ہوئے اس کے دو سال کے بعد انتقال فرمایا۔

خورشید حسن مرزا نہ صرف ایک اچھے مدرس اور منتظم تھے بلکہ ان کے اندر نثر نگاری کی عمدہ صلاحیت بھی تھی۔ خورشید مرزا میں شہر کے افراد ملت کو ترقی کرتا دیکھنے کی زبردست خواہش تھی۔ نیز سب سے قدیم اور بڑے ہائی اسکول کا منتظم اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے انہیں مسلم طلبہ و طالبات کی تعلیمی ترقی میں بھی دلچسپی تھی۔ ملت اسلام میں حوصلہ و ہمت اور بچوں میں تعلیم کا شوق پیدا کرنے کے لئے انہوں نے تاریخ کا سہارا لیا۔ اسلامی تاریخ کا انکا مطالعہ نہایت وسیع تھا۔ اس لئے سبق آموز تاریخی مضامین کے ذریعے انہوں نے مسلمانوں کی اصلاح اور ان میں بیداری پیدا کرنے کی قابل قدر کوشش شروع کی۔ ان کی تخلیقی سرگرمیوں کا آغاز ۱۹۵۰ء سے ہوا۔ راقم الحروف کو ان کے جو چند مضامین دریافت ہوئے ہیں۔ ان کے عنوانات سے ہی درج بالا دعوے کی دلیل مہیا ہو جاتی ہے۔ وہ یہ ہیں ممالک اسلامیہ میں بیداری کے آثار، قرامطہ کے عروج و زوال کا ایک باب، مختلف دور میں ہندکی سیاسی حالت اور ہندوستان میں مسلمان وغیرہ...... ۱

۱ ماہنامہ الکلام ممبئی اگست ۱۹۵۲ء تا مئی ۱۹۵۳ء کے شمارے۔

تاریخ مالیگاؤں کے تعلق سے ان کا مضمون مقامی ہفتہ وار میں دو قسطوں میں شائع ہوا ص۱۔ ہفتہ وار السبیل (مالیگاؤں) میں ان کا مضمون ''اسلام یا تصوف'' کئی ہفتوں تک شائع ہوتا رہا ص۲۔

مسلک اہل حدیث کے داعی اور جمعیۃ اہل حدیث کے نقیب پندرہ روزہ ترجمان (دہلی) میں ان کے کئی علمی مضامین شائع ہوئے۔ جن میں سے ''باطنی علم کیا ہے؟'' اور ''زندگی اور عمل'' دونوں مضامین دو دو قسطوں میں شائع ہوئے۔ اسی زمانے میں پندرہ روزہ اہل حدیث (دہلی) کے ادارۂ تحریر میں ان کا نام بھی شامل نظر آتا ہے۔ انتقال سے ٹھیک دو مہینے قبل ''عوامی آواز'' میں ان کا آخری مضمون ''اسلام کا نعرہ اللہ اکبر'' شائع ہوا تھا ص۳۔ ان مضامین کے قاری کو بآسانی یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ مرحوم خورشید حسن مرزا کو مسلمانوں کی اصلاح ظاہری و باطنی سے کتنی دلچسپی تھی۔ مندرجہ بالا مضامین کے علاوہ ان کے مزید مضامین دستیاب نہ ہو سکے۔ ۱۱ر مارچ ۱۹۸۰ء کو حرکت و عمل کا پیکر اور علم و ادب کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

ص۱: ہفت روزہ عوامی آواز، مالیگاؤں، ۷ اور ۱۴ نومبر ۱۹۷۵ء۔

ص۲: ہفت روزہ السبیل، مالیگاؤں، فروری ۱۹۷۶ء کے شمارے۔

ص۳: ہفت روزہ عوامی آواز، مالیگاؤں، ۱۰ جنوری ۱۹۸۰ء۔

نشاط شاہدوی

پیدائش: ۱۵؍جولائی ۱۹۲۰ء

وفات: ۱۵؍ستمبر ۱۹۴۸ء

نشاط شاہدوی مالیگاؤں کے سب سے قد آور ترقی پسند شاعر تھے۔ شعر و ادب کی کوئی تاریخ اس "بدنصیب" شاعر کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی۔ نشاطؔ نے بہت کم عمر پائی لیکن انہوں نے نظم و نثر کا جو سرمایہ چھوڑا ہے وہ بیشتر طویل عمر پانے والوں سے بھی ممکن نہ ہوسکا۔

ان کا پورا نام امیر اللہ ابن لکھو ہے۔ خاندیش کے ایک مقام شہادہ میں پیدا ہوئے۔ غربت اور افلاس کے سایے میں پرورش پائی۔ انگریزی پانچویں جماعت تک اپنے وطن میں ہی تعلیم پائی۔ اس کے بعد ۱۹۴۱ء میں مالیگاؤں چلے آئے۔ اینگلو اردو ہائی اسکول سے ۱۹۴۳ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ حالات کی ناسازگاری کی بنا پر مزید تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔ فکرِ معاش نے آدبوچا۔ کچھ روز رتناگری کے کمن زاروں میں بھٹکتے رہے۔ پھر ممبئی میں ملازمت اختیار کرلی۔ موقع ملنے پر شہادہ کچہری میں کلرک ہوگئے۔ لیکن استعفیٰ دے کر اینگلو اردو ہائی اسکول مالیگاؤں میں ملازمت اختیار کرلی۔ اس اسکول میں ان کے ہم نفسوں میں حسین انور، بیرسٹر عبدالمجید سالک انصاری، محمد حسن دانش، اور عبدالرحمٰن میاں محمد سردار، جیسی شخصیتیں شامل تھیں۔ سال بھر کے بعد وہ آرٹ کی تعلیم حاصل کرنے ممبئی پہنچے۔ یہاں کی گوناگوں سرگرمیوں اور شخصیتوں نے ان کی تخلیقی قوتوں کیلئے مہمیز کا کام کیا۔ وہ مالیگاؤں واپس آئے۔ یہاں ان کی صحت میں بگاڑ پیدا ہوتا گیا۔ اور آخر کار نہایت کم عمری میں یہ فنکار، شاعر اور آرٹسٹ موت کے اندھیرے میں گم ہوگیا۔

خوش درخشید ولے شعلۂ مستعجل شد

نشاطؔ ابتداء ہی سے ترقی پسند تحریک سے وابستہ تھے۔ ان کی شاعری مزدوروں، کسانوں اور کچلے ہوئے عوام کے لئے انقلاب کا ایک پیغام ہے۔ اصلاح سخن مرحوم وقارؔ حیدری سے لی۔ کیفی اعظمی نے ان کی ناگہانی موت پر لکھا:

''نشاطؔ نے خود بہت کم عمر پائی تو ان کی شاعری تجربات، مشاہدات، شعور اور فن کی وہ منزلیں کیسے طے کرتی جس کے لئے ایک طویل عمر چاہئے۔ لیکن اس نے اپنی مختصر سی عمر میں جو کچھ کہا وہ صوری اور معنوی دونوں اعتبار سے قابل توجہ ہے۔'' ص۱

ساحرؔ لدھیانوی نے نشاطؔ کے مجموعہ کلام کا جو ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا، دیباچہ لکھا ہے۔ اس میں انہوں نے اعتراف کیا ہے کہ:

''نشاطؔ کی نظموں اور غزلوں کو پڑھ کر مجھے یقین سا ہوگیا کہ اردو شاعری کو عنقریب ایک ایسا فن کار ملنے والا ہے جس کا کلام جمالیت اور مقصدیت کا ایک خوشگوار امتزاج لئے ہوئے ہوگا۔ ایسا امتزاج جو رنگین بھی ہوگا اور سنگین بھی'' ص۲

غرض بحثیت شاعر نشاطؔ شاہدوی کے فن کا معترف ایک زمانہ ہے لیکن بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ وہ ایک نثر نگار بھی تھے۔ نشاطؔ نے خود لکھا ہے کہ ان کی نثر قبلہ آصف علی صدیقی بی اے بی ٹی (علیگ) کی مرہون منت ہے ص۳۔ آصف علی صدیقی ان کے استاد تھے۔

نشاطؔ نے ترقی پسند ادب کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ ممبئی میں قیام کے دوران انہیں ترقی پسند ادب اور ادیبوں کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا۔ وہ اس تحریک کے زبردست حمایتی ہی نہیں مبلغ بھی بن گئے۔ ان کا ایک وقیع مضمون ''جدید ادب اور معترضین'' کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ جس میں ترقی پسند ادب پر اعتراضات کا مکمل اور مدلل جواب دیا گیا تھا ص۴۔

نشاطؔ ترقی پسند مصنفین کے جلسوں میں نہ صرف شرکت کرتے تھے بلکہ بحث و مباحثہ میں بھی حصہ لیتے تھے۔ بقول ساحرؔ لدھیانوی ''نشاطؔ دھیمے لہجے میں گفتگو کرتے تھے۔'' ۱۲ر دسمبر ۱۹۴۹ء کے اجلاس میں سجاد ظہیر، سردار جعفری، رضیہ سجاد ظہیر، کیفی اعظمی، ساحرؔ لدھیانوی، مجروحؔ سلطانپوری، عادل رشید اور رفعت سروش،

ص۱: کیفی اعظمی، حرف در چشم زدن، امر بیل، نشاط شاھدوی، مالیگاؤں، ۱۹۵۲ء۔

ص۲: ساحرؔ لدھیانوی، میرا ھمدم میرا دوست، امر بیل، نشاطؔ شاھدوی، مالیگاؤں ۱۹۵۲ء۔

ص۳: زخم و مرھم، مرتبہ الحاج غلام رسول، مالیگاؤں، ۱۹۷۷ء، ص ۱۰۳۔

ص۴: ھفتہ وار نظام، بمبئی، جلد ۹، شمارہ ۱۴، ۲۱ر اکتوبر ۱۹۴۵ء،

وغیرہ کے ساتھ نشآط شاہدوی بھی موجود تھے صـــ۱ ۔انہوں نے نظم'' رشوت'' سنائی۔جنوری ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کی تمام زبانوں کے تین سو سے زائد ادیبوں اور شاعروں کی کانفرنس دیودھرا اسکول آف میوزک میں منعقد ہوئی تھی۔اس میں ملک راج آنند،سردار جعفری،سجاد ظہیر،اور نشآط شاہدوی بھی شامل تھے صـــ۲۔

یہیں سے گویا نہ صرف ان کی نظموں کی لے تیز ہوئی بلکہ افسانہ نگاری کی شمع بھی روشن ہوئی۔نشآط نے تنقید کم لکھی ہے۔لیکن انجمن ترقی پسند مصنفین کی نشستوں میں نشآط کی اٹھائی ہوئی بحثیں آج بھی مختلف رسالوں میں روداد کی شکل میں موجود ہیں۔نشآط کے تحریر کردہ افسانے کسی رسالے میں دستیاب نہیں ہوئے۔یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ وہ شائع ہوئے تھے یا نہیں۔چند افسانے مدیر بیباک ہارون بی اے صاحب نے عنایت کئے ہیں جو انہیں ایک مدت سے سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ان میں اوردھج چڑھتا رہا۔کس کی عید؟ اور ایک ہی راستہ شامل ہیں۔بھیونڈی کے محمد حنیف قبلہ نے ایک افسانہ'' ڈھلتے سائے'' کی فوٹو کاپی عنایت کی ہے۔۱۹۵۲ء میں شائع شدہ نشآط کے مجموعۂ کلام امر بیل کے آخر میں ان کے افسانوں کے مجموعہ'' اوردھج چڑھتا رہا'' کا اعلان بھی شائع ہوا ہے صـــ۳۔

نشآط نے اپنے افسانوں کے موضوعات اپنے آس پاس سے اخذ کئے ہیں۔'' اوردھج چڑھتا رہا'' میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ ایک سچا واقعہ ہے۔جو شہادہ کے قریبی گاؤں'' پرکاسہ'' میں ظہور پذیر ہوا تھا۔نظموں کی طرح افسانوں میں بھی نشآط کا قلم آگ اگلتا ہے۔مجبوروں کی حمایت،غریبوں کی دلجوئی،استحصال اور وہ تمام عناصر ان میں موجود ہیں جو ایک روایتی ترقی پسند افسانے کا خاصہ رہی ہیں۔ہمارے پیش نظر ان کے چند افسانے ہیں لیکن یہ افسانے بھی اپنے عصر کے لحاظ سے قدر و قیمت میں کسی صورت کم نہیں۔نشآط کاروبار زندگی سے'' شتابی سے فارغ'' نہ ہو گئے ہوتے تو ترقی پسند تحریک کو ایک عظیم شاعر اور افسانہ نگار اور مل گیا ہوتا اور ادب کی تاریخ میں نشآط کا ذکر بھی احترام و اہتمام سے کیا جاتا۔

مشہور شاعر کلیم شاہدوی،نشآط کے بھتیجے ہیں اور سیاسی رہنما کامریڈ عبدالمجید ماہران کے بھانجے ہیں۔کلیم صاحب کا انتقال ہو چکا ہے۔

صـ۱:ھفتہ وار نظام ممبئی،۲۷،جنوری ۱۹۴۷ء،ص ۶

صـ۲:ھفتہ وار نظام ممبئی،۱۰،فروری ۱۹۴۷ء،ص ۶

صـ۳:معلوم ہوا ھے کہ ان کے کئی افسانے بھیونڈی میں محمد خلیل خوشحال کے گھرانے میں یا محمد حنیف قبلہ کے پاس موجود ھیں۔یہ دیکھ کر افسوس ھوتا ھے کہ اردو ادب کی امانت کو ذاتی ملکیت سمجھ لیا گیا ھے۔یہ ذمہ داری بھیونڈی کے اہلِ علم وادب کی ھے کہ وہ اس قیمتی سرمایے کو حاصل کرکے منظر عام پر لائیں۔

حفیظ مالیگانوی

پیدائش: ۱۹۲۰ء

وفات: ۱۱/اگست ۱۹۸۲ء

نام محمد حنیف ابن عبدالکریم اور تخلص حفیظ ہے۔ مدرسہ بیت العلوم سے عربی فارسی کی تعلیم حاصل کی لیکن معاشی مجبوریوں کے سبب تعلیم مکمل نہ کر سکے۔ صنعت پارچہ بافی سے وابستہ ہوئے۔ مندی کی بناء پر لوم کرایے پر اٹھا دیے۔ حفیظ صاحب نے تعلیم کی کمی کو مطالعے سے پورا کیا۔ انہوں نے بیت العلوم کے علمی ماحول کا گہرا اثر قبول کیا۔ طالب علمی کے زمانے سے ہی شعر کہنے لگے تھے۔ ابتدا میں حضرت مسلم مالیگانوی سے اصلاح سخن لی۔ بعد میں علامہ محوی صدیقی کے دامن فیض سے وابستہ ہوئے۔ ان کے قطعات کا ایک مجموعہ ''قوس قزح'' کے نام سے نومبر ۱۹۶۲ء میں مالیگاؤں سے شائع ہوا۔ اور شعری مجموعہ ''آبگینہ'' فروری ۱۹۷۰ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ ''آئینہ'' نام کا ایک اور شعری مجموعہ قلمی نسخے کی شکل میں ہے۔ جس میں ۱۲۸/صفحات ہیں اور اس میں صرف غزلیں ہیں۔ یہ طبع نہ ہو سکا۔

حفیظ صاحب صحافت سے وابستہ ہو گئے تھے۔ ہفت روزہ شورش اور انوار مطلع ان کے رشحات قلم سے زینت پاتے تھے۔ کچھ دنوں تک ہفت روزہ زبان خلق (یہ کچھ عرصہ روزنامہ بھی رہا) کے ایڈیٹر رہے۔ نومبر ۱۹۷۰ء میں اپنا ذاتی اخبار انصار ویکلی جاری کیا اور کئی وقیع اور گراں قدر نمبر نکالے۔ لیکن یہ دو برس جاری رہ کر مالی پریشانیوں کے سبب بند ہو گیا۔

حفیظ صاحب شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ نثر نگار بھی تھے۔ ترقی پسند تحریک سے وابستہ تھے۔ اگرچہ تحریک کو شروع ہوئے ابھی زیادہ دن نہیں گذرے تھے لیکن اپنی افتاد طبع اور گھریلو اور ذاتی حالات کے تحت انہوں نے اس کے اثرات بہت جلد قبول کر لئے جس کا اظہار ان کی شاعری اور نثر دونوں سے ہوتا ہے۔

انکی نثر نگاری افسانہ نگاری تک محدود رہی۔ تنقیدی اور سوانحی مضامین اکا دکا ہی لکھے

ہیں۔ ان کی سب سے پہلی شائع شدہ تخلیق ''اس نے طلاق دے دی'' کے عنوان سے ایک افسانہ ہے جو نرالی دنیالاہور میں اشاعت پذیر ہوا۔ صے۱۔ اس رسالے میں ان کے کئی افسانے ۱۹۴۵ء میں اشاعت پذیر ہوئے۔ راقم کو جو افسانے دستیاب ہو سکے ہیں وہ ظالم مرد، شادی اور دھند لکے ہیں۔ صے۲ مزید برآں عالمگیر میں ادھورے خواب صے۳، رسالہ ''طوفان'' میں کیا اسی کا نام محبت ہے؟ صے۴ اور ہفتہ وار نظام میں بھوک اور مولوی کے نام سے افسانے شائع ہوئے صے۵ ''حضرت حشر القادری بدایونی کی حیات پر ایک نظر'' کے عنوان سے صرف ایک مضمون دستیاب ہوا ہے۔ صے۶

ان کے افسانوں کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے روایتی قسم کے ترقی پسند افسانے تخلیق کئے مثلاً ''بھوک'' ایک سرمایہ دار تاجر امیر چند کی داستان ہے جو ہوس ناک بھی ہے۔ اس کا ملازم چندوا سے لڑکیاں سپلائی کرتا ہے لیکن ذہنی انقلاب ہونے کے بعد ایک دن چندو گودام میں بھرے چاول کو نکال کر غریبوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ اسی طرح ''مولوی'' ایک مولوی کے گناہ، نظر بازی اور سیاہ کاریوں کی داستان ہے۔

شواہد بتاتے ہیں کہ انہوں نے ۱۹۵۰ء تک بڑی تعداد میں افسانے لکھے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ انہوں نے ''دھڑکنیں'' کے عنوان سے ایک ناول بھی شائع کروایا۔ لیکن ان کا سب سے اہم کام ''نقوش'' کی تالیف ہے۔ ان کے نثری مجموعوں اور کتابوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) چنگاریاں:

۲۵/افسانوں کا ایک ضخیم مجموعہ ہے۔ اس کی طباعت کا اعلان رسالہ طوفان دھولیہ کی فروری ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں موجود ہے۔ ۴۶۴/صفحات پر مشتمل یہ مجموعہ یکم جنوری ۱۹۴۶ء کو ترتیب دیا گیا۔ اور طباعت کے لئے انوار احمدی پریس الہ آباد میں روانہ کیا گیا۔ لیکن چھپ نہ سکا۔ جولائی ۱۹۶۳ء میں انوار احمدی پریس کے مالک سید عبدالحی جعفری نے یہ مسودہ لوٹا دیا۔ یہ فی الحال قلمی شکل میں حفیظ صاحب کے فرزند ماسٹر اقبال احمد حفیظی کے پاس محفوظ ہے۔

صے۱: نرالی دنیا، لاہور، نومبر ۱۹۴۴ء، ص ۳۳

صے۲: نرالی دنیا، لاہور، جنوری، اگست ۱۹۴۵ء، ص ۱۰ و ۳۹ صے۳: عالمگیر، لاہور، مئی ۱۹۴۸ء، ص ۵

صے۴: رسالہ طوفان، دھولیہ، اپریل مئی ۱۹۴۸ء، ص ۴۷

صے۵: ہفتہ وار نظام، ممبئی، ۴/نومبر ۱۹۴۵ء، ۶/جنوری ۱۹۴۶ء

صے۶: نرالی دنیا، لاہور، جنوری ۱۹۴۵ء

(۲) دھڑکنیں:

یہ مالیگاؤں کا اولین ناول ہے۔ چھوٹی سائز کے ۷۶ رصفحات پر مشتمل ہے۔ مطبع انوار احمدی، الہ آباد سے شائع ہوا۔

(۳) نقوش:

یہ شعرائے مالیگاؤں کا تذکرہ ہے۔ اسے انہوں نے جلد اول کا نام دیا ہے۔ جو ۱۹۷۹ء میں مالیگاؤں سے اشاعت پذیر ہوا۔ صفحات ۱۶۰ ر ہیں۔ اس کی باقی تین جلدیں قلمی نسخے کی شکل میں موجود ہیں اور طباعت کی منتظر۔

کہنے کو تو اسے تذکرہ کا نام دیا گیا ہے لیکن یہ محض تذکرہ نہیں ہے بلکہ اس میں شہر کی تاریخ، صنعت، یادگاریں، آبادی، درس گاہیں، مساجد، رسوم و رواج، غرض بہت سی چیزوں کا بیان شامل ہے۔ اس لحاظ سے کتاب شعراء کے تذکرے کے ساتھ ساتھ شہر کی ادبی اور تہذیبی تاریخ کا مرقع بھی ہے۔ حفیظ مالیگانوی کوچۂ تحقیق کے راہی نہیں تھے۔ پھر بھی انہوں نے اس اہم کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر شہر پر ایک احسان کیا ہے۔ ڈاکٹر اشفاق انجم کے قول کے مطابق ''نقوش کے پہلے حصے میں بے شمار غلطیاں ہیں'' ص۱ ان غلطیوں کی نشاندہی پروفیسر عبدالحفیظ انصاری صاحب، سابق پرنسپل سٹی کالج، مالیگاؤں نے بھی فرمائی ہے ص۲۔

ان دو اہلِ علم حضرت کی تنقید و تبصرہ کے باوجود حفیظ صاحب کی محنتوں اور عرق ریزیوں کی داد نہ دینا ناانصافی ہوگی۔ حفیظ صاحب راہِ تحقیق کی اونچ نیچ سے واقف نہ تھے۔ پھر بھی انہوں نے سینکڑوں لوگوں سے ملاقاتیں کیں۔ بیمار ہونے کے باوجود دوڑ دھوپ کر کے معلومات جمع کی اور اس طرح مالیگاؤں کی قدیم تاریخ و رسومات کا ایک آئینہ اور متقدمین اور متوسطین شعراء کا ایک جامع تذکرہ تیار کر دیا۔

بہرحال باقی جلدوں کی طباعت سے قبل اگر نظرِ ثانی کر لی جائے تو بہتر ہوگا اور اس تذکرہ کی اہمیت اور افادیت دوچند ہو جائے گی۔ یہ تحقیق ہے اور اس میں مواد کی صحت کی اہمیت سب سے مقدم ہوتی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آنے والا طویل زمانہ ٹیڑھی رکھی گئی ''خشت اول'' کی بنیاد پر ''تا ثریا دیوار کج'' تعمیر کرتا رہے۔

ص۱ شعرائے مالیگاؤں، ڈاکٹر اشفاق انجم، ص ۲۸۴

ص۲ سہ ماہی جواز نمبر ۱۲، مالیگاؤں، اپریل ۱۹۸۰ء، ص ۹۸

حفیظ صاحب نقوش کی دیگر جلدوں کی طباعت کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ انھیں کینسر جیسے موذی مرض نے گرفت میں لے لیا۔ اور تقریباً سال بھر صاحب فراش رہنے کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔

پس ماندگان میں تین بیٹے اقبال احمد، نہال احمد اور سلطان احمد ہیں۔ اور تینوں ٹیچر ہیں۔ ایک بیٹی بھی بقید حیات ہے۔

نمونۂ نثر:

.... بہت سارے موسموں، رنگوں اور سرد و گرم ہواؤں سے ہوتی ہوئی حضرت خلیل کی شاعری اس مقام تک پہنچ گئی جہاں مروجہ شاعری کے اسالیب دم بخود نظر آتے تھے۔ وہ ابتذال و رکاکت جو اس دور کے شعراء کا محبوب موضوعِ سخن تھے اس کی رمق تک آپ کے کلام میں نہیں ملتی۔ بیان میں سادگی کے ساتھ بڑی صفائی البتہ ملتی ہے، جان پڑتا ہے کہ خلیل صاحب پیش پا افتادہ مضامین سے نہ صرف منہ پھیر لیتے ہیں بلکہ اس سے سخت نفرت بھی کرتے ہیں۔ اب تک ان کی جتنی غزلیں نظر سے گذر چکی ہیں سب بازاری رنگ و روغن سے پاک ہیں۔ ان سب میں ان کی ذات کا پرتو جھلکتا ہے۔ اشعار میں ایک ٹھہراؤ ہے، بے چینی نہیں۔ کسک ہیں، شورش نہیں۔ ساتھ ہی متانت و سنجیدگی کا ایسا پہلو بھی ہے جس نے غمِ ذات و کائنات کو گوارا بنا دیا ہے۔............(محمد ابراھیم خلیل، نقوش)

امین تابشؔ

پیدائش: ۲۱؍اپریل ۱۹۲۱ء

وفات: ۲۴؍نومبر ۱۹۹۴ء

محمد امین ابن حافظ محمد اسحٰق نام، تابشؔ تخلص ہے۔ مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد خلافتی ہنگامے اور داروگیر کی آفتوں سے گھبرا کر ۱۹۲۴ء میں ممبئی چلے گئے۔ اور وہیں توطن اختیار کیا۔ امین تابشؔ بھی ماں کی گود میں ممبئی پہنچے۔ تعلیم وہیں حاصل کی اور میونسپل کارپوریشن میں ملازم ہوگئے۔ ۱۹۷۹ء میں سبکدوش ہوکر مستقل طور پر مالیگاؤں میں ہی رہنے لگے۔ مالیگاؤں اور ممبئی دونوں مقامات کے لوگ انہیں اپنا سمجھتے ہیں۔ اور دونوں جگہوں کے تذکروں میں ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

امین تابشؔ بیک وقت شاعر بھی تھے، مضمون نگار بھی اور افسانہ نگار بھی۔ شاعری میں کئی اصناف سخن میں طبع آزمائی کی۔ غزلیں، نظمیں، قطعات اور رباعیات کے علاوہ نثر میں تنقیدی اور تقریظی مضامین شائع ہوتے رہے۔ تراجم اور ریڈیائی مضامین اور کتابوں پر تبصرے بھی آپ کا تخلیقی سرمایہ ہیں۔ [1]

ان کا مجموعہ کلام ''نقطے اور لکیریں'' ۱۹۷۷ء میں مالیگاؤں سے شائع ہوا۔ دوسرا مجموعہ بھی ترتیب دے چکے تھے اور اشاعت کی تیاریوں میں مصروف تھے لیکن فرشتۂ اجل نے مہلت نہ دی۔ امین تابشؔ کی نثر نگاری کا سورج آفتاب آزادی سے قبل طلوع ہوا۔ ان کا افسانہ ''منصوبے'' جون ۱۹۴۷ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ [2] دوسرا افسانہ ''تھپیڑے'' اس کے چند مہینوں کے بعد شائع ہوا۔ [3]

ان سے قبل کی کوئی نثری تخلیق دستیاب نہ ہوسکی۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان کے مضامین نہایت تسلسل کے ساتھ ممبئی کے اور مقامی اخبارات و رسائل میں شائع ہوتے تھے۔ تنقید و تبصرہ پر

---

[1] ڈاکٹر مومن محی الدین، مومن انصاری برادی کی تہذیبی تاریخ، ۱۹۹۴، ص ۹۵۸

[2] ماہنامہ شاعر، سبمئی، جلد ۱۸، شمارہ ۶، جون ۱۹۴۷، ص ۳۹

[3] ....ایضاً، جلد ۱۸، شمارہ ۱۲،۱۱، ستمبر؍اکتوبر ۱۹۴۷، ص ۴۲

انہیں مہارت حاصل تھی۔ ''شاعر رباعیات، سہیل مالیگانوی، مہاراشٹر کا ایک منفرد رباعی گو شاعر'' کے عنوان سے ایک قابلِ قدر مضمون ۱۹۷۶ء میں شائع ہوا۔ ص۱

امین تابش کے مطالعے اور مشاہدے نے انہیں عصری شعور عطا کیا تھا۔ ان کے مضامین سے ان کی تنقیدی بصیرت اور صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ شاعری میں انہوں نے جدید رجحانات کو اپنانے کی کوشش کی۔ اخیر عمر میں وہ کینسر کا شکار ہو گئے اور اسی عارضہ میں انتقال ہوا۔

ص۱: قومی راج، ممبئی، جلد نمبر ۳، شمارہ ۶/۵، مارچ ۱۹۷۶ء، ص ۴۶

حسین انور

پیدائش: ۱۵؍جون ۱۹۲۵ء

مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔ انکے والد پرائمری اسکول میں صدر مدرس تھے۔ حسین انور نے پونہ سے انٹرایگری کلچر اور بعد میں جونا گڑھ کاٹھیاواڑ سے انٹر سائنس کیا۔ ۱۹۴۷ء میں اینگلو اردو ہائی اسکول میں ملازمت اختیار کی۔ اتفاق سے ۱۹۵۲ء میں اسٹاف سے کچھ لوگوں کو ملازمت سے ان ٹرینڈ ہونے کی بناء پر خارج کردیا گیا۔ ان میں محمد حسن دانش، ایم اے سبحانی، قاری محمد حسن حافظ (ڈاکٹر خلیل احمد انصاری کے والد)، کے ساتھ ساتھ حسین انور بھی شامل تھے۔ ۱۹۵۶ء میں مالیگاؤں ہائی اسکول میں ملازمت اختیار کی۔ ایک سال صدر مدرس رہے اس کے بعد ۱۹۸۳ء میں سبکدوش ہونے تک معاون مدرس کی ذمہ داری نبھاتے رہے۔ اینگلو اردو ہائی اسکول میں ان کے ساتھ لکھنے والوں کی ایک اچھی ٹیم تھی۔ ان میں اسحٰق ایوبی اور بیرسٹر عبدالمجید سالک انصاری وغیرہ تھے۔ حسین انور کو لکھنے کا شوق اسکول کے زمانے میں ہوا۔ ناگپور اور کامٹی کے بعض اخبارات و رسائل میں (جن کے نام ان کے ذہن سے محو ہو گئے ہیں) ان کے افسانے اور نظمیں شائع ہوتی تھیں۔ ان کی ادارت میں ہائی اسکول سے ''رہبر'' نام کا قلمی رسالہ نکلتا تھا۔ جس کے چار پانچ شمارے شائع ہوئے۔ ۴۳-۱۹۴۲ء کا ایک رسالہ راقم کو دستیاب ہوسکا ہے۔ جس میں ان کی کئی تخلیقات شامل ہیں۔ ''سنگ راہ، پتھر یا دیوتا'' انشاپردازی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ ''میرے بعد'' ادب لطیف کا ایک فن پارہ ہے، ''لنگڑے'' کے عنوان سے ایک افسانہ مجبوروں کی حمایت میں ایک دردمند دل کی پکار ہے۔ [۱]

حسین انور اور عائشہ حکیم دونوں مالیگاؤں ہائی اسکول کی بقا اور ترقی میں شانہ بشانہ رہے، اسلئے عائشہ حکیم کی طرح ان کی تخلیقی سرگرمیاں بھی منقطع ہو گئیں جو دوبارہ کبھی جاری نہ ہو سکیں۔ بہر حال ان کے فیضان نظر نے کئی شعراء و ادباء پیدا کیے جن کا آج شہر میں طوطی بول رہا ہے۔

فی الحال موصوف ضعیف العمری اور بیماری کے سبب گھر تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔

---

[۱]: حسین انور، قلمی رسالہ رہبر، مالیگاؤں، ۴۳؍۱۹۴۲ء

عائشہ حکیم

پیدائش: ۱۳؍جنوری ۱۹۲۶ء

وفات: ۲۲؍جون ۱۹۸۵ء

عائشہ حکیم کو اس شہر میں کئی زاویوں سے اولیت کا شرف حاصل ہے۔ وہ شہر کی پہلی خاتون گریجویٹ تھیں۔ پہلی خاتون ایم ایل اے ہوئیں، پہلی خاتون نثر نگار تھیں، اور شہر کی پہلی مسلم خاتون تھیں جنہوں نے حصول تعلیم کے لیے شہر سے باہر قدم نکالا۔

حکیم محمد اسماعیل جو بدر کے باڑے میں رہتے تھے بڑے نامور طبیب تھے اور بڑے حکیم کے نام سے جانے جاتے تھے۔ ان کے صاحبزادے حکیم محمد حسن بھی جو پیروں سے معذور تھے کامیاب حکیم ثابت ہوئے۔ ان کے فرزند چراغ حسن حکیم بھی خاندانی روایت پر عمل کرتے ہوئے مطب چلاتے رہے۔ عائشہ حکیم انہیں کی صاحبزادی ہیں لیکن انہوں نے جسمانی بیماریوں کے علاج کی بجائے ذہنی اور سماجی امراض کے علاج کی ذمہ داری سنبھالی، پہلے صحافت کے ذریعے پھر مدرسی کے توسط سے، اس کے بعد سیاست کی مدد سے۔ ہر میدان میں انہوں نے انتہائی محنت، خلوص اور دیانت داری کا ثبوت دیا۔

عائشہ حکیم نے اینگلو اردو ہائی اسکول، مالیگاؤں سے میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد اسماعیل یوسف کالج، ممبئی میں داخلہ لیا۔ جہاں سے ۱۹۴۹ء میں اردو فارسی سے بی اے کیا اور اول درجہ حاصل کیا۔ وہیں سے ۱۹۵۱ء میں ایم اے کیا۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ مالیگاؤں واپس آگئیں اور ۱۹۵۲ء میں اپنی مادرِ علمی اینگلو اردو ہائی اسکول میں درس وتدریس سے وابستہ ہوئیں اور اس اسکول کی پہلی معلمہ ہونے کا اعزاز پایا۔ پانچ سال سروس کرنے کے بعد ۵۸۔۱۹۵۷ء میں بی ایڈ کی ٹریننگ حاصل کی اور ۹؍جون ۱۹۵۸ء کو مالیگاؤں ہائی اسکول میں ہیڈ مسٹریس مقرر ہوئیں۔ اس وقت اسکول نہایت بے سروسامانی کی حالت میں تھا۔ ہارون بی اے اور محمد حسین انور نے اگرچہ اس سے قبل ایک ایک سال تک صدر مدرس کے فرائض انجام دیئے لیکن اسکول کو

تیز رفتار ترقی کی طرف گامزن نہ کر سکے۔ عائشہ حکیم کی کوششوں نے اس اسکول کو زمین سے آسمان پر پہنچا دیا۔

۱۹۷۲ء میں تقدیر انہیں میدان سیاست میں کھینچ لے گئی۔ مہاراشٹر اسمبلی کے الیکشن میں انہیں شہر کے سب سے طاقت ور سیاست داں نہال احمد مولوی محمد عثمان کے مقابلے میں شاندار فتح نصیب ہوئی۔ عائشہ حکیم کے پانچ سالہ دور میں شہر کے لئے بہت سے ترقیاتی پلان منظور ہوئے۔ مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکیڈمی کی بنیادی رکن بنیں۔ اور دوبارہ بھی نامزدگی عمل میں آئی۔ لڑکیوں کی تعلیم کے فروغ میں ان کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مہاراشٹر اسمبلی کی رکنیت کے دوران انہوں نے بیڑ کے ایم ایل اے اقبال حسین سے شادی کی اور سسرال چلی گئیں۔ اتفاقاً ان کے گھر پر ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا۔ عائشہ حکیم ان ڈاکوؤں سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئیں۔

ممبئی میں دوران تعلیم انہوں نے ادبی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیا۔ خود اسماعیل یوسف کالج کا ماحول بڑا سازگار تھا۔ کالج کے ادبی رسالے Palm میں ان کے کئی مضامین اور افسانے شائع ہوئے۔ ممبئی میں انجمن ترقی پسند مصنفین کے جلسوں میں شریک ہوتیں اور اپنی تخلیقات پیش کرتیں۔ ان جلسوں میں ان کی ملاقات نامور ترقی پسند ادبا و شعراء سے ہوتی رہی۔ ان میں سعادت حسن منٹو، عصمت چغتائی، کیفی اعظمی اور سردار جعفری وغیرہ شامل ہیں۔ ان ادبی نشستوں میں شرکت سے نہ صرف ان کے ادبی ذوق کی تسکین ہوتی رہی بلکہ تحریروں میں بھی نکھار آتا گیا۔ مختصر سا عرصہ انہوں نے میدان صحافت میں بھی گذارا۔ کالج کی تعلیم کے دوران ہی ''سنگیت'' نام کا ماہنامہ جاری کیا جو فلموں پر تنقید کیا کرتا تھا۔ مسعود احمد صدیقی اس کے مدیر ہوا کرتے تھے۔ ان کے ملک سے باہر چلے جانے کے بعد پوری ذمہ داری عائشہ حکیم پر آ پڑی۔ انہوں نے دو تین شمارے اور نکالے اور مالی دشواریوں کی بنا پر رسالہ بند کر دیا۔

اینگلو اردو ہائی اسکول کی ملازمت کے دوران بھی ان کی تخلیقی سرگرمیاں جاری رہیں۔ اس زمانے میں ان کے افسانے بیسویں صدی اور شاہراہ (دہلی) میں اشاعت پذیر ہوئے۔ ان کی چھوٹی بہن ڈاکٹر شکیلہ سید نے راقم الحروف کو عائشہ حکیم کی کئی تخلیقات عنایت کی ہیں۔ ان میں ۱۹۵۱ء میں تحریر کردہ مضمون ''حسرت موہانی بحیثیت ایک غزل گو'' کے علاوہ کڑوے گھونٹ (افسانہ) کب ہوگا سویرا کوئی اسے کاش بتا دے (مضمون) شامل ہیں۔

عائشہ حکیم کو احتراماً عائشہ آپا کہا جاتا تھا۔ مالیگاؤں ہائی اسکول میں صدر مدرسی قبول کرنے کے بعد انہیں اتنا وقت ہی نہ مل سکا کہ نثری سرگرمیوں کو جاری رکھ سکیں۔ پھر سیاست کی الجھنوں نے مزید رکاوٹیں پیدا کیں۔ لیکن انہوں نے طلبہ وطالبات میں ادبی ذوق پروان چڑھانے اور تخلیقی صلاحیت پیدا کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ یہی وجہ ہے کہ مالیگاؤں ہائی اسکول کے بے شمار طلبائے قدیم آج شہر میں شعروادب کی خدمت میں پیش پیش ہیں۔ راقم الحروف کو بھی عائشہ آپا کی شاگردی پر فخر ہے۔

سعید عقاب

پیدائش: ۲۱/اپریل ۱۹۲۷ء

وفات: ۵/جنوری ۱۹۹۹ء

پورا نام سعید احمد ابن محمد صدیق ہے۔ پہلے سعید احمد انصاری قلمی نام استعمال کیا۔ پھر سعید عقاب لکھنے لگے پیدائش دھولیہ کی ہے۔ وہیں گروڑ ہائی اسکول سے ۱۹۴۷ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۵۱ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ایک سال تک اسلامی فلسفہ پڑھا۔ انہیں کی روایت ہے کہ سید سلیمان ندوی ان کے استاد رہ چکے ہیں۔ سٹی ہائی اسکول دھولیہ سے ہندی (پروین) کا امتحان بھی پاس کیا۔ بعد ازاں پاورلوم پر بحیثیت مزدور کام کرنے لگے لیکن شعروشاعری کے شوق کی وجہ سے ملازمت میں استقلال نصیب نہ ہوا۔

زمانۂ طالب علمی ہی سے ان کی نثری سرگرمیوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ افسانہ نگاری محبوب صنف تھی۔ ان کی سب سے پہلی تخلیق ماہنامہ شاعر (ممبئی) میں شائع ہوئی۔ یہ "کھڑکی سے" نام کا ایک افسانہ ہے۔ ؎۱ دوسرا افسانہ "ڈاکٹر" دستیاب ہوا ہے۔ جو ۱۹۴۸ء میں شائع ہوا۔ ؎۲

موصوف کے دیگر افسانے قوم (دہلی)، رہنمائے تعلیم (لاہور)، چمنستان (دہلی)، فنکار (کانپور)، الحافظ (دھولیہ) اور خیابان (ممبئی) وغیرہ رسائل وجرائد میں اشاعت پذیر ہوئے۔ ۱۹۵۲ء آتے آتے انہوں نے اپنے افسانوں کا ایک مجموعہ "ٹوٹے درپن" کے نام سے ترتیب دے لیا تھا، اشاعت کے لئے اسے تاج آفس، لاہور کو بھیجا بھی گیا لیکن فسادات کی نذر ہو گیا۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے اخبارات اور چھوٹے موٹے ماہناموں میں کثرت سے مضامین اور افسانے شائع ہوتے رہے۔

موصوف نے چند تنقیدی مضامین بھی تحریر کیے ہیں۔ ان میں سے ایک

؎۱ سعید عقاب، کھڑکی سے، شاعر ممبئی، دسمبر ۱۹۴۷ء، ص ۳۳

؎۲ سعید عقاب، ڈاکٹر، آریہ ورت (دہلی مدیر کاظم علی دہلوی) ۱۹۴۸ء

''انیس و دبیر کی مرثیہ نگاری''،فلم سنسار (ممبئی) میں ۱۹۵۸ء میں شائع ہوا۔ان کے بعض افسانے مثلاً برباد آرزوئیں،شنو بھیا،اور مختلف زاویئے وغیرہ (شائع شدہ شعلہ وشبنم،دہلی) قدر کی نگاہوں سے دیکھے گئے۔

موصوف کو مزاح نگاری سے بھی دلچسپی رہی۔بڑا شگفتہ مزاح لکھتے تھے۔اپنی اس صلاحیت کا استعمال انہوں نے اپنے مزاحیہ ڈراموں میں کیا جو ہفت روزہ حشر (ممبئی) میں شائع ہوئے۔باتونی میر صاحب اور مشاعرہ بزم چہ خوش،ان میں سے دو کے عنوان ہیں۔مزاح نگاری سے دلچسپی اور مہارت و مشاقی کی وجہ سے انہوں نے'' ہمارے چچا جمن'' نام کا ایک دلچسپ کردار تخلیق کیا جو''چچا چھکن'' کی تجدید کہی جاسکتی ہے۔موصوف کی بچوں کے ادب میں دلچسپی کا ایک اور ثبوت ان کی کہانی'' پہاڑوں کا بھوت'' ہے جو ۱۹۵۳ء میں قادری بک ڈپو ممبئی سے شائع ہوئی۔

سعید عقاب ۱۹۵۲ء میں ممبئی پہنچے تھے۔ممبئی پہنچنا اس افسانہ نگار کی''معنوی مرگ'' کے مصداق ثابت ہوا۔افسانہ نگاری،انشاء پردازی اور ڈرامہ نگاری میں کمی آتی گئی اور وہ مختلف روزناموں میں کالم نویس،رپورٹر اور مضمون نگار کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔اس دور میں تحریر کردہ ان کے سیاسی اور سماجی مضامین خلافت،انقلاب،ہندوستان،جمہوریت،کہکشاں،فلمی دنیا،نرگس اور اشارہ وغیرہ کی فائلوں میں موجود ہیں۔

کچھ عرصے کے بعد مستقل طور پر مالیگاؤں آگئے اور مختلف اوقات میں مقامی ہفت روزہ اخبارات،شورش،شہریار،زبان خلق، (جو کچھ دن روزنامہ بھی رہا)،شاہین اور ہاشمی آواز میں قلم کے جوہر دکھاتے رہے۔ان تحریروں میں خبریں،رپورٹیں اور مضامین شامل ہیں۔

نظام دکن کے استاد حضرت جلیل مانکپوری،سعید عقاب کی والدہ کے سگے ماموں تھے۔گویا شاعری انہیں ورثے میں ملی تھی۔شاعری کا شوق ابتداء سے ہی تھا۔لیکن نثر نگاری کے بوجھ تلے دب کر رہ گیا تھا۔ادبی اور افسانوی نثر میں کمی آئی تو شاعری نے دوبارہ سر ابھارا۔۱۹۷۲ء میں انہوں نے منظوم تذکرۂ شعرائے مالیگاؤں لکھنے کی کوشش کی اور اس کا نام'' آفتاب آمد دلیل آفتاب'' رکھا۔۱۹۹۴ء میں حضور پاک ﷺ کی سیرت مبارکہ پر ۸۰؍صفحات کی ایک منظوم کتاب مالیگاؤں سے شائع ہو چکی ہے۔ان کے انتقال کے ایک سال کے بعد قومی یک جہتی پر مبنی نظموں کا مجموعہ ''یہ ہے میرا ہندوستان'' جنوری ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا۔

ہمارے چچا جمن:

اس مزاحیہ کتاب کا مسودہ ان کے پاس محفوظ تھا جو راقم السطور کی نظر سے گذر چکا ہے۔ بڑی دلچسپ کتاب ہے۔ نہایت شستہ مزاح ہے۔ اور پھوہڑ پن سے کوسوں دور ہے۔ یہ شائع ہو جائے تو چچا جمن کے عجیب و غریب کردار کے ساتھ سعید عقاب کا نام بھی زندہ رہ جائے۔

ان کے اندر نظم ونثر کی بڑی صلاحیتیں تھیں۔ مزاح نگاری میں تو انہیں ید طولی حاصل تھا۔ ان کے افسانے بھی منفرد اسلوب میں لکھے گئے ہیں۔ یہ تمام افسانے ''انشائیہ نما'' ہیں۔ جن میں کہانی کی خصوصیات کے ساتھ ساتھ انشاء پردازی کے جوہر تابناک بھی موجود ہیں۔ اسے ادب لطیف کا نام دیا جاسکتا ہے۔ اخیر عمر میں مختلف موضوعات پر ان کی نظمیں مقامی اخبارات میں شائع ہوتی رہیں لیکن قابل ذکر نہیں۔ موصوف کی بے فکریوں اور بے نیازیوں نے ادبی سرمائے کے تحفظ پر توجہ نہیں دی۔ جو محفوظ رہ گئیں وہ حد سے بڑھی ہوئی معاشی پریشانیوں کی وجہ سے اشاعت سے محروم رہیں۔ صحت کی خرابی کی وجہ سے وہ نثر و نظم کی سرگرمیاں جاری رکھنے سے معذور ہو گئے تھے۔ آخر طویل بیماری کے بعد ۵ رجنوری ۱۹۹۹ء کو آخری سانسیں لیں اور دنیائے فانی کو الوداع کہہ دیا۔

عبدالمجید نازاںؔ

پیدائش: یکم جون ۱۹۲۷ء

وفات: ۲۰راکتوبر ۱۹۹۲ء

ان کا پورا نام عبدالمجید ابن نذیر احمد ہے۔ ان کے والد بھی شاعر تھے۔ اوجؔ تخلص کرتے تھے اور مشاعروں میں اپنی پاٹ دار آواز سے پہچانے جاتے تھے۔ عبدالمجید نازاںؔ نے اینگلو اردو ہائی اسکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ کچھ دنوں میونسپلٹی میں سروس کرنے کے بعد انڈسٹریل کوآپریٹیو ایسوسی ایشن کے جنرل منیجر بنے۔ اس عہدہ پر ۲۴ ربرس تک رہے۔ انہوں نے سماجی اور فلاحی کاموں میں بھی حصہ لیا۔ جامع مسجد مالیگاؤں کے مینیجنگ ٹرسٹی، اردو لائبریری اور بزم عزیزی کے سکریٹری رہے۔

شاعری اور نثر دونوں میں قلم کے جوہر دکھاتے تھے۔ صحافت میں بھی دلچسپی تھی۔ حسینی حیدرآبادی اور جی ایس عالم نگپوری ممبئی سے ہفتہ وار الوارث نکالتے تھے۔ ۱۹۴۹ء میں نازاںؔ صاحب کچھ دنوں تک اس اخبار کے مدیر اعزازی رہے۔ ؎۱

کئی بزرگوں کی روایت ہے کہ نازاںؔ بھی نثر لکھتے تھے۔ لیکن راقم کو ان کی نثر کا نمونہ دستیاب نہ ہوسکا۔ یہ بھی پتہ نہیں چلا کہ وہ کس قسم کی نثر لکھا کرتے تھے۔ البتہ ان کی یادگار تین جاسوسی ناول ہیں۔ ان میں کمسن قاتل اور کھنڈر کا راز، اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔ مگر اب عنقا ہیں۔ خونی سیاح غیر مطبوعہ ہے اس کے مسودے کا بھی پتہ نہیں۔ انہوں نے اپنا مجموعہ کلام "ماہ و انجم" کے نام سے ترتیب دیا تھا جو شائع نہ ہوسکا۔ ؎۲

۱۹۸۹ء میں ان پر قلب کا شدید دورہ پڑا۔ مگر سنبھل گئے۔ ۱۹۹۲ء میں دوبارہ حملے میں جانبر نہ ہوسکے۔

؎۱: ہفتہ وار الوارث، ممبئی، جلد ۱۰، شمارہ ۱۰، ۶ر مارچ، ۱۹۴۹ء

؎۲: یہ معلومات نازاںؔ مرحوم کے نواسے ضیاء الرحمن نے دی ہے۔ جو نازاں مرحوم نے ان کے پاس نوٹ کروائی تھیں۔

شبیر احمد حکیم

پیدائش: ۲۷رفروری ۱۹۲۸ء

شبیر احمد حکیم ایک ایسے نثر نگار ہیں جو گذشتہ پچاس برسوں سے مسلسل لکھ رہے ہیں اسکے باوجود ان کے قلم میں تازگی وتوانائی برقرار ہے۔

ان کا پورا نام شبیر احمد ابن عبد الرحیم حکیم ہے۔ ان کے والد خان صاحب عبد الرحیم مرحوم کو شہر کا ایم ایل اے ہونے کا شرف حاصل تھا۔ وہ دینی، فلاحی، صنعتی اور تعلیمی ترقی کے کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ شبیر حکیم کی پیدائش مالیگاؤں کی ہے۔ ابتدائی تعلیم پرائمری اسکول اور اینگلو اردو ہائی اسکول سے حاصل کی۔ ۱۹۴۵ء میں دھولیہ سینٹر سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد اسماعیل یوسف کالج ممبئی سے انٹر سائنس کیا۔ ان کی خواہش ڈاکٹری پڑھنے کی تھی۔ لیکن چند مارکس کی کمی کے سبب داخلے سے محروم رہے۔ قانون پڑھنے کے لئے گورنمنٹ لاء کالج، چرچ گیٹ ممبئی میں داخلہ لیا مگر تعلیم مکمل نہ کر سکے۔ گھر میں پاورلوم کا بڑا کاروبار تھا۔ اس وقت ان کے کارخانے میں سلک کی ساڑیاں بنی جاتی تھیں۔ ممبئی سے واپس آکر اسی کاروبار میں جٹ گئے۔ ایک طویل مدت تک اس سے وابستہ رہے۔ آج کل آئس فیکٹری چلا رہے ہیں۔ موصوف شہر کی سب سے قدیم اور مشہور اردو لائبریری کے جنرل سکریٹری ہیں۔ لائبریری کی ترقی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں۔

شبیر احمد حکیم کو بچپن ہی سے مطالعے کا شوق تھا۔ انہوں نے کم عمری میں ہی یادگارِ غالب (مولانا حالی) کا مطالعہ کر لیا تھا۔ مشہور شاعر وادیب محمد صدیق مسلم اور شوقی مالیگانوی کا گھر کتابوں کا خزانہ تھا۔ انہوں نے ان دونوں مرحومین کے علمی خزانے سے بھرپور استفادہ کیا۔ شعری اور ادبی کتابیں پڑھیں۔ اس وقت کے تمام معتبر ادبی رسالے زیر مطالعہ رہے۔ ڈاکٹر محمد فاروقی مرحوم کے توسط سے ترقی پسند ادیبوں کی تصنیفات سے آشنائی ہوئی۔ سعادت حسن منٹو اور عصمت چغتائی کی تحریروں سے کافی متاثر ہوئے۔

قیام ممبئی کے دوران ترقی پسندوں کی ادبی نشستوں میں شرکت کا موقع ملا جو سجاد ظہیر کے مکان پر منعقد ہوتی تھیں۔ نمایاں اور مشہور ترقی پسند ادیبوں اور شاعروں سے ملاقات رہی۔

۱۹۴۶۔۴۷ء میں مالیگاؤں میں بھی ترقی پسند ادبی تحریک کا آغاز ہوا۔ نشاط شاہدوی مرحوم اس کے میر کارواں تھے۔ اس کی پہلی میٹنگ میں مولانا محمد یوسف عزیز، ادیب مالیگانوی، ڈاکٹر وحشی اکبر آبادی، یونس محوی وغیرہ کے ساتھ شبیر حکیم بھی شریک رہے۔ اسی مجلس میں انہوں نے اپنی پہلی تخلیق ''اندھی کتیا'' نام کا افسانہ پیش کیا۔ اس کے بعد وہ کارخانے میں بیٹھے بیٹھے ہلکے پھلکے رومانی افسانے لکھتے رہے۔ لیکن رسالوں میں چھپنے کا شوق نہیں تھا۔ ۱۹۵۲ء میں نشاط شاہدوی مرحوم کے مجموعۂ کلام ''امر بیل'' کا دیباچہ ساحر لدھیانوی کیساتھ ساتھ شبیر حکیم نے بھی ''ہمارا ہمدم'' کے عنوان سے لکھا ص۱۔ شبیر حکیم نے اس صدی کی چھٹی دہائی میں بہت سارے افسانے تخلیق کئے جو ملک کے مقتدر رسالوں میں اشاعت پذیر ہوئے۔ ان میں کلیسا کے سائے میں ص۲، ایوانِ خموشاں ص۳، نوائے بازگشت ص۴ اور سگنل مین ص۵ شامل ہیں۔

دس برسوں کی افسانہ نگاری کے بعد وہ شاہراہِ مزاح کی طرف مڑ گئے۔ ساتویں دہائی طنز و مزاح نگاری کے لئے وقف رہی۔ ۱۹۷۱ء آتے آتے ''شوخیاں'' کے نام سے طنزیہ و مزاحیہ مضامین کا ایک مجموعہ اشاعت پذیر ہوا۔ مزاحیہ مضامین شگوفہ (حیدرآباد)، چورن، نشانات اور نوید نو (مالیگاؤں) ہپی پنچ (علی گڑھ)، مزاح نامہ (ناگپور) اور رگِ سنگ (کانپور) میں اشاعت پذیر ہوئے۔ ممبئی کے اخبارات میں شائع شدہ تخلیقات کا کوئی شمار نہیں۔

افسانہ نگاری اور مزاح نگاری کے قلعے فتح کرنے کے بعد انہوں نے تاریخ و تحقیق کو موضوع بنایا۔ موصوف مومن انصاری برادری سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے برادری کے کارناموں کی جستجو میں ان کی دلچسپی فطری بات ہے۔ شہر مالیگاؤں اور بنکر برادری دونوں کے تعلق سے تحقیق و جستجو کی۔ بنکر برادری کا تحقیقی خلاصہ ''حیا کت کی حکایت'' میں پیش کیا۔ اور شہر کی تاریخ کی بازیافت ''ماجرائے وطن'' میں کی۔ دیگر تاریخی موضوعات پر بھی انہوں نے قابل قدر کام کیا۔ مثلاً خاندیش کے حالات اور غدارانِ وطن کی تاریخی معلومات وغیرہ۔ ہینس اینڈرسن کی کہانی ''رابن ہڈ'' کا ترجمہ بھی شائع کروا چکے ہیں۔

ص۱: امر بیل، نشاط شاہدوی، مالیگاؤں، ۱۹۵۲ء، ص ۱۰

ص۲: صبح امید ممبئی، اکتوبر ۱۹۵۷ء، ص ۲۲

ص۳: صبح امید ممبئی، نومبر ۱۹۵۸ء، ص ۳۱

ص۴: صبح امید ممبئی، اگست ۱۹۵۹ء، ص ۳۹

ص۵: شاہراہ، دہلی، ص ۵۰

تمام شائع شدہ مزاحیہ، تاریخی اور تنقیدی مضامین اور افسانوں کے علاوہ ان کے فائل میں بہت ساری قابلِ قدر اور نادر غیر مطبوعہ تخلیقات موجود ہیں۔ان کے مطالعے کے بغیر شبیر حکیم کے تخلیقی کاموں کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ نہیں ہوسکتا۔اس لیے مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔

۱)میرؔ کی تصویر کشی:

اس مضمون میں انہوں نے اشعار کے حوالے سے میرؔ کی تصویر کشی اور مصوری کے کمالات پر تبصرہ کیا ہے۔لکھتے ہیں:

"قدماء نے بہت سے اشعار کو میرؔ کی بے دماغی پر محمول کرکے اپنے مطالعے سے یک قلم خارج کردیا لیکن اب یہ اندازہ ہوتا ہے کہ میرؔ کی یہ تصویر کشی کسی طرح بھی ان مغربی آرٹسٹوں کے نمونے سے کمتر نہیں جن پر آج انگشت بدنداں اہلِ سرمایہ لاکھوں ڈالر قربان کرتے ہیں۔"

۲)غالبؔ کی نیرنگ خیالی:

یہ مضمون ۱۹۶۴ء میں انجمن ترقی اردو مالیگاؤں کے زیرِ اہتمام منعقدہ یومِ غالب کے پروگرام میں پیش کیا۔شبیر احمد حکیم نے صغر سنی میں ہی یادگارِ غالبؔ کو پوری دلچسپی کو پڑھا تھا۔ان یادوں نے تا عمر پیچھا نہ چھوڑا۔انہوں نے غالبؔ کی شاعری میں جو خصوصیت دریافت کی ہے وہ یہ ہے:

"شاعر کا کاروانِ خیال، اس کا فکری قافلہ جن عجیب و غریب دنیاؤں سے گذرا اس میں مجھے نہ صرف مشرق بلکہ مغرب کے مفکرین اور دانشوروں کی فکر اور ان کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔"

۳)گوئٹے ایک اطالوی معجزہ:

عنوان سے ہی مضمون کی افادیت ظاہر ہے۔

٤) خلیل جبران:

خلیل جبران کے حالات اور فلسفیانہ خیالات کا احاطہ کرنے والی تحریر ہے۔

۵) منشی پریم چند:

منشی پریم چند کے فن اور شخصیت پر یہ مضمون یوم پریم چند کے موقع پر پیش کیا گیا۔

٦) یگانہ ایک بیگانہ آرٹسٹ:

مرزا یاس یگانہ چنگیزی پر ان کا مضمون نہایت وقیع ہے۔ موصوف نے یکم جنوری ۱۹۵۰ء کو تحریر کردہ یگانہ کا خط سہیل مالیگانوی کے نام، بھی اس میں پیش کیا ہے۔

۷) ڈاکٹر امبیڈکر ایک انقلابی ایک مصلح قوم:

ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر کی شخصیت نے مہاراشٹر پر گہرا اثر چھوڑا ہے۔ حکیم صاحب نے انہیں اس تحریر کے ذریعے خراج تحسین پیش کیا ہے۔

۸) دلنواز نغمے کی موت:

کرشن چندر کے انتقال پر تحریر کیا گیا۔ جس میں انہوں نے کرشن چندر کی زندگی اور فن کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ کرشن چندر سے حکیم صاحب کی ذاتی شناسائی اور تعلقات تھے۔ اس حقیقت نے مضمون کو زیادہ حقیقت افروز بنا دیا ہے۔

۹) امیرؔ خسرو:

مضمون نامکمل حالت میں ہے۔

۱۰) اکبر سر سید اور حالیؔ:

اپنے زمانے کی ان تین عظیم شخصیتوں کے تقابلی مطالعے کے لئے یہ مضمون نہایت کارآمد ہے۔

۱۱) قبیلۂ میر جعفرو میر صادق :

اس عنوان کے تحت انہوں نے غداران وطن کی تاریخ لکھنی شروع کی تھی۔ لیکن پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکی، اس میں انہوں نے غدار راجاؤں، پیشواؤں، نوابوں، رہنماؤں اور افسروں کے حالات لکھے ہیں۔ اس کی ایک قسط اردو ٹائمز میں شائع ہو چکی ہے۔ صلہ

۱۲) گ سے :

ایک مزاحیہ مضمون ہے جس میں گ سے شروع ہونے والے الفاظ و محاورات سے کھیلا گیا ہے۔

۱۳) توزک باربری :

تزک بابری کی پیروڈی ہے۔ یہ باربر خان کی خودنوشت ہے۔ اس میں قدیم خودنوشتوں کی کھلی اڑائی گئی ہے۔ کافی دلچسپ ہے۔ بطور نمونہ:

> "باپ میرا ہرات کا حاکم اعلی تھا،فوج قلیل مگر اولاد اور رشتہ داروں کا جم غفیر، جو مقام فتح کرتا وہاں اپنی رشتہ داری قائم کرتا،اسلئے دشمنوں سے زیادہ رشتہ داروں سے پریشان رہتا۔"

۱۴) انتخاب میرؔ :

مختلف اصحاب نے اپنے ذوق و پسند کے مطابق میرؔ کے دیوان سے "نشتر" منتخب کر کے پیش کئے ہیں۔ حکیم صاحب نے بھی بتیس ہزار میں سے ہزار اشعار منتخب کئے ہیں۔ جنھیں پڑھ کر ان کی نظر اور ستھرے ہوئے ادبی اور شعری ذوق کی داد دینی پڑتی ہے۔

۱۵) غالب کا ماحولیاتی مطالعہ : اپنی نوعیت کا ایک انوکھا مضمون ہے۔

۱۶) ہزار سالہ جنگ :

شبیر حکیم نے ۱۹۸۱ء اور ۱۹۹۱ء میں دو بار پاکستان کا سفر کیا۔ یہ مضمون اس وقت تحریر کیا گیا جب

صلہ: راقم کے پاس اس کی ایک فوٹو کاپی موجود ہے جس پر تاریخ اشاعت نہیں ہے۔

پاکستان کی طرف سے ہندوستان کے خلاف ہزار سالہ جنگ کا نعرہ دیا گیا۔ موصوف نے جنگی رپورٹ کا انداز اختیار کر کے تمثیلی انداز میں بتایا ہے کہ جنگ سے نہیں، کھیتوں اور کھلیانوں میں محنت کرنے سے مسائل حل ہوں گے۔

۱۷)سفر نامۂ پاکستان:

یہ ان کا پاکستان کا طویل سفر نامہ ہے۔ دونوں سفرناموں کی اشاعت کی تیاریاں ہیں۔ علاوہ ازیں ان کی غیر مطبوعہ تخلیقات میں ایک ڈرامہ اور چند افسانے بھی موجود ہیں۔ گذشتہ دنوں انہوں نے امریکہ کا سفر کیا تھا۔ اس سفرنامے کی روداد اردو ٹائمنر میں کئی قسطوں میں شائع ہو چکی ہے۔ ان کے غیر مطبوعہ مضامین اگر شائع کر دیے جائیں تو یقیناً اردو ادب میں گراں قدر اضافے کا سبب ہوں گے۔

ان کی شائع شدہ کتابیں حسب ذیل ہیں۔

۱) شوخیاں:

بیس طنزیہ ومزاحیہ مضامین کا یہ مجموعہ اکتوبر ۱۹۷۱ء میں مالیگاؤں سے شائع ہوا۔ مقدمہ یوسف ناظم نے تحریر کیا ہے۔ ان کی رائے ہے:

> ''شبیر حکیم صاحب کے مضامین طویل ہونے کے باوجود دلچسپ ہیں. اور حقیقت یہ ہے کہ مزاح میں اختصار پر وہی شخص مجبور ہوتا ہے جو زیادہ دیر تک تلوار نہ گھما سکے۔ ان کے ہاں عبدالحلیم شررؔ کا سا بیانیہ انداز ہے. اور یہ اپنے قاری کو اپنے مزاح کی چاشنی کی وجہ سے آخر تک اپنے ساتھ لیکر چلتے ہیں. ''[۱]

۲)ماجرائے وطن:

تاریخ مالیگاؤں اور ضلع ناسک کو انہوں نے ''ماجرائے وطن'' کے نام سے اپریل ۱۹۷۶ء میں شائع کروایا۔ ۹۴ صفحات کی کتاب میں انہوں نے ناسک ڈسٹرکٹ گزیٹیر ۱۸۸۳ء، تاریخ فرشتہ، منتخب التواریخ،

---

[۱] یوسف ناظم، دیباچہ شوخیاں، شبیر حکیم، مالیگاؤں، ۱۹۷۱ء، ص ۹

منتخب اللباب، اور آئین اکبری کے حوالے سے مالیگاؤں شہر اور ناسک ضلع کی تہذیبی اور سیاسی تاریخ مرتب کی ہے۔

اس کا دوسرا ایڈیشن بھی ترمیم واضافہ کے ساتھ شائع ہو چکا ہے جس میں انہوں نے اپنے خاندان کی کاوشوں اور جدوجہد کا اضافہ کر دیا ہے۔

۳) رابن ھڈ:

جینس اینڈرسن کی انگریزی کتاب کا ترجمہ مئی ۱۹۸۵ء میں شائع ہوا۔ اس کے کرداروں کے ناموں میں معمولی سی تبدیلی کر کے اردو خواں طبقے کے لئے آسان بنادیا گیا ہے۔

٤) حیاکت کی حکایت:

۴۵۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۹۹۱ء میں مالیگاؤں سے شائع ہوئی۔ اسے شبیر احمد حکیم کا کارنامہ کہا جا سکتا ہے۔ جس وقت وہ مالیگاؤں کی تاریخ مرتب کر رہے تھے۔ انہیں مومن انصاری برادری کی ہجرت کی وجوہات کی تلاش وجستجو ہوئی۔ اسی دوران انہیں برادری کی مکمل تاریخ لکھنے کا خیال آیا۔ انہوں نے محنت شروع کی۔ بے شمار مراٹھی، اردو اور انگریزی کتب کا مطالعہ کیا، انسائیکلوپیڈیاز اور ٹیکسٹائیل سے متعلق لٹریچر پڑھے، کپاس اور ریشم کی اسٹڈی کی نیشنل جغرافیہ سے فیض اٹھایا۔ ٹاٹا ریسرچ سینٹر میں مراٹھی کی کتابیں دیکھیں، منوناتھ بھنجن سے نایاب کتابیں حاصل کیں۔ تصویریں جمع کیں اور جب ڈھائی تین سو صفحات کا مسودہ ڈاکٹر انصاری مرحوم کو دکھایا تو انہوں نے یہ کہہ کر حوصلہ افزائی کی کہ "یہ کتاب آپ کو زندہ رکھے گی۔ [۱]

سینکڑوں کتب ورسائل کے مطالعے اور برسوں کی محنت کے بعد تحریر کردہ یہ تحقیقی کتاب صنعت پارچہ بافی کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔ اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ یہ شبیر احمد حکیم کے نام کو ہمیشہ ہمیشہ زندہ رکھے گی۔

۵) قانون حق تملیک:

ڈی ایس کلکرنی مالیگاؤں کے ایک نامور وکیل ہیں۔ ان کی انگریزی کتاب Record Of Rights کا

---

[۱] شبیر حکیم، حیاکت کی حکایت، مالیگاؤں، ۱۹۹۱ء، ص ک

ترجمہ ہے۔ جسے شبیر حکیم اور فیروز شیخ نے مشترکہ طور پر کیا ہے۔ ۱۹۹۵ء میں شائع ہوئی۔

مندرجہ بالا کتب کی تالیف و تصنیف کے علاوہ موصوف نے ۱۹۹۳ء میں "نامہ بر ڈائجسٹ" کے نام سے ایک ادبی ماہنامہ کا اجرا کیا اور تنہا اس پر محنت کرتے رہے۔ لیکن نو شماروں کے بعد بند ہو گیا۔

۶) نیویارک ڈائری:

شبیر حکیم کے لائق فرزند فرخ حکیم نے امریکہ میں قانون میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی، اس کے Convocation میں شرکت کے لئے موصوف نے امریکہ کا سفر کیا تھا۔ نیویارک ڈائری اسی سفر کے تاثرات کی روداد ہے۔ جو جنوری ۲۰۰۰ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔ سفرنامے کی ہر سطر سے شبیر حکیم کی ذہانت اور مخصوص، جداگانہ اسلوب کا رنگ صاف جھلکتا ہے۔ تحریر میں ادبی شان جلوہ گر ہے۔ بیان میں ہلکا سا طنز کا انداز لطف کو دوبالا کر دیتا ہے۔ اس سفرنامے کے توسط سے قاری امریکہ کی نو دریافت کرتا ہے۔ یہ سفرنامہ ادبی سفرناموں میں ممتاز مقام پانے کا حقدار ہے۔

شبیر احمد حکیم کی نثر نگاری پورے پچاس برسوں پر محیط ہے۔ اس میں افسانے، طنزیہ و مزاحیہ مضامین، تراجم، ڈرامے، تنقید، سوانح، تاریخ، تحقیق، سفرنامے، سبھی کچھ شامل ہیں۔ عمر ستر سے تجاوز کر چکی ہے۔ لیکن اب بھی ان کے قلم میں وہی جولانی اور گفتگو میں وہی تازگی ہے۔ اردو نثر نگاری میں ان کا مقام نہایت بلند ہے۔ انہیں نظر انداز کرنا خود اردو ادب سے ناانصافی کے مترادف ہوگا۔

شعبان جامعی

پیدائش: ۴؍فروری ۱۹۲۹ء

پورا نام محمد شعبان ابن عبدالغنی ہے۔ پیدائش مالیگاؤں میں ہوئی۔ ۱۹۴۹ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد جامعہ ملیہ دہلی سے ڈپلوما ان بیسک ایجوکیشن حاصل کیا۔ اسی نسبت سے اپنے نام کے ساتھ جامعی لکھتے ہیں۔ جولائی ۱۹۵۲ء سے میونسپل پرائمری اسکول میں ملازمت اختیار کی۔ ۱۹۸۷ء میں سبکدوش ہوئے۔ ان کے فرزند شکیل احمد سویرا بکڈپو کے مالک ہیں جو علمی ادبی کتابوں کا ایک اچھا مرکز ہے۔

شعبان جامعی کی نثر نگاری کا آغاز ۱۹۴۷ء سے ہوتا ہے۔ اگر چہ ان کی طالب علمی کا زمانہ تھا لیکن ادبی مضامین انقلاب، جمہوریت، ہندوستان، وغیرہ میں شائع ہونے لگے تھے۔ مالیگاؤں سے جب ہفت روزہ ''ہم سب'' کا اجراء ہوا تو اس کی تحریروں کا بڑا حصہ موصوف کے ہی زور قلم کا نتیجہ ہوتا تھا۔ ۱۹۶۳ء میں مالیگاؤں کے بھیانک فرقہ وارانہ فساد کی جو رپورٹ انہوں نے ''ہم سب'' میں لکھی تھی۔ وہ ادبی نثر کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ مختلف اخبارات نے اسی رپورٹ کو نقل کیا حتیٰ کہ ندائے ملت (لکھنؤ) میں بھی من و عن شائع ہوئی۔ ''ہم سب'' کے بند ہونے کے بعد طویل عرصہ خاموش رہے۔ بعد میں ''گلشن'' میں چند تعلیمی مضامین لکھے۔ اور بس!

ترقی پسند ادبی تحریک سے وابستہ اور اشتراکیت کے علم بردار رہے۔ مالیگاؤں میں انجمن ترقی پسند مصنفین کے قیام میں عملی طور پر شامل رہے اور اس کی ادبی نشستوں میں باقاعدگی سے شرکت کرتے رہے۔ افسوس! ان کے مضامین محفوظ نہیں ہیں۔ یہاں تک کہ جس ''ہم سب'' کو انہوں نے اپنے قلم کی ساری جولانیاں نذر کیں اسکی فائلیں بھی محفوظ نہیں ہیں۔

فی الحال ادبی سرگرمیوں سے دور ہیں۔ البتہ مشہور شخصیات کے انتقال پر تعزیتی قطعات کہتے ہیں۔ اور مقامی اخبارات میں شائع کرواتے ہیں۔

الیاس خورشید

پیدائش: ۲رنومبر ۱۹۲۹ء

الیاس خورشید کا تعلق اطفال فیملی سے ہے۔ جس کے دو دیگر فنکاروں میں ان کے برادران ایم یوسف انصاری اور آصف بختیار سعید ہیں۔ ان کا پورا نام محمد الیاس ابن محمد یعقوب ہے۔ مالیگاؤں کی پیدائش اور بدرکا باڑہ محلہ میں رہائش ہے۔ ۱۹۴۹ء میں اینگلو اردو ہائی اسکول مالیگاؤں سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اسی سال میونسپل پرائمری اسکول میں برسر ملازمت ہو گئے۔ بعد ازاں پونہ ٹریننگ کالج سے ۱۹۵۵ء میں معلمی کی پہلی سند اور ۱۹۶۰ء میں دوسری سند حاصل کی۔ ۱۰رجون ۱۹۶۹ء کو صدر مدرس بنے اور یکم دسمبر ۱۹۸۷ء کو ۳۸ رسال کی بیداغ سروس کے بعد خدمات سے سبکدوش ہو گئے۔

طالب علمی کے زمانے سے ہی لکھنے لکھانے کا شوق تھا۔ اینگلو اردو ہائی اسکول میں ''منزل'' نام کا قلمی رسالہ اردو اور انگریزی دو زبانوں میں ترتیب دیا جاتا تھا۔ موصوف اس کے ایک سال تک مدیر رہے۔ اس کے بعد شعبان جامعی اور ہارون احمد (مولانا) کے ساتھ مل کر خود ایک قلمی رسالہ ترتیب دینے لگے۔ اس کی کتابت یہ لوگ خود کرتے تھے۔ یوسف رحمانی سرورق کی مصوری کرتے۔ رسالہ تیار ہونے کے بعد مختلف مقامی لائبریریوں میں بغرض مطالعہ رکھ دیا جاتا تھا۔ یہ سلسلہ برسوں جاری رہا۔ آج اس کا کوئی شمارہ دستیاب نہیں ہے۔

دورانِ تعلیم ۱۹۴۴ء میں ایک بار شدید علیل ہوئے۔ بغرض علاج دھولیہ جانا پڑا۔ وہاں ان کی ملاقات مشہور نثر نگار، شاعر اور صحافی سعید عقاب سے ہوئی۔ اگرچہ سعید عقاب کا بھی طالب علمی کا زمانہ تھا مگر ان کی تخلیقات ملک کے مشہور رسالوں میں شائع ہونے لگی تھیں۔ ان سے ملاقات کے بعد الیاس خورشید کے اندر بھی افسانہ نگار بننے کی خواہش جاگی، سعید عقاب نے ہر طرح سے تعاون کا یقین دلایا اور فن افسانہ نویسی کی باریکیوں سے واقف کروایا۔

ایک دن کا ذکر ہے ان کے کسی دوست نے انہیں ایک پارسل بھیجا جس میں سالگرہ کی مٹھائی کی بجائے اینٹ اور پتھر تھے اور ایک کاغذ کا ٹکڑا جس پر لکھا تھا ''اپریل فول'' اس واقعے سے تحریک پا کر انہوں نے اپنا پہلا افسانہ تخلیق کیا۔ جس کا عنوان بھی ''اپریل فول'' تھا۔ یہ ہفت روزہ برق (ممبئی) میں ۱۹۴۵ء میں شائع ہوا۔

اس تخلیق کی اشاعت کے بعد ان کی طبیعت اور قلم میں روانی آ گئی۔ ان کی تخلیقات حریم، نئے زاویے، سریتا اردو، افکار ملی، حسن اخلاق، راشٹریہ سہارا، بلٹز، اور دیگر رسائل و اخبارات میں شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں زیادہ تر افسانے ہیں۔ بہت سے انگریزی مضامین کے ترجمے کئے جو مختلف رسالوں میں شائع ہوئے۔ انگریزی میں متعدد طبع زاد مضامین بھی لکھے جو دہلی کے انگریزی رسائل Caravan اور Alive نیز ممبئی کے Mirror میں طبع ہوئے۔

راقم الحروف کو اپنی جستجو کے دوران الیاس خورشید کے اٹھارہ افسانے اور طنزیہ مزاحیہ مضامین دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ تمام ۱۹۴۶ء اور ۱۹۵۲ء کے درمیان اشاعت پذیر ہوئے۔ ان میں ممبئی کے مختلف اخبارات اور رسائل مثلاً کہکشاں، الوارث، عبرت، سیما وغیرہ شامل ہیں۔ بچوں کے لئے انہوں نے دلچسپ مضامین اور طنزیہ و مزاحیہ خاکے بھی تحریر کئے جو امنگ اور کھلونا میں شائع ہوئے۔ ۱۹۵۲ء میں انہوں نے اپنے پندرہ بیس افسانوں پر مشتمل ایک قلمی مجموعہ ''سپنوں کی سیج'' کے عنوان سے تیار کر کے اردو لائبریری میں برائے مطالعہ رکھا تھا لیکن کسی ''ادب نواز'' کو بہت پسند آ گیا اور انہوں نے چرا لیا۔

الیاس خورشید اب تھک چکے ہیں۔ عمر کے اس حصے میں کچھ ضعیفی اور کچھ بیماری کے سبب اب وہ محنت کے قابل نہیں رہے اس لئے ساری سرگرمیاں ترک کر کے پرسکون زندگی گذار رہے ہیں۔ اب تک انہوں نے ادب کی جو خدمت کی اس پر ان کا دل اور ضمیر مطمئن ہے۔ وہ شاکی ہیں کہ شہر کے نثر نگار پابندی واستقلال کے ساتھ نہیں لکھتے اور بہت جلد بوریا بستر سمیٹ لیتے ہیں۔ ان کی شکایت بڑی حد تک درست ہے۔ کیا شہر کے قلم کار اس بزرگ افسانہ نگار کا دلی کرب محسوس کر سکتے ہیں؟

عبدالمجید سرورؔ

پیدائش: ۱۶ر ستمبر ۱۹۳۰ء

عبدالمجید سرورؔ شہر کی ایک تیز وطرار لکھنے والی شخصیت کا نام ہے۔ وہ گذشتہ پچاس برسوں سے مسلسل لکھ رہے ہیں۔ بہت اچھے شاعر بھی ہیں اور اتنے ہی اچھے نثر نگار بھی۔ لیکن اپنی غیر مستقل مزاجی، افتادِ طبع، گھریلو اور معاشی پریشانیوں کی وجہ سے نہ صرف خود ان کے فن کا نقصان ہوا۔ بلکہ شہر بھی ایک اچھے نثر نگار سے محروم رہا۔

ان کا پورا نام عبدالمجید ابن عبدالحیٔ اور تخلص سرورؔ ہے۔ مالیگاؤں میں پیدا ہوئے ابھی چار مہینے کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والدہ تنہا ذمہ دار تھیں۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد وہ بھی اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ سرورؔ صاحب کے ماموں حاجی محمد صدیق (عرف صدیق نانا) نے سہارا دیا۔ مدرسہ بیت العلوم سے ناظرہ قرآن پڑھا۔ اینگلو اردو ہائی اسکول میں داخلہ لیا۔ لیکن تعلیم مکمل نہ کر سکے۔ دو برس ندوۃ العلماء (لکھنؤ) میں درس لیا۔ اس کے بعد کچھ دنوں تک مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ (یوپی) میں تعلیم حاصل کرنے کی کوشش کی مگر وہ بھی ادھوری رہی۔ مالیگاؤں واپس آکر صحافت اور سیاست کو مشغلہ بنایا۔ سیاست میں بھی ناکامی مقدر بنی۔ جماعت اسلامی سے متاثر ہوئے مگر قدم بہ قدم چل نہ سکے۔ پارچہ بافی سے وابستگی ہوئی لیکن کامیابی کی راہ نصیب نہ ہوئی۔ غالباً انہیں حقائق کی بنیاد پر ڈاکٹر اشفاق انجم نے انہیں ''ادھورا آدمی'' لکھا ہے صلہ اور یہ غلط بھی نہیں۔ زندگی میں یہ ادھوراپن کچھ ان کے نصیب سے آیا کچھ ان کی طبیعت کے سبب۔ ۱۹۴۸ء کے لگ بھگ ان کے خیالات اشتراکیت سے قریب ہوگئے تھے۔ کھلے عام اس نظریہ کی حمایت میں بولنے لگے تھے۔ یہ غالباً انکے ذاتی حالات کے سبب سے تھا جب انکا کوئی ٹھکانہ نہ تھا، تنہائی کاٹنے کو دوڑتی تھی۔ آگے پیچھے کوئی نہ تھا۔ خوش قسمتی سے جماعت اسلامی کے عبدالاحد صاحب مرحوم

صلہ: ڈاکٹر اشفاق انجم، شعرائے مالیگاؤں، ص ۳۶۰

کے ذریعے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے دینی لٹریچر تک رسائی ہوئی اور ان کی زندگی میں ''خدا'' دوبارہ لوٹ آیا

صحافت کے میدان میں ان کی شخصیت سب سے زیادہ متنازعہ رہی۔ شہر کے سیاست دانوں کی سیاسی لڑائیاں سرور صاحب کے قلم سے لڑی جاتی رہیں۔ جس کے ساتھ ہوتے ہیں اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں۔ پھر جب اس سے مخالفت کی نوبت آجاتی ہے تو زمین کے سات طبق کھود ڈالتے ہیں۔ اس طرز عمل سے ان کے ذاتی وقار کو تو ٹھیس پہنچنی ہی تھی قلم کے ناموس پر بھی حرف آتا چلا گیا۔

نثری سرگرمیاں:

سرور صاحب نے اسکول کے زمانے میں پہلا مضمون اس سیلاب کے تعلق سے لکھا جس نے ۱۹۴۴ء میں شہر میں قیامتِ صغریٰ برپا کی تھی۔ اسی زمانے میں مرحوم نشاط شاہدوی کا ساتھ ہوا۔ اس صحبت کی وجہ سے ان کے ذہن میں بھی انقلابی کیفیت پیدا ہوئی۔ ابتدا انہوں نے بچوں کے لئے کہانیاں لکھنے سے کی۔ بچوں کا باغ (دہلی: مدیرہ: رضیہ سلطانہ) میں ان کی تخلیقات کی اشاعت سے ایک مہینہ قبل باقاعدہ اعلان چھاپا جاتا تھا دیگر رسائل و اخبارات جن میں موصوف کی کہانیاں افسانے اور مضامین شائع ہوئے وہ رتن (جموں و کشمیر) پھول (لاہور: مدیر: راجہ مہدی علی خاں) غنچہ (بجنور) عصر جدید (کلکتہ)، روزنامہ ہلال (ممبئی: مدیر حافظ علی بہادر خان)، روزنامہ آزاد (لاہور: مدیر: شورش کاشمیری)، زمزم (لاہور: مدیر: مولانا محمد عثمان فارقلیط)، وغیرہ شامل ہیں۔ ابومحمد امام الدین رام نگری کے مومن گزٹ (کانپور) میں مومن انصار برادری سے متعلق مضامین شائع ہوئے۔

۱۹۴۶ء سے ۱۹۶۰ء تک کا دور دراصل دورِ افسانہ نگاری تھا۔ سرور صاحب کو ۱۹۴۹ء میں ممبئی کے دیودھر ہال میں ترقی پسند مصنفین کی نشستوں میں شرکت کا موقع ملا۔ ممتاز ترقی پسند ادباء و شعراء سے شرف نیاز حاصل ہوا۔ ان کے قلمی سفر میں تیز رفتاری آئی۔ بعد میں اسلامی تاریخ اور جماعت اسلامی کے لٹریچر کا گہرا مطالعہ کیا۔ فکر اسلامی سے متاثر ہوئے اور ان کی تحریروں میں نمایاں تبدیلی نظر آنے لگی۔ اس زمانے میں ان کی نظمیں، کہانیاں، اور ادبی تنقیدی مضامین تسنیم (لاہور)، یثرب (لاہور)، اور جہان نو (کراچی) میں اشاعت پذیر ہوتے رہے۔ ایک طویل تنقیدی مضمون ''نعیم صدیقی کی شاعری عظیم کیسے ہوئی؟'' کے عنوان سے چراغ راہ (کراچی) میں شائع ہوا۔ اس میں فیض احمد فیض پر شدید تنقید کی گئی تھی۔

اس کے علاوہ انہوں نے شہر کے بزرگوں پر مقامی اخبارات میں بڑی معرکتہ الاراء تحریریں لکھی ہیں۔ اس قبیل کا ان کا ایک مضمون ''مولانا محمد عثمانؒ '' نہایت وقیع ہے صلے۔ ایک مقامی اخبار میں ''فاختے والے خلیل خان'' کے فرضی نام سے مزاحیہ کالم بھی لکھتے رہے ہیں۔

صحافت:

مجاہد آزادی محمد عمر جوش مرحوم کے ہفتہ وار آزاد (مالیگاؤں) سے انہوں نے اپنے صحافتی سفر کا آغاز کیا۔ اس میں وہ مسلسل ۶ مہینے تک سوشلزم کے خلاف قلم چلاتے رہے۔ ۱۹۵۸ء میں اپنا ذاتی اخبار ''تیور'' جاری کیا لیکن بیشمار مقدمات کے سبب بند کرنا پڑا۔ ۱۹۶۸ء میں ہفت روزہ سرور ٹائمز جاری کیا۔ جو وقفے وقفے سے بند رہنے کے باوجود آج بھی جاری ہے۔

مزید برآں ان کا قلم بہت سے مقامی اخبارات کے لئے بیساکھی کا کام دیتا رہا۔ ان میں اکبر ٹائمز، سٹیزن ٹائمز، نشانِ افق، معظم مجاہد، شاہین، معیار زندگی (تمام ہفتہ وار) اور روز نامہ آواز مالیگاؤں شامل ہیں۔ آواز مالیگاؤں کے وہ چیف ایڈیٹر رہے۔ جماعت اسلامی سے متاثر اخبارات نوائے مشرق اور السینئل میں بھی موصوف کا بڑا حصہ ہوتا تھا۔ ۱۹۷۶-۷۷ء میں اورنگ آباد ٹائمز کے سب ایڈیٹر رہے۔ ''نقش پا'' کے نام سے انہوں نے مقامی صحافت کی تاریخ لکھی ہے۔

تنقید اور ڈرامے:

سرورؔ صاحب نے دس بارہ ڈرامے بھی لکھے جو سب کے سب اصلاح کے مقصد سے لکھے گئے۔ ان میں سے صرف ایک ڈرامہ ''اسکائی لیب گرتا ہے'' شائع ہوا ہے۔

انہوں نے بہت سارے تنقیدی مضامین اور تبصرے بھی لکھے ہیں۔ ان کی تنقیدی صلاحیت اور بصیرت میں کوئی کلام نہیں۔ اکثر مضامین جو راقم کی نظر سے گذرے ہیں بڑے متوازن ہیں اور سرورؔ صاحب کی شگفتہ بیانی اور لسانی مہارت کے مظہر ہیں۔ الفاظ و تراکیب، فقروں نیز برمحل علمی اور فلسفیانہ اصطلاحات سے بیان میں حسن پیدا کردیتے ہیں۔ بایں ہمہ دو باتوں کا احساس شدت سے ہوتا ہے خصوصاً سوانحی تحریروں میں صاحب سوانح سے زیادہ سوانح نگار خود کو نمایاں کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ نیز کسی فرد

صلے: عبدالمجید سرورؔ، مولانا محمد عثمان، اجالوں کے سفیر، مالیگاؤں، ۲۰۰۶ء، ص ۶۷

کے بیان میں تاریخ کی بھول بھلیوں میں اتنی دیر تک بھٹکتا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ اپنی تاریخ دانی کا رعب قائم کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہے۔ پس منظر کو پیش منظر پر حاوی کردینے کی یہ خصوصیت ان کی اکثر تحریروں میں پائی جاتی ہے۔

عبدالمجید سرور بہت اچھے شاعر بھی ہیں۔ ان کی نظموں میں جوش اور زور بیان پایا جاتا ہے۔ فارسی اور عربی سے واقفیت کی وجہ سے انہیں اپنا مافی الضمیر ادا کرنے میں چنداں دشواری نہیں ہوتی۔ اسکے علاوہ وہ زبردست خطیب بھی ہیں۔ جس موضوع پر بولنے پر آتے ہیں، بے تکان بولتے ہیں۔

(۱) : نقش پا:

۱۹۳۵ء سے ۲۰۰۰ء تک مالیگاؤں کی اردو صحافت کی تاریخ، اب تک شائع ہونے والے اخبارات کے تذکرے اور صحافیوں کے ذکر پر مبنی عبدالمجید سرور کی پہلی کتاب ''نقش پا'' فروری ۲۰۰۰ء میں مالیگاؤں سے طبع ہوئی۔ اس کتاب کو مہاراشٹر اردو اکیڈمی نے گذشتہ سال انعام سے نوازا ہے۔

۲) ایم یوسف انصاری: حیات اور کارنامے:

بچوں کے ادیب ایم یوسف انصاری کی حیات اور کارناموں کو اجاگر کرنے والی ۶۴ صفحات کی یہ کتاب ۱۵؍ اگست ۲۰۰۱ء کو مالیگاؤں سے شائع ہوئی۔

افسوس! انہوں نے اپنا نثری سرمایہ محفوظ کرنے پر ذرا بھی توجہ نہیں دی۔ آج اگر یہ افسانے اور مضامین محفوظ ہوتے تو کئی مجموعے شائع ہوسکتے تھے۔ افسانہ نگاری، ڈرامہ نگاری اور نظم نگاری کی طرح تنقید نگاری کی شاہراہ پر بھی وہ کچھ دور چل کر رک گئے۔ ورنہ ان کی تنقیدی بصیرت و بصارت اس غضب کی ہے کہ اگر لکھتے رہتے تو ان کا شمار ہندوپاک کے ممتاز نقادوں میں ہوتا اور ان کا نام بھی ادب و احترام سے لیا جاتا۔

ہارون بی اے

پیدائش: ۱۶؍نومبر ۱۹۳۱ء

مالیگاؤں کے نثر نگاروں کے تذکرے میں جا بجا ہفت روزہ ''بیباک'' اور اس کے ادبی صفحے ''ادب نما'' کا ذکر آتا ہے۔ ہارون بی اے اس کے مدیر ہیں۔ مالیگاؤں کی ادبی تاریخ بیباک کی خدمات کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ شہر میں بہت سارے قلمکاروں نے جب قلم پکڑنا سیکھا تو بیباک نے انہیں ادب نما میں جگہ دے کر حوصلہ افزائی کی۔ اس سے ان فنکاروں میں خود اعتمادی پیدا ہوئی اور لکھنے کے شوق میں اضافہ بھی ہوا۔ بعد میں ان کی تخلیقات ملک کے مقتدر اخبارات و رسائل میں بھی اشاعت پذیر ہونے لگیں۔ نیز بیرونی فنکاروں کے لئے بھی اخبار نے اپنے دروازے کھلے رکھے۔ ہارون بی اے اور کچھ نہ بھی کرتے تو ایک یہی خدمت ان کے نام کو زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے۔

ہارون بی اے کا پورا نام محمد ہارون ابن محمد صابر ہے۔ پیدائش مالیگاؤں کی ہے ان کے والد سابق ایم ایل اے مرحوم محمد صابر عبد الستار ایک ثروت مند اور نامور آدمی تھے اور ان کی ۷۳؍سالہ زندگی سیاسی، سماجی، صنعتی، دینی اور ملی خدمات سے پُر گذری۔ ہارون صاحب نے اینگلو اردو ہائی اسکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور ممبئی چلے گئے۔ وہاں انہوں نے ۱۹۵۴ء میں سینٹ زیویرس کالج سے بی اے اور ۱۹۵۷ء میں گورنمنٹ بی ایڈ کالج سے بی ایڈ کیا۔ ان کا ارادہ قانون کی تعلیم حاصل کر کے وکالت کرنے کا تھا۔ مگر قدرت نے ان کیلئے اور ہی فیصلہ کر رکھا تھا۔ ممبئی سے لوٹنے کے بعد مالیگاؤں ہائی اسکول میں بحیثیت صدر مدرس تقرری ہوئی۔ وہ اس اسکول کے پہلے ہیڈ ماسٹر ہیں۔ دو سال کے بعد جب مرحومہ عائشہ حکیم کی تقرری ہوئی تو ہارون صاحب جے اے ٹی گرلز ہائی اسکول میں آگئے۔ یہاں انہوں نے چار سال تک صدر مدرس کے فرائض انجام دیئے لیکن چونکہ پاورلوم کا کاروبار بڑا تھا اور اسکی دیکھ ریکھ کرنا بھی ضروری تھا اسلئے سروس چھوڑ کر کاروبار میں لگ گئے۔ کاروبار معیشت سنبھالنے کیساتھ ساتھ موصوف نے کاروبار

سیاست کے خارزاروں میں بھی قدم رکھ دیا۔

ممبئی میں تعلیم کے دوران ہارون صاحب کو انجمن ترقی پسند مصنفین کی ادبی نشستوں میں شرکت کا موقع ملا۔ اہم ترقی پسند ادیبوں اور شاعروں سے ملاقات رہی۔ ذہن پر اشتراکیت کا سرخ رنگ چڑھنے لگا۔ اور تخلیقی سرگرمیوں کی ابتدا بھی ہوگئی۔ ۱۹۵۲ء میں انہوں نے سعید رضا سعید کے اخبار ممبئی ویکلی میں ''سندباد جہازی'' کے فرضی نام سے طنزیہ اور مزاحیہ کالم لکھنے کی شروعات کی۔ یہ سلسلہ عرصے تک جاری رہا۔ بعدازاں نور پرکار کے اخبار ''خبردار'' اور اردو ٹائمز میں بھی ان کے مضامین شائع ہوئے۔

۱۹۵۵ - ۵۶ء میں مالیگاؤں سے ہفت روزہ ''ہم سب'' کا اجراء ہوا۔ اس کے مالک ہارون احمد (عرف مولانا) اور ہارون بی اے چیف ایڈیٹر تھے۔ ۱۹۶۹ء میں بیباک جاری کیا جو اب تک پابندی سے شائع ہو رہا ہے۔ ہم سب اور بیباک کے صفحات ہارون صاحب کی تحریروں سے بھرے پڑے ہیں۔ ادب نما میں اکثر ان کی تحریریں ''ادبی ہنگامے'' اٹھاتی ہیں لیکن ان کی وجہ سے ''گھر میں رونق'' بھی رہتی ہے۔ ایک مدت تک وہ مقامی انجمن ترقی پسند مصنفین کا کاروبار دیکھتے رہے۔ انکی فعال اور باغ و بہار شخصیت کی کشش نے بہت سے نوجوان قلمکاروں کو اس طرف راغب کیا۔ بعد میں انجمن نوجوان مصنفین کی تشکیل ہوئی۔ اس میں بھی ہارون صاحب کا بڑا حصہ تھا۔ بہت سارے لکھنے والے انہیں دونوں انجمنوں کے دروازے سے شہر ادب میں داخل ہوئے۔

ہارون صاحب کی وابستگی ابتدا سے ہی کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا سے رہی ہے۔ پارٹی کے قیام سے لیکر اب تک وہ اس کے سب سے فعال رکن رہے ہیں۔ انجمن ترقی پسند مصنفین کی نشستوں میں ادبی تخلیقات پیش کرنے والا یہ قلمکار اب مکمل طور پر صحافت کی زلفوں کا اسیر ہے۔ وہ فی الحال انکس لائبریری چلا رہے ہیں۔ اور ''ادب نما'' کے ذریعے خدمت ادب میں ہاتھ بٹا رہے ہیں۔

ایم یوسف انصاری

پیدائش: ۲۹/مارچ ۱۹۳۲ء

ہندوستان میں جب بھی بچوں کے ادیبوں کی تاریخ لکھی جائے گی۔ ایم یوسف انصاری کا نام اس میں شامل رہے گا۔ ایم یوسف انصاری نے اطفال نام کا قلمی رسالہ جاری کیا تھا۔ ص[۱] اس کے بعد اطفال لائبریری اور اطفال بک ڈپو کے قیام (۱۹۵۷ء) نے اس خاندان کو "اطفال فیملی" کے نام سے شہرت دی۔ راقم الحروف اپنے بچپن میں اطفال لائبریری سے استفادہ کر چکا ہے۔

ایم یوسف انصاری مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام محمد یعقوب ہے۔ ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد پرائمری اسکول میں مدرس ہوئے۔ دوران ملازمت اردو فارسی سے ایم اے کیا۔ صدر مدرس کے عہدے پر رہتے ہوئے ۱۹۹۰ء میں سبکدوش ہوئے۔

نثری سرگرمیاں:

ان کی تخلیقی سرگرمیوں کا آغاز ۱۹۵۰ء سے ہوتا ہے۔ ابتدا افسانوں اور کہانیوں کے ترجموں سے ہوئی۔ شروع میں انہوں نے یوسف عارف کا قلمی نام اختیار کیا۔ ان کا اولین طبع شدہ افسانہ "ماں تا" ہے۔ ص[۲] اس کے بعد جون ۱۹۵۲ء تک کہکشاں (ممبئی) میں موصوف کی کئی تخلیقات دستیاب ہوئی ہیں۔ ان میں جارج ایلائٹ کے The Flood کا ترجمہ "بھنور" کے عنوان سے، ہینس اینڈرسن کی کہانی Little Match Girls کا ترجمہ "کرسمس کی رات" کے عنوان سے اور ٹیگور کی ایک کہانی کا ترجمہ "شوبھا" کے عنوان سے اشاعت پذیر ہوا۔ دو تین طبع زاد افسانے بھی اسی دوران شائع ہوئے۔

ص۱: اس کی تفصیل آصف بختیار سعید کے ذکر میں موجود ھے۔

ص۲: ایم یوسف انصاری، ماں تا، کہکشاں، ممبئی، ۳۱/دسمبر ۱۹۵۰ء، ص ۲۱

بہت جلد ایک سانحہ کے سبب سے انکا قلم بچوں کے ادب کی سمت مڑ گیا صلہ انہوں نے ''اطفال'' نام سے ایک قلمی رسالے کا اجرا کیا جس کی تزئین و آرائش میں ان کے برادران بھی ہاتھ بٹاتے تھے۔ خصوصاً آصف بختیار سعید اس کے لئے بڑی محنت کرتے تھے۔

ایم یوسف انصاری نے بچوں کے لئے پہلا طبع زاد ناول ''راکٹ کا سفر'' ۱۹۵۸ء میں لکھا جو نونہال پبلی کیشن (کراچی) سے قسط وار شائع ہوا ۶۳۔۱۹۶۲ء میں پھلواری (دہلی)، کھلونا (دہلی) اور کلیاں (لکھنؤ) میں ان کی کہانیاں شائع ہوئیں۔ ۱۹۵۹ء سے لے کر اب تک مکتبہ کلیاں لکھنؤ، نیو سلور بک ڈپو، ممبئی اور مکتبہ اطفال مالیگاؤں کے توسط سے موصوف کی ساٹھ سے زائد کتابیں چھپ چکی ہیں۔ پرائمری جماعتوں کے طلبہ و طالبات کے لئے ان کی آٹھ درسی کتابیں دھن لال بردرس، ممبئی کے زیر اہتمام شائع ہو چکی ہیں جن کے ذریعے لاکھوں بچے ایم یوسف انصاری کے نام سے آشنا ہوئے۔

''طلسمی گھوڑا'' ان کی پچاسویں کتاب ہے۔ جسے ۱۹۹۰ء میں بڑے اہتمام کے ساتھ مکتبہ اطفال مالیگاؤں کی معرفت شائع کیا گیا۔ اس کتاب کو مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکیڈمی نے تین ہزار روپئے کا انعام دیا اور ترقی اردو بیورو نے دوسو کاپیاں خرید کیں۔ ایم یوسف انصاری کو پرندوں اور جانوروں کی نرالی دنیا میں ہمیشہ دلچسپی رہی۔ اس تعلق سے آج بھی ان کے مضامین بچوں کے اخبارات و رسائل میں شائع ہوتے ہیں اور شوق سے پڑھے جاتے ہیں۔

موصوف کو مشاعروں اور شاعری سے کبھی دلچسپی نہیں رہی لیکن ۱۹۹۰ء میں حج کے مبارک موقع پر انہوں نے خدا سے شاعرانہ صلاحیت عطا کرنے کی دعا مانگی جو مستجاب ہوئی۔ اڑتالیس برس کی نثر نگاری کے بعد اب ''نغمہ اطفال'' کے نام سے بچوں کی نظموں اور نرسری آئٹم پر مشتمل بچوں کے لئے ان کی شاعری کا پہلا مجموعہ منظر عام پر آچکا ہے۔ آج وہ اطفال بک ڈپو پر ڈیوٹی دینے کے ساتھ ساتھ ترجموں کے کام میں مصروف رہتے ہیں۔ امنگ (دہلی) میں ان کی تخلیقات تسلسل کے ساتھ شائع ہو رہی ہیں۔ ماہنامہ گل بوٹے (ممبئی) میں ہر ماہ باتصویر مکمل کہانی شائع ہوتی ہے۔ خیر اندیش، جل پری اور بزم اطفال میں بھی کہانیاں اور معلوماتی مضامین لگاتار شائع ہو رہے ہیں۔

ایم یوسف انصاری اور ان کے چھوٹے بھائی آصف بختیار سعید نے سبکدوشی کے بعد اپنی زندگیاں بچوں کے چہروں پر مسکراہٹیں بکھیرنے کے لئے وقف کر رکھی ہیں۔ انصاری صاحب کے

صلہ اس کی تفصیل آصف بختیار کے ذکر میں موجود ہے۔

کام کی رفتار قابلِ رشک حد تک بڑھ چکی ہے۔ عمر کا تقاضہ تو یہ ہے کہ آرام کریں لیکن معصوم بچوں کی آنکھوں میں جگنوؤں کی تلاش انہیں چین سے بیٹھنے دے، تب نا! دہلی میں جب ''ادبِ اطفال کے معمار'' نامی کتاب ترتیب دی گئی تو موصوف کو اونچا مقام دیا گیا۔ نیز خوشحال زیدی نے بچوں کے ادب پر جو تحقیقی مقالہ پی ایچ ڈی کے لئے لکھا ہے اس میں ان کا ذکر بڑے اہتمام و احترام سے کیا ہے۔

یوسف انصاری نے اگر چہ طبع زاد تحریریں کم ہی لکھی ہیں لیکن ترجمہ کرنے میں بھی اس بات کا خیال رکھا ہے کہ کہانی چینی ہو جاپانی، امریکی ہو یا روسی، اسے ہندوستانی تہذیب و روایات اور ماحول و کردار کا جامہ پہنا دیا جائے اس لحاظ سے ان کے ترجمے، ترجمے نہیں معلوم ہوتے۔

''اطفال برادران'' نے بچوں کے ادب کی خدمت جس جذبۂ خلوص، محنت اور لگن سے کی ہے وہ نا قابلِ فراموش اور لائق تقلید ہے۔ یقیناً ان کا نام تاریخ ادب اطفال میں سنہری حرفوں میں لکھے جانے کے لائق ہے۔

پروفیسر عبدالحفیظ انصاری

پیدائش: ۲ر جون ۱۹۳۳ء

پروفیسر عبدالحفیظ انصاری کے ذکر کے بغیر شہر کی تعلیم، ادب اور دانشوری کی تاریخ نامکمل رہے گی۔ تعلیم و ادب کے باب میں عموماً اور اردو فارسی کے فروغ میں خصوصاً موصوف کی خدمات اظہر من الشمس ہیں۔ ان کا نام شہر کے ہر طبقے میں ادب و احترام سے لیا جاتا ہے۔ لوگ انہیں محبت سے "صاحب" یا بعض لوگ "انصاری صاحب" کہہ کر بلاتے ہیں۔

اُن کے آباء و اجداد کا تعلق سویت ضلع الہ آباد سے ہے۔ ان کے پردادا "گدی دلال" مالیگاؤں آئے۔ یہ ساڑی مرچنٹ اور کمیشن ایجنٹ تھے۔ انصاری صاحب کی پیدائش مؤائمہ، ضلع الہ آباد کی ہے۔ انہوں نے ۱۹۵۱ء میں اینگلو اردو ہائی اسکول سے ایس ایس سی پاس کیا۔ اسماعیل یوسف کالج ممبئی سے ۱۹۵۵ء میں فارسی مضمون سے بی اے کیا۔ اور اردو فارسی سے ۱۹۵۷ء میں ایم اے کیا۔

ممبئی میں ایم اے کی تعلیم کے دوران مختلف ملازمتوں کا تجربہ حاصل کیا۔ وہ فارسی کے اسسٹنٹ ٹیچر، Best میں ٹرانسلیٹر، ریلوے میں لوور ڈویژن کلرک، سکریٹریٹ میں اورینٹل ٹرانسلیٹر اور پے اینڈ اکاؤنٹس آفس میں کلرک رہے۔ گویا انہیں دنیا کو دیکھنے، جاننے اور سمجھنے کا موقع زمانۂ طالب علمی ہی میں مل گیا۔ اسماعیل یوسف کالج میں ۱۹۵۵ء سے ۱۹۵۷ء تک "فیلو" رہے۔ انہیں یونیورسٹی اوپن اسکالر شپ بھی ملی۔ یہ دونوں اعزازات اس سے قبل شہر کے کسی دوسرے طالب علم کو حاصل نہ ہوئے تھے۔

ایم اے کرنے کے بعد مالیگاؤں آئے اور ۱۹۵۸ء سے مالیگاؤں ہائی اسکول میں پیشۂ تدریس سے وابستہ ہوئے۔ دوسرے سال یہاں خدمت کرنے کے ساتھ ساتھ ایم ایس جی کالج مالیگاؤں میں فارسی اور اردو کی تعلیم بھی دینے لگے۔ اس کے بعد مستقل طور سے کالج میں آگئے۔ اردو اور فارسی کے لئے اس کالج کا Affiliation پونہ یونیورسٹی سے کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ جون ۱۹۷۱ء میں

ایم ایس جی کالج کی انتظامیہ نے شہر کے اندر خصوصاً مسلم طلبہ وطالبات کی سہولت کے لئے ایک اور کالج ''آرٹس اینڈ کامرس کالج، مالیگاؤں سٹی'' قائم کیا۔ اسے عموماً سٹی کالج کہا جاتا ہے۔ انصاری صاحب کو اس کالج کا پرنسپل مقرر کیا گیا۔ موصوف یہاں اردو اور فارسی کی کلاسیں لینے کے ساتھ ایم ایس جی کالج میں بھی ایم اے کے طلبہ کو اردو فارسی پڑھاتے رہے۔ ۳۰/جون ۱۹۹۳ء کو خدمات سے سبکدوش ہونے کا وقت آیا تو انتظامیہ نے ۳۱/اگست ۱۹۹۴ء تک ملازمت میں توسیع کر دی۔

موصوف ۶۵-۱۹۶۴ء میں پونہ یونیورسٹی کے بورڈ آف اسٹڈیز کے رکن بنے اور ملازمت کے آخری دن تک رہے۔ اکیڈمک کونسل اور یونیورسٹی سینیٹ کے علاوہ دیگر کمیٹیوں میں خدمات انجام دیں۔ اردو، فارسی اور عربی کے مشترکہ بورڈ آف اسٹڈیز کے چھ برس تک چیرمن رہے۔ ۹۰-۱۹۸۹ء میں پی ایچ ڈی کے لئے گائیڈ مقرر کئے گئے۔ ان کی رہنمائی میں ڈاکٹر ہارون فراز نے ''جمیل کی شاعری'' اور ڈاکٹر اقبال برکی نے ''خواجہ غلام السیدین'' پر مقالے لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ فی الحال ایم ایس جی کالج میں Visiting Professor کی حیثیت سے ایم اے کی کلاسیں لے رہے ہیں۔

ان کی تخلیقی سرگرمیوں کا آغاز ہائی اسکول کی طالب علمی کے زمانے سے ہوا۔ ابتدا بیانیہ شاعری سے ہوئی۔ اس زمانے میں گاندھی جی کے قتل پر مرثیہ لکھا۔ ہائی اسکول کے طلبہ کی حوصلہ افزائی کا ایک طریقہ یہ تھا کہ موضوع دے کر مضامین لکھوائے جاتے تھے۔ جنھیں طلبہ میٹنگ میں سناتے تھے۔ انصاری صاحب نے بھی کئی مضامین پیش کئے۔ یہ سرگرمی ان کی نثری صلاحیت کو جلا بخشنے میں مددگار ثابت ہوئی۔

ممبئی پہنچنے کے بعد اسماعیل یوسف کالج کے رسالے Palm میں ایک مضمون ''اردو تنقید کا ارتقاء'' شائع کروایا۔ مضمون نگاری کے انٹر کالجیٹ مقابلوں میں اپنے کالج کی نمائندگی کرنے کے مواقع بھی حاصل ہوئے۔ اس زمانے میں جو قابل قدر مضامین تحریر کئے ان میں اکبر الہٰ آبادی اور اصلاح معاشرہ، اکبر اور مغربی تہذیب، کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا اور غالبؔ کی شاعری میں منظر کشی شامل ہے۔ کالج کی لٹریری ایسوسی ایشن کا سکریٹری ہونے کی وجہ سے انہیں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو نکھارنے کا موقع ملا۔ ادباء وشعراء سے متعارف ہوئے۔ کالج کے ادبی جلسوں میں انہوں نے اپنے زمانے میں کرشن چندر، کیفی اعظمی اور کرشنا مینن (سابق وزیر دفاع، حکومتِ ہند) کو مدعو کیا۔ ڈراموں میں حصہ لیا۔ لیکن ڈرامے نہیں لکھے۔ انجمن ترقی پسند مصنفین ممبئی کے ادبی جلسوں میں شرکت کی جہاں انہیں سردار جعفری کیفی اعظمی، ظ۔ انصاری، مراد، راجندر سنگھ بیدی اور عصمت چغتائی کو روبرو سننے کا موقع ملا۔

بھی کبھی بحث وتنقید میں شریک بھی ہو جاتے تھے۔

ہفت روزہ عوامی آواز (مالیگاؤں) کی ابتدائی اشاعتوں میں ادبی و تعلیمی اداریئے انصاری صاحب کے قلم کے مرہون منت ہوتے تھے۔ ساتویں دہائی میں ہلال کلب اسلامپورہ میں ''وال پیپر'' لگائے جاتے تھے۔ جو اہلِ محلّہ کے پڑھنے کے لئے رکھ دیئے جاتے تھے۔ اس کے لئے انصاری صاحب نے بہت سی شخصیتوں پر مضامین رقم کئے۔ گجراتی زبان پر ان کا ایک گراں قدر مضمون ''گوجری، گجری، گجراتی'' ''شاعر (ممبئی) کے صفحات کی زینت بنا۔ حفیظ مالیگانوی مرحوم کے تحریر کردہ تذکرے ''نقوش'' پر طویل تبصرہ وتنقید رسالہ جواز میں اشاعت پذیر ہوا۔ ۱؎

انصاری صاحب کو تحقیقی کاموں میں خاصی دلچسپی رہی ہے۔ نعمت خان عالی اورنگ زیب کا داروغۂ مطبخ اور محافظ جواہرات تھا۔ یہ نثر نگار تھا اور شاعری بھی کرتا تھا۔ اورنگ زیب کے گولکنڈہ پر حملہ کا بیان اس نے اپنی مشہور فارسی کتاب ''وقائع نعمت خان عالی'' میں کیا ہے۔ انصاری صاحب نے ۱۹۵۶ء میں نعمت خان عالی کی شخصیت اور فن پر کام شروع کیا تھا۔ بڑی تلاش وجستجو کے بعد نصف کام مکمل بھی کرلیا تھا لیکن ممبئی چھوٹ جانے کے بعد تحقیق بھی چھوٹ گئی۔

موصوف نے آج کل ساری ادبی وتخلیقی سرگرمیاں ترک کردی ہیں۔ اور ''حقیقی سبکدوشی'' کی زندگی گذار رہے ہیں۔ کبھی کبھی انجمن ترقی اردو (جس کے وہ ابتدا سے صدر ہیں) کے تن مردہ میں روح پھونکنے کے لئے میدان میں آجاتے ہیں۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اکثر شعرا و ادبا، کسی نہ کسی مرحلے میں موصوف کے شاگرد رہ چکے ہیں۔ نمایاں شخصیتوں میں ڈاکٹر اشفاق انجم، پروفیسر عبدالمجید صدیقی (موجودہ پرنسپل سٹی کالج) پروفیسر عبدالحمید انصاری، ڈاکٹر نجم الہدیٰ شیخ، احمد عثمانی، سجاد عزیز اور سلیم شہزاد شامل ہیں۔

موصوف نے اپنے بچوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ ان کے فرزندان میں ساجد انصاری ایم اے ہیں اور ایم ایس جی کالج میں لیکچرر ہیں۔ ''مسلم مالیگانوی'' پر تحقیقی کام کرچکے ہیں۔ طارق انصاری آٹوموبائل انجینئرنگ سے منسلک ہیں۔ فی الحال اسپننگ مل میں Purchasing Officer ہیں۔ شرجیل انصاری کمپیوٹر سائنس کے ماہر ہیں۔

۱؎ سہ ماہی جواز نمبر ۱۲، مالیگاؤں، اپریل ۱۹۸۰ء، ص ۹۸

دو بیٹیاں ڈاکٹر ہیں اور ایک بی کام کرنے کے بعد ایم اے کر رہی ہیں۔

پروفیسر صاحب کا تخلیقی سرمایہ کم ہے لیکن شہر کے نوجوانوں میں اعلیٰ تعلیم کا جذبہ پیدا کرنے ،ان کی رہنمائی کرنے ،انہیں نثر نگاری خصوصاً تحقیق کی طرف مائل کرنے اور اردو فارسی کی تعلیم کو فروغ دینے میں انہوں نے جو قابل قدر کردار ادا کیا ہے وہ شہر کی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ آج بھی وہ تعلیم کے میدان میں رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ اور مختلف تعلیمی اداروں کی مشکلات کو دور کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ خوشی اور اطمینان کی بات ہے کہ ''صاحب'' کی گفتگو میں زندہ دلی، شوخی اور بذلہ سنجی کے وہی عناصر آج بھی پائے جاتے ہیں جن کی بناء پر طلبہ انہیں استاد سے زیادہ اپنا بزرگ دوست سمجھتے تھے۔

نمونۂ نثر:

.... گذشتہ ربع صدی میں جہاں کچھ نئی تحریکیں ادب میں ابھریں، نیا مزاج اور نیا رجحان تشکیل پایا وہیں ادب کے کئی پوشیدہ گوشوں کی جانب توجہ دی گئی جس میں کلاسک کی بازیافت کی جانب بھی کافی پیش رفت ہوئی۔ میر ،غالب اور دیگر شعراء کے کلام کا نئے زاویوں سے جائزہ لیا جانے لگا۔ یہاں تک کہ ان کے کلام اور نئے علوم میں روابط کی تلاش شروع ہوگئی۔ تجزیاتی اور تحلیلی تجزیات کئے جانے لگے۔ یورپی اور ہندی شعراء میں موازنہ کی لہر اٹھی۔ ان گوناگوں تبدیلیوں کے علاوہ ایک رجحان اور بیدار ہوا جسے ''علاقائی ادب کی نمائندگی'' کا نام دیا جاسکتا ہے۔ اردو کے وہ مراکز جو دہلی اور لکھنؤ کے ساتھ سرگرم عمل تھے لیکن ادب میں کسی وجہ سے اپنا صحیح اور جائز مقام نہ پاسکے، وہاں کے ادیبوں نے خصوصیت کے ساتھ اس جانب توجہ دی۔ .... (حفیظ مالیگانوی کے نقوش پر تبصرہ)

بشیر احمد انصاری

پیدائش: ۱۱ر فروری ۱۹۳۶ء

مہاراشٹر کے اردو طلبہ کے لئے معیاری نصابی کتابوں کی تیاری میں بشیر احمد انصاری کی طویل خدمات قابل قدر بھی ہیں اور لائق تحسین بھی۔ مالیگاؤں سے لے کر پونہ تک انہوں نے اردو زبان اور تعلیم کے سلسلے میں جو طویل سفر کیا ہے وہ افسانوی حیثیت رکھتا ہے، یہ سفر قابلِ رشک بھی ہے قابلِ تقلید بھی۔

موصوف کا پورا نام بشیر احمد ابن عبدالغفار ہے۔ مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد اینگلو اردو ہائی اسکول مالیگاؤں سے ۱۹۵۳ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ایک سال اسماعیل یوسف کالج ممبئی میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد پونہ چلے گئے۔ یہاں ۱۹۵۹ء میں واڈیا کالج سے بی ایس سی کیا۔ ۱۹۶۳ء میں پونا یونیورسٹی سے بی اے کیا اور ۱۹۶۴ء میں تلک کالج پونہ سے بی ایڈ کیا۔

بشیر احمد انصاری کی تدریسی خدمات کا آغاز ۱۹۵۹ء میں مولیدنا ہائی اسکول پونہ سے ریاضی کے ٹیچر کی حیثیت سے ہوا۔ ۱۹۶۰ء میں اینگلو اردو ہائی اسکول پونہ میں ملازمت اختیار کی جو دس برس تک جاری رہی۔ ۱۹۷۰ء کا سال ان کی زندگی کا Turning Point ثابت ہوا۔ کیونکہ اسی سال فروری میں مہاراشٹر کے نصابی کتب تیار کرنے والے حکومتی ادارے "بال بھارتی" میں وہ اسپیشل آفیسر برائے اردو مقرر کئے گئے۔ ۲۱ ر برسوں کی طویل خدمات کے بعد انہیں ترقی دے کر اکیڈمک سکریٹری بنایا گیا۔ اسی عہدے پر رہتے ہوئے فروری ۱۹۹۴ء میں خدمات سے سبکدوش ہوگئے۔ بہر حال لسانی کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے ان کی خدمات آج بھی بال بھارتی کو حاصل ہیں۔ دکن مسلم ٹرسٹ پونہ سے وابستہ ہیں۔ اس ادارے کی لائبریری میں دکن ایجوکیشن اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قائم ہے جس کو پونہ یونیورسٹی کا Affiliation حاصل ہے بشیر انصاری صاحب اس تحقیقی ادارے کے رکن بھی ہیں اور ریسرچ اسٹوڈنٹ

بھی۔انہوں نے Development Of Urdu Language Text books in Maharashtra اس عنوان کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا ہے۔ڈاکٹر اشفاق انجم (مالیگاؤں) ان کے گائیڈ ہیں۔

انہوں نے اپنی ''معصومانہ'' تحریری سرگرمیوں کا آغاز ہائی اسکول کی طالب علمی کے زمانے میں کہانیوں کے ذریعے کیا۔ یہ کہانیاں انقلاب اور اسکول کے قلمی رسالہ ''منزل'' میں شائع ہوئیں۔۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۲ء کے درمیان انجمن ترقی پسند مصنفین اور اسٹوڈنٹس یونین کی ادبی نشستوں میں افسانے پیش کئے۔

اس زمانے میں اینگلو اردو ہائی اسکول کی لائبریری کا ذخیرہ بڑا قیمتی تھا۔فرانسیسی ڈرامہ نگار مولیر کے انگریزی میں شائع شدہ ڈراموں نے انہیں کافی متاثر کیا۔انہوں نے ان میں سے چند ڈراموں کا ترجمہ کیا اور مختلف سین ملا کر اسٹیج کرنے کے لائق ایک اچھا مکمل ڈرامہ ترتیب دے دیا۔مولیر کے ایک اور ڈرامے ''مائزر'' کو مختصر کر کے ون ایکٹ کردیا۔جسے اسٹیج پر انگریزی میں ہی پیش کیا گیا۔بعد میں مائزر اور حکومت ہند کے گولڈ ایکٹ کو ملا کر ''کنجوس'' کے عنوان سے اسے ایک نئے ڈرامے کی شکل دے ڈالی۔موصوف کی ان سرگرمیوں کے ذریعے دراصل قدرت انہیں اس اہم کام کے لئے تیار کر رہی تھی جو برسوں بعد انہیں بال بھارتی میں انجام دینا تھا۔

واڈیا کالج پونہ کی طالب علمی کے دوران کالج میگزین میں جو تخلیقات شائع ہوئیں ان میں ڈالڈہ گھی، مشینی آواز اور ایک شخصی خاکہ شامل ہے۔مشینی آواز میں خواتین پر اشتہارات کے اثرات کو اجاگر کیا گیا ہے۔اینگلو اردو ہائی اسکول پونہ کی ملازمت کے دوران ہر سال دو تین ون ایکٹ ڈرامے لکھتے رہے۔برسوں پہلے اس ادارے سے ''رفیق الطلباء'' کے نام سے اسکول میگزین شائع ہوتا تھا۔جو بند ہو چکا تھا۔بشیر احمد انصاری نے اس کا احیاء کیا۔اس میں زیادہ تر تخلیقات خود ان کی ہوتی تھیں لیکن اکثر نام دوسروں کے ہوتے تھے۔علاوہ ازیں جنوبی مہاراشٹر کے کلچر پر انہوں نے تین افسانے تحریر کئے جن میں عورت کی عصمت کی حفاظت کی سچی کہانیوں کو افسانوی انداز میں پیش کیا گیا تھا۔

اردو ٹائمز کے اجراء کے بعد سماجی موضوعات پر موصوف کے کئی مضامین شائع ہوئے۔ساتھ ہی ساتھ ہفت روزہ بیباک میں بھی ان کی تخلیقات اشاعت پذیر ہوتی رہیں۔ان میں مجروح سلطان پوری کا انٹرویو بھی شامل ہے۔

بال بھارتی کے ذریعے خدمات زبان

۱۹۷۰ء میں بال بھارتی میں اردو کے لئے اسپیشل آفیسر کی حیثیت سے تقرری کے بعد انہیں اپنی صلاحیتوں کے استعمال کا موقع ملا۔ دو محترم شخصیتوں سے انہیں کافی رہنمائی ملی۔ ایک مرحوم ولی محمد خان صاحب (اورنگ آباد) جو ٹیکسٹ بک بیورو کے چیئرمین تھے اور دوسرے مرحوم شہاب الدین دسنوی صاحب۔ ایڈیٹنگ سے کام کی شروعات کی۔ ایڈیٹنگ بھی دراصل زبردست مہارت کا تقاضہ رکھتی ہے۔ کسی طول طویل مضمون کو کم سے کم الفاظ میں اس طرح دوبارہ ترتیب دینا کہ نہ تسلسل پر حرف آئے نہ متن پر ضرب پڑے، نہایت دشوار کام ہے "مچھلوں کی انجمن" نام کا ایک مضمون جو سات صفحات پر مشتمل تھا اسے ایڈٹ کر کے چار صفحے کا کر دیا۔ نصابی کتاب میں مرزا غالب پر ایک مضمون شامل کرنے کے لئے انہوں نے پوری یادگار غالب پڑھ کر مختلف پیراگراف کو اسطرح یکجا کیا کہ تسلسل برقرار رہا۔ مہاراشٹر میں اردو کی نصابی کتابوں کی نئی سیریز کی شروعات سے قبل بشیر انصاری صاحب نے نویں اور دسویں جماعت کی اردو کتابیں ترتیب دیں۔ اردو برائے غیر اردوداں کے زمرے میں "تعارف اردو" نام کی نصابی کتاب جب پہلی بار مرتب کی گئی تو رابطہ کار کا فریضہ انہوں نے ہی انجام دیا۔

۱۹۷۶ء سے اردو کتابوں کی نئی سیریز کی ترتیب و تشکیل کا آغاز ہوا۔ بشیر احمد انصاری نے اس اہم کام کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ اس سے قبل تیسری جماعت تک کی کتابیں ترتیب دی جا چکی تھیں اور جملاتی طریقوں کو بھی طے کر لیا گیا تھا۔ انہوں نے ان طریقوں میں موجود خامیوں کو تلاش بھی کیا اور انہیں دور کرنے میں محنت بھی کی۔ انصاری صاحب کی لسانیات پر گہری نظر ہے۔ موصوف نے رشید حسن خان اور گوپی چند نارنگ کی اردو املا نویسی کے بعض اصولوں سے اختلاف کیا اور دلائل کے ساتھ ان کی بعض سفارشات کو رد کیا۔ بال بھارتی کی اردو کتابوں میں اس کی کافی مثالیں موجود ہیں۔ اس وقت لسانی کمیٹی میں مرحوم پروفیسر غلام دستگیر شہاب، ڈاکٹر عصمت جاوید، مسٹر نور العین علی اور اشفاق انجم وغیرہ شامل تھے۔ ایڈٹنگ کا کام بہرحال انصاری صاحب ہی دیکھتے تھے۔

۱۹۸۴ء میں ساتویں جماعت کی اردو کتاب کی تیاری کے بعد یہ دوسری سیریز ختم ہوگئی۔ ۱۹۸۶ء میں نئی تعلیمی پالیسی کا نفاذ ہوا۔ مہاراشٹر حکومت کی جانب سے ۱۹۸۸ء میں نصاب طے کیا گیا اور ۱۹۸۹ء سے تیسری سیریز کی کتابیں تیار کرنے کا کام شروع ہوا۔ ہر سال ایک کتاب تیار ہوتی گئی۔ آٹھویں جماعت تک کی کتابیں بشیر انصاری صاحب کی نگرانی میں تیار ہوئیں۔

نئی تعلیمی پالیسی کے نفاذ کے بعد انصاری صاحب نے تعلیمی مضامین کا ایک نیا سلسلہ شروع کیا۔ پالیسی کے بیان میں بہت سی اصطلاحات ایسی تھیں جن کی معنویت (Concept) واضح نہیں تھی۔ ان کے مضامین نے ان اصطلاحات کی معنویت کی وضاحت میں نمایاں رول ادا کیا Reading Ability اور Readability پر انہوں نے خصوصی محنت کی۔

انصاری صاحب نے مختلف کانفرنسوں میں انگریزی میں بھی پیپر پیش کئے ہیں۔ آج بھی ان کے تعلیمی مضامین مختلف اخبارات ورسائل میں شائع ہورہے ہیں۔

پھول رانی:

سولہ صفحات کی یہ چھوٹی سی کتاب انہوں نے بچوں کے لیے لکھی ہے۔ جو ۱۹۸۸ء میں پونہ سے شائع ہوئی۔ درحقیقت یہ ایک تجرباتی کتاب ہے جو ایک مقصد اور نظریئے کے تحت لکھی گئی ہے۔ اور بچوں کے لئے لکھی گئی کہانیوں کی دوسری کتابوں سے الگ حیثیت رکھتی ہے۔

محمد حسین تانبولی نے انگریزی میں ایک تحقیقی مقالہ لکھا ہے۔ اس میں انہوں نے یہ بتانے اور طے کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے کہ ہر عبارت کا ایک معیار خواندگی Readability ہوتا ہے۔ جو ایک مخصوص عمر کے بچوں کے لئے مناسب ہوتا ہے۔ بچوں کے لئے کہانیاں لکھنے والوں کے ذہن میں عموماً بچوں کا ''Age Group'' نہیں رہتا۔ ان کی نظر موضوع پر مرکوز رہتی ہے۔ اس لئے عبارات کے معیار خواندگی وغیرہ کا خیال بھی نہیں رکھا جاتا۔ تانبولی صاحب نے بڑے سائنٹفک طریقے سے معیار خواندگی کو بیان بھی کیا ہے اور طے کرنے کے اصول بھی بتائے ہیں۔

اس تحقیق کے پیش نظر بشیر انصاری صاحب نے نمونے کے طور پر ''پھول رانی'' لکھی۔ ان کے خیال کے مطابق اس کا معیار خواندنی 3.6 ہے۔ جس سے مراد یہ ہے کہ چوتھی جماعت کی دوسری ٹرم میں یہ کتاب پڑھی جاسکتی ہے۔ ان کی اس کاوش کی تقلید کرنے والا مہاراشٹر میں شاید دوسرا تخلیق کار نہیں ہے۔

نصابی کتابوں کی تیاری دراصل بڑی احتیاط کا تقاضا رکھتی ہے۔ یہ کتابیں معیاری اردو کے لئے نمونہ اور مثال فراہم کرتی ہیں۔ اسلئے ان کی لکھاوٹ، عبارت، معیار اور صحت زبان کے سلسلے میں بے حد احتیاط لازم ہے۔ ایک ایک لفظ، ایک ایک جملے کو چھان پھٹک کر دیکھنا، جانچنا اور پرکھنا پڑتا ہے۔

ورنہ غلط اردو کے رواج پانے اور غلط کو صحیح سمجھ لینے کا خدشہ پیدا ہو جاتا ہے۔

بشیر احمد انصاری کی محنت، عرق ریزی، تحقیق و جستجو اور خلوص نے لسانی کمیٹی کے اراکین کی مدد سے اردو نصابی کتابوں کو جو معیار عطا کیا ہے اسے برقرار رکھنا، ان کے بعد آنے والوں کے لیے چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔

دورِ دوّم پر تبصرہ

(۱۹۴۱ء تا ۱۹۶۰ء)

دورِ اوّل کے آخری حصے میں وہ علمائے کرام اور اساتذہ جنہوں نے شہر میں نثر نگاری کی بنیاد رکھی تھی، تھکے تھکے سے دکھائی دینے لگے، کئی نثر نگاروں نے تخلیقی سرگرمیاں بالکل ترک کر دیں۔ بہت سے دوسرے عملی کاموں میں مصروف ہو گئے۔ جو دو چار باقی رہ گئے انکے لکھنے میں تسلسل قائم نہ رہا ویسے انکی اکا دکا تخلیقات ایک زمانے تک سامنے آتی رہیں۔ بقول محمد صدیق مسلم:

اب آنے والے کریں اس پہ قصرِ نو تعمیر
وفا و مہر کی بنیاد ہم تو ڈال گئے

دورِ دوم کی شروعات سے قبل ۱۹۳۶ء میں ترقی پسند ادبی تحریک کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ انجمن ترقی پسند مصنفین کے جلسے منعقد ہونے شروع ہو چکے تھے۔ ممبئی انکی سرگرمیوں کا خاص مرکز تھا۔ خوش قسمتی سے اس دور کے کئی مقامی قلمکاروں کو ممبئی میں ترقی پسند مصنفین کی ادبی نشستوں اور جلسوں میں شرکت کرنے اور ترقی پسند ادیبوں اور شاعروں سے ملاقات کرنے اور ان سے دو بدو گفتگو کرنے کا سنہری موقع حاصل ہوا۔ ان میں نشاط شاہدوی، عائشہ حکیم، سعید عقاب، ہارون بی اے، شبیر احمد حکیم، پروفیسر عبدالحفیظ انصاری اور عبدالمجید سرور قابلِ ذکر ہیں۔ یہ لوگ ترقی پسند نظریات اور خیالات سے متاثر ہوئے۔ مالیگاؤں میں ترقی پسند مصنفین کی انجمن کا قیام ۱۹۴۶ء میں ہوا۔ نشاط شاہدوی مرحوم اسکے بانی تھے۔ انجمن کی سرگرمیاں ابھی ٹھیک سے شروع بھی نہ ہوئی تھیں کہ نشاط شاہدوی کا انتقال ہو گیا۔ بہر حال انکی زندگی میں ہی ترقی پسند شعراء و ادباء کا ایک قافلہ تیار ہو چکا تھا۔ ۱۹۴۷ء میں انجمن ترقی اردو قائم ہوئی لیکن نثر نگاری کے فروغ میں زیادہ مددگار ثابت نہ ہوئی۔

مالیگاؤں میں نثر نگاری کا دوسرا دور دور افسانہ ثابت ہوا۔ اس دور کے تقریباً تمام ہی نثر نگاروں نے افسانے ضرور لکھے، کسی نے کم کسی نے زیادہ۔ افسانہ نگاروں میں قابل ذکر ڈاکٹر محمد فاروقی، عبدالستار سبحانی، نشاط شاہدوی، حفیظ مالیگانوی، عائشہ حکیم، سعید عقاب اور الیاس خورشید وغیرہ ہیں۔

ڈرامہ نگاری پر پہلی بار بھرپور توجہ دی گئی۔ ضیا، ڈرامانسٹ کا نام سب سے نمایاں ہے۔ ضیا، ایک باصلاحیت فنکار تھے۔ انہوں نے افسانے بھی لکھے۔ مزاح نگاری بھی کی لیکن ڈراموں پر سب سے زیادہ محنت کی۔ انکے ڈرامے اشاعت پذیر ہوئے۔ لیکن اسٹیج نہ ہو سکے۔

خورشید مرزا نے اسلامی تاریخ کو موضوع قلم بنایا، نیز تصوف پر چند مضامین تحریر کیے۔ سوانحی مضامین اور تنقید لکھنے والوں میں عبدالمجید سرور کا نام نمایاں ہے۔ انہوں نے چند ڈرامے بھی لکھے ہیں۔ تحقیق کے میدان میں بھی کام کا آغاز ہوا۔ ڈاکٹر محمد فاروقی، شبیر احمد حکیم، اسحاق ایوبی، حفیظ مالیگانوی، بشیر احمد انصاری، پروفیسر عبدالحفیظ انصاری، حمید اختر وغیرہ نے تحقیق اور تاریخ میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ لسانیات کے تعلق سے پہلی بار علمی بحث کا دروازہ کھولا گیا۔ محمد ابراہیم عارج، عبدالحفیظ انصاری، بشیر احمد انصاری اور اسحاق ایوبی کے مضامین اس نقطۂ نظر سے اہمیت کے حامل ہیں۔

ناول نویسی کا آغاز بھی اسی دور سے ہوتا ہے، حمید اختر، حفیظ مالیگانوی اور عبدالمجید نازاں کے ناول اس دعوے کی دلیل ہیں۔

سفرناموں کی اجنبی وادیوں میں شبیر حکیم سب سے زیادہ دور تک گئے۔ انہوں نے کئی سفرنامے تخلیق کئے۔ اسکے علاوہ مزاح نگاری میں کمال حاصل کیا۔ مزید برآں مالیگاؤں اور بنکروں کی تاریخ لکھ کر انہوں نے مولانا وحید کے شروع کئے ہوئے کام کو کافی آگے بڑھا دیا۔ شبیر احمد حکیم اس دور کے ایک اہم فنکار ہیں۔

مالیگاؤں میں صحافت کی بنیاد ۱۹۳۵ء میں مولانا عبدالحمید نعمانی کے ہفت روزہ "بیداری" سے پڑ چکی تھی۔ مولانا نعمانی صحافت کا طویل تجربہ رکھتے تھے۔ ان کی صحافتی خدمات کے واضح اثرات دور دوم میں دکھائی دیتے ہیں۔ عبدالمجید سرور، حمید اختر، سعید عقاب، حفیظ مالیگانوی، عائشہ حکیم، شعبان جامعی، اور ہارون بی اے کسی نہ کسی شکل وحیثیت میں، کسی نہ کسی موڑ پر صحافت سے وابستہ رہے۔ ان میں سے بعض اب بھی وابستہ ہیں۔ ان لوگوں کی صحافتی زندگی میں سیاسی، سماجی اور ادبی مضامین کا بڑا سرمایہ وجود میں آیا۔

ایک اور اہم بات یہ کہ بچوں کے ادب پر خاطر خواہ توجہ دی گئی۔ سب سے نمایاں کارکردگی ایم یوسف انصاری کی رہی۔ انکی سرگرمیاں اب تک جاری ہیں۔ دیگر قلمکاروں میں بشیر احمد انصاری

اور ڈاکٹر محمد فاروقی نے بھی بچوں کے ادب میں کافی سرمایہ پیش کیا۔

نثر کی خصوصیات:

دوسرے دور کے بیشتر قلمکار انگریزی اسکولوں اور کالجوں کے تربیت یافتہ ہیں۔ان کا مطالعہ وسیع ہے۔معیاری رسائل وکتب کے علاوہ انہوں نے انگریزی ادب کا بھی براہ راست مطالعہ کیا ہے۔ان میں سے اکثر اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔اسلئے زبان وبیان کے اصولوں ہی نہیں فن کی باریکیوں سے بھی واقف ہیں۔

افسانہ اس دور کی نثر نگاری کی عمارت کا بنیادی پتھر ہے۔یہ افسانے عموماً ترقی پسند ادبی تحریک کے زیراثر لکھے گئے ہیں اس لئے ان کے موضوعات بھی وہی ہیں جو ترقی پسند ادیبوں کے محبوب موضوعات رہے ہیں۔بھوک،غریبی،استحصال،جنگ،نفرت،اور فرقہ واریت،حفیظ مالیگانوی جو ترقی پسند تحریک سے وابستہ تھے انہوں نے سب سے زیادہ افسانے تخلیق کئے اوران کا سارا سرمایہ بھی خوش قسمتی سے محفوظ ہے انجمن ترقی پسند مصنفین مالیگاؤں میں قائم تو ہوئی لیکن تنظیمی طور پر طاقت ور نہ ہوسکی۔اسی سبب سے بہت سے افسانہ نگاروں نے اپنا راستہ خود نکالا۔عبدالستار سبحانی عشق ومحبت کی کہانیاں بیان کرتے رہے۔عابد انصاری اصلاحی داستانیں رقم کرتے رہے۔الیاس خورشید زندگی کے مختلف پہلوؤں پر افسانہ طرازی کرتے رہے۔یہ لوگ ترقی پسند ادبی تحریک سے باقاعدہ وابستہ نہ تھے۔لیکن ان کی تخلیقات میں بھی ترقی پسندی زیریں لہر کی طرح موجود رہی۔ایک حقیقت کا اظہار اس موقع پر ضروری ہے۔اس دور کے قلمکاروں نے اچھا خاصہ ادبی سرمایہ پیش تو کیا لیکن بیشتر نے اپنی تخلیقات کو سنبھال کر رکھنے پر کم توجہ دی۔جس کے سبب آج بہت سی تحریروں کا پتہ نہیں چلتا۔سعید عقاب،حمید اختر،عبدالمجید سرور نے کافی کچھ لکھا۔لیکن ان کی اس دور کی تخلیقات بہت کم دستیاب ہوسکی ہیں۔اس کی دو وجوہات دکھائی دیتی ہیں۔ایک تو ان کی ذاتی تساہلی اور غیر مستقل مزاجی اور دوسری یہ حقیقت کہ ان میں سے اکثر اصحاب کو مختلف مقامات پر بھٹکنا پڑا۔اس ''دشت نوردی'' کا سبب حصول تعلیم بھی ہے اور تلاش معاش بھی۔بہرحال اس کے سبب ناقابل تلافی نقصان ہوا کیوں کہ ان کی تخلیقات کا بڑا حصہ ادبی تاریخ کے صفحات سے مٹ چکا ہے۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اس دور کے قلم کاروں نے سابقہ دور کے مقابلے میں ادبی نثر کا بڑا سرمایہ پیش کیا اور کوئی صنف ایسی نہ چھوڑی جس میں انہوں نے خامہ فرسائی نہ کی ہو۔

انہوں نے مقامی طور پر ادب کو کافی حد تک آگے بڑھانے کا گراں قدر کارنامہ ہی انجام نہ دیا بلکہ آنے والوں کیلئے راستہ بھی ہموار کردیا۔مستقبل کے فنکاروں کی حوصلہ افزائی،رہنمائی اور تربیت کا یہ کارنامہ نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

چوتھا باب.....دورِ سوّم

(۱۹۶۱ء تا ۱۹۸۰ء)

مولانا قاری مفتی محمد حسین اشرفی

پیدائش: ۱۸۹۵ء

وفات: ۱۵ر اگست ۱۹۹۱ء

پورا نام قاری محمد حسین ابن مدار بخش ہے۔ پیدائش ڈیرہ بابو گنج الہ آباد میں ہوئی۔ تین سال کی عمر میں یتیم ہو گئے۔ والدہ انہیں لے کر اپنے بھائی تبو پہلوان کے یہاں مالیگاؤں چلی آئیں۔ تبو پہلوان نے یتیم بھانجے کو بڑی شفقت سے پالا اور تعلیم دین کے لئے مدرسہ بیت العلوم میں داخل کر دیا۔ ۱۹۲۷ء کے عظیم الشان جلسہ دستار فضیلت میں علامہ شبیر احمد عثمانی کے ہاتھوں قاری صاحب کو بھی سند فراغت عطا کی گئی۔ اس تقریب کے بعد ذمہ داران مدرسہ کو شعبۂ تجوید و قرأت کے قیام کا خیال آیا۔ حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق کی نگاہ جوہر شناس قاری صاحب پر پڑی اور انہیں مدرسہ کے خرچ پر مدرسہ سبحانیہ الہ آباد روانہ فرمایا۔ وہاں قاری صاحب نے مولانا عبدالرحمٰن مکی، قاری ضیاء الدین احمد اور قاری محب الدین احمد سے تجوید و قرأت کا علم حاصل کیا اور واپس مالیگاؤں آئے۔ قاری صاحب کی خواہش تھی کہ وہ فن قرأت سبع بھی سیکھیں۔ لیکن مدرسہ کے ارباب حل و عقد خرچ کرنے پر تیار نہ ہوئے۔ اس لئے وہ اپنے خرچ پر دوبارہ مدرسۂ سبحانیہ الہ آباد گئے اور قرأت سبع کی تکمیل کی۔ الہ آباد میں قیام کے دوران احمد میاں فاروقی صابری سے بیعت بھی ہو گئے۔

مالیگاؤں واپس آنے کے بعد مدرسہ بیت العلوم میں تجوید و قرأت کی تعلیم دینی شروع کی۔ شہر میں مسائل میراث کے تعلق سے لوگوں کی ناواقفیت کو دیکھتے ہوئے مولانا محمد اسحٰق نے موصوف

کو علم فرائض سیکھنے کی ترغیب دی۔ اور اپنی نگرانی میں ان سے فتوے لکھوانے شروع کیے۔ مولانا اسحٰق کے بعد مولانا تقی بھی میراث کے فتوے انہیں سے لکھواتے رہے۔ اس علم میں مہارت اور خدمات کے سبب انہیں ''مفتی مہاراشٹر'' کے خطاب سے نوازا گیا۔ مولانا تقی کو جب صدر مدرسی سے سبکدوش کر دیا گیا تو حافظ محمد ثوبان اور قاری محمد حسین نے بھی استعفیٰ پیش کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے گھر پر توجہ دی، پاور لوم لگائے لیکن مطالعۂ کتب اور فتویٰ نویسی جاری رکھی نیز مسجد قصاب باڑہ میں تجوید و قرأت کی کلاس لینے لگے۔ آپ کے تلامذہ بے شمار ہیں اور پھر ان سے یہ علم سیکھنے والے ان گنت۔ ص۱

قاری صاحب زبردست صلاحیتوں کے مالک ہونے کے باوجود بے حد سادہ، منکسر المزاج اور اخلاص اور شفقت و مروت کا مجسم نمونہ تھے۔

علمی خدمات: قاری صاحب نے بعض مفید رسالے اور کتابیں لکھی ہیں جن کا ذکر حسب ذیل ہے۔

۱) مفید الاقوال فی شرح تحفتہ الاطفال:

تحفتہ الاطفال عربی میں تجوید کا ایک منظوم، مختصر اور مشہور رسالہ ہے۔ جس کو تمام بلاد عرب و عجم کے مدارس میں پڑھایا جاتا تھا۔ قاری محمد حسین نے اس رسالے کی شرح مفید الاقوال کے نام سے لکھی۔ رسالہ بڑی تقطیع کے ۴۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اکتوبر ۱۹۲۹ء میں مطبع رزاقی، کانپور سے طبع ہوا۔ چونکہ طالبانِ قرأت و تجوید کے لئے نہایت مفید ہے اس لئے بے شمار دینی مدارس کے نصاب میں داخل کیا گیا ہے۔ اس کے اب تک چودہ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

۲) سراج الوارثین:

قاری صاحب عمر بھر میراث کے فتوے دے کر لوگوں کے کام آتے رہے۔ علم الفرائض کی بنیادی باتیں عام مسلمانوں تک پہنچانے کے لئے انہوں نے ایک جامع کتاب ''سراج الوارثین'' کے نام سے آسان اردو میں لکھی۔ بڑی سائز کے ۶۴ صفحات کی یہ کتاب ۱۹۷۷ء میں مالیگاؤں سے شائع ہوئی۔ عوام کے لئے بے حد مفید اور کارآمد ہے۔

ص۱: قاری صاحب کے ابتدائی حالات اطہر الخیری کے تحریر کردہ مضمون "مولانا مفتی قاری محمد حسین صاحب" سے لئے گئے ہیں۔ یہ مضمون 'اجالوں کے سفیر' میں شامل ہے۔

۳)تیسیرُ الطّبع فی اجراء السبع:

قاری صاحب نے مدرسۂ سبحانیہ الہ آباد سے قرآن کریم کو سات لہجوں سے پڑھنے یعنی قرأت سبع کا علم حاصل کیا تھا۔اس علم کی بنیاد پر انہوں نے یہ ضخیم کتاب تالیف کی۔ کتاب فن تجوید و قرأت میں اصول و فروع اور اجراءِ سبعہ قرأت کا مجموعہ ہے جو دو جلدوں میں ہے۔جلد اوّل پانچ سو صفحات اور جلد دوم ۶۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔پہلی جلد ۱۹۷۱ء میں اور دوسری جلد ۱۹۸۴ء میں مالیگاؤں سے شائع ہوئی۔اردو میں یہ اس نوعیت کی پہلی کتاب اور قاری محمد حسین کا مستحسن کارنامہ ہے۔

اس کتاب کی وجہ تصنیف قاری صاحب نے خود بیان فرمائی ہے:

''موجودہ زمانے میں قرأت سبعہ و عشرہ سے بہت زیادہ بے اعتنائی اور بے توجہی برتی جارہی ہے۔حالانکہ روایت حفصؒ کی طرح سبعہ قرأت کا جاننا بھی فرض ہے۔''[۱]

اس کتاب کی شان نزول کے تعلق سے رقم طراز ہیں:

''جبکہ یہ بندہ ۱۳٤۲ھ میں مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں اپنے استاذ حضرت مولانا قاری حافظ محب الدین صاحب قبلہ مدظلۂ العالی کی خدمت میں تجوید و قرأت کی تعلیم میں مصروف تھا۔''شاطبیہ،تیسیر اور طیبہ''کے درس کے وقت حضرت الاستاذ کے درسی و فنی افادات کو قلم بند کرلیا کرتا تھا۔اسی طرح مولانا قاری حافظ عبدالرحمن مکی قدس سرہٗ کی خدمت میں ''فوائد مکیہ،مقدمتہ الجزری اور تحفتہ الاطفال''جیسی درسی کتابوں کے اسباق کے وقت چند نوٹ تحریر کرلئے تھے۔اس وقت میرے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ کبھی ان شکستہ تحریروں کے ذریعے اجراء سبعہ قرأت میں ایک اہم کتاب بھی منضبط اورمرتب کرنی ہوگی۔''[۲]

---

[۱]: قاری محمد حسین ،مقدمہ تیسیر الطبع فی اجراء السبع ،جلد اوّل ،مالیگاؤں، ۱۹۷۱ء ،ص بیس

[۲]: .... ایضاً .... ص اکیس

اس سے قبل قرأت سبعہ وعشرہ میں جس قدر بھی کتابیں تھیں وہ عربی زبان میں تھیں۔ سبعہ قرأت کو سہل اردو زبان میں منتقل کرنا آسان کام نہ تھا جبکہ اردو میں رہنمائی کے لئے کوئی کتاب بھی موجود نہ تھی۔ لیکن قاری صاحب نے بڑی محنت اور عرق ریزی کے بعد قرآن کے تیس پاروں کا سبعہ قرأت میں اجراء کرکے یہ عظیم الشان کارنامہ انجام دے ہی دیا۔

اس فن کے ماہرین نے کتاب کو اس قدر پسند فرمایا کہ بیشتر دینی درس گاہوں میں داخل نصاب کی گئی اور ہزاروں تشنگان فن تجوید وقرأت اس چشمہ فیضان سے اپنی پیاس بجھا رہے ہیں۔ امام فن تجوید وقرأت حضرت مولانا حافظ قاری محب الدین احمد نے جس کتاب کو مصنف کی زبانی خود سنا ہو اور توصیف فرمائی ہو اس کے معتبر اور مستند ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے ص۱۔

مولانا عبدالحمید نعمانی کا یہ تبصرہ کتاب کی افادیت واہمیت پر دال ہے۔

"عربی میں سینکڑوں چھوٹی بڑی تصانیف قرأت سبعہ میں موجود ہیں لیکن آسان اردو زبان میں اس فن کو منتقل کرنے کا شرف قاری صاحب موصوف کو ہوا یہ کتاب سبعہ قرأت میں ایک امتیازی شان رکھتی ہے آسان اردو زبان اور شگفتہ انداز میں مشکل مسائل قرأت کو اس طرح حل کردیا ہے کہ طلبہ بہ آسانی یاد کرسکیں، اس کا اندازہ تو ماہرین ہی کرسکتے ہیں" ص۲

جب تک اس روئے زمین پر علوم دینیہ کے چراغ روشن ہیں انشاء اللہ یہ کتاب قاری صاحب کے نام کو زندہ وتابندہ رکھے گی۔

❖❖❖❖❖

ص۱: قاری محب الدین احمد، تقریظ و توثیق، تیسیر الطبع فی اجراء السبع، جلد اول، قاری محمد حسین، مالیگاؤں، ۱۹۷۱ء، صفحہ چار

ص۲: مولانا عبدالحمید نعمانی، تعارف تیسیر الطبع فی اجراء السبع جلد اول، قاری محمد حسین، مالیگاؤں، ۱۹۷۱ء، ص پانچ

حاجی عبدالرشید خاں

عرف بنّے خاں

پیدائش: نومبر ۱۸۹۶ء

وفات: ۱۳/اپریل ۱۹۸۶ء

حاجی عبدالرشید خاں سے شہر کی نئی نسل ناواقف ہے۔ اس کا ایک سبب تو یہ ہے کہ ان کی سکونت مالیگاؤں کیمپ میں رہی۔ دوسرے یہ کہ گوشہ نشینی کی زندگی پسند کرتے تھے، لیکن اسی گوشہ نشینی نے ان سے علمی اور مذہبی موضوعات پر وہ نثر پارے تخلیق کروائے جن کی مثال ملنی مشکل ہے۔

بقول غنی کاشمیری ؎

اگر شہرت ہوس داری اسیر دام عزلت شو

کہ در پرواز دارد گوشہ گیری نام عنقارا

بنّے خاں کے والد چاند خاں تعلقہ نندر بار (ضلع دھولیہ) سے مالیگاؤں آئے۔ مالیگاؤں سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر واقع دیہات گھوڑے گاؤں کے ایک دیشمکھ خاندان کی لڑکی سے ان کی شادی ہوئی۔ ان کے سسر قادر نے اپنی بیٹی کے جہیز میں چن کھڑی نامی کھیت دے دیا۔ مگر چاند خاں کو گھوڑے گاؤں کی دیہاتی زندگی پسند نہ آئی چنانچہ وہ مالیگاؤں چلے آئے اور تجارت کرنے لگے۔ بعد میں وہ مدرس ہو گئے۔ اور لڑکیوں کے اردو پرائمری اسکول میں ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔

بنّے خاں نے ورنا کیولر فائنل (ساتویں) کا امتحان مراٹھی ذریعۂ تعلیم سے پاس کیا۔ اردو ثانوی زبان کی حیثیت سے پڑھی اور دینی تعلیم شبینہ مدرسہ میں پائی۔ اس وقت کے صدر بلدیہ کاشی کرویل کی معرفت ۱۹۱۲ء میں پرائمری اسکول میں مدرس ہو گئے۔ ٹیچرس ٹریننگ کا دو سالہ کورس دھولیہ سے مکمل کیا۔ پھر ناسک میں چھ سال سروس کرنیکے بعد پونہ سے تیسرے سال کی ٹریننگ پائی۔ وہاں سے آنے کے بعد

ابتدائی چار سال انہوں نے مالیگاؤں میں مدرسی کی پھر ایولہ تبادلہ ہوگیا۔ دو سال کی سروس کے بعد ناسک تبادلہ ہوا جہاں وہ ۱۹۲۲ء سے ۱۹۴۰ء تک تقریباً ۱۸ سال رہے۔ اسکے بعد وہ تھانہ ضلع کے مقام گھولوڑ کے ایک گورنمنٹ ایڈیڈ اسکول میں صدر مدرس اور بورڈنگ کے سپرنٹنڈنٹ بنائے گئے۔ پانچ سال بعد یہیں اردو کے اسسٹنٹ ڈپٹی ایجوکیشنل انسپکٹر کی حیثیت سے ترقی پائی۔ ۱۹۴۹ء میں ڈپٹی ایجوکیشنل انسپکٹر بنائے گئے۔ اسی عہدے پر رہتے ہوئے نومبر ۱۹۵۱ء میں سبکدوش ہوئے۔ ریٹائرمینٹ کے بعد مالیگاؤں آگئے اور تاحین حیات کیمپ میں مقیم رہے۔ انتقال کے بعد کیمپ میں محمدی باغ قبرستان میں دفن ہوئے۔

خدمات نثر :

حاجی عبدالرشید خان کو دینی کتب کے مطالعے کا بے حد شوق تھا۔ دوران ملازمت وہ مختلف دینی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے۔ اور ایک مسلمان کو زندگی کسطرح گذارنی چاہئے، اسکے تعلق سے مواد بھی جمع کرتے جاتے تھے۔ خود بھی صوم وصلوٰۃ کے پابند نہایت متشرع بزرگ تھے۔ انھیں مضامین لکھنے اور چھپوانے سے ذرا بھی دلچسپی نہ تھی۔ جو کچھ انہیں لکھنا ہوتا تھا ایک ڈائری میں نوٹ کرتے جاتے تھے۔ بعد میں اس مواد کو اپنی کتابوں میں شامل کر لیتے تھے۔ اسطرح انہوں نے اپنی زندگی بھر کے مطالعے کا نچوڑ دو کتابوں میں پیش کیا ہے۔

۱) تنویر المسلمین المعروف به منور المومنین :

۲۱۰ رصفحات کی یہ کتاب آج پریس ممبئی سے رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ (نومبر ۱۹۷۱ء) میں طبع ہوئی۔ مولانا عبدالقادر نے اسکا دیباچہ لکھا ہے۔ عبدالرشید خان کے داماد سید عبدالباری صاحب پرنسپل انجمن کامرس کالج ممبئی نے اپنے والد کے لئے ایصال ثواب کی نیت سے چھپوا کر مفت تقسیم کیا تھا۔

یہ اپنی نوعیت کی ایک منفرد کتاب ہے۔ چونکہ عبدالرشید خاں کو اس بات سے بڑی دلچسپی اور فکر تھی کہ مسلمانوں کو اپنی زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق گزارنے کی ترغیب دلائیں اسلئے انہوں نے اس کتاب میں روزمرہ کی دعائیں یکجا کر دی ہیں جو ہر مسلمان کے کام آسکتی ہے۔ مولانا عبدالقادر دیباچہ میں اس کی سندیوں دیتے ہیں۔

"جناب عبدالرشیدخاں عرف بنے خان ایک نیک بزرگ ہیں وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان اپنی زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق گذاریں اسلئے انہوں نے بڑی عرق ریزی اور کاوش سے ان تمام دعائوں کو جو ایک انسان کی پیدائش سے لیکر موت تک آں حضرت ﷺ سے منقول ہیں اس مختصر رسالے میں جمع کردیا ہے ۔" صـ۱

اسکے علاوہ کتاب میں دیگر مفید مضامین بھی ہیں۔حج کے موقع پر مختلف اوقات میں پڑھی جانے والی دعائیں، موت کے آثار سے لیکر تجہیز وتکفین تک اور منکر نکیر کے سوالات سے لیکر قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے تک کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ یہ تالیف غیر ضروری رسوم ورواج اور افراط وتفریط سے محفوظ رہنے کے طریقے بھی بتلاتی ہے۔عبدالرشید خاں کی کامیابی یہ ہے کہ انہوں نے ہر مسئلے پر مسلکی اختلاف سے بچتے ہوئے سیدھے سادے انداز میں رہنمائی کا حق ادا کردیا ہے۔

۲) مسلم کی حیات و آخرت :

یہ زبردست کتاب اٹھارہ سال کی محنت شاقہ کے بعد مرتب کی گئی ہے جو تین ضخیم جلدوں میں ہے۔اس کا قلمی نسخہ ان کے لائق فرزند ریٹائرڈ آکٹرائے سپرنٹنڈنٹ عتیق علی خان کے پاس محفوظ ہے۔اور کسی مخیر ہستی کی نظر عنایت کا منتظر ہے۔

انکی یہ تالیف ایک اسلامی انسائکلو پیڈیا سے کم نہیں ہے۔ دراصل یہ ایک فرد کے بس کا کام نہیں تھا۔کوئی ادارہ ہی اس عظیم کام سے عہدہ برآ ہوسکتا تھا۔ دین اسلام کا ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے جس پر انہوں نے قلم نہ اٹھایا ہو اور اسکے تعلق سے بیان کا حق نہ ادا کیا ہو۔کتاب کی سب سے بڑی خوبی اسلامی احکامات کے تعلق سے مسلکی غیر جانبداری ہے۔مولانا عبدالحمید نعمانی کی نظروں سے بھی یہ کتاب گزر چکی ہے۔ افسوس یہ ہے کہ ایسا بیش بہا خزانہ جو مسلمانوں کو صدہا کتابوں کے مطالعے سے بچا کر علم کی پیاس بجھا سکتا ہے اسطرح گمنامی میں پڑا ہے۔تینوں جلدیں فل اسکیپ کے پانچ پانچ سو صفحات پر مشتمل ہیں۔اور نہایت خوبصورت خط میں خود مولف موصوف کے ہاتھوں لکھی گئی ہیں۔راقم نے بھی جستہ جستہ

صـ۱ :مولانا عبدالقادر دیباچہ تنویر المسلمین،عبدالرشید خان،ممبئی،۱۹۷۱،ص د

مطالعہ کیا ہے اور نہایت مفید مطلب پایا ہے۔ نیز اسے مولف کا ایک عظیم کارنامہ تسلیم کرتا ہے۔

۳) ایک اور تالیف میں انہوں نے مختلف شعراء کے اشعار کو جمع کر کے ترتیب دیا ہے۔ اس میں بھی بڑی محنت کی گئی ہے۔ اسے شائع کیا جائے تو بہترین اشعار کا ایک خوبصورت مجموعہ باذوق قارئین کو دستیاب ہو سکتا ہے۔

محمد حسن احسنؔ

پیدائش: ۲۵؍مارچ ۱۸۹۷ء

وفات: ۱۹؍اگست ۱۹۸۸ء

نام محمد حسن، تخلص احسنؔ، والد کا نام شیر محمد سردار، آبائی وطن خان جہانپور (ضلع الہ آباد) ۱۹۱۴ء میں ورنا کیولر فائنل کا امتحان پاس کیا۔ فارسی مدرسہ چراغ علوم میں مولانا محمد یوسف عزیزؔ سے پڑھی۔ اور کلام پر اصلاح بھی انہیں سے لیتے رہے۔ بچپن میں والدین کا سایہ سر سے اٹھ جانے کی وجہ سے ٹریننگ کالج نہ جا سکے اور بحیثیت مدرس ملازمت کرنے لگے۔ بزم عزیزی کے بنیادی رکن تھے۔ مطالعۂ کتب کا بڑا شوق تھا۔ موصوف تحت اللفظ میں کلام سناتے تھے اور مشاعروں میں اپنے انداز کا جادو جگاتے تھے۔ ان کا ایک شعری مجموعہ بنام ''شاخ تمنا'' ۱۹۸۳ء میں شائع ہو چکا ہے۔

احسنؔ صاحب نے شہر کے ادبی و شعری ماحول اور سیاسی سرگرمیوں کو قریب سے دیکھا، خود بھی فعال حصہ لیا اور تمام جزئیات و تفصیلات کے ساتھ اپنے حافظے میں محفوظ رکھا۔ شہر میں شعر و ادب کے تذکرہ نگاروں اور تاریخی وقائع نگاروں کی احسنؔ صاحب نے بڑی مدد کی۔ یہاں کے رسوم و رواج، مشاعرے، تیر تہوار، میلے ٹھیلے، شاعرانہ چشمکیں، صنعت و حرفت، سیاسی ہنگامے، درس و تدریس، غرض ایک ایک بات کی تفصیل انہیں یاد تھی جسے انہوں نے بلا کم و کاست روایت کیا۔ ڈاکٹر اشفاق انجم نے ''شعرائے مالیگاؤں'' میں جا بجا ان کے حوالے دیے ہیں۔ حفیظ مالیگانوی نے اپنی تالیف ''نقوش'' کے لئے بھی ان سے رہنمائی حاصل کی۔ احسنؔ صاحب زندہ دل اور بذلہ سنج تھے۔ قدیم واقعات مزے لے لے کر بیان کرتے۔ اپنے سے کافی چھوٹے عمر والوں سے بھی گھل مل جاتے تھے۔ خورشید احمد منشی شعبان مرحوم نے موصوف کی توجہ اس طرف دلائی کہ چونکہ مالیگاؤں میں جنگ آزادی کے وہ عینی شاہد ہی نہیں، خود ایک کردار رہے ہیں اس لئے اس کی تفصیلات رقم کر دیں تاکہ آئندہ نسلوں کے کام آئے۔

مالیگاؤں میں جنگ آزادی:

خورشید احمد منشی شعبان کی گذارش کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے احسنؔ صاحب نے ''مالیگاؤں میں جنگ آزادی'' تالیف فرمائی جس میں شہر کے دو صحافی حضرات لطیف جعفری اور عبدالمجید سرورؔ نے معاونت کی۔ اس طرح مالیگاؤں میں خلافت تحریک کے وقت ہونے والے جلسے، جلوس، ہنگاموں اور دیگر سرگرمیوں کا ایک معتبر ریکارڈ محفوظ ہو گیا۔ ۴۸ رصفحات کی یہ کتاب انصار پبلیشنگ ہاؤس، نیا پورہ، مالیگاؤں سے ۱۹۶۷ء میں شائع ہوئی جس کی اشاعت کا سہرا محسن ادب مرحوم صادق انصاری کے سر جاتا ہے۔

احسنؔ صاحب قوم پرستانہ خیالات رکھتے تھے۔ انڈین نیشنل کانگریس سے تا عمر وابستہ رہے۔ کتاب کے تعلق سے انہوں نے لکھا۔*

''زمانے کی رفتار اور وقت کا تقاضہ ہے کہ جاں نثارانِ وطن کی خدمات اور ایثار و قربانی کو منظرِ عام پر لایا جائے۔ ان کے ناقابلِ فراموش کارناموں کو اجاگر کیا جائے اور عوام سے روشناس کروایا جائے۔''

مزید کہتے ہیں کہ ''جو کچھ میں دل نے دیکھا اور آنکھوں نے دیکھا اسے کتابی صورت میں پیش کر دیا ہے۔'' صد

اس کتاب میں انہوں نے خلافت تحریک، ترک موالات، انسدادِ مے نوشی، سودیشی تحریک وغیرہ میں شہر کے ہندو مسلمانوں کی کارگذاریوں کو بیان کیا ہے۔ اسی کتاب کے ذریعے دنیا نے جانا کہ تحریک آزادی میں حصہ لینے کی پاداش میں پانچ افراد پھانسی پر چڑھائے گئے۔ قریب سوا سو لوگوں کو قید و بند کی صعوبتوں سے گذرنا پڑا۔ ان تمام مجاہدین آزادی کے نام، سزا کی مدت اور رہائی کی تفصیلات بھی موجود ہیں۔ اس لحاظ سے یہ ایک دستاویزی حیثیت رکھتی ہے۔ حضرت احسنؔ اب ہمارے درمیان نہیں لیکن ان کا یہ کارنامہ ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

صد: عرض حال، مالیگاؤں میں جنگ آزادی، احسن مالیگانوی، مالیگاؤں، ۱۹۶۷ء، ص ۹

سید ظفر عابد پیرزادہ اشرفی

پیدائش: ۱۴؍دسمبر ۱۹۱۴ء

وفات: یکم اگست ۱۹۹۶ء

سید ظفر عابد مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کرنے کے بعد اسماعیل یوسف کالج ممبئی سے بی اے کیا۔ بعدازاں ایس ٹی سی (سیکنڈری ٹیچرس کورس) مکمل کیا۔ ابتدا میں وہ مدھیہ پردیش میں بھیلوں کی ایک اسٹیٹ گنتھا کے دیوان رہے۔ وہاں سے مالیگاؤں واپس آنے کے بعد جے اے ٹی گرلز ہائی اسکول میں ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے، یہاں سے نکلنے کے بعد وہ مختلف مقامات پر مقیم رہے اور انہیں کئی اسکولوں کی سربراہی اور خدمت کا موقع ملا۔ جہاں جہاں انہوں نے صدر مدرسی کی ذمہ داریاں نبا ہیں وہ مقامات مور بہ (رتنا گری)، انجمن اسلام (جامنیر)، کراڈ، جنیر اور ساتارہ ہیں۔ ۱۹۶۲ء میں ساتارہ سے ہی سبکدوش ہوئے۔

۱۹۷۹ء میں حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ ساتارہ میں ہی انہوں نے اس مقدس سفر کی روداد لکھی اور وہیں ۱۹۹۱ء میں ان کی زوجۂ محترمہ گلشن بیگم اللہ کو پیاری ہوئیں۔ تدفین پونہ میں عمل میں آئی۔ اس کے بعد پیرزادہ مالیگاؤں چلے آئے۔

موصوف کو پوری زندگی تصوف سے بے حد لگاؤ رہا۔ الحاج عبدالغفور بخش اللہ شاہ اشرفی کے مرید ہوئے۔ زیادہ تر اوقات اوراد و وظائف میں بسر کرتے۔ تصوف کی کتابوں کا مطالعہ فرماتے۔ ان کتابوں سے دعاؤں اور اذکار کا قیمتی ذخیرہ موتیوں کی طرح چنتے اور ستاروں کی طرح آسمانِ بیاض پر ٹانک دیتے۔ راقم جب ان سے ملاقات کے لئے گیا تو انہوں نے اپنی تالیف کردہ کئی غیر مطبوعہ چیزیں دکھائیں۔ جن کی تفصیل آگے آئے گی۔

۱)تعلیم غوثیہ:

یہ ان کی واحد مطبوعہ تالیف ہے۔۲۴ صفحات کی یہ چھوٹی سی کتاب فروری ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئی۔اس کے تین حصے ہیں۔(۱) دعائے سریانی مع اردو ترجمہ (۲) تعلیم غوثیہ جس میں حضرت غوث علی شاہ قلندر پانی پتیؒ کے ارشادات سے اقتباسات دیئے گئے ہیں۔(۳) حضور پاک ﷺ کی نماز جنازہ کے بارے میں اہم معلومات درج ہے۔

۲)صبغتہ اللہ المعروف بہ جادۂ عاشقاں:

سید ظفر عابد پیرزادہ کی مرتبہ یہ تالیف قلمی نسخے کی شکل میں موجود ہے صلہ۔ جسے انہوں نے ۲ راگست ۱۹۷۸ء کو مکمل کیا۔ یہ ایک ضخیم کتاب ہے جس کے سرورق پر درج ذیل شعر مرقوم ہے۔

وہی زندہ رہے جو مر گئے یادِ الٰہی میں   حیات جاوداں آب بقااللہ ہی اللہ ہے

کتاب میں مختلف قسم کے اذکار پر تفصیلی گفتگو شامل ہے مثلاً ذکر جہری، لسانی قلبی، نفسی، روحی، لاہوتی، ذکر چشتیہ صابریہ، نقشبندیہ مجددیہ، ذکر قلبی و خفی، سلطان الاذکار، ذکر اشرفیہ، تکبیر عاشقاں، ذکر اثبات مجرد، ذکر جاروب، ذکر پاس انفاس، مراقبات، ذکر قادریہ جیلانیہ، نیز مختلف سلاسل تصوف کے وظائف اور ختم خواجگان وغیرہ کے ذکر کے بعد آخر میں مختلف شجرے تعویذات اور نقوش وغیرہ دیئے گئے ہیں۔ راہ سلوک کے سالکین کے لئے کتاب نہایت مفید ہے۔

۳)ہمارا حج:

حج بیت اللہ کے سفر کی روداد ہے جو ساتارہ میں لکھی گئی۔ اگر چہ اس میں ادبیت کی چاشنی نہیں ہے لیکن سادگی میں عقیدت کی پرکاری صاف دکھائی دیتی ہے۔ طباعت سے محروم ہے۔ صلہ

٤)ملفوظات:

یہ کتاب ۲۰ راگست ۱۹۸۰ء کو تالیف کی گئی۔ اس میں تصوف کی کتابوں سے اخذ کردہ اقتباسات اور بزرگان دین کے ارشادات کا بے بہا خزانہ جمع کیا گیا ہے۔ یہ بھی قلمی نسخہ ہے۔ صلہ

ظفر عابد پیرزادہ نے طویل عمر پانے کے بعد مالیگاؤں میں انتقال فرمایا۔ تدفین چھوٹے قبرستان میں عمل میں آئی۔

صلہ صلہ صلہ: ثناء ٹراویلس کے مالک اقبال بوس کے دولت کدے پر (نزد نورانی مسجد، مالیگاؤں) دیکھنے کو مل سکتی ہیں۔

ڈاکٹر محمد غفران

پیدائش: ۲۹ر دسمبر ۱۹۳۰ء

پورا نام محمد غفران ابن محمد یوسف، پیدائش مالیگاؤں، ابتدائی تعلیم مالیگاؤں میں حاصل کرنے کے بعد آٹھویں تا گیارہویں (اس زمانے کی انگریزی چوتھی تا ساتویں جماعت) کی تعلیم اسماعیل بیگ محمد ہائی اسکول ممبئی میں حاصل کی۔ ۱۹۴۹ء میں میٹرک پاس کیا۔ الفنسٹن کالج ممبئی سے انٹر سائنس اور ۱۹۵۷ء میں گرانٹ میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کیا۔

ڈاکٹری پاس کرنے کے بعد ملازمت کی شروعات مالیگاؤں سے ہوئی۔ یہاں وہ Epidemic M.O. کے طور پر ہیضہ کی وباء کنٹرول کرتے رہے۔ اس کے بعد ممبئی کے حبیب ہاسپٹل میں رہائشی ڈاکٹر کے طور پر خدمات انجام دیں۔ ۵۹۔۱۹۵۸ء کے دوران مغل لائن کمپنی کے ایک جہاز ایس ایس اسلامی پر Ship's Surgeon کے طور پر کام کیا اور اسی ملازمت کے طفیل حج بیت اللہ سے سرفراز ہوئے۔ ستمبر ۱۹۶۳ء میں فوج میں شامل ہوئے اور لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے تک پہنچ کر یکم جنوری ۱۹۸۶ء کو سبکدوش ہوئے۔ آج کل پونہ کے یونانی میڈیکل کالج میں اعزازی طور پر طبی تعلیم دے رہے ہیں۔

ادب سے لگاؤ مالیگاؤں کی مٹی کی دین ہے۔ انہیں شاعری کا شوق بھی ہے مگر کل شعری سرمایہ تیس نظموں اور غزلوں سے آگے نہ بڑھ سکا۔ الفنسٹن کالج میں پروفیسر عالی جعفری انہیں اردو پڑھاتے تھے۔ انہوں نے ڈاکٹر غفران کو نصیحت کی کہ سائنس کو اردو میں منتقل کریں۔ اسی کے پیش نظر انہوں نے سائنسی اصطلاحات کا اردو میں ترجمہ کرنے کا کام شروع کر دیا۔

بھیونڈی میں جب وہ مطب چلاتے تھے، انہیں انجمن ترقی اردو کا صدر بنا دیا گیا۔ اس زمانے میں ڈاکٹر اجگاؤنکر کی ایک کتاب A Guide to the Diabetis منظر عام پر آئی۔ ڈاکٹر غفران نے اردو خواں مریضوں کیلئے اس کا ترجمہ کیا۔ ڈاکٹر اجگاؤنکر یہ مسودہ شائع کرنے کیلئے لے گئے۔

بعد میں اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔ انہوں نے اسی طرز پر تپ دق پر ایک رسالہ تحریر کیا مگر شائع نہ ہو سکا۔

۱) علم افعال الاعضاء و علم الصحت:

۶۳۔ ۱۹۶۲ء میں انہوں نے یہ کتاب میٹرک کے طلبہ و طالبات کے لئے لکھی۔ مہاراشٹر اسٹیٹ بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن، پونے سے اس کی منظوری حاصل کی گئی۔ پونے کی جوشی اینڈ لوکھنڈے نامی فرم نے ۱۹۶۸ء میں اسے شائع کیا۔ اس کے ایک سال کے بعد اسٹیٹ بورڈ نے نصابی کتاب کی تیاری خود اپنے ہاتھ میں لے لی۔ ڈاکٹر صاحب کی کتاب زیادہ تعداد میں فروخت نہ ہو سکی اور فرم کو کافی خسارہ برداشت کرنا پڑا۔

۲) علم الامراض:

یونانی میڈیکل کالج، پونہ میں انہوں نے جو نوٹس تیار کئے تھے، طلبہ کی فرمائش پر ان کا اردو میں اس طرح ترجمہ کیا کہ ایک کتاب وجود میں آ گئی۔ مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکیڈمی کے تعاون سے ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئی۔ سینٹرل کونسل آف انڈین میڈیسن نے بی یو ایم ایس کے سال سوم کے نصاب میں شامل کر کے کتاب کو اعتبار عطا کیا۔

۳): مختصر طبی لغت (انگریزی سے اردو):

موصوف نے اس لغت کا کام برسوں قبل شروع کیا تھا جو گذشتہ سال مکمل ہوا۔ مئی ۲۰۰۰ء میں پونے سے طبع ہو کر منظر عام پر آئی۔ لغت ۲۸۸ صفحات پر مشتمل ہے اور طب کے طلبہ کے لئے نہایت مفید ہے۔

ڈاکٹر محمد غفران نے طب اور سائنس جیسے مشکل مضامین کو اردو قالب میں ڈھالنے کا قابل قدر کام اس وقت انجام دیا جب انگریزی اصطلاحات کے مناسب اردو مترادفات بھی دستیاب نہیں تھے۔ انہوں نے ادبی مضامین نہیں لکھے لیکن مندرجہ بالا کتب کی تیاری میں انہوں نے جو محنت کی اسے اردو کی سائنسی دنیا فراموش نہیں کر سکتی۔

سلیمان انصاری

پیدائش: ۳۱ر جنوری ۱۹۳۰ء

وفات: یکم اپریل ۱۹۸۷ء

مرحوم سلیمان انصاری ان ادیبوں میں سے تھے جنہوں نے شہر میں ترقی پسند ادب کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان کا نام محمد سلیمان ابن عبدالخالق ہے۔ مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۶۷ء میں ایس ایس سی اور ۱۹۶۸ء میں سینئر پی ٹی سی کا امتحان پاس کیا۔ پرائمری اسکول میں مدرس تھے۔ مالیگاؤں میں انتقال ہوا۔

ان کی تخلیقات دستیاب نہیں ہیں۔ لیکن انجمن ترقی اردو اور انجمن نوجوان مصنفین کی ادبی نشستوں کی روداروں سے معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان انصاری ۱۹۶۰ء کے بعد انجمن کی نشستوں میں باقاعدگی سے شریک ہوتے تھے۔ اور مقالے، مضامین اور افسانے لکھا کرتے تھے۔ مورخہ ۲ر دسمبر ۱۹۶۱ء کو منعقدہ انجمن ترقی اردو کی نشست میں انہوں نے ''کبیر، شاعر انسانیت'' کے عنوان سے مقالہ سنایا صد۔

ہفت روزہ ہم سب میں انجمن نوجوان مصنفین کی نشستوں کے اعلانات میں بھی ان کا نام دکھائی دیتا ہے لیکن افسوس ان کی کوئی بھی تخلیق دستیاب نہیں ہے۔ ان کے اہلِ خاندان نے بھی معذوری ظاہر کی اس لئے ان کی نثر کی خصوصیات پر تبصرہ کرنے سے راقم معذور ہے۔ سلطان شاہد ان کے چھوٹے بھائی ہیں۔

صد: سلیمان انصاری، کبیر شاعر انسانیت، ہفتہ وار تم ہم، مالیگاؤں، دسمبر ۱۹۶۱ء

نور الرحمٰن ایوبی

پیدائش: ۶؍جولائی ۱۹۳۱ء

وفات: ۲۱؍مارچ ۱۹۸۴ء

پورا نام نور الرحمٰن عبدالشکور ہے۔ مرحوم محمد اسحٰق ایوبی کے چھوٹے بھائی تھے۔ ابتدائی تعلیم مالیگاؤں میں حاصل کی بعد میں ممبئی میونسپل کارپوریشن کے پرائمری اسکول میں مدرس ہو گئے۔ سروس پر رہتے ہوئے ۵۳؍برس کی عمر میں بعارضہ تپ دق انتقال ہوا۔ ان کے آباء واجداد کا بیان محمد اسحٰق ایوبی کے ذیل میں کیا گیا ہے۔

اپنے بڑے بھائی کی طرح انہیں بھی نثر نگاری کا بڑا شوق تھا۔ ممبئی کے اخبارات تک رسائی تھی اسلئے گاہے بگاہے ہلکے پھلکے تنقیدی مضامین اشاعت پذیر ہوتے تھے۔ اردو ٹائمز میں ان کے کئی مضامین شائع ہوئے۔ ہفت روزہ ''بیباک'' (مالیگاؤں) میں بھی ان کی تخلیقات شائع ہو چکی ہیں۔

راقم کی نظر سے بھی ان کی تخلیقات گذر چکی ہیں۔ اردو ٹائمز کے ایک قدیم شمارے میں مرحوم محمد اسحٰق ایوبی کے تعلق سے ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ اس کا ایک اقتباس درج ذیل ہے۔

''محمد اسحق ایوبی کے برادر خرد نورالرحمن ایوبی بڑی ہی سلجھی ہوئی فکر کے ذمہ دار بلند پایہ محقق اور نقاد ہیں۔'' [۱]

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نور الرحمٰن ایوبی نے تحقیق وتنقید میں مقام حاصل کیا تھا۔ لیکن افسوس ان کی تخلیقات راقم کو دستیاب نہ ہو سکیں۔

---

[۱] :انجم انصاری،محمد اسحق ایوبی مالیگانوی،مہاراشٹر کی کثیر اللسانی شخصیت،اردو ٹائمز، ممبئی ۲۴؍اکتوبر ۱۹۶۰ء۔

پروفیسر نذیر احمد انصاری

پیدائش: ۲۵؍دسمبر ۱۹۳۱ء

وفات: ۹؍جنوری ۱۹۹۴ء

پروفیسر نذیر احمد انصاری کے والد ماسٹر عبدالمجید تاجن پرائمری اسکول میں صدر مدرس تھے۔ انہوں نے اپنے فرزندوں کو اعلیٰ تعلیم دلانے میں بڑی سعی کی۔ نذیر احمد انصاری مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔ اینگلو اردو ہائی اسکول سے ایس ایس سی کرنے کے بعد اسماعیل یوسف کالج ممبئی میں داخلہ لیا۔ بدقسمتی سے انٹر آرٹس میں ناکام ہوگئے لیکن ہمت نہیں ہاری۔ ۱۹۵۷ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا۔ مالیگاؤں آکر مالیگاؤں ہائی اسکول میں مدرس ہوئے۔ پھر بی ایڈ کرنے ممبئی چلے گئے۔ واپسی پر ملازمت جاری رکھی۔ پونہ یونیورسٹی سے دوبار ایم اے کیا۔ پہلے اردو اور فارسی مضامین سے، اسکے بعد صرف فارسی مضمون سے ۷۰-۱۹۶۹ء میں مالیگاؤں ہائی اسکول کیساتھ ساتھ ایم ایس جی کالج مالیگاؤں میں بھی اردو فارسی کی کلاسیں لیتے رہے۔ ۱۹۷۰ء سے مکمل طور پر کالج میں پڑھانے لگے۔ اردو فارسی کے ہیڈ آف ڈپارٹمنٹ ہوئے۔

۱۹۹۴ء میں کسی کام سے پونہ جانا ہوا۔ پروفیسر عبدالحفیظ انصاری بھی ساتھ تھے۔ وہیں ان پر قلب کا شدید دورہ پڑا۔ جس سے وہ جانبر نہ ہو سکے۔ نعش مالیگاؤں لائی گئی۔ اور تدفین یہیں پر عمل میں آئی۔

موصوف کی ادبی سرگرمیاں اسماعیل یوسف کالج کی تعلیم کے دوران شروع ہوئیں۔ انہیں کالج کی ادبی بزم مجمع الادب کا سکریٹری بنایا گیا۔ وہیں انہوں نے انٹر کالجیٹ مقابلوں کے لئے چند ڈرامے لکھے۔ تکمیل تعلیم کے بعد جب مالیگاؤں واپس آئے تو ڈرامہ نگاری کا سلسلہ جاری رکھا۔ مالیگاؤں میں موصوف کے دو ڈراموں "اصفہان کے تنگ بند" اور "فلم ایجنسی" نے کافی دھوم مچائی۔ ان کے جو دیگر ڈرامے شہر میں کامیابی کے ساتھ اسٹیج ہوئے وہ "پاگل" اور "آدھا کرایہ دار" ہیں صد۔

صد: یہ چاروں ڈرامے راقم کے پاس موجود ہیں

افسانہ اور تنقید میں بھی انہوں نے قابل قدر سرمایہ پیش کیا ہے صلہ۔ ڈاکٹر اشفاق انجم کی روایت کے مطابق نذیر احمد انصاری ''اردو میں تاریخی ناول'' کے موضوع پر تحقیق کر رہے تھے مگر مرگ ناگہانی کے سبب کام ادھورا رہ گیا۔

ان کے ڈرامے کہیں شائع نہیں ہوئے۔ علاوہ ازیں تاریخی ناولوں پر ان کے نامکمل کام کا بھی کچھ پتہ نہیں چلتا۔ لیکن اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ شہر میں ڈرامہ نگاری، اداکاری اور ڈرامے اسٹیج کرنے کی جو تحریک پیدا ہوئی اس کے بانی نذیر احمد انصاری مرحوم ہیں۔ اپنے طلبہ میں انہوں نے ڈراموں کا شوق پیدا کیا۔ ڈرامہ لکھنے اور اسٹیج کرنے میں فنکاروں کی حوصلہ افزائی کی۔ ان کے طلبہ میں سراج دلار، صالح بن تابش، مختار یونس، اور اسحٰق خضر نے خصوصیت کے ساتھ اس فن پر توجہ کی۔ ان کے بہت سے شاگرد شعر و ادب کی دنیا میں قائدانہ کردار ادا کر رہے ہیں۔

راقم الحروف بھی مرحوم کی تدریس سے بہرہ ور ہو چکا ہے۔

صلہ: ڈاکٹر اشفاق انجم، تذکرہ' مالیگاؤں، سہ ماہی امکان، ممبئی ۱۹۸۳ء، ص ۵۶

احمد نسیم مینا نگری

پیدائش: ۲؍فروری ۱۹۳۲ء

وفات: ۲۵؍فروری ۱۹۹۱ء

احمد نسیم مینانگری کی ساری زندگی عملی جدوجہد کا ایک مثالی نمونہ ہے۔ کبھی کامیابی، کبھی ناکامی۔ مگر وہ ہمیشہ اس مصرعے پر عمل کرتے رہے ؎ چلے چلئے کہ چلنا ہی دلیل کامرانی ہے۔

ان کا پورا نام نسیم احمد خان ابن مردان خان ہے۔ مشرقی خاندیش کے مقام مینانگر (دھرن گاؤں) میں پیدا ہوئے۔ کم عمری میں مالیگاؤں میں آئے میٹرک تک تعلیم پائی۔ اور جامعہ اردو علی گڑھ سے ادیب کامل کا امتحان پاس کیا۔ ذاتی محنت سے انگریزی، ہندی اور مراٹھی بھی سیکھ لی۔ شعور سنبھالنے کے بعد ممبئی میں سوت اور کپڑے کے کمیشن ایجنٹ کے طور پر کام کرنے لگے۔ کچھ دنوں کے بعد مالیگاؤں لوٹ آئے۔ یہاں آنے کے بعد صحافت اور سیاست سے منسلک ہوگئے اور یہ تعلق ایسا اٹوٹ ثابت ہوا کہ موت کے بعد ہی ٹوٹ سکا۔ ایک زمانہ میں مسلم لیگ سے قریب تھے۔ لیکن بعد میں کانگریس میں شمولیت اختیار کرلی اور آخر عمر تک ساتھ نبھاتے رہے۔ سیاست میں وہ بالکل ناکام ثابت ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ سیاست ان کا میدان نہیں تھا۔ وہ ایک مخلص، صاف گو، نرم طبع آدمی تھے۔ مکاری اور عیاری کا شائبہ بھی ان میں موجود نہ تھا۔ کامیاب ہوتے تو کیسے؟

وہ ایک اچھے شاعر تھے۔ ادیب مالیگانوی کے حلقۂ تلامذہ میں شامل تھے۔ نظموں کا مجموعہ ''شعور حیات'' غزلوں کا مجموعہ ''زرِ خواب'' اور جدید غزلوں اور نظموں کا مجموعہ ''خاک رنگ'' زیور طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ پانچ شعراء کے مجموعۂ کلام ''گنجِ رواں'' میں ''زخموں کا پیراہن'' کا حصہ ان کا ہے۔

احمد نسیم مینانگری کی تخلیقی سرگرمیوں کا آغاز صحافت سے ہوا۔ سب سے پہلے وہ مرحوم امین عشرت کے اخبار ''تہذیب'' سے وابستہ ہوئے۔ اس کے بعد اپنا ذاتی اخبار ''نوائے مشرق'' جاری کیا۔

لیکن کاروباری مصروفیتوں کے سبب ملکیت لطیف عزیز کے نام منتقل کردی۔ ممبئی پہنچنے کے بعد ہفتہ وار طلوع جاری کیا۔ جس کے چیف ایڈیٹر اصغر علی عابدی تھے۔ بعد ازاں مالیگاؤں سے ''پسینہ'' جاری کیا اور آخر میں آٹھویں دہائی میں پندرہ روزہ ''ثبات'' کا اجراء کیا۔

احمد نسیم کی نثر نگاری کے نمونے متذکرہ بالا تمام اخبارات میں بکھرے پڑے ہیں صلہ۔ طالب علمی کے زمانے میں قلمی رسالوں کے لئے کچھ افسانے لکھے تھے جن میں برسات، کھوئی ہوئی، جوڑے والا، ٹوٹا ہوا پل وغیرہ شامل ہیں صلہ۔ صحافت کے میدان میں قدم رکھنے کے بعد ادبی، تنقیدی، تعارفی، صنعتی، سیاسی اور سوانحی مضامین بڑی تعداد میں لکھے۔ وہ چند منتخب مضامین کو ''تنقیدی مضامین اور اہم تبصرے'' کے عنوان سے شائع کروانا چاہتے تھے۔ اس کا اعلان بھی انہوں نے کردیا تھا مگر موت نے مہلت نہ دی۔

ان میں سے چند مضامین پر نظر ڈالنے سے ان کی فکر اور طرز تحریر کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ ''نئی شاعری، کائنات ادب اور ہم'' یہ ایک انشائیہ ہے۔ لیکن جدید ادب کی تنقید بھی ہے اور تلخیص بھی ہے صلہ۳۔ ''مالیگاؤں کے اردو اخبارات، ایک ہلکا سا جائزہ'' مقامی صحافت کی مستند اور معتبر تاریخ بھی ہے اور تبصرہ بھی صلہ ''مالیگاؤں میں شاعری کی گونج'' مقامی جدید شاعری کا احاطہ کرنے والا ایک گراں قدر مضمون ہے۔ صلہ

غرض اسی قبیل کے بیشمار مضامین ان کی یادگار ہیں۔ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ ان مضامین کے ذریعے انہوں نے اپنے تجربات، مشاہدات اور مطالعے کا خلاصہ صفحۂ قرطاس پر بکھیر دیا ہے۔ ان کے مضامین فکر انگیز اور تبصرے بے لاگ ہوتے ہیں یہ تبصرے انکی ادبی صلاحیتوں اور تنقیدی شعور کا مظہر ہیں۔ انکی تنقید نپی تلی اور متوازن ہوتی ہے۔

۱۹۶۰ء کے بعد وہ مالیگاؤں کے ادب کے نزدیکی مزاج داں اور رفتار ادب کے باشعور شاہد رہے ہیں۔ انہوں نے تبدیل ہوتی ہوئی ادبی لسانی اور زبان کی سطح پر ساتھ دیا لیکن فکری سطح پر

صلہ: ان اخبارات کی مکمل فائل ان کے فرزندوں کے پاس محفوظ ہے۔

صلہ: نخشب مسعود، احمد نسیم سے ایک انٹرویو، ہفت روزہ ثبات، مالیگاؤں، ۲ جولائی ۱۹۷۳

صلہ: نوید نو، مالیگاؤں، جلد ۱ شمارہ ۱ اکتوبر ۱۹۷۱، ص ۱۹

صلہ: نوید نو، مالیگاؤں، جلد ۱ شمارہ ۲ دسمبر ۱۹۷۱، ص ۳۰

صلہ: ماہنامہ نشانات، مالیگاؤں، جلد ۱ شمارہ ۵، ۶ اگست ۱۹۷۵، ص ۱۰

انہوں نے فکر اسلامی سے ناطہ نہیں توڑا جوان کے خمیر کا ایک حصہ تھی۔ نسیم صاحب کی موت ایک صحافی، ایک سیاست داں ایک شاعر، ایک نثر نگار اور ایک مخلص انسان کی موت کے مترادف ہے۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں...

یوسف فیض

پیدائش: ۲۳ر مارچ ۱۹۳۳ء

انکا پورا نام محمد یوسف ابن محمد عمر ہے۔ پیدائش مالیگاؤں کی ہے۔ پرائمری تعلیم مکمل کرنے کے بعد اینگلو اردو ہائی اسکول سے ۱۹۵۳ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد اسماعیل یوسف کالج ممبئی میں ایف وائے سائنس میں داخلہ لیا۔ لیکن تعلیم نامکمل چھوڑ کر مالیگاؤں واپس آگئے اور اپنے آبائی پیشے پارچہ بافی سے وابستہ ہوگئے۔ آج بھی اسی ادھیڑ بن میں لگے ہیں۔

طالب علمی کے دوران ان کے بعض مضامین اسکول میگزین میں شائع ہوئے۔ ۱۹۵۵ء کے شمار میں شہر میں ایک ادبی انجمن بنام "انجمن تعمیر ادب" کی تشکیل ہوئی۔ اراکین میں اسلام پسند یا بالفاظ دیگر جماعت اسلامی کی فکر سے متاثرہ افراد کی اکثریت تھی۔ عبدالمجید سرور، احمد نسیم میناگری، عبدالواحد انصاری، مولانا رشید عثمانی، یوسف تشنہ، اور محمد اسحٰق ناصر وغیرہ کے ساتھ یوسف فیض بھی اس کارواں میں شامل تھے۔ ۶۷۔۱۹۶۶ء میں ایک تحریری انعامی مقابلے میں یوسف فیض کو اپنے مضمون "مجھے نفرت ہے" پر دوسرے انعام کا حق دار قرار دیا گیا تھا۔ لیکن ان کی تخلیقی اور فنکارانہ صلاحیت اس وقت سے کھلنی شروع ہوئی جب انہوں نے نثری پیروڈیاں لکھنے کا آغاز کیا۔ داستانی خصوصیات کے التزام کے ساتھ وہ ان تحریروں میں حالات حاضرہ کا رنگ بھر دیتے تھے۔ یہ مضامین انہوں نے ادارۂ ادب اسلامی کی ادبی نشستوں میں پیش کئے جہاں انکی بڑی پذیرائی ہوئی۔ ان میں دو پیروڈیاں" کہانی چوتھے درویش کی" اور "قصہ حاتم طائی کا" قابل ذکر ہیں۔ لیکن یہ سلسلہ زیادہ دیر جاری نہ رہ سکا۔ انہوں نے تنقیدی مضامین کا سلسلہ شروع کیا۔ ان مضامین میں مختلف مقامی اور بیرونی شعراء کے فکر و فن کا جائزہ بڑے سلجھے ہوئے انداز میں پیش کیا ہے۔ ریاض خیر آبادی، حفیظ میرٹھی، احمد نسیم میناگری، سید عارف (مدیر جواز) وغیرہ کے کلام کو انہوں نے اپنے تنقیدی تیروں کے نشانے پر رکھا۔ ان میں سے بعض مضامین اشاعت پذیر ہوئے۔ احمد نسیم میناگری کے انتقال پر ان کا

ایک مضمون ''سوزِ دروں کو صفحۂ قرطاس پر بکھیر نے والا شاعر'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ ؎ ''حفیظ میرٹھی، غزل کی جدید روایتوں کا شاعر'' مقامی طور پر شائع ہوا۔ ؎ مدیر جواز سید عارف کے کار وافکار کا جائزہ ''سید عارف، منفرد لب ولہجہ کا شاعر'' کے عنوان سے پیش کیا۔ ان کا سب سے انوکھا مضمون غالباً کلام ریاض خیر آبادی، ادب اسلامی کی کسوٹی پر'' ہے۔ اس میں انہوں نے اگرچہ ریاض خیر آبادی کی ''پارسائی'' کو تسلیم کیا ہے لیکن شراب وخمریات کے تعلق سے انہوں نے جو لغو اور بے معنی اشعار کہے ہیں ان پر کھلی کھلی بلکہ جارحانہ تنقید کی ہے۔ سیف بھساولی پر ان کا مضمون ''شگفتِ گل کا شاعر، سیف بھساولی'' بھی خوب ہے۔ اس میں سیف کی شاعری کا فنکارانہ تجزیہ کیا گیا ہے۔

جماعت اسلامی کے ہفتہ وار ''نوائے مشرق'' (مالیگاؤں) میں وہ ''میڑھی لکیریں'' نام کا ایک مستقل طنزیہ اور مزاحیہ کالم یوسف بے کارواں کے نام سے لکھا کرتے تھے۔ ان کے موضوعات عموماً سیاسی اور معاشرتی ہوتے تھے لیکن چوٹ زیادہ تر اشتراکیت پر ہوتی تھی۔ ان تحریروں میں مزاح کم اور طنز کی کارفرمائی زیادہ ہوتی تھی۔ کبھی کبھی طنز اتنا شدید ہو جاتا تھا کہ سیدھے سیدھے نشتر زنی معلوم ہونے لگتا تھا۔ ان کے علاوہ دیگر مضامین بھی ان کی فائل میں موجود ہیں۔

یوسف فیض اپنی کاروباری مصروفیت کے سبب شہر کے ادبی کارواں سے بچھڑ گئے ہیں اور سچ مچ یوسف بے کارواں ہو چکے ہیں۔ ان کی کنارہ کشی اور گوشہ گیری نے ایک اچھا نقاد اور تنقید نگار چھین لیا ہے۔ وہ بہت اچھے شاعر بھی ہیں۔ لیکن برسوں سے یہ سلسلہ ترک ہے۔ فکر اسلامی سے متاثر اس ادیب وشاعر کا ضیاع قابل افسوس ہے۔

؎ :اردو ٹائمز ممبئی ۲۰ رمئی ۱۹۹۱ء

؎ :روزنامہ آواز مالیگاؤں مالیگاؤں ۸ر دسمبر ۱۹۸۸ء

سرفراز افسرؔ

پیدائش: ۱۹۳۴ء

وفات: ۹؍فروری ۱۹۹۲ء

سرفراز افسرؔ شہر میں اشتراکی فلسفے کے سب سے پر جوش مبلغ تھے۔ اس فلسفے کی تشہیر اور مزدوروں میں بیداری پیدا کرنے کے لئے انہوں نے پوری زندگی صرف کردی۔ ان کے دل میں سرمایہ داری اور استعماریت کے خلاف شعلے بھڑکتے تھے۔ جو ان کے دماغ سے ہوتے ہوئے قلم سے نکلنے لگتے تھے۔ وہ شاعر بھی تھے اور نثر نگار بھی۔ انکی شاعری بھی ''آتش پرست'' تھی۔ ہر چندان کی اس طویل جدوجہد کا خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا لیکن ان کے تیار کردہ ماحول کا فائدہ شہر کی دیگر مزدور تحریکوں میں ضرور اٹھایا گیا۔

ان کا پورا نام سرفراز احمد ابن محمد اسمٰعیل ہے۔ مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد اینگلو اردو ہائی اسکول میں داخلہ لیا لیکن غربت وافلاس کے سبب تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔ پاورلوم پر مزدوری کرنے لگے، پھر میکنیک ہوئے، پرانے سامانوں کی تجارت کی، سائیکل کی دوکان چلائی، مزدور یونین قائم کی، اخبار جاری کیا، سردار پریس جاری کیا اور آخر میں جب ان کا انتقال ہوا تو بطور آرٹی او ایجنٹ کام کر رہے تھے۔

سرفراز افسرؔ نے زندگی کے سرد وگرم نہیں، گرم ہی گرم دیکھے۔ غربت، افلاس، دکھ، درد، مصائب، حوادث اور تلخیاں، یہ نذرانے تھے حالات اور گردشِ ایام کے، جنہوں نے انہیں سرتاپا آتش پارہ بناڈالا۔ انہوں نے دھماکہ خیز نظمیں اور پرجوش قطعات کہنے شروع کردیئے:

یہ ظلم وستم جلادوں کے یہ طور طریق عیاروں کے
وہ روز بھی ہمدم دور نہیں جس روز یہ مارے جائیں گے

حالات نے انہیں انتہا پسند بنادیا تھا۔ مئی ۱۹۶۷ء میں جب انہوں نے اپنا مجموعۂ کلام شائع کیا تو اس کا نام بھی ''آتش پارے'' تجویز کیا۔

۱۹۵۲ء میں وہ کمیونسٹ پارٹی کے رکن بنے۔ اور اخبارات، پمفلٹ، کتابوں اور تقریروں کے ذریعے اس نظریئے کا پرچار کرتے رہے۔ ان کی یہ آتش نوائیاں سرمایہ داروں سے نفرت اور مزدوروں سے محبت کا مظہر ہیں۔ ادبی نثر یا کہانیاں ان کے یہاں نہیں ملتیں۔ جو بھی لکھا مزدوروں کے لئے لکھا۔ اس موقع پر ان کی کتابوں کا جائزہ افادیت سے خالی نہ ہوگا۔

۱)یوم مئی:

ایک چھوٹا سا کتابچہ ہے۔ جس پر سنِ اشاعت نہیں ہے۔ اندازاً ۱۹۶۷ء میں شائع ہوئی۔ ۱۶ رصفحات پر یوم مئی (مزدوردن) کی مختصر تاریخ بتائی گئی ہے۔

۲)حرف به حرف:

یہ ان کے ''آتشیں'' مضامین کا مجموعہ ہے جس میں مزدوروں کو متحد اور بیدار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ غالباً ۱۹۶۸ء میں شائع ہوئی۔

۳)حالات زندگی:

عنوان کے برخلاف اس کتاب میں فرقہ پرستی، زرد صحافت، سرمایہ دارن اور سامراجیت کے خلاف مضامین شامل ہیں ۶۸ رصفحات کی یہ کتاب مارچ ۱۹۶۹ء میں شائع ہوئی۔

٤)ہندی اردو ٹیچر:

اگست ۱۹۶۹ء میں ہندی داں حضرات کو اردو سکھانے کے لئے ان کی یہ چھوٹی سی کوشش منظر عام پر آئی۔ وہ مزدوروں کا کام کرتے تھے۔ ان میں ہندو مسلم دونوں شامل رہتے تھے۔ غالباً سرفراز افسر چاہتے تھے کہ ہندو مزدور اردو زبان سیکھ کر اردو میں کمیونسٹ لٹریچر کا مطالعہ کریں۔ کتاب ۳۲ رصفحات پر مشتمل ہے۔ دو زبانوں کو ایک دوسرے سے قریب لانے کی یہ شہر میں پہلی کوشش ہے۔

۵)مزدور انقلاب:

۱۰۰ صفحات کی یہ کتاب ۱۹۷۱ء میں مالیگاؤں سے شائع ہوئی۔اس میں انہوں نے پورے کمیونسٹ نظریے اور فلسفے کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔دیگر کتابوں کی طرح اس میں بھی روئے سخن مزدوروں کی جانب ہی ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ انہوں نے دو اخبارات بھی جاری کئے۔مزدور نمائندہ اور حیات نو،حیات نو بیس برس تک نکلتا رہا۔

مزدوروں کا یہ پر جوش حمایتی اور ان کے حقوق کا علم بردار ہارٹ اٹیک کا شکار ہوکر دنیا سے گذر گیا اور مزدوروں کے دلوں میں اپنی انمٹ یادیں چھوڑ گیا۔

فضل الرحمٰن

پیدائش: ۸/اگست ۱۹۳۵ء

وفات: ۱۲/اکتوبر ۱۹۹۶ء

پورا نام فضل الرحمٰن ابن جان محمد، محلہ نیا پورہ کے ایک نہایت غریب گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی چوتھی جماعت کے بعد اینگلو اردو ہائی اسکول میں داخلہ لیا۔ لیکن میٹرک کے امتحان میں ناکام ہوگئے۔ والد میونسپلٹی میں ڈرائیور تھے۔ ۱۹۵۶ء میں ان کے انتقال کے بعد صدر بلدیہ ڈاکٹر محمد سلیم شیخ کے توسط سے مرحوم کی جگہ میونسپلٹی میں ملازمت مل گئی۔ سروس پر رہتے ہوئے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ بی اے کیا، ایل ایس جی ڈی اور ایل جی ایس کے امتحانات پاس کئے۔ مطالعہ اور اسپورٹس کا بڑا شوق تھا۔ شاعری مشاعرے سننے تک محدود تھی۔ موصوف کی دینی تربیت مولانا محمد ثوبان نے فرمائی۔

۱۹۴۹ء میں چودہ سال کی عمر سے لکھنے لکھانے کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ ان کی پہلی تخلیق روزنامہ ہندوستان، ممبئی میں اشاعت پذیر ہوئی۔ بہت زمانے تک وہ اپنا اصل نام چھپاتے رہے۔ مختلف اخبارات میں مختلف ناموں سے لکھا کرتے۔ کبھی تماشائی کے قلم سے، کبھی ابوالاخلاق، کبھی اظہر انصاری اور کبھی اظہر فضل الرحمٰن۔ ان کی تخلیقات میں افسانے، کہانیاں، ترجمے، جاسوسی کہانیاں اور مضامین شامل ہیں۔ لیکن مضامین کی تعداد زیادہ ہے۔ یہ تحریریں بہت سارے مقامی اخبارات میں شائع ہوئیں۔ علاوہ ازیں ممبئی کے روزناموں میں بھی ان کے کافی مضامین شائع ہوئے۔ کبھی کبھی بچوں کے لئے بھی لکھتے تھے۔ بچوں کے لئے لکھی گئیں تخلیقات رسالہ ''پھلواری'' میں شائع ہوئیں۔

فضل الرحمٰن آج کی سماجی اور معاشرتی ناآسودگی، بے اطمینانی، ناانصافی اور سیاست کی مکاریوں کو دیکھ کر کڑھتے تھے، یہی کڑھن انہیں کچھ نہ کچھ لکھتے رہنے پر مجبور کرتی تھی۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد چھوٹی موٹی دکان چلاتے رہے۔ وہیں فرصت کے لمحے چرا کر کچھ نہ کچھ لکھ لکھا لیتے تھے۔ ان کا تمام تخلیقی سرمایہ جو تراشوں کی صورت میں ہے انہوں نے اپنی زندگی میں ہی راقم الحروف کو سونپ دیا تھا۔ ہارٹ اٹیک میں انتقال ہوا۔ انکے فرزند اخلاق احمد میونسپلٹی میں ملازم ہیں۔ روزنامہ ''شامنامہ'' سے وابستہ ہیں۔

نثار انجم

پیدائش: یکم اپریل ۱۹۳۶ء

نثار انجم کا پورا نام نثار احمد ابن شمس الضحیٰ انصاری ہے۔ آباء واجداد مئو ائمہ سے ممبئی آئے اور جوگیشوری میں سکونت اختیار کی۔ یہیں نثار انجم کی پیدائش ہوئی۔ تعلیمی سلسلے کا آغاز ممبئی سے ہوا۔ گیارہ سال کی عمر میں مالیگاؤں آگئے اور دوبارہ پرائمری اسکول میں داخلہ لیا۔ ۵۵-۱۹۵۴ء میں اے ٹی ٹی ہائی اسکول سے دسویں جماعت پاس کرکے تعلیم ترک کردی اور پاورلوم پر مزدوری کرنے لگے۔ اس کے بعد میونسپلٹی میں سپروائزر رہے۔ ایک سال کے بعد دوبارہ پاورلوم پر مزدوری شروع کی اور ۱۹۶۶ء تک اسی پیشے کے ذریعے روزی پاتے رہے۔ اتفاقاً ایک پیر سے معذور ہوگئے۔ جس کے سبب محنت مزدوری ترک کردی۔

کہانیاں لکھنے کا سلسلہ ساتویں جماعت سے شروع ہوا۔ بچوں کے لئے لکھی گئیں ان کی کہانیاں، انقلاب اور ہندوستان وغیرہ اخبارات میں شائع ہوئیں۔ انہوں نے قلمی نام "نور رضوی" اختیار کیا۔ شہر میں انجمن نوجوان مصنفین کے قیام کے بعد اس کے رکن بنے اور ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہوگئے۔ اسی وقت سے نثار انجم کا قلمی نام اختیار کیا۔ انجمن کی ادبی وتنقیدی نشستوں میں افسانے پیش کئے۔ چند برسوں تک ان کی تخلیقی سرگرمیاں جاری رہیں۔ بدقسمتی سے ذہنی خلل کا شکار ہوگئے۔ جس کے بعد لکھنا بالکل ترک ہوگیا۔ صحت یاب ہونے کے بعد دوبارہ تحریری سرگرمیوں کی طرف توجہ نہیں دی۔ بچوں کے لئے لکھی گئیں دس تا پندرہ ابتدائی کہانیاں اور اتنے ہی افسانے ان کا نثری سرمایہ ہیں۔

لطیف عزیز

پیدائش: یکم جون ۱۹۳۶ء

پورا نام عبداللطیف ابن عبدالعزیز ہے۔ پیدائش مالیگاؤں کی ہے۔ ان کے والد ماسٹر عبدالعزیز ایازؔ لطفی شاعر بھی تھے۔ پرانے سوشلسٹ تھے۔ مذہبی کتابوں کے وسیع مطالعے سے ان کے اندر تبدیلی پیدا ہوئی۔ انہوں نے بچوں کی تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ آج ان کے تمام لڑکے مختلف تعلیمی، دینی، صحافتی میدانوں میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ لطیف عزیز اور احسان الرحیم صحافی ہیں۔ بھائیوں میں سب سے ذمہ دار عہدے پر مولانا عبدالاحد ازہری فائز ہیں۔ وہ قاضی شہر ہیں اور معہد ملت کے شیخ الحدیث بھی۔ لطیف عزیز نے ۱۹۴۵ء میں اینگلو اردو ہائی اسکول سے میٹرک کا امتحان دیا مگر ناامیدی ہاتھ آئی۔ اس وقت پہلی بار مالیگاؤں اس امتحان کا مرکز بنا تھا۔ اس ناکامی کے بعد تعلیم ترک کر دی اور گھر کے پاورلوم کے کاروبار میں لگ گئے۔ فی الحال اسی کاروبار سے منسلک ہیں۔

لطیف عزیز دینی کتابوں کے مطالعے کے دوران مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی تحریروں سے بہت متاثر ہوئے۔ اسی کے زیر اثر وہ جماعت اسلامی سے وابستہ ہوئے اور یہ وابستگی پوری استواری کے ساتھ آج بھی قائم ہے۔ انہیں تحریر کا ملکہ بھی حاصل ہے اس لئے ادارۂ ادب اسلامی کی نشستوں میں باقاعدگی سے شرکت کرتے اور عموماً طنزیہ خاکے سناتے۔ یہ ۱۹۶۰ء کی بات ہے۔ ان کی تخلیقات مختلف اخباروں میں چھپنے لگیں۔ اس طرح صحافت سے نہ صرف تعلق پیدا ہوا بلکہ صحافی بننے کا حوصلہ بھی۔ ۱۹۶۰ء میں ہفتہ وار ''نوائے مشرق'' ان کی ادارت میں جاری ہوا۔ یہ فکر اسلامی کا ترجمان تھا جو دو سال چلنے کے بعد بند ہو گیا۔ لیکن اس کے ذریعے سے بہت سے نومشق اور نئے قلمکاروں نے حوصلہ پا کر ادبی دنیا میں قدم رکھا۔ ۱۹۷۰ء میں ایک دوسرا اخبار ہفت روزہ ''السبیل'' جاری کیا جو ۱۹۷۹ء تک جاری رہا۔ ص۱

ص۱: راقم الحروف کچھ عرصہ تک اس میں ایک طنزیہ کالم 'زندہ دل کے قلم سے' لکھتا رہا لطیف عزیز نے کافی حوصلہ افزائی فرمائی۔ اسکے سبب راقم میں اعتماد پیدا ہوا اور مستقبل کی تحریروں کیلئے مشق بھی ہوتی گئی

ان دونوں اخبارات میں لطیف عزیز طنزیہ ومزاحیہ خاکے اور سنجیدہ مضامین تحریر کرتے رہے۔ مزید برآں ''جلیس'' اور ''طلوع'' (مالیگاؤں)، دعوت، پیش رفت (دہلی) کے ساتھ ساتھ ممبئی کے روزناموں میں بھی ان کے مضامین کافی تعداد میں اشاعت پذیر ہوئے۔

آج بھی وہ سماجی، ملی اور دینی مسائل پر مقامی اور بیرونی اخبارات میں لکھ رہے ہیں۔ ان کی تحریروں میں صحافتی انداز نمایاں ہے۔ اصلاح ملت اسلام سے خاص نسبت ہے اور بے دینی و بے راہروی سے سخت نفرت۔ وہ اپنی تحریروں میں ان مقاصد کو کبھی فراموش نہیں کرتے۔ ملک میں ایمرجنسی کے نفاذ کے زمانے میں (جون ۱۹۷۵ء تا ۱۹۷۷ء) السبیل میں بڑی بیباکی اور بے لاگ طریقے سے قلم چلاتے تھے۔ مضامین اگرچہ سنسر ہوتے تھے پھر بھی گرفت میں آگئے۔ دو دن قید رہے پھر ضمانت ہوگئی۔ ایمرجنسی کے اختتام کے بعد کیس بھی ختم ہوگیا۔ لطیف عزیز اپنی تخلیقی صلاحیتوں میں نکھار اور اسے تعمیری اور اصلاحی رخ دینے کا کریڈٹ اپنے والد مرحوم کے ساتھ ساتھ مقامی جماعت اسلامی کے بانی عبدالاحد مرحوم اور مشہور صحافی عبدالمجید سرور کو دیتے ہیں۔

لطیف عزیز کی تخلیقی صلاحیتوں میں کلام نہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ انہوں نے اس کا خاطر خواہ استعمال نہیں کیا ورنہ آج ان کا شمار صف اول کے نثر نگاروں میں ہوتا۔ بیس برس سے ادارۂ ادب اسلامی کی سکریٹری شپ ان کے پاس ہے لیکن ادارے پر جمود طاری ہے۔ بہتر ہوتا کہ یہ جمود ٹوٹتا اور لطیف عزیز اپنی صلاحیتوں کو زنگ لگنے سے بچانے کا کوئی انتظام کرتے۔ بایں ھمہ ان کی ایک صلاحیت کا اعتراف ضروری ہے۔ جس نوجوان میں وہ تخلیقی صلاحیت دیکھتے ہیں اکی حوصلہ افزائی کی کوئی نہ کوئی سبیل پیدا کر دیتے ہیں۔ شہر پر ان کا یہ احسان بھی کم نہیں۔

مرتضیٰ اقبال

پیدائش: ۱۹۳۶ء

پورا نام محمد مرتضیٰ ابن حاجی بابو مستری ہے۔ مالیگاؤں کی پیدائش ہے۔ اینگلو اردو ہائی اسکول سے ۱۹۵۵ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ مگر تعلیمی سلسلہ جاری نہ رکھ سکے۔

مرتضیٰ اقبال کو اسکول کے زمانے سے ہی مضمون نویسی سے دلچسپی تھی۔ کھلونا، غنچہ، اور الحسنات وغیرہ رسائل کے مطالعے سے بچوں کی کہانیاں لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ اس زمانے میں ممبئی سے ''کارٹون'' اور ''تحفہ'' بچوں کے رسائل شائع ہوتے تھے۔ کارٹون میں ''اگر میں نارزن ہوتا'' اس عنوان پر کہانیوں کا مقابلہ منعقد ہوا تھا۔ اس میں تین کہانیوں کو انعامات سے نوازا گیا۔ ان میں مرتضیٰ اقبال کی کہانی بھی شامل تھی جو بعد میں اسی رسالے میں چھپی۔ اشاعت پذیر ہونے والی یہ ان کی پہلی تخلیق ہے۔ یہ سلسلہ کافی دنوں جاری رہا۔ ''تحفہ'' میں بھی ان کی کہانیاں شائع ہوئیں۔ اس کے بعد کاروبار جہاں نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا اس لئے بہت دنوں تک لکھنا پڑھنا بند رہا۔

بعد میں جب احرار دار المطالعہ (مالیگاؤں) میں ادارۂ ادب اسلامی کی ادبی نشستوں کا سلسلہ شروع ہوا تو انہوں نے مختصر افسانے سنانے شروع کیے۔ یہ افسانے زیادہ سے زیادہ ایک صفحے کے ہوتے تھے۔ اردو ٹائمز کے صفحے ''دریچے'' کے علاوہ مقامی اخبارات سرور ٹائمز اور نوید نو میں بھی ان کے ''افسانچے'' شائع ہوئے۔ سرور ٹائمز (مالیگاؤں) میں آخری کہانی ''سینڈل اسکینڈل'' شائع ہوئی اس کے بعد نثری سرگرمیوں کی لو مدھم ہوتی چلی گئی۔ شاعری میں دلچسپی نہ تھی بلکہ اس طرف دھیان تک نہیں گیا۔ برسوں سے کوئی نئی تحریر سامنے نہیں آئی۔ ایسا لگتا ہے نثر نگاروں کے کارواں سے یہ مسافر ہمیشہ کے لئے بچھڑ چکا ہے۔

عبدالخالق ماہر

پیدائش: ۱۷رمئی ۱۹۳۷ء

عبدالخالق ابن محمد عالم، مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۸ء میں اے ٹی ٹی ہائی اسکول سے ایس ایس سی کرنے کے بعد ۱۹۶۰ء میں میونسپلٹی میں کلرک ہوگئے۔ پینتیس برس کی سروس کے بعد یکم جون ۱۹۹۵ء کو خدمات سے سبکدوش ہوئے۔

عبدالخالق ماہر کی نثر نگاری افسانہ نگاری تک محدود رہی۔ ترقی پسند تحریک سے منسلک تھے۔ اور اس تحریک کی علم بردار انجمن نوجوان مصنفین کی ادبی نشستوں میں باقاعدگی سے شرکت کرتے رہے اور افسانے پیش کرتے رہے۔ لیکن انہیں شائع کروانے میں دلچسپی نہ تھی۔ ان کے پندرہ بیس افسانوں میں سے ایک بھی محفوظ نہیں ہے۔ لیکن ہفت روزہ بیباک اور ہم سب میں انجمن نوجوان مصنفین کی نشستوں کی رودادوں اور رپورتاژوں سے پتہ چلتا ہے کہ عبدالخالق ماہر نے ایک طویل مدت تک ادبی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ پھر یک لخت ترک کردیں اور دوبارہ شروع کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔

موصوف کے بیان کے مطابق ان کے افسانے روایتی ترقی پسند افسانوں کی طرح ہوتے تھے۔ ان کا کوئی ریکارڈ محفوظ ہوتا تو تبصرہ کی گنجائش تھی، فی الحال یہ ممکن نہیں۔

لطیف جعفری

پیدائش: ۳۱ر دسمبر ۱۹۳۷ء

مالیگاؤں میں ترقی پسند ادب کے فروغ اور نوجوان قلم کاروں کی حوصلہ افزائی کے لئے لطیف جعفری کا نام ہمیشہ احترام سے لیا جائے گا۔ انہیں شہر میں ادبی پروگرام منعقد کرنے میں خاص دلچسپی رہی ہے۔ خصوصاً نثری پروگراموں میں ان کی شمولیت کامیابی کی ضمانت ہوا کرتی تھی۔ ملک کے مقتدر ترقی پسند ادباء و شعراء سے موصوف کے ذاتی مراسم رہے۔ انکے ذاتی حالات میں ترقی پسند ادبی تحریک کی تاریخ کا عکس بھی دکھائی دیتا ہے۔

ان کا پورا نام عبداللطیف ابن عبدالعزیز ہے۔ محلہ چونا بھٹی کی پیدائش ہے۔ آباء و اجداد کا تعلق لکھنؤ سے تھا۔ انہوں نے میٹرک تک تعلیم پائی۔ ۱۹۶۱ء سے یکم مئی ۱۹۹۴ء تک مقامی بلدیہ میں ملازم رہے اور سینئر کلرک کی حیثیت سے سبکدوش ہوئے۔

۱۹۵۵ء سے تحریری سرگرمیوں کا آغاز افسانوں اور کہانیوں کے ذریعے کیا۔ پہلی تخلیق ''........اور دنیا دیکھتی رہ گئی'' کے عنوان سے ایک افسانہ ہے جو ۵۸۔۱۹۵۷ء میں کسی وقت ''شان ہند'' (دہلی) میں اشاعت پذیر ہوا۔ شاعری بھی اسی وقت سے شروع کی۔ حضرت ادیب مالیگانوی مرحوم سے اصلاح سخن لیتے تھے اسی نسبت سے اپنا قلمی نام لطیف ادیبی رکھا جو بعد میں تبدیل ہو کر لطیف جعفری ہو گیا۔ ایک زمانے تک ادیب صاحب کی شعری بزم قصر الادب سے وابستہ رہے۔ اور اس کی ادبی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ لیکن ان کی تخلیقی و تنظیمی صلاحیتوں میں اس وقت نکھار آیا جب انہوں نے اپنے ساتھی فنکاروں کے ساتھ ترقی پسند ادب کے فروغ کیلئے انجمن نوجوان مصنفین قائم کی۔ اس کا قیام ۱۹۵۸ء میں عمل میں آیا۔ لطیف جعفری اس کے سکریٹری اور ترقی پسند بزرگ شاعر اسماعیل راز اس کے صدر تھے۔ ترقی پسند لٹریچر کے مطالعے کی طرف ان کی توجہ مرحومہ عائشہ حکیم اور شوکت عزیز نے دلائی۔

شہر میں اس انجمن کے قیام نے نئے لکھنے والوں کا ایک بڑا گروہ تیار کردیا۔اس کی ادبی نشستیں ہر ماہ منعقد ہوتی تھیں۔جس میں نئے اور پرانے قلمکار اپنے افسانے ،مضامین ،نظمیں ،اور غزلیں پیش کرتے تھے اور تنقید وتبصرہ کے ذریعے نوجوان قلم کاروں کی اصلاح اور حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔لطیف جعفری صاحب خودبھی اپنی تخلیقات پیش کرتے تھے اور بحث ومباحثہ میں حصہ لیتے تھے۔وہ ہمیشہ سنجیدہ گفتگو کے عادی رہے ہیں۔اسی دوران نہ جانے کس موڈ میں انہوں نے دو جاسوسی ناول ''آرٹسٹ کا قتل''اور''الٹا درخت''تحریر کئے۔اول الذکر ناول کی پانچ قسطیں ماہنامہ تحفہ(لدھیانہ) میں ۱۹۵۵ء تا ۱۹۵۷ء کے درمیان شائع ہوئیں۔موصوف کا ارادہ دونوں ناولوں کی اشاعت کا تھا۔اتفاق کی بات کہ مرحوم ظؔ انصاری ایک بار لطیف جعفری کے یہاں مہمان ہوئے۔انہوں نے دونوں ناولیں ظؔ صاحب کو دکھائیں۔انہوں نے کہا کہ کمیونسٹ ادیب اور ترقی پسند مصنف جاسوسی ناولوں سے واسطہ نہیں رکھتا اسلئے جب تک ان کو نذر آتش نہ کروگے کھانا نہیں کھاؤں گا۔لطیف صاحب نے اسی وقت دونوں ناولوں کو آگ کی نذر کردیا۔

موصوف ایک اچھے شاعر،افسانہ نویس اور منتظم ہونے کے ساتھ ساتھ نظامت اور صحافت میں بھی ازحد دلچسپی رکھتے ہیں جس کی ترغیب انہیں ادیب مالیگانوی سے ملی۔

ان کی صحافتی سرگرمیوں کا آغاز امین عشرت مرحوم کے اخبار ہفت روزہ''تہذیب'' سے ہوا لطیف جعفری اس میں خبریں اور اداریے تحریر کرنے کے ساتھ ساتھ کتابت بھی کرتے تھے جو ادیب صاحب کے شوکت پریس میں چھپتا تھا۔دوسرے مقامی اخبارات جن میں ان کے رشحات قلم اشاعت پذیر ہوئے ان میں شورش، پسینہ، مطلع،انوار مطلع اور عوامی آواز شامل ہیں۔۵راگست ۱۹۶۳ء کو انہوں نے اپنا ذاتی اخبار''کیفی'' جاری کیا۔جس کا مقصد محض ادبی خبریں اور مضامین شائع کرنا تھا۔ابتدائی چند شمارے اس نہج پر شائع ہوئے لیکن ۲رستمبر ۱۹۶۳ء کو مالیگاؤں ایک بھیانک فساد کی زد میں آگیا اس لئے کیفی میں بھی شہری اور سیاسی خبریں شائع ہونی شروع ہوگئیں۔مقامی کمیونسٹ رہنما عبدالمجید ماہرؔ ان کی معاونت کرتے تھے۔

لطیف جعفری کو شہر کی ادبی وصحافتی تاریخ میں بھی بڑی دلچسپی ہے ہفت روزہ مطلع کے صحافت نمبر میں ان کا ایک طویل اور قابل قدر مضمون''مالیگاؤں کی صحافت'' کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔انہوں نے چند مشاعروں اور ادبی کانفرنسوں کے رپورتاژ بھی لکھے ہیں جو مقامی اخبارات میں شائع ہوچکے ہیں۔

اگست ۱۹۸۴ء میں روزنامہ شامنامہ کے اجراء کے بعد لطیف جعفری شامنامہ سے وابستہ ہو گئے۔ اس میں خبروں اور اداریوں کے علاوہ کبھی کبھی ان کے تخلیقی مضامین بھی شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ زندگی کی شام 'شامنامہ' میں کٹ جائے۔

لطیف جعفری اب شعروادب کی دنیا سے دور ہو چکے ہیں۔ انہوں نے صحافت کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا ہے۔ شاید وہ دوبارہ اس راستے پر نہ آئیں۔ لیکن شہر میں نثر کی ترقی اور اردو ادب کے فروغ میں انہوں نے جو کوشش کی ہے وہ ناقابلِ فراموش ہے۔

سلیم ابن نصیر

پیدائش: ۱۹۳۷ء

سحرالبیان منشی نصیر مالیگانوی شہر کے مشہور استاد اور صاحب دیوان شاعر گذرے ہیں۔ سلیم احمد انہیں کے فرزند ہیں۔ انہوں نے زیادہ تعلیم نہیں پائی۔ اینگلو اردو ہائی اسکول میں میٹرک جماعت تک پہنچے لیکن مکمل نہ کر سکے۔ ترک تعلیم کر کے اپنے آبائی پیشے یعنی ریڈی میڈ ڈریس اور ہوزیری کی تجارت میں لگ گئے۔ آج بھی اردو لائبریری کے قریب ان کی چھوٹی سی دکان ہے اور اسی پر اپنی گذر بسر کر رہے ہیں۔

سلیم ابن نصیر نے جب ہوش سنبھالا تو گھر میں شعر و ادب کے تذکرے سنے اور علمی و ادبی ماحول دیکھا جس سے متاثر ہونا فطری بات ہے۔ مطالعہ کرنے کے ساتھ ساتھ قلم پکڑنا بھی سیکھ لیا۔ ان کی سب سے پہلی تخلیق ''سرکار دو عالم ﷺ'' امین عشرت مرحوم کے ہفت روزہ تہذیب (مالیگاؤں) میں اس صدی کی چھٹی دہائی میں شائع ہوئی۔ لیکن باقاعدہ اور پابندی سے لکھنے کا عمل ۱۹۶۹ء میں شروع ہوا۔ اس دور کی شروعات روزنامہ انقلاب میں شائع شدہ دو مضامین ''انگریزی مہینوں کی کہانی'' اور ''قدیم دور کے سات عجائبات'' سے ہوتی ہے۔ وہ دن ہے اور آج کا دن، ان کے سو سے زیادہ مضامین شائع ہو چکے ہیں ان میں سے نصف کے قریب طبع زاد ہیں باقی ترجمے ہیں۔ ان کے زیادہ تر مضامین معلوماتی ہیں یا طبی اور سوانحی تحریریں ہیں۔ کبھی کبھی منہ کا مزہ بدلنے کیلئے ننھی منی دلچسپ کہانیاں بھی لکھتے ہیں۔ جن شخصیات کے سوانحی حالات انہوں نے لکھے ان میں سرور کائنات ﷺ، الفارابی، قلوپطرہ، مولانا محمد علی جوہر، ڈاکٹر اقبال، بہادر شاہ ظفر، اور بی اماں شامل ہیں۔ طبی مضامین بڑی تعداد میں ہیں۔ مزید برآں انہوں نے کاغذ، پتنگ، دیوالی وغیرہ کی تاریخ بھی رقم کی ہے۔

ان کے علاوہ انگریزی ادب سے بعض کہانیوں کے ترجمے کیے ہیں۔ گفتگو اور انسانی طور طریقوں پر نفسیاتی مضامین لکھے ہیں اور چند مزاحیہ مضامین بھی تحریر کیے ہیں۔

ان کی تخلیقات مقامی اخبارات کے ساتھ ساتھ دور دراز کے اخبارات، رسائل اور ڈائجسٹوں میں شائع ہوتی رہی ہیں اور اب بھی ہورہی ہیں۔ ان کی فہرست بڑی طویل ہے۔ ان کی زبان آسان اور اسلوب سادہ ہے اسلئے کم پڑھے لکھے قارئین بھی ان سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

عطاء الرحمن عطاؔ

پیدائش: ۲؍مئی ۱۹۳۸ء

عطاء الرحمن کا تخلص عطاؔ ہے۔ ان کے والد کا نام حاجی محمد اسحاق میدو ہے جو مالیگاؤں کی معزز ہستیوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ شہر میں رضاکارانہ طور پر حاجیوں کی خدمت کا سلسلہ انہوں نے ہی شروع کیا۔ پارچہ بافی سے منسلک تھے، کاروبار اچھا تھا۔ ہر طرح سے آسودگی تھی۔ عطاء الرحمن کو تعلیم حاصل کرنے کا شوق تھا۔ انہوں نے اردو اور فارسی دونوں مضامین سے ایم اے کیا۔ بی ایڈ کی ٹریننگ حاصل کی اور اے ٹی ہائی اسکول میں درس وتدریس کا پیشہ اختیار کیا۔ اب سبکدوش ہو چکے ہیں۔

عطاؔ صاحب شاعری سے بھی شغف رکھتے ہیں۔ غزل کبھی کبھی کہتے ہیں البتہ نظمیں، ترانے، استقبالیہ نظمیں جو اسکولوں کی تقریبات سے متعلق ہوتی ہیں اس میں یدطولی رکھتے ہیں۔ معصوم بچوں کے لئے چھوٹی چھوٹی نظمیں کافی تعداد میں کہی ہیں۔

۱۹۶۹ء میں انہوں نے ''انیس ایوبی'' پر ایک تنقیدی مضمون لکھا جو مقامی ہفت روزہ عوامی آواز میں شائع ہوا۔ نیز مرحوم عبدالغفور سہیل کا انٹرویو بھی ریکارڈ کیا جو ہفت روزہ ندائے مالیگاؤں میں اشاعت پذیر ہوا۔

لیکن عطا صاحب کا اصل تخلیقی میدان نہ تنقید ہے نہ شاعری۔ ان کے اصلی جوہر تو درحقیقت ان کے ڈراموں میں کھلتے ہیں۔ ڈرامہ لکھنے کی ابتداء ۱۹۷۰ء میں کی۔ ''انگور کی بیٹی'' ان کا سب سے پہلا ڈرامہ ہے۔ یکے بعد دیگرے انہوں نے بارہ ڈرامے لکھے۔ جو مختلف مقابلوں میں شامل ہوئے۔ ان کے تحریر کردہ اکثر ڈراموں کو اول یا دوم انعام ملا۔ ان کا بنیادی مقصد ''اصلاح'' ہوتا ہے۔ مکالمے برجستہ، حسب حال اور کردار کی فطرت کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ انہوں نے اپنے ڈراموں کی اشاعت کی طرف توجہ نہیں فرمائی ورنہ اردو میں چند اچھے یک بابی ڈراموں کا یقیناً اضافہ ہوتا۔ آج کل طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے ادبی سرگرمیاں ترک کردی ہیں۔

آصف بختیار سعید

پیدائش: یکم جنوری ۱۹۳۹ء

۱۹۳۹ء کا سورج جب نئے سال کے پہلے دن دنیا پر اپنی طائرانہ نظریں ڈال رہا تھا، آصف بختیار سعید نے اطفال فیملی میں اپنی آنکھیں کھولیں۔ محلہ بدر کا باڑہ کی اطفال فیملی کے اراکین ایم یوسف انصاری، الیاس خورشید اور آصف بختیار سعید نے بچوں کے ادب کی جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں ساری اردو دنیا کو اس کا اعتراف ہے۔ مئی ۱۹۹۸ء میں مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکیڈمی کے زیر اہتمام مالیگاؤں میں بچوں کے ادب پر جو سیمینار منعقد ہوا تھا اس میں چار ادیبوں کو بچوں کے ادب کی خدمت کے اعتراف میں ٹرائی پیش کی گئی، ان میں دو برادران ایم یوسف انصاری اور آصف بختیار سعید بھی شامل تھے۔ یہ اس خاندان کے لئے یقیناً اعزاز کی بات ہے۔ ان دونوں بھائیوں نے خود کو خدمت ادب اطفال کے لئے وقف کر رکھا ہے۔

بختیار سعید کے والد کا نام محمد یعقوب ہے۔ بختیار سعید یہ نام مشہور مصنف اور شاعر حضرت مسلم مالیگانوی نے تجویز کیا تھا۔ بختیار سعید نے جے جے اسکول آف آرٹس ممبئی سے جی ڈی آرٹ کا کورس کرنے کے بعد ۱۹ر دسمبر ۱۹۶۳ء سے میونسپل اردو اسکول میں ڈرائنگ ٹیچر کی حیثیت سے ملازمت شروع کی۔ بعد میں انہوں نے سروس پر رہتے ہوئے ایم اے اور ڈی ایڈ کے امتحانات میں بھی کامیابی پائی۔ ۳۳ر برس درس وتدریس کی خدمات انجام دینے کے بعد دسمبر ۱۹۹۶ء میں سبکدوش ہوئے۔

بختیار سعید اچھے شاعر بھی ہیں۔ سنجیدہ نظمیں اور غزلیں بھی کہتے ہیں لیکن مزاحیہ شاعری میں ان کا جواب نہیں۔ مشاعروں میں خالص مزاح کے اشعار جب وہ اپنے ''معصومانہ'' ترنم میں سناتے ہیں تو سامعین کے قہقہے فلک شگاف ہو جاتے ہیں۔ کلاسیکل موسیقی کا بھی اچھا درک رکھتے ہیں۔ بہت اچھے آرٹسٹ ہیں۔ بے شمار کہانیوں کی کتابوں اور ناولوں کے سرورق ان کی فنکارانہ چابکدستی کے مظہر ہیں۔

تخلیقی سرگرمیوں کا آغاز:

۱۹۵۲ء میں آصف بختیار سعید کے دو بھانجے ڈپتھیریا کا شکار ہو کر راہی ملک عدم ہو گئے۔ ان کی یاد میں بختیار سعید کے برادر بزرگ ایم یوسف انصاری نے ''اطفال'' نام کے قلمی رسالے کا اجراء کیا۔ بختیار سعید میں نثر و نظم کا فطری رجحان پہلے سے ہی موجود تھا۔ ''اطفال'' کی وجہ سے ماحول مل گیا اور انہوں نے ادب اطفال کے میدان میں اپنا پہلا قدم رکھ دیا۔ بچوں کے لئے ان کی پہلی کوشش ''دیو'' نام کی کہانی تھی جو جولائی ۱۹۵۴ء میں پھلواری (دہلی) میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد بچوں کے لئے لکھی گئی ان کی اتنی کہانیاں اور نظمیں ملک کے مختلف رسائل میں شائع ہوئیں کہ ان کا شمار بھی ممکن نہیں۔ جن رسالوں میں وہ چھپے ان میں دہلی کے رسائل کھلونا، پھلواری، نئے تحفے، پھول، نئے زاویے، پیام تعلیم، امنگ، نرالی دنیا اور غنچی شامل ہیں۔ ان کے علاوہ لکھنؤ کے ثانی اور کلیاں۔ ممبئی کے منا اور کارٹون نیز باغ و بہار (مدراس) قابل ذکر ہیں۔

بختیار سعید نے ابتدا سے ہی میدان مارنا شروع کر دیا تھا۔ طالب علمی کے زمانے میں ہی، کھلونا (دہلی) کے مقابلے میں ان کے ایک مضمون ''اگر میں ہیڈ ماسٹر ہوتا'' کو اوّل انعام ملا۔ نیز موسم برسات پر لکھا ہوا مضمون پیام تعلیم کے مقابلے میں اوّل انعام کا مستحق قرار پایا۔

بختیار سعید کی باتصویر کہانیوں کا سلسلہ مختصر سے وقفے کے ساتھ ۱۹۵۹ء سے ۱۹۸۹ء تک یعنی تیس برس مسلسل جاری رہا۔ ریاض جرولی (جو علامہ ہرفن کے نام سے لکھتے تھے) انہوں نے ایک مزاحیہ ہفتہ وار رسالہ ''منشی جی'' کے نام سے نکالا تھا۔ بختیار سعید نے اس رسالے میں تقریباً ایک سال تک بچوں کے صفحات کے ادارتی ذمہ داریاں نبھائیں۔ اس میں ایک صفحہ خود ان کے لئے مختص رہتا تھا جس میں ان کی مزاحیہ تخلیقات شائع ہوتی تھیں۔ انہی صفحات میں انہوں نے ''ملا دین'' کے نام سے ایک فرضی کردار تخلیق کیا۔ مالیگاؤں سے جب ڈاکٹر افتخار احمد صاحب نے بچوں کے لئے ''ہیرا'' نام کا ماہنامہ جاری کیا تو اسے بھی بختیار سعید کا بھرپور قلمی تعاون حاصل رہا۔

ان کا ایک اور بڑا کارنامہ اپنی نوعیت کے منفرد بچوں کے رسالے ''اردو کومک'' کا اجراء ہے۔ یہ ۱۹۶۶ء میں جاری ہوا اور تین سال تک مسلسل شائع ہوتا رہا۔ اس رسالہ پر اگرچہ مدیر کی حیثیت سے ان کے چھوٹے بھائی انصاری حفیظ الرحمٰن کا نام ہوتا تھا۔ لیکن بختیار سعید اس پر اپنی ساری صلاحیتیں صرف کر دیتے تھے۔ رسالے پر بڑی محنت ہوتی تھی۔ پوری منصوبہ بندی اور پابندی کے ساتھ نکلتا تھا۔ اس رسالے نے شہرت اور مقبولیت کی نئی بلندیاں دیکھیں۔ نسیم انہونوی مرحوم کہا کرتے تھے کہ بچوں کا اتنا اچھا رسالہ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔

ڈرامے:

بختیار سعید نہ صرف ایک اچھے شاعر، مصور، کہانی کار اور موسیقار ہیں بلکہ بہت اچھے ڈرامہ نگار، مکالمہ نگار، اور اداکار بھی ہیں۔ انہوں نے پندرہ ڈرامے لکھے ہیں جو کئی کئی بار اسٹیج ہوئے۔ لیکن اشاعت کے مراحل سے نہیں گذرے۔ ان کا ایک ڈرامہ ''گیت کار سنگیت کار'' کافی مقبول ہوا۔

کتابوں کی اشاعت:

انہوں نے اپنی تحریر کردہ کہانیوں کو کتابی شکل دینے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔ کہانیوں کی ستر سے زیادہ کتابیں زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر بچوں کے لئے دلچسپی اور مطالعہ کا سامان فراہم کر چکی ہیں۔ ان میں سے تقریباً پچاس کتابیں نیو سلور بک ایجنسی، محمد علی روڈ، بھنڈی بازار، ممبئی سے اور دیگر ادبی دنیا اور نسیم بکڈپو (لکھنؤ) نیز اطفال بک ڈپو کے زیر اہتمام شائع ہوئیں۔

کتابوں کی طباعت کا آغاز ۱۹۶۰ء سے ہوا۔ پہلی کتاب ''بہادر جیک'' تھی۔

بختیار سعید کی تمام کہانیاں طبع زاد نہیں ہیں۔ ان میں سے نصف کہانیاں ان کی اپنی تخلیق ہیں۔ باقی ترجمہ ہیں لیکن ان کے کردار اور ماحول کو ہندوستانی تہذیب وروایات میں اس طرح ڈھال دیا گیا ہے کہ طبع زاد معلوم ہوتی ہیں۔

انہیں شدت سے احساس رہتا ہے کہ ان کی کہانیاں بچے پڑھیں گے اس لئے وہ نہایت سادہ زبان استعمال کرتے ہیں۔ ڈوب کر لکھتے ہیں لیکن واقعات کی گہرائیوں میں کہانی کو گم نہیں ہونے دیتے۔ روزمرہ واقعات وحقائق کو اپنی کہانیوں کی بنیاد بناتے ہیں۔ وہ یہ بھی فراموش نہیں کرپاتے کہ وہ ایک مدرس ہیں۔ اس لئے ان کی اکثر کہانیاں سبق آموز ہوتی ہیں۔ جن اعلیٰ اخلاقی اقدار کو پیش نظر رکھتے وہ سچائی، بہادری، بری باتوں سے بچنا، پڑھائی، تعلیم اور بزرگوں کا ادب وغیرہ ہیں۔

آصف بختیار سعید کی نظموں، ہزلوں، پیروڈیوں، ڈراموں اور کہانیوں کا سفر پوری آب وتاب سے جاری ہے۔ خدا وہ دن جلد لائے جب ان کے نام سے قبل ''سو سے زائد کتابوں کے مصنف'' لکھا جانے لگے۔ چند برسوں قبل ایک حادثہ میں ایک پیر سے معذوری کا صدمہ برداشت کرنے کے باوجود ان کے حوصلے پست نہیں ہوئے۔ ہو بھی نہیں سکتے۔ ہزاروں لاکھوں معصوم بچوں کے چہروں پر مسکراہٹ کے پھول کھلانے والا کیا ان کی دعاؤں سے محروم رہ سکتا ہے؟ شاید انہیں دعاؤں کے طفیل وہ اس سال حج بیت اللہ سے بھی سرفراز ہوئے۔

❖❖❖❖❖❖

محمد صدیق انصاری

پیدائش: ۴؍فروری ۱۹۳۹ء

پورا نام محمد صدیق ابن حافظ وہاج الدین ہے۔ آبائی وطن قصبہ لہرپور ضلع سیتاپور (یو پی) ہے۔ ان کے والد اتر پردیش سے ترک وطن کر کے دھولیہ پہنچے۔ ۷ رسال یہاں قیام کے بعد مالیگاؤں آ گئے۔ محمد صدیق انصاری مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔ ساتویں جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد تعلیم ترک کر کے آٹھ برس تک پاورلوم پر محنت مزدوری کرتے رہے۔ دو اگست ۱۹۶۱ء کو پرائمری اسکول میں برسر ملازمت ہوئے۔ ۱۹۶۵ء میں دو سالہ پی ٹی سی کا کورس کیا۔ ۱۹۸۹ء میں صدر مدرس بنائے گئے اور اسی عہدے سے یکم مارچ ۱۹۹۷ء کو سبکدوش ہوئے۔

ان کے بڑے بھائی گھر پر بچوں کے رسالے منگواتے تھے۔ صدیق انصاری کا بچپن انہی رسالوں کے مطالعے میں گذرا۔ دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ ان رسائل و اخبارات میں لکھنا چاہیے۔ ۱۹۵۴ء کے شمار میں لطیفوں، پہیلیوں اور عام معلومات وغیرہ سے نثری سرگرمیوں کا آغاز کیا جو پھلواری (دہلی) اور انقلاب و ہندوستان کے بچوں کے صفحات میں شائع ہوئیں۔

۱۹۵۵ء میں قمر الدین قمر اور عابد گلریز وغیرہ قلم کاروں کی ہمراہی میں ایک ادبی بزم ''گلستان اردو ادب'' قائم کی۔ اس کے زیر اہتمام ایک شاندار ادبی پروگرام نشاط روڈ اسلامپورہ میں منعقد ہوا۔ جس میں صدیق انصاری نے ''ٹھوکم ٹھاک ریڈیو'' پیش کیا جو پسند کیا گیا۔ بعد ازاں وہ روزنامہ ہندستان کے بچوں کے صفحہ ''کھلتی کلیاں'' میں مستقل طور پر محمد صدیق خلش انصاری کے نام سے چھپنے لگے۔ پھر محمد صدیق انصاری ہو گئے۔

۱۹۵۸ء اور ۱۹۵۹ء میں ان کی تخلیقات خلافت اور انقلاب میں شائع ہوتی رہیں۔

۱۹۵۹ء میں ایک کتاب ''عورت'' کے عنوان سے ترتیب دی لیکن طباعت کی نوبت نہ آ سکی۔

اس کے چند مضامین حسب ذیل ہیں:

۱) عورت (۲) عورت مغربی مفکرین کی نظر میں (۳) عورت اور اسلام

(۴) شادی کیوں ضروری ہے؟ (۵) گرہستی کی خوشیاں (۶) کشیدہ کاری

مارچ ۱۹۶۱ء میں انہوں نے اپنا ذاتی قلمی رسالہ ''شگوفے'' ترتیب دیا۔ جس کے مصنف، کاتب اور آرٹسٹ وہ خود تھے۔ اس میں کم وبیش پندرہ کہانیاں اور مضامین شامل ہیں۔ نومبر ۱۹۶۱ء میں اسی نہج پر دوسرا قلمی رسالہ ترتیب دیا جس میں دس بارہ کہانیاں اور مضامین کے علاوہ معلومات کے صفحات بھی شامل ہیں۔

انجمن پاسبان ادب کے قیام میں ان کا بھی حصہ تھا۔ ۱۹۶۳ء میں انہوں نے ''اردو ادب'' کے نام سے ایک اور قلمی رسالہ ترتیب دیا۔ اس میں دیگر مضامین اور افسانوں کے ساتھ ساتھ طنزیہ و مزاحیہ مضامین کا اضافہ کیا۔ ٹریننگ کے دوران مختلف مضامین تخلیق کرتے رہے۔ جن میں سے اکثر اشاعت سے محروم رہے۔ ان تخلیقات کے بعد ایک طویل خاموشی کا وقفہ۔ ۱۹۸۵ء میں ہفت روزہ ''چوران'' میں ایک تحریر ''آواز دو کہاں ہو؟'' ان کی نظر سے گذری اس کے جواب میں کنیز رابعہ بصری مالیگانوی کے فرضی نام سے ''جواب دو انصاف کہاں ہے؟'' کے عنوان سے ہفت روزہ بیباک میں طویل مضمون شائع کروایا پھر دوبارہ بارہ برس کی طویل خاموشی کے بعد اکتوبر ۱۹۹۷ء میں '' بچوں کی تعلیم کے لئے والدین کا کیا کردار ہونا چاہئے'' اس عنوان سے ایک مضمون روزنامہ مبشر میں چھپوایا۔ اور بس!

محمد صدیق انصاری اور سلطان سبحانی نے ایک ساتھ لکھنا شروع کیا تھا۔ سلطان سبحانی بہت آگے بڑھ گئے مگر نہ جانے کس وجہ سے صدیق انصاری سست پڑ گئے۔ دیکھا جائے تو ۱۹۶۳ء کے بعد انہوں نے کچھ لکھا ہی نہیں۔ ان کا میدان افسانہ نگاری تھا لیکن وہ نہ جانے کن کن اصناف کی بھول بھلیوں میں بھٹکتے رہے۔ جو کچھ لکھا وہ تیس پینتیس برس پہلے کا ہے۔ ایک طویل زمانہ ضائع ہوکر رہ گیا۔ پتہ نہیں انہیں اس کے ضیاع کا احساس بھی ہے یا نہیں؟

مولانا محمد حنیف ملّی

پیدائش : جنوری ۱۹۴۰ء

وفات : ۱۱ر فروری ۲۰۰۰ء روز جمعہ

راقم الحروف کا بچپن تھا۔ محلہ بیلباغ میں جہاں راقم کا آبائی مکان ہے، صبح کی نماز کے بعد ایک بزرگ نہایت خوش الحانی سے کلام پاک کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ ان کی بلند خوانی سے سارے محلے پر ایک عجیب قسم کا سحر طاری ہو جاتا تھا اور فضا نور سے بھر جاتی تھی۔ کچھ وقت تلاوت کرنے کے بعد وہ اپنے گھر کے ہینڈلوم کے تانے بانے میں کسب حلال کی تلاش میں کھو جاتے۔ ہتھ کرگھے کی کھٹر پٹر سے ایک عجیب سماں بندھ جاتا تھا۔ یہ بزرگ اور کوئی نہیں مولانا محمد حنیف ملّی کے والد عبدالرحیم تھے۔ عبدالرحیم مرحوم حافظ قرآن نہیں تھے۔ محلّہ کے ایک مکان میں شبینہ مدرسہ میں ناظرہ پڑھاتے تھے۔ راقم نے بھی کلام پاک کا ناظرہ پہلی بار انہیں کے پاس ختم کیا۔ ان میں وہ ساری خوبیاں موجود تھیں جو ایک وضع دار بزرگ اور ایک سچے مسلمان میں ہونی چاہئیں۔ عبادت گزاری و شب بیداری، صوم وصلوٰۃ کی پابندی، رزق حلال حاصل کرنے کی لگن، محنت، سادگی اور خلوص۔ کم پڑھے لکھے ہونے کے باوجود ان کے دل میں دین کی خدمت کی جو تڑپ تھی اسکا اظہار انہوں نے بچوں کی تربیت کے ذریعے کیا۔ انکے بیٹوں میں مولانا محمد حنیف ملی نے بڑا علمی مرتبہ حاصل کیا، انکے چھوٹے بھائی عبدالسلام ندیم نہ صرف خلوص کے پیکر ہیں بلکہ اسلامی فکر رکھنے والے شاعر بھی ہیں۔ خود مولانا محمد حنیف کے دو فرزندوں نے عالمیت کی سند حاصل کی۔ عبدالسلام کے بیٹوں میں سے ایک حافظ ہیں اور دوسرے عالم۔ اسطرح آج سارا گھرانہ علم دین کی خدمت میں مصروف ہے۔ عبدالرحیم کے خانوادے کی یہ فضیلت یقیناً مکتب کی کرامت نہیں ہے بلکہ فیضان نظر کا ثمرہ ہے۔

• تانہ بخشد خدائے بخشندہ

محلّہ کے دوسرے بچوں کی طرح ابتدا میں مولانا محمد حنیف ملی کا رجحان بھی پرائمری اسکول میں عصری تعلیم کی طرف تھا۔ ساتویں جماعت کامیاب کرنے کے بعد اے۔ ٹی ہائی اسکول میں آٹھویں جماعت میں داخلہ لیا لیکن کاتب تقدیر نے ان کے حق میں اور ہی فیصلہ کر رکھا تھا۔

دو مہینے بھی نہیں گذرے تھے کہ والد صاحب نے انہیں اسکول سے نکال کر معہد ملت میں داخل کر دیا۔ انہوں نے ۱۹۵۳ء سے ۱۹۵۷ء تک اس درسگاہ علمی سے عالمیت کا کورس پورا کیا اور سند الفضیلت حاصل کی۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور دو برس میں فارغ ہوئے۔ واپسی کے بعد معہد ملت میں بحیثیت مدرس خدمت علم و دین میں مصروف ہو گئے۔ چند برس قبل گردے کے شدید عارضہ میں مبتلا ہوئے لیکن ہزاروں لوگوں کی دعاؤں اور رب کریم کے کرم کے طفیل افاقہ ہوا۔ اور وہ دوبارہ اپنی علمی، تدریسی اور تحریری سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے۔ مرض کے دوسرے حملے سے جانبر نہ ہو سکے اور ہزاروں آنکھوں کو اشکبار چھوڑ کر اس جہان فانی کو الوداع کہہ دیا۔ جلوس جنازہ میں سارا شہر امڈ پڑا تھا، جس کی کیفیت لوگ آج بھی بیان کرتے ہیں۔ انتقال کے وقت وہ معہد ملت کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس کے عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے۔

نثری خدمات:

مولانا محمد حنیف ملی کی زندگی بھی ان کے جلیل القدر استاد مولانا عبدالحمید نعمانی کے نقش قدم پر خدمت دین اور تحریری سرگرمیوں میں بسر ہوئی۔

انکی تخلیقی سرگرمیوں کا آغاز مراسلات سے ہوا۔ مسیحا (ممبئی) جس کے مدیر حکیم مختار احمد اصلاحی تھے اور تجلی (دیوبند) میں ان کے بعض مراسلے ابوالکاظم کے فرضی نام سے شائع ہوئے۔ یہ طالب علمی کا زمانہ تھا۔ فراغت کے بعد یعنی ۱۹۶۰ء سے باقاعدہ نثر نگاری کا آغاز فرمایا۔ انکا سب سے پہلا تخلیقی مضمون مولانا عمر دراز بیگ کے رسالے حرمین (مرادآباد) میں "سعید بن مسیب، یگانہ اسلاف" کے عنوان سے شائع ہوا۔ مضمون میں ان گوشوں کو اجاگر کیا گیا ہے جو علمی نقطۂ نظر سے اہمیت کے حامل ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے بعض ترجمے بھی کئے۔ علامہ فیوطی کے تعلق سے عربی رسالے منیر الاسلام (مصر) سے ترجمہ شدہ ان کا ایک مضمون ہما (دہلی) میں شائع ہوا۔

مولانا کا اردو شعر و ادب کا مطالعہ بھی غضب کا تھا۔ عموماً علمائے دین اس پہلو پر کم توجہ دیتے ہیں۔ لیکن مولانا نے نہ صرف جدید و قدیم ادب کا مطالعہ کیا بلکہ بہت سارے تنقیدی مضامین بھی تحریر فرمائے۔ ان میں اکبرالٰہ آبادی، شفیق جونپوری، جگر اور ڈاکٹر اقبال پر تحریر کردہ تنقیدی مضامین مولانا کی ادبی بالغ نظری اور نقد و تبصرہ کی صلاحیت پر دال ہیں۔ دینی و ملی مسائل اور اصلاح امت کے مقصد سے تحریر کردہ بیشمار مضامین دارالعلوم (دیوبند) ندائے ملت (لکھنؤ) تذکرہ (دیوبند)، نقیب (پٹنہ)، برہان (دہلی

الفرقان (لکھنو)، نسیم صبح (لکھنو) جیسے موقر رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ نسیم صبح میں بعض شعراء کے کلام پر تنقیدیں بھی شائع ہوئیں۔

''جنگ آزادی میں مسلمانوں کا حصہ'' اس عنوان سے ان کا ایک مضمون اور بعض مقالات ریڈیو اسٹیشنوں سے نشر ہوئے۔ ہفت روزہ بجلی زن ٹائمز (مالیگاؤں) میں ہر ہفتہ ایک اصلاحی اور سبق آموز مضمون لکھتے رہے۔ یہ سلسلہ تین برس بلا ناغہ جاری رہا۔ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے تعلق سے چند مضامین ہفت روزہ ''بیباک'' (مالیگاؤں) میں شائع ہوئے۔

اکثر شعراء و ادباء اپنی کتابوں پر پیش لفظ لکھوانے کے لئے مولانا کے در فیض پر دستک دیتے رہے۔ اوران کے بصیرت افروز مضامین اس واسطے سے بھی عوام و خواص کو مستفید کرتے رہے۔ مولانا کا قلم رکنا نہیں جانتا تھا۔ دنیا کے کسی بھی گوشے میں مسلمانوں پر ٹوٹنے والے مظالم اور مصیبتوں پر انکا دل دردمند تڑپ اٹھتا تھا اور انکا بیباک قلم شمشیر برہنہ ہوکر ظالموں کے سروں پر ٹوٹ پڑنے کو مچل اٹھتا تھا۔ ہفت روزہ ملّی بیداری، گلشن، العدل (مالیگاؤں) اور دعوت انسانیت (کرن) کی فائلیں مولانا کی سیاسی بصیرت اور انسانی اور ملی جذبۂ ہمدردی کی عادل گواہ ہیں۔ ان تمام رسالوں کے مرتبین اور سرپرستوں میں انکا نام سر فہرست ہے۔ ان میں انہوں نے بڑی پابندی کے ساتھ لکھا ہے۔ ان مضامین کی زبردست تعداد کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ صرف ''گلشن'' کی اشاعت کے آٹھ برسوں کے دوران مولانا کے ۱۳۵ رمضامین اس میں اشاعت پذیر ہوئے۔ علاوہ ازیں انقلاب، اردو ٹائمز اور ہندوستان (ممبئی) کے صفحات بھی ان کے قلم حقیقت رقم سے مزین ہوتے رہے ہیں۔

مولانا ایک زبردست خطیب بھی تھے۔ شہر کے اہم چوراہوں اور مساجد میں ان کی بیباکانہ تقاریر اور مواعظ حسنہ سننے کو لوگ بے تاب رہتے تھے۔ وہ خطیب عیدین بھی تھے اور عید کی نمازوں کے موقع پر ان کی رہنمایانہ اور جرأت مندانہ تقاریر سے حکومت کے کان کھڑے ہوجاتے تھے۔ اپنے استاد مولانا نعمانی کی طرح انہیں بھی صنعت و حرفت کی ترقی سے گہری دلچسپی تھی۔ وہ اکثر اس میدان میں نور بافوں کی رہنمائی کے لئے میدان میں آجاتے تھے۔ ملک کے مختلف حصوں میں منعقدہ سمیناروں میں انہیں نہایت عزت سے مدعو کیا جاتا اور ان کے خیالات و مقالات سے استفادہ کیا جاتا تھا۔

اس میں ذرہ برابر بھی مبالغہ نہیں کہ مولانا نے ہزاروں مضامین لکھے جن میں تنقید، تبصرہ، ادب، شاعری، تعلیم، دین، سیاست، اصلاح معاشرہ، فلاح امت، بیداری مسلمانان، صنعت

وحرفت، صحافت، تاریخ، سوانح اور سفر نامہ شامل ہیں۔ ان تمام مضامین کو جمع کر کے شائع کرنے کی سخت ضرورت ہے ورنہ نثر کے اس عظیم سرمایہ کے ضائع ہو جانے کا خدشہ ہے۔

مضامین کی اشاعت کے ساتھ ساتھ انہوں نے کتابوں کی اشاعت کی طرف بھی برابر توجہ فرمائی۔ ان کی کتابوں کی فہرست طویل ہے، جن کا طائرانہ جائزہ حاضر خدمت ہے:۔

۱) دینی مدارس کا نظام تعلیم و تربیت :

چالیس صفحات کی یہ کتاب مجلس علم وادب معہد معراج العلوم، ہنگولی کے زیر اہتمام ۱۹۸۰ء میں طبع ہوئی۔ اس میں تین اہل قلم نے دینی مدارس کے نظام تعلیم کا باریک بینی سے جائزہ لے کر اصلاح و ترمیم کے لئے مختلف تجاویز پیش کی ہیں۔ اولین مقالہ بعنوان ''دینی مدارس کا موجودہ نظام تعلیم، جائزے اور مشورے'' مولانا محمد حنیف ملی کا تحریر کردہ ہے جو ۱۶ر صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ تینوں مقالے حیدرآباد میں منعقدہ ایک علمی و دینی کانفرنس میں پیش کیے گئے تھے۔

۲) نقش تحریر :

مجلس علم و ادب، مالیگاؤں کے زیر اہتمام فکر انگیز مقالات و مضامین کا یہ گراں قدر مجموعہ اکتوبر ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا۔ کتاب بڑی تقطیع کے ۱۲۸ر صفحات پر مشتمل ہے، جس میں ۷ا مضامین شامل ہیں۔ بعض عنوانات یہ ہیں۔ مفلسی اور اس کے شرعی اسباب، کمیونزم کے خلاف ہمہ گیر مہم کی ضرورت، جہاد آزادی میں علما کا حصہ، جنگ آزادی میں مالیگاؤں کے علما کا حصہ، سود، اسلامی معاشرے کا ناسور، وغیرہ۔ اس کتاب کے تعلق سے مشہور شاعر محمد حسن دانش مرحوم کا ایک جملہ مستعار لینے کو جی چاہتا ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''قارئین نقش تحریر کے مطالعے سے یقیناً یہ محسوس کرینگے کہ مفکر ملت مولانا عبدالحمید صاحب نعمانی علیہ الرحمہ کے سینے کے سوز ملی اور پر وقار خطیبانہ سادگی کو مکمل ادبی نکھار کے ساتھ صاحب کتاب کے سینے میں قدرت نے منتقل کردیا ہے۔'' صد

صد: الحاج محمد حسن دانش، عبارت کیا اشارت کیا ادا کیا، نقش تحریر، مولانا محمد حنیف ملی، مالیگاؤں، ۱۹۸۳ء، ص و

۳) حضرت شاہ ولی اللہؒ اور علم حدیث :

کتابچہ محض ۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ جو اپریل ۱۹۸۴ء میں مجلس علم و ادب مالیگاؤں کے زیر اہتمام شائع ہوا۔ یہ مضمون بھیونڈی میں مرکز علم و ادب کی جانب سے منعقدہ ایک سمینار میں پڑھا گیا تھا۔ مولانا نے اس میں شاہ صاحبؒ کی حدیث سے متعلق ان انمول خدمات کا ذکر کیا ہے۔ جس میں وہ اپنے معاصرین بلکہ متقدمین اور متاخرین سے منفرد نظر آتے ہیں۔ عام فہم انداز میں شاہ ولی اللہ کی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

٤) نقش جمیل :

۱۶۰ صفحات کی یہ کتاب دسمبر ۱۹۸۴ء میں مجلس علم و ادب کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔ چہل حدیث لکھنے والے اور ان کی تشریح بیان کرنے کا رواج کافی پرانا ہے۔ مولانا نے بھی ایسی چالیس احادیث کا انتخاب کر کے ان کی تشریح کی ہے جو مشہور بھی ہیں اور زندگی کو اخلاق، سیرت اور کردار سے آراستہ کرنے میں معاون بھی۔ مولانا عبدالاحد ازہری کی رائے گویا حرف آخر کا درجہ رکھتی ہے۔

لکھتے ہیں کہ اس کتاب میں :-

> ''احادیث رسول ﷺ کی بے نظیر علمی تعبیرات، عام فہم دل نشین تشریحات اور دل و دماغ کو چھو کر گذر جانے والی مقدس تعلیمات ملیں گی جن کے تقاضوں کے مطابق اپنی زندگی ڈھالنے کے بعد ہر شخص دارین میں کامیابی اور کامرانی سے ہمکنار ہوگا۔''ﺻﺪ

کتاب میں جا بجا اردو اور فارسی اشعار کے استعمال سے ادبی چاشنی پیدا ہوگئی ہے جو بھلی لگتی ہے۔

۵) نقش حریت :

مجلس علم و ادب کی یہ پانچویں پیشکش جون ۱۹۸۶ء میں سامنے آئی۔ کتاب ۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں مولانا کے حقیقت افروز قلم نے بڑی ژرف نگاہی، حقیقت پسندی اور بیباکی کے ساتھ اس حقیقت پر سے پردہ اٹھایا ہے کہ ملک کی تعمیر و ترقی اور جنگ آزادی میں مسلمانوں کا حصہ کسی طرح دوسری قوموں سے کم نہیں ہے۔ انہوں نے شواہد کے ذریعے واشگاف کیا ہے کہ اگر مسلمان عزیمت و قربانی کی انمول مثال قائم نہ

ﺻﺪ: مولانا عبدالاحد ازہری، گراں قدر تالیف، نقش جمیل، مولانا محمد حنیف ملی، مالیگاؤں، ۱۹۸۴ء، ص ۱۰

کرتے تو نہ آفتاب حریت طلوع ہوتا، نہ خواب آزادی شرمندۂ تعبیر ہوتا۔ اسمیں تاریخ ساز حقیقتیں بھی ہیں۔ دل بریاں کے لئے مرہم شفا بھی، صفحۂ دہر پر رونما ہونے والے الم انگیز واقعات بھی ہیں اور مستند حوالوں کی روشنی میں طویل سیاہ رات میں دی گئی قربانیوں کے خط وخال بھی۔

مولانا عبدالقادر مرحوم نے کتاب کو علمی، ادبی اور تاریخی شاہکار قرار دیا ہے صلہ

اس مقالے کو حکومت ہند کی جانب سے منعقدہ تحریری مقابلے میں اول انعام کا مستحق قرار دیا گیا تھا۔ صلہ

۶)فیوض اربعین:

صفحات ۹۲ رمئی ۱۹۹۷ء میں نورانی پریس، مالیگاؤں میں طبع ہوئی۔ کتاب کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ یہ پتہ نہیں چلتا کہ پہلا ایڈیشن کب شائع ہوا تھا۔ اس میں بھی چالیس احادیث کی تشریح وتعبیر سلیس اور عام فہم انداز میں کی گئی ہے۔ اس کا مقصد یہ نظر آتا ہے کہ اسے دینی مدارس کی ابتدائی جماعتوں میں بطور نصاب داخل کیا جاسکے۔ ہر حدیث کی تشریح وتفہیم کے اختتام پر مولانائے موصوف نے ایک شعر اس طرح سے لکھا ہے کہ تحریر کا حسن دوبالا ہوگیا۔

عربی سے ناواقف حضرات کے لئے نہایت مفید ہے۔

۷)نقوش چین:

ہندوستان سے ایک تبلیغی جماعت بہ سلسلۂ تبلیغ ملک چین کے سفر پر گئی تھی۔ اس میں مولانا محمد حنیف ملی بھی شامل تھے۔ انہوں نے اپنے اس سفر کی روحانی داستان تحریر کی ہے۔ جو پہلے تو گلشن (مالیگاؤں) اور دعوتِ انسانیت (کرن) کے صفحات پر پیش ہوئی۔ بعد میں احباب کے اصرار پر ۱۹۸۷ء میں اسے کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ ہمارے پیش نظر اس کا دوسرا ایڈیشن ہے جو ۲۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اسے پیغام اردو بک ڈپو، بازار جلالپور، ضلع امبیڈکر نگر (یوپی) سے شفیق قاسمی نے دسمبر ۱۹۹۷ء میں شائع کیا۔

نقوش چین ایک منفرد کتاب ہے۔ یہ ایک بہترین سفرنامہ ہونے کے ساتھ ساتھ غیر ممالک میں دعوت وتبلیغ کا ہنر بھی سکھاتی ہے۔ کسی ملک کے حالات کو دیکھ کر ایک داعی کا دل کس طرح

صلہ: مولانا عبدالقادر، علمی ادبی اور تاریخی شاہکار، نقش حریت، مولانا محمد حنیف ملی، مالیگاؤں، جون ۱۹۸۶ء، ص د

صلہ: مولانا محمد حنیف ملی، نقش حریت، مالیگاؤں، جون ۱۹۸۶ء، ص ج

بے چین اور بے قرار ہوتا ہے، کتاب وہ تڑپ اور سوز دروں بھی پیدا کرتی ہے۔ چین جانے والی جماعتوں کیلئے رفیق سفر اور گائیڈ کا کام بھی دے سکتی ہے۔ مولانا نے اس کتاب میں ایک دلچسپ اہتمام یہ کیا ہے کہ چین کے تعلق سے اکثر عنوانات کو مصرعوں میں ڈھال دیا ہے۔ مثلاً "گراں خواب چینی سنبھلنے لگے"، "چین ہمدوش ثریا ہو گیا تعلیم سے"، "چشم جہاں میں چین ادائے سروش ہے"، وغیرہ

چین کا یہ سفرنامہ پردۂ خفا میں رہنے والی دنیا کے احوال، نظام حکومت، انداز جہاں بانی اور نت نئے مسائل کا محیر العقول انکشاف ہے۔ اور اس سے زیادہ ایک مسلمان کے لئے اپنے مسلم بھائیوں کی داستان مظلومیت اور محرومیت کا دلدوز مرقع اور جگر خراش تذکرہ ہے۔ اس میں چین کے دینی مدارس، وسیع و عریض مساجد، قابل و مستند علماء، مسلمانوں کی علمی سرگرمیاں اور مسلم تنظیموں کی کارکردگی کے ساتھ دنیاوی پیش رفت کو بھی یکجا کر دیا گیا ہے۔ مصنف کا دعویٰ بیجا نہیں کہ کتاب پڑھنے والے محسوس کریں گے کہ انہوں نے چین کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

ادھر کچھ عرصہ میں جو سفرنامے سامنے آئے ہیں ان میں لذتیت کا عنصر کچھ اس طرح شامل کر دیا جاتا ہے کہ طبیعت منقبض ہو جاتی ہے۔ مولانا نے آسان اور قابل فہم زبان میں سفر کے تمام تقدس کیساتھ چین کے رازہائے سربستہ سے پردہ اٹھایا ہے اور تبلیغ دین متین کے امکانات کا بھرپور جائزہ لیا ہے۔

۸) نقوش نعمانی:

حضرت مولانا عبدالحمید نعمانی مرحوم کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے۔ انکا تذکرہ گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے۔ وہ مولانا محمد حنیف ملی کے استاد ہی نہیں، رہنما بھی تھے۔ ان کی معنوی اولادوں میں مولانا محمد حنیف کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ ڈھائی سو صفحات پر پھیلی ہوئی یہ کتاب مفکر ملت مولانا نعمانی کی حیات اور کارناموں پر مشتمل ایک تاریخی دستاویز ہے جو دسمبر ۱۹۹۷ء میں استاذ معہد ملت حافظ جاوید احمد ملی کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔

مولانا محمد حنیف ملی، مولانا نعمانی کے کافی قریب و عزیز تھے۔ انہوں نے مولانائے مرحوم کی نود سالہ زندگی کا خلاصہ دلاویز انداز میں پیش کیا ہے۔ کتاب کے ذریعے مولانا نعمانی کی سوانح حیات پر ہی روشنی نہیں پڑتی بلکہ شہر کی تاریخ کے دینی، معاشرتی، تعلیمی، صنعتی اور سیاسی پہلوؤں پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ مالیگاؤں کی علمی تاریخ اور شخصیات سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے معلومات کا مختصر اور مفید انسائیکلوپیڈیا ہے۔

نقوش نعمانی میں مولانائے مرحوم نے مولانا نعمانی کی زندگی کے ہر پہلو کا اتنی خوبی اور جامعیت کے ساتھ احاطہ کیا ہے کہ ان کے معنوی فرزند ہونے کا حق ادا کر دیا ہے۔ سوانح نگاری کی تاریخ میں یہ کتاب بلند مقام کی مستحق ہے۔ اس کی تیاری میں مولانا کو بے شمار رسائل واخبارات کی ورق گردانی میں پتہ پانی کرنا پڑا۔ تب جا کر برسوں کی عرق ریزی اور جانفشانی کے بعد یہ تذکرہ تکمیل تک پہنچ سکا اور اہل علم وادب کی قدر دانیوں کا مرکز بنا۔

نثر کی خصوصیات:

مندرجۂ بالا تفصیلات سے عیاں ہے کہ مولانا کا قلم بڑا تیز رفتار تھا۔ مولانا کی نثری خصوصیات موضوع کی مناسبت سے بدلتی رہتی ہیں۔ سیاسی مضامین میں زور خطابت اور جوش بیان نمایاں ہوتا ہے۔ لیکن علمی اور تنقیدی مضامین میں سنجیدگی، متانت اور فکر کی پختگی کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ سوانحی تحریروں سے ان کے تحقیقی شعور پر مہر ثبت ہوتی ہے۔ احادیث کی تشریح میں سلیس اور عام فہم زبان استعمال کرتے ہیں اور دیگر مضامین میں تکلف اور علمیت کی چاشنی سے نثر کو مزین کرتے ہیں۔ لیکن کہیں بھی نظم وترتیب ،نفاست، توازن، اور تسلسل کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ نیز وسیع ذخیرۂ الفاظ کی وجہ سے قدرت بیان کا قائل تو ہونا ہی پڑتا ہے۔

بسیار نویسی کے منطقی نتیجے کے طور پر ان کی تحریروں میں زبان وبیان کی بعض غلطیاں در آئی ہیں۔ ان سے بچا سکتا تھا بشرطیکہ مولانا کو نظر ثانی کا موقع ملتا۔ مگر اس کے لئے فرصت چاہئے تھی اور فرصت کے رات دن مولانائے مرحوم کے یہاں تو بہر حال کم تھے۔

عبدالستار رحمانی

پیدائش: یکم اکتوبر ۱۹۴۰ء

محلہ اسلامپورہ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام محمد بشیر ہے۔ عبدالستار رحمانی نے ۱۹۵۷ء میں اے ٹی ٹی ہائی اسکول سے میٹرک کیا اس کے بعد علی گڑھ سے ادیب کامل کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۵۸ء میں فری پرائز شاپ میں کلرکی سے میونسپل ملازمت کا آغاز کیا اور محکمۂ تعمیرات میں اسٹور کیپر کی حیثیت سے سبکدوش ہوئے۔

عبدالستار رحمانی کو مطالعہ کا شوق طالب علمی کے زمانے سے ہی تھا۔ لیکن نثر نگاری کا شوق اس وقت پیدا ہوا جب شعبان جامعی اور لطیف جعفری کی ترغیب پر ترقی پسندوں کی انجمن نوجوان مصنفین کی رکنیت اختیار کی۔ شروعات افسانہ نگاری سے ہوئی۔ پہلا افسانہ جو انہوں نے اس انجمن کی ادبی نشست میں پیش کیا "اجنتا سے ایلورا تک" تھا۔ اس افسانے میں رومان بھی تھا۔ سسپنس بھی۔ بعد میں انہوں نے کئی اور افسانے اسی انجمن میں سنائے۔ ۱۹۶۷ء میں شہر کی ایک تعلیمی سوسائٹی "انجمن تعلیم جمہور" صہ کے تعلق سے ایک مضمون لکھا جو دورِ جدید میں شائع ہوا۔ اسی سال شہر کو فسادیوں کی نظر لگ گئی۔ رحمانی صاحب نے قومی یک جہتی کے فروغ کے لئے "یہ شیخ و برہمن کے جھگڑے سب ناسمجھی کی باتیں ہیں" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہفت روزہ بیباک میں انجمن نوجوان مصنفین کی تاریخ لکھی۔ صہ۲ اس کے بعد ان کے قلم کو کسی کی نظر لگ گئی اور وہ طویل عرصے تک خاموش رہے۔ بعد ازاں ہفت روزہ عوامی آواز کے مدیر مرحوم زین العابدین دانش کی فرمائش پر ان کے اخبار میں ایک قابل قدر سلسلہ "ماضی کے جھروکوں سے" کے عنوان سے شروع کیا۔ حقیقتاً یہ ایک سوانحی سلسلہ تھا جس میں وہ اپنے اساتذہ کے حالات زندگی، اخلاق و کردار

صہ۱: انجمن تعلیم جمہور محلہ بیلباغ مالیگاؤں ایک تعلیمی ٹرسٹ ہے جو فی الوقت پرائمری اسکول، ہائی اسکول، جونئیر کالج، اور آئی ٹی آئی چلاتی ہے۔ عبدالستار رحمانی ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۶ء تک اس کے جوائنٹ سکریٹری رہے۔

صہ۲: ہفت روزہ بیباک، مالیگاؤں ۱۸ر اکتوبر ۱۹۶۱ء، ص ۳

اور کارناموں پر روشنی ڈالتے تھے۔یہ سلسلہ عوامی آواز میں ۸ رقسطوں تک چلا۔کچھ وقفے کے بعد دوبارہ یہی سلسلہ ہفت روزہ سرور ٹائمز میں جاری کیا جس کی بارہ قسطیں اشاعت پذیر ہوئیں۔آخری قسط ۱۴ ر مارچ ۱۹۹۶ء کے شمارے میں شائع ہوئی۔ان کا کل نثری سرمایہ بارہ افسانوں، آٹھ دس مضامین اور سوانحات پر مشتمل ہے۔ان کے پاس اپنی تخلیقات کی مکمل فائل محفوظ ہے۔

اب وہ تحریری دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ان کی نثری صلاحیتیں ان کے فرزندوں میں منتقل ہوگئی ہیں۔ان کے تمام لڑکے نثری اور ادبی خدمات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔ان میں سے عقیل احمد رحمانی بچوں کا اخبار ''بزم اطفال'' نکال رہے ہیں۔جو بڑے شوق سے پڑھا جاتا ہے۔سلیم رحمانی کی اسلامی اور عالمی معلومات پر مبنی کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔شکیل رحمانی کا تذکرہ ہماری اس تصنیف میں ہی موجود ہے۔یہی وجہ ہے کہ عبدالستار رحمانی کی ادبی دنیا سے جدائی اتنی شاق نہیں گذری، جتنی گذرنی چاہیے تھی۔

مختار یونس

پیدائش : یکم جون ۱۹۴۱ء

وفات : ۱۵/اپریل ۱۹۹۷

مختار یونس اس شہر کے ہی نہیں ملک کے منفرد مزاح نگار تھے۔ طنز و مزاح نگاری میں جو طرز انہوں نے اختیار کیا وہ پہلے کبھی دیکھنے کو نہ ملا۔ آج اگر ان کے مزاحیہ مضامین اور ڈراموں کو یکجا کر کے شائع کر دیا جائے تو ہر انصاف پسند قاری اور نقاد راقم کی اس رائے سے اتفاق پر مجبور ہوگا۔ مختار یونس کی مجبوری یہ تھی کہ وہ مالیگاؤں میں پیدا ہوئے تھے۔ جو ممبئی، دہلی، اور لکھنؤ نہیں تھا۔ نہ ان کے ساتھ کوئی گروہ تھا، نہ مداحوں کا حلقہ، جو دوسروں کی مدح صرف اسلئے کرتا ہے تا کہ اس کی بھی مدح کی جاتی رہے۔

پورا نام مختار احمد ابن محمد یونس ہے۔ ۱۹۶۱ء میں مالیگاؤں ہائی اسکول سے میٹرک کیا اور اسماعیل یوسف کالج ممبئی میں داخلہ لیا۔ لیکن بیماری کے سبب واپس آنا پڑا۔ ۱۴/اگست ۱۹۶۳ء کو میونسپل پرائمری اسکول میں تقرری ہوئی۔ ۴ سال کے بعد ۱۲/جون ۱۹۶۷ء کو مالیگاؤں ہائی اسکول میں ملازمت اختیار کی جو اخیر عمر تک قائم رہی۔ انتقال کے وقت وہ ہائی اسکول میں سپروائزر تھے۔ انہوں نے سیاسیات میں بی اے اور اردو فارسی سے ایم اے کیا تھا۔ بی ایڈ کی ٹریننگ ممبئی میں حاصل کی۔

مختار یونس جب پانچویں جماعت میں تھے، ان کے استاد مرحوم سلیمان انصاری نے جو خود بھی اچھے نثر نگار تھے، مضمون لکھنے کے لئے ان کی بڑی حوصلہ افزائی کی۔ پرائمری اسکول میں تعلیم کے دوران ہی انہوں نے اپنے دوست مزاح نگار رفیع احمد کے ساتھ مل کر "آفتاب" نام کا قلمی رسالہ ترتیب دیا تھا اور ہائی اسکول کی طالب علمی کے زمانے میں "خوشبو" نام کا قلمی رسالہ نکالا۔ ان کے زیادہ تر مضامین مختار یونس کے تحریر کردہ تھے۔

ان کی پہلی تخلیق جو کہانی کی شکل میں تھی روزنامہ ہندوستان کے بچوں کے صفحے "کھلتی کلیاں" میں شائع ہوئی۔ ۱۹۵۷ء سے ۱۹۶۰ء کے دوران بچوں کے لئے ان کی کہانیاں مسلسل شائع

ہوتی رہیں۔ روزنامہ انقلاب کے بچوں کے صفحے میں جسے مرحوم عبداللہ ناصر ترتیب دیتے تھے ان کی کہانیاں اور نظمیں دونوں شائع ہوتی تھیں۔ ان کہانیوں میں انہوں نے ایک مزاحیہ کردار ''رشید راکٹ رحمانی'' تخلیق کیا تھا جو بعد میں ''علامہ راکٹ رحمانی'' میں تبدیل ہوگیا۔ یہ کردار ہر عمل کی سائنٹفک توجیہ پیش کرتا ہے۔ انقلاب ہی کا ادبی صفحہ جسے سردار عرفان ترتیب دیتے تھے اس میں مختار یونس کے بہت سارے افسانچے اور انشائیے شائع ہوئے۔

ہفت روزہ ''البیان'' مالیگاؤں میں طنزیہ و مزاحیہ کالم لکھتے تھے لیکن اس پر نام نہیں ہوتا تھا۔ عبدالرحمن شیخ کے اخبار داعی (مالیگاؤں) میں جو جماعت اسلامی کا آرگن تھا، موصوف نے کئی دلچسپ چیزیں پیش کیں۔ خصوصاً ان کا سلسلہ ''آپ بیتی سیریز'' بہت مقبول ہوا۔ اس سے قبل وہ اقبال قریشی کے ہفت روزہ ندائے مالیگاؤں میں مظفر اور تربوز وغیرہ کی آپ بیتیاں لکھ چکے تھے۔ مختار یونس نے خود راقم سے بیان کیا کہ اس سلسلے کو ''داعی'' میں ایک مخصوص چہرہ اور مقصد مل گیا۔ اس سلسلے کی دو چیزیں بے حد مقبول و مشہور ہوئیں۔ ایک بجٹ کی آپ بیتی، دوسرے ماہ رمضان سے انٹرویو۔

عزیز الرحمن کے ہفت روزہ ''چورن'' کے اجراء کے بعد مختار یونس کے مزاح میں اور رنگ آ گیا۔ یہ اخبار گرچہ پورا مزاحیہ ہوتا تھا لیکن مختار یونس کے کالم ''کھٹا میٹھا چورن'' کے لوگ منتظر رہتے تھے۔ اخبار محافظ صحت میں ''کیریاں'' اور کامریڈ اسماعیل عبدالغفور کے اخبار لال ستارہ میں گستاخیاں کے نام سے کالم لکھتے تھے۔ کہانیوں اور مختصر افسانوں سے شروعات کرنے والے اس قلم کار نے بہت جلد مزاح نگاروں کی صف میں اپنا مقام بنالیا۔ اور یہی ان کی شناخت بن گئی۔ مزاحیہ مضامین ماہنامہ افق (ورنگل) اور شگوفہ (حیدرآباد) میں بڑی تعداد میں شائع ہوئے۔

مختار یونس نے کئی مزاحیہ ڈرامے بھی تخلیق کیے جو مالیگاؤں میں متعدد بار اسٹیج ہوئے۔ ان کے ابتدائی ڈراموں میں چھیر چھاپہ، جھنک جھنک سا سر باجے، قانون اور قارون شامل ہیں۔ ڈاکٹر پیر محمد رحمانی کی ایماء پر مالیگاؤں کی تاریخ کے پس منظر میں تین ڈرامے لکھے۔ شہیدوں کی یادگار، بجن اور گھن اور اور تکلین چلتا رہا۔ ان کے علاوہ ان کے مزاحیہ ڈراموں میں مقدر کا لڈو، آئینہ، کلیاں، سول کوڈ اور آؤ نیمہ کریں شامل ہیں۔ آخر الذکر دو ڈرامے اسٹیج پر طالبات نے پیش کئے۔

روز نامہ ہندوستان (ممبئی) میں ایک سال تک انہوں نے ایک دلچسپ کالم ''چونکہ چنانچہ'' لکھا۔ مختلف اخبارات میں انہوں نے جو دلچسپ، مزاحیہ اور بھرپور کالم لکھے ہیں ان کے پیش

نظر انہیں ''مالیگاؤں کے خامہ بگوش'' کا خطاب دیا جاسکتا ہے۔

غالباً آمدنی میں اضافے کے ارادے سے انہوں نے مختلف نصابی کتابوں کے ''رہبر'' لکھنے شروع کئے تھے۔ نیز اسکول کے طلبہ وطالبات کے لئے انہوں نے جتنی تقریریں لکھی ہیں ان کی ایک ضخیم فائل تیار ہوگئی ہے۔ اسکولی بچوں کی تقریروں کو انہوں نے تخلیقی چیز بنا دیا تھا۔ طالب علم پبلی کیشنز کے لئے نویں، دسویں اور گیارہویں جماعتوں کے طلبہ کے لئے مفید مضامین کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا جو شائع ہو کر مقبول ہوا۔

مختار یونس کا مزاج انتہائی بے ساختہ ہے۔ وہ لفظوں سے کھیلنا اور ان میں مضحک پہلو تلاش کرنا خوب جانتے ہیں۔ خشک موضوعات کو انتہائی دلچسپ بنا کر پیش کرنے میں وہ ہمیشہ کامیاب رہے۔ ان کی گفتگو بھی بڑی پر لطف ہوا کرتی تھی۔ چند منٹوں کی ملاقات میں بھی دو چار یادگار جملے مل ہی جاتے تھے۔ دنیا کے لبوں پر مسکراہٹ کے پھول سجانے والا یہ تخلیقی فنکار Brain Hammerage کا شکار ہو کر دنیا سے چل بسا لیکن تبسم، ہنسی اور قہقہوں کا ایک زبردست خزانہ اپنے پیچھے چھوڑ گیا۔ اس خزانے کی حفاظت اور اشاعت سارے شہر کا فرض ہے۔

نمونۂ نثر:

.... خواب بین خواب دیکھنے کے لئے نہ کسی مخصوص ٹائم کا پابند ہے نہ کسی خاص مقام کا۔ زمان ومکاں سے بے نیاز '' کائنات اسٹوڈیو'' میں خواب کی شوٹنگ چلتی رہتی ہے۔ بستر پر دراز ہو جایئے تو بیس ریل والے خواب دیکھے جاسکتے ہیں۔ کرسی پر صرف ''ٹریلر خواب'' بتایا جاتا ہے۔

بعض اوقات خواب کے مارننگ شو دھوم سے چلتے ہیں۔ بعض لوگ صبح کے ''خوابی سیریل'' کو سچا خواب سمجھتے ہیں۔ دن میں دوپہر تک ہونے والے میٹنی شو میں بھی شریک ہو سکتے ہیں مگر میٹنی شو کے خوابوں کے کیسٹ کمزور اور کٹے پھٹے ہوتے ہیں۔..... (خواب انڈسٹری، شگوفہ)

رائے حبیب الرحمٰن

پیدائش: ۶؍مارچ ۱۹۴۲ء

فکر اسلامی سے متاثر جن چند نثر نگاروں نے مالیگاؤں میں علم و ادب کی خدمت میں ہاتھ بٹایا ان میں رائے حبیب الرحمٰن کی شخصیت نمایاں ہے۔ان کا پورا نام حبیب الرحمٰن ابن محمد صدیق ہے، پیدائش مالیگاؤں کی ہے۔انگریزی ادب سے ایم اے ہیں۔

۱۹۵۲ء میں اشفاق انور انقلاب (ممبئی) میں ''بچوں کی دنیا'' ترتیب دیتے تھے۔ اس وقت رائے حبیب الرحمٰن پانچویں جماعت میں تھے۔چھٹیوں میں اکثر اشفاق انور سے ملاقات کا شوق انہیں ممبئی کھینچ لے جاتا۔اسی وقت سے لکھنے کا آغاز ہوا۔اس زمانے میں نور (رامپور) بچوں کی تخلیقی صلاحیتوں کی حوصلہ افزائی کرنے والا ایک اہم رسالہ تھا۔رائے صاحب نے چند آپ بیتیاں لکھیں جو اسی رسالے میں شائع ہوئیں۔یہ مضامین دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ سبق آموز بھی تھے۔کچھ کہانیاں راجہ مہدی علی خان کے رسالے پھول'' دہلی'' میں بھی شائع ہوئیں۔

۱۹۶۰ء میں جب رائے صاحب کی عمر اٹھارہ برس کی تھی، مالیگاؤں میں اسلام پسند شاعروں اور ادیبوں کا ایک حلقہ خدمت ادب میں مصروف تھا۔ان میں عبدالمجید سرورؔ، احمد نسیم مینا نگری اور لطیف عزیز نمایاں تھے۔ان حضرات سے رائے صاحب نے لکھنے کا حوصلہ پایا اور ادارۂ ادب اسلامی کی ادبی نشستوں میں باقاعدگی سے شریک ہونے لگے۔ہر نشست میں وہ کوئی نہ کوئی تخلیق پیش کرتے اور بحث و گفتگو میں حصہ لیتے۔یہیں سے ان کی باقاعدہ نثر نگاری کا آغاز ہوا۔اسی زمانے میں معیار، نئی نسلیں اور شاعر جیسے رسائل اور حالؔی و شبلی کی تنقیدوں کے مطالعہ سے ان کے تنقیدی شعور کو جلا ملی۔ممبئی کے اسماعیل یوسف کالج میں داخلہ لینے کے بعد رائے حبیب الرحمٰن نے کالج میگزین ''پام'' میں کئی تنقیدی مضامین اور افسانے لکھے۔کچھ تخلیقات اردو ٹائمز میں بھی شائع ہوئیں۔مالیگاؤں کے ایم ایس جی کالج کے میگزین میں

قیسی رامپوری کے دو ناولوں پر ان کا تنقید و تبصرہ اشاعت پذیر ہوا۔ علاوہ ازیں گلبانگ (ممبئی) اور اورنگ آباد ٹائمز، سیارہ ڈائجسٹ (پاکستان) اور نشاۃ الثانیہ (ممبئی) میں ان کی تخلیقات اہتمام کے ساتھ شائع کی گئیں۔ خصوصاً سیارہ ڈائجسٹ میں شائع ہونے والے مضمون ''اردو ادب کے دو اہم دھارے'' کو اہل ادب نے کافی پسند کیا۔ ۱۹۶۶ء میں ایک ادبی رسالے ''جلیس'' کا اجراء کیا۔ جس کے چیف ایڈیٹر وہ خود تھے۔ اس کے صرف چھ شمارے ہی شائع ہو سکے۔

ان کا آخری افسانہ ''گمشدہ انسانیت'' ایک مقامی اخبار میں شائع ہوا جس کے بعد رائے حبیب الرحمٰن ادبی دنیا سے گم ہو گئے۔ بچوں کا مستقبل سنوارنے اور انہیں زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کی فکر میں شوقِ نثر نگاری ترک ہو گیا۔ ان کا کل نثری سرمایہ پچیس افسانوں اور چھ تنقیدی مضامین پر مشتمل ہے۔ حبیب الرحمٰن کے افسانوں میں ایک مخصوص پیغام ہے۔ ایک ایسے انقلاب کا پیغام جس کی بنیادیں اسلام کے زرین اصولوں پر استوار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانے اسلامی حلقوں میں بہت پسند کئے جاتے رہے۔ افسوس یہ ہے کہ جب ان کے فن میں پختگی کی علامتوں کا ظہور ہونے لگا تو وہ خاموش ہو گئے۔ ان کی خاموشی نے ایک اچھے افسانہ نگار اور تنقید نگار کو ہم سے چھین لیا۔

سلطان سبحانی

پیدائش: یکم جون ۱۹۴۲ء

سلطان سبحانی افسانہ نگاری کی دنیا کا ایک اہم اور معتبر نام ہے۔ افسانوی ادب کی کوئی بھی انصاف پسندانہ تاریخ سلطان سبحانی کے ذکر کے بغیر نامکمل رہے گی۔ ان کا نام ہندو پاک میں ادب واحترام سے لیا جاتا ہے۔ ان کے پاس کامیاب افسانوں کا وقیع سرمایہ بھی ہے، نام اور شہرت بھی۔ لیکن ان بلندیوں کو انہوں نے پلک جھپکتے ہی نہیں پالیا۔ یہ سونا زندگی، حالات اور واقعات کی بھٹی میں بہت زیادہ تپایا گیا ہے تب جا کر رنگ نکھرا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل جانے بغیر سلطان سبحانی اور ان کے فن کو ٹھیک طرح سے سمجھا نہیں جا سکتا۔

سلطان سبحانی کا پورا نام محمد سلطان ابن عبدالسبحان ہے۔ ایک محنت کش اور غریب گھرانے میں پیدا ہوئے۔ گھریلو حالات تعلیم کے راستے میں رکاوٹ بن گئے اور وہ ساتویں جماعت ادھوری چھوڑ کر پاورلوم پر بحیثیت مزدور کام کرنے لگے۔ ایک زمانے تک لوہے کی مشین کو لہو پلانے کے بعد جب ذرا آسودگی ہوئی تو شہر کی مشہور و مصروف شاہراہ قدوائی روڈ پر ایک چھوٹی سی اسٹیشنری کی دکان کھول لی۔ بعد ازاں اسکولی بچوں کے ڈرائنگ میں استعمال ہونے والے کلر چاک بنانے لگے۔ آج بھی یہی کام کر رہے ہیں۔

سلطان سبحانی کی افسانہ نگاری کی داستان بھی کم افسانوی نہیں۔ جب وہ پانچویں جماعت میں زیر تعلیم تھے اس وقت پھلواری (دہلی) میں انکی کہانی ''چور کی غلط فہمی'' شائع ہوئی۔ اساتذہ نے ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات دیکھ کر حوصلہ افزائی کی۔ اسکول کی لائبریری جو اساتذہ کیلئے مخصوص تھی سلطان سبحانی کیلئے کھول دی گئی۔ انہیں ٹیگور، غالبؔ، اور خلیل جبران جیسے شعراء وادباء کو اسی زمانے میں پڑھوا دیا گیا۔ سلطان صاحب اپنے استاد الحاج محمد مصطفیٰ محمد اسحٰق (مستری) کی خصوصی رہنمائی کیلئے احسان مند ہیں۔

اسکول میں اساتذہ کرام بچوں کی تخلیقات پر مشتمل ایک قلمی رسالہ "جگنو" کے نام سے نکلتے تھے۔ اس رسالے میں سلطان سبحانی نے خوب لکھا۔ مختصر مختصر کہانیاں، نظمیں اور ڈرامے ابتداً اسی قلمی رسالے میں شائع ہوئے۔ اس رسالے کے مدیر، کاتب اور آرٹسٹ خود سلطان ہوتے تھے۔

بدقسمتی سے سلطان سبحانی کو ترک تعلیم کے بعد فکرِ معاش میں مبتلا ہونا پڑا۔ اگرچہ سخت محنت کرنا پڑتی تھی۔ لیکن انہوں نے حوصلہ نہیں ہارا۔ اسکول کے زمانے سے ہی مطالعہ کا چسکہ پڑ چکا تھا۔ آگے بھی خوب پڑھا۔ اسکول کی تعلیم ترک کرنے کے بعد کہانیوں کا سلسلہ دراز ہوا۔ چار پانچ سال تک ممبئی کے اخبارات انقلاب، اور ہندوستان میں کہانیاں لکھتے رہے۔ اردو ٹائمز کے اجراء کے بعد اس میں بھی کہانیاں شائع ہوئی۔ ۱۹۵۴ء میں ان کا پہلا افسانہ "کانچ کی کرچیں" کے عنوان سے رسالہ شانِ ہند (دہلی) میں شائع ہوا۔ ۱۹۶۴ء میں ایک اور افسانہ "ہتھوڑا" شاعر (ممبئی) میں شائع ہوا۔ اس کی اشاعت گویا سلطان سبحانی کی مقبولیت کا نقطۂ آغاز ثابت ہوئی۔ یہ افسانہ دلّی کے ادبی ڈائجسٹ "جمالستان" میں نقل ہوا۔ اور پھر رسالہ "نقش" (کراچی، پاکستان) میں بھی شائع ہوا۔ گویا اس افسانے کے دوش پر سلطان سبحانی ملک کی سرحدوں سے پار نکل گئے۔

چودہ گھنٹے روزانہ سخت محنت مزدوری کے باوجود آدمی کو اپنے مقصد کی لگن کن بلندیوں کی طرف لے جاتی ہے یہ سلطان سبحانی کے حالات زندگی سے نمایاں ہے۔ راقم الحروف اپنی طالب علمی کے زمانے میں اکثر ان سے ملاقات کے لئے ان کے کارخانے میں جایا کرتا تھا اور ان کی خوبصورت تحریروں سے مستفید ہوتا تھا۔ افسانوں کے اس دشوار گذار سفر میں ان کا گذر "وادئ شعر" سے بھی ہوتا رہا۔ چھوٹی چھوٹی نظمیں کہنے کی مشق اسکول کے زمانے میں ہی ہو چکی تھی۔ بڑے ہو کر جب ذرا شعور میں پختگی اور فن میں نکھار آیا تو غزلوں اور نظموں کی دیوی نے انہیں اپنا گرویدہ بنا لیا۔ اسلئے ۱۹۷۲ء میں جب شہر کے پانچ شعراء کا مشترکہ مجموعۂ کلام (سید عارف، عتیق احمد عتیق، احمد نسیم میناگری، رزاق عادل، سلطان سبحانی) "گنجِ رواں" کی اشاعت ہوئی تو "پت جھڑ کی خوشبو" لیے سلطان سبحانی بھی ان کے ہم قدم تھے۔ شاعری کا یہ سلسلہ دراز ہوتے ہوتے ۱۹۸۵ء میں "حکم نامہ" کی فصیلوں تک آ گیا جو ان کے کلام کا معتبر مجموعہ ہے۔ اس میں ایک حمد، ایک نعت، ۵۳ رغزلیں اور چالیس نظمیں شامل ہیں۔ مجموعۂ کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے مشہور نقاد اور شاعر وزیر آغا رقم طراز ہیں:

''سلطان سبحانی کی شاعری میں لفظ تخلیقی انداز میں استعمال ہوا ہے۔ امیجز تازگی کے مظہر ہیں اور چونکہ بات دل کی تہوں سے نکلی ہے اس لئے اس کا اثر بھی غیر معمولی ہے''صد

اس محنت کش شاعر اور افسانہ نگار کا حساس اور درد مند دل شہر کے بعض مسائل اور حالات پر کڑھتا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ کوئی ان موضوعات پر قلم اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے شوکت صدیقی کا فرضی نام اختیار کیا اور طنز و مزاح کی روشنائی میں قلم ڈبو کر سلگتے ہوئے مسائل پر لکھنا شروع کر دیا۔ ان کے زیادہ تر مزاحیہ اور طنزیہ مضامین مقامی اخبار ''پیپلس ڈیلی'' (اردو) میں شائع ہوئے۔ جس وقت ہفت روزہ ''بیباک'' بڑی سائز میں چھپنا شروع ہوا، سلطان سبحانی نے ''اختلاج'' نام کے مستقل کالم میں طنز و مزاح کا یہ سلسلہ جاری رکھا۔

سلطان سبحانی ابتدا ہی سے ترقی پسند تحریک سے وابستہ تھے۔ انجمن ترقی پسند مصنفین کی رکنیت اور اس کی سکریٹری شپ ان کے لئے باعثِ افتخار رہی ہے۔ اس انجمن کی تنقیدی نشستوں نے نہ صرف سلطان سبحانی کو اپنے فن کے جائزے کا موقع فراہم کیا بلکہ شہر میں نوجوان لکھنے والوں کی ایک پوری ٹیم کو میدانِ ادب میں لانے میں معاونت بھی کی۔ سلطان سبحانی ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو ہر نئی چیز کو ''بدعت'' قرار دے کر منہ بگاڑنے لگتے ہیں۔ وہ نئی تبدیلیوں کو گلے لگانے پر ہمیشہ تیار رہتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ تبدیلیاں صحت مند ہوں اور بدلتے ہوئے وقت اور زمانے کا ساتھ دینے کی اہلیت رکھتی ہوں۔

شروع میں تو انہوں نے بھی ''اسٹیریو ٹائپ'' ترقی پسندی کا ساتھ دیا لیکن بعد میں آہستہ آہستہ ان کی لفظیات اور ٹیکنک میں جدت کی آمیزش غیر محسوس طور پر ہوتی گئی۔ چونکہ ترقی پسندی سے وابستگی کا زمانہ کافی طویل تھا اس لئے مکمل طور سے دامن نہ چھڑا سکے۔ اس کا خوشگوار نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی جدیدیت لغویت Absurdity کی سرحدوں تک نہیں پہنچی اور ان کا فن روایت اور جدت کے ایک ایسے امتزاج کی شکل اختیار کرنے لگا جس میں مقصد کا عشق اور زبان و بیان اور ٹیکنک کی عصری خصوصیات مل کر ایک جان ہو گئے۔

صد: ڈاکٹر وزیر آغا، پیش لفظ، حکم نامہ، سلطان سبحانی، سالیگاؤں، ۱۹۸۰ء، ص ۱۱

اسکول کے زمانے میں انہوں نے قلمی رسالے کی ادارت، کتابت اور مصوری کا جو معصومانہ تجربہ حاصل کیا تھا بعد میں ان کے کام آیا۔ سید عارف نے جب ادبی رسالہ ''نشانات'' کے اجراء کا فیصلہ کیا تو ادارت کے لئے انہیں سلطان سبحانی سے بہتر شخصیت نہ مل سکی۔ گیارہ شماروں تک مدیر رہے۔ اس کے بعد سید عارف اور ان کے رفقاء نے جدید ادب کا علم بردار رسالہ ''جواز'' نکالنا طے کیا تو سلطان سبحانی علاحدہ ہوگئے اور انہوں نے خود اپنا رسالہ ''ہم زباں'' جاری کیا۔ جو گیارہ شماروں کے بعد بند ہوگیا۔

سلطان سبحانی کو بچپن ہی سے مصوری سے لگاؤ تھا۔ بڑے ہو کر انہوں نے ادب کی دنیا میں اس فن کے تخلیقی اظہار کا راستہ تلاش کرلیا۔ انہوں نے بے شمار کتب و رسائل کے سرورق کی تزئین و آرائش کی ہے اور انہیں خوبصورتی ہی نہیں جہان معنی بھی عطا کئے ہیں۔ بالخصوص ماہنامہ شاعر (ممبئی) کے اکثر سرورق کی مصوری سلطان سبحانی کی فنکاری کا ثبوت ہے۔ ان کے اس مشغلے کے نشانات ہندو پاک کے ان گنت رسالوں کے چہروں پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

سلطان سبحانی جتنے اچھے افسانہ نگار ہیں اتنے ہی اچھے تنقید نگار بھی ہیں۔ اکثر اخبارات و رسائل میں ان کے تنقیدی و تبصراتی مضامین شائع ہوتے رہے ہیں اور اب بھی شائع ہورہے ہیں۔ زندگی کو گہرائیوں میں اتر کر دیکھنے کے سبب ان کے اندر پختہ شعور، تنقیدی نظر اور فنکاری بیدار ہوئی ہے۔ یہ بیداری سلطان سبحانی کی شناخت بھی ہے اور تجربات و مشاہدات کا نچوڑ بھی۔

سلطان سبحانی کی نثر و نظم کی کئی کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ شاعری پر گفتگو پہلے ہوچکی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نثری کتابوں پر طائرانہ نظر ڈالی جائے تاکہ سلطان سبحانی سے آشنائی کی تکمیل ہوسکے۔

۱) اجنبی نگاهیں:

۱۶۴ رصفحات پر مشتمل چھوٹی تقطیع کا یہ افسانوی مجموعہ ۱۹۶۶ء میں مالیگاؤں سے شائع ہوا۔ اس میں نو افسانے شامل ہیں۔ یہ سلطان سبحانی کی اولین پیشکش ہے۔ ان افسانوں میں وہ سب کچھ ہے جو ایک نمائندہ ترقی پسند افسانہ نگار کے یہاں ہونا چاہئے۔ غریبی، بھکمری، سرمایہ داری، محنت، فرقہ واریت اور استحصال۔ کہیں کہیں مشہور ترقی پسند افسانہ نگاروں کی تخلیق کا رنگ صاف جھلکتا ہے۔ دیباچہ میں سردار جعفری نے سلطان سبحانی کے فن پر بڑا حقیقت پسندانہ تبصرہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''چونکہ ابھی کونپل پھوٹ رہی ہے اور چشمہ پہلی بار پتھر کی آغوش کو چھوڑ رہا ہے۔ اسلئے ابھی اس میں تناور درخت کی بلندی یا گنگا کے پاٹ کی چوڑائی نہیں ہے۔ لیکن کونپل کی ادا یہ بتلارہی ہے کہ دھوپ، ہوا اور بارش کا فیضان رہا تو ایک نہ ایک دن چھتنار درخت کا سایہ زمین پر پھیل جائے گا۔'' [1]

سردار جعفری کی پیش گوئی حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی۔ اس وقت اکثر تبصرہ نگاروں نے اس مجموعہ کی زبان پر اعتراض کیا تھا کہ یہ مستند اردو نہیں ہے سردار جعفری نے ان الفاظ میں سلطان سبحانی کا دفاع کیا ہے:

''دراصل یہ اردو کی ہندوستان گیر حیثیت ہے جس کی وجہ سے اس نے بہت سے اسٹائیل اپنا رکھے ہیں۔ مجھے سلطان سبحانی کی زبان اسلئے پسند ہے کہ اس میں بمبئی اور مالیگاؤں کی چاشنی ہے جو دلی اور لکھنؤ کی چاشنی سے مختلف ہے۔ یہاں کے کردار یہیں کی زبان بولیں گے۔ حیدرآباد کی اردو کی طرح بمبئی کی اردو کا بھی اپنا مقام ہے'' [2]

قصہ مختصر یہ کہ سلطان سبحانی کی اس پہلی کاوش کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔

۲) شاعری کی دوکان:

۴۰ صفحات کا طنزیہ و مزاحیہ مضامین کا یہ مختصر سا مجموعہ ۱۹۶۸ء میں شائع ہوا۔ شاعری کی دوکان کے توسط سے سلطان سبحانی نے نہایت دلچسپ اور فنکارانہ انداز میں جدید شاعری کی لایعنیت اور لاسمتیت پر طنز کیا ہے۔ نیز شاعری میں اجارہ داری کا مضحکہ اڑایا ہے۔

---

[1] :سردار جعفری، دیباچہ، اجنبی نگاہیں، سلطان سبحانی، مالیگاؤں، ۱۹۶۶ء، ص ۶

[2] :سردار جعفری، دیباچہ، اجنبی نگاہیں، سلطان سبحانی، مالیگاؤں، ۱۹۶۶ء، ص ۷

۳)راستے بھی چلتے ھیں:

افسانوں کا یہ دوسرا مجموعہ ۱۹۶۹ء میں سردار پریس مالیگاؤں سے طبع ہوکر شائع ہوا۔ ۱۵۲ رصفحات کے اس مجموعے میں سولہ مختصر افسانے شامل ہیں۔ سلطان سبحانی نے کسی کا دیباچہ شامل نہیں کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ ''اجنبی نگاہیں'' میں سردار جعفری کی کہی ہوئی باتوں کو ہم نے حرف آخر جان لیا ہے، اب تلاش تو صرف حرف اوّل کی ہے۔

اس مجموعے کے افسانوں کو پڑھتے ہوئے تازہ کاری کا احساس ہوتا ہے۔ کیونکہ ان میں افسانے کی ٹیکنک اور بیان میں ایک خوشگوار تبدیلی پیدا ہوئی ہے۔ بقول سلطان سبحانی ''اوّل اوّل جو افسانے ہیں وہ ذرا نٹ کھٹ ہیں (انہیں عہد جدید کی ہوا لگ گئی ہے)'' باوجود اس کے انہوں نے اپنے فن کے اعلیٰ وارفع مقصد کو فراموش نہیں کیا ہے۔

٤)میرا کھویا ھوا ھاتھ:

۱۲۸ رصفحات پر مشتمل ۱۶ رافسانوں کا یہ مجموعہ ۱۹۸۷ء میں نورانی پریس مالیگاؤں میں چھپ کر شائع ہوا۔ اس سے قبل سلطان سبحانی کا رجحان شاعری کی طرف بڑھ گیا تھا۔ اور وہ حکم نامہ (۱۹۸۵ء) کی تیاریوں میں لگ گئے تھے اسلئے ''راستے بھی چلتے ہیں'' اور ''میرا کھویا ہوا ہاتھ'' کے درمیان آٹھ برس کا طویل فاصلہ درآیا۔ ڈاکٹر قمر رئیس نے دیباچہ میں یہ مشاہدہ کیا ہے:

> ''زیرِ نظر مجموعه میں شامل کہانیوں کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے که افسانه نگار نے فنی پیرایۂ اظہار اورفکری جولانیوں کے میدان میں خاصه طویل سفر کیا ہے۔ وہ اکہری حقیقت نگاری کے ساده اسلوب سے آگے بڑھ گیا ہے۔ ترقی پسندی کے مروجه اورمانوس رویوں اور حدوں کو (جو اس کی پرواز میں حائل تھیں) اس نے ایك جرأت آزما جست میں پارکرلیا ہے۔ لیکن زیر دستوں کی حمایت سے دست بردار نہیں ہوا ہے۔
>
> مزید فرماتے ہیں: ''سلطان سبحانی کے ان افسانوں کا سب سے اہم وصف افسانے کی ٹیکنك پر قدرت ہے۔ ابتدا سے انجام تك وہ ایك پل کے لئے بھی قاری کواپنی گرفت سے آزاد نہیں ہونے دیتے۔'' صلہ

صلہ: ڈاکٹر قمر رئیس، پیش لفظ، میرا کھویا ہوا ہاتھ، سلطان سبحانی، ۱۹۸۷ء، ص ۹/۸

اس مجموعے میں شامل ایک کہانی ''چابک بدست امام'' نے ہمسایہ ملک میں ایک ہلچل پیدا کردی تھی۔ جب یہ پاکستان میں شائع ہوئی تو پریس اور مدیر دونوں کو حکومت وقت کے عتاب کا شکار ہونا پڑا۔ اس افسانے کے تعلق سے راولپنڈی (پاکستان) سے رشید امجد نے لکھا تھا:

''آپ کا افسانہ چابک دست امام تاثر سے بھرپور ہے۔ جذبے اور احساس حد بندیوں اور فاصلوں کے محتاج نہیں ہوتے۔ آپ نے اس دکھ کو جس سطح پر محسوس کیا ہے وہ میرا بھی ہے۔ مجھے لگتا ہے یہ افسانہ میں نے لکھا ہے۔ یہاں اس حوالے سے کوئی بڑا افسانہ نہیں لکھا گیا۔'' [۱]

القصہ سلطان سبحانی نے اس مجموعہ کے ذریعے افسانوں کی دنیا میں اپنا مقام کافی بلند کرلیا۔ جس کا اعتراف سرحد کے دونوں طرف کے کہانی کاروں اور ناقدین کو بھی ہے۔

۵) بدن گشت بادبال:

گیارہ افسانوں کا یہ مجموعہ ۱۹۹۰ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ کتاب کا منظوم پیش لفظ خود افسانہ نگار نے لکھا ہے۔ اس مجموعے کے توسط سے سلطان سبحانی نے خود کو اردو کے مشہور افسانہ نگاروں کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔ مجموعے کے تعلق سے شمس الرحمٰن فاروقی رقم طراز ہیں:

''کئی افسانے بہت پسند آئے آپ نے مسلسل ترقی کی منازل طے کی ہیں۔ یہ امر باعثِ مسرت ہے۔'' [۲]

جوگیندر پال کی رائے ہے:

''آپ کی کتاب میں نے کل ہی پڑھی ہے۔ ایک ساتھ ساری کہانیاں پڑھ گیا ہوں۔ اور اس مطالے کے بعد گویا آپ سے ایک

---

[۱]: رشید امجد، سرورق، میرا کھویا ہوا ہاتھ، سلطان سبحانی، ۱۹۸۷ء۔

[۲]: شمس الرحمٰن فاروقی، فلیپ، بدن گشت بادبان، سلطان سبحانی، ۱۹۹۰ء۔

بھرپور ملاقات کے بعد ابھی ابھی گھر لوٹا ہوں......میں آپ
کا پرانا چاہنے والا ہوں اور اس امر سے خوش ہوں کہ آپ
پیہم روبہ ارتقاء ہیں۔یہ بڑی بات ہے۔''صد

٦) آپ سے ملئیے:
اکتوبر ۱۹۷۰ء میں شوکت صدیقی کے نام سے شائع شدہ یہ کتاب ۷۲رصفحات کی ہے۔اور تعارفی اور سوانحی خاکوں پر مشتمل ہے۔ان میں آل احمد سرور کو چھوڑ کر باقی سب کا تعلق مالیگاؤں سے ہے۔آخر میں تین طنزیہ اور مزاحیہ مضامین بھی شامل ہیں۔اس قسم کا مجموعہ شہر میں پہلی بار شائع ہوا ہے۔

۷) ما فوق الفطرت (غیر مطبوعہ):
یہ ناول بچوں کے لئے لکھا گیا ہے۔اس میں انہوں نے اعظم نام کے ایک بچے کا کردار تخلیق کیا ہے جو دشمنوں سے تنہا مقابلہ کرتا ہے اور دنیا میں امن قائم کرنے کی جدوجہد کرتا ہے۔

۸) شمانلہ (غیر مطبوعہ):
یہ داستانی ناول ہے جو بچوں کے مقامی رسالے جل پری میں کئی قسطوں میں شائع ہوا۔مرکزی کردار ایک لڑکا''سکندر'' ہے جو ظلم کے خلاف لڑائی لڑتا ہے۔

۹) شام کی ٹہنی کا پھول:
اٹھارہ افسانوں پر مشتمل یہ کتاب ۱۹۹۹ء میں مالیگاؤں سے شائع ہوئی۔افسانہ نگار نے ان افسانوں میں نئے تجربات اور نئے مسائل کو پیش کیا ہے جو احساس دلاتے ہیں کہ جدید افسانہ،کہانی کی طرف لوٹ رہا ہے،ورنہ اس سے قبل کے عبوری دور میں ذاتی علامات کے استعمال نے افسانوں کو ناقابلِ ترسیل بنا رکھا تھا۔بقول ڈاکٹر ممتاز احمد خاں (ماہنامہ:افکار،کراچی)''ان کے افسانوں کی مجموعی صورتِ حال عصری زندگی کے دکھوں اور انسان کے مروجہ نظام کے خلاف ذہنی بغاوت کو پیش کرتی ہے۔''

صد:جوگیندر پال،فلیپ،بدن گشت بادبان،سلطان سبحانی،۲۰۰۰ء

سلطان سبحانی کی شاعری، مصوری اور بالخصوص افسانہ نگاری کا سفر پورے حوصلے کے ساتھ جاری ہے۔ ہندوپاک کا کوئی قابل ذکر ادبی رسالہ ایسا نہیں ہے جو ان کی کہانیوں سے نا آشنا ہو۔ سلطان سبحانی افسانہ نگاری کا ایک روشن نام ہے۔ جس نے اردو افسانوی دنیا میں اس شہر کو عزت و وقار سے ہمکنار کیا ہے۔ اس ضمن میں پروفیسر قمر رئیس کی رائے حرف آخر کا حکم رکھتی ہے:

''مجھے احساس ہوتا ہے کہ ہم عصر اردو افسانہ کے تخلیقی معیار و کردار کو ارفع بنانے میں ان کا جو حصہ ہے اس کا اعتراف ابھی تک نہیں ہوسکا ہے۔ مگر مجھے یقین ہے کہ سنجیدہ اہل علم اور افسانوی ادب کے قدر شناس انہیں زیادہ دنوں تک نظر انداز نہیں کرسکیں گے۔''[۱]

---

[۱]: پروفیسر قمر رئیس، پیش لفظ، میرا کھویا ہوا ہاتھ، سلطان سبحانی، ۱۹۸۷ء، ص ۱۳

شہزادہ عثمان

پیدائش: ۳ر مارچ ۱۹۴۳ء

وفات: ۲۲ر جولائی ۱۹۸۷ء

شہزادہ عثمان قلمی نام ہے۔ اصل نام محمد عثمان ابن محمد سلیمان ہے۔۔ محلّہ چونا بھٹی میں سکونت تھی۔ ساتویں جماعت تک تعلیم پائی۔ محنت مزدوری کر کے روزی کماتے تھے۔ ابتدا سے ہی ان کی صحت کمزور تھی۔ ۴۵ر برس کی عمر میں بعارضہ ٔ یرقان انتقال ہوا۔

شہزادہ عثمان کا مطالعہ اچھا تھا۔ اس صدی کی ساتویں دہائی میں جن قلم کاروں نے لکھنے کا آغاز کیا ان میں شہزادہ عثمان بھی شامل تھے۔ غالب رجحان افسانوں کی طرف تھا، اگر چہ شعر بھی کہتے تھے۔ ان کے افسانے السبیل، بیباک، اور ماہنامہ ''شجر'' برہانپور میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان کا قلم جدیدیت کی طرف مائل تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ بہت جلد نئے افسانوں کی دنیا میں اپنا مقام بنالیں گے لیکن عمر نے وفا نہ کی۔

انہوں نے نثر کا کوئی بڑا سرمایہ نہیں چھوڑا۔ صرف چند افسانے ان کی یادگار ہیں۔

احمد عثمانی

پیدائش: ۷؍جون ۱۹۴۳ء

احمد عثمانی قصبہ داناپور، تعلقہ بھوکردن (ضلع جالنہ) میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام عبداللہ ہے۔ اپنے بچپن میں والدین کے ساتھ رائچور (کرناٹک) چلے گئے جہاں ان کے والد نے کینال پر سپروائزر کی ملازمت اختیار کی۔ یہاں پر "صاحب" لوگوں کے بچوں کے ساتھ سات سال کی عمر میں احمد عثمانی بھی ایک مدرسے میں تعلیم حاصل کرنے لگے۔ کچھ دنوں کے بعد ان کے والد نے اورنگ آباد میں سکونت اختیار کرلی۔ کسی بات پر ناراض ہوکر احمد عثمانی گھر سے فرار ہوگئے اور اپنے بھائی کے پاس ناسک آگئے۔ ۱۹۵۸ء میں انہوں نے آٹھویں جماعت کا امتحان براہِ راست دیا جس میں ایک ایجوکیشن آفیسر یعقوب خان نے ان کی مدد کی۔ نیشنل ہائی اسکول ناسک کی نویں جماعت میں داخلہ لیا اور محنت مزدوری کرکے تعلیم جاری رکھنے کی کوشش کی مگر پڑھ نہ سکے۔ کچھ وقت گذارنے کے بعد انہوں نے مالیگاؤں کا رخ کیا اور مالیگاؤں ہائی اسکول کی نویں جماعت میں داخل ہوگئے۔ یہاں انہیں عائشہ حکیم جیسی ادب نواز ہیڈ مسٹریس اور ڈاکٹر پیر محمد رحمانی جیسی غریب نواز شخصیت کی رہنمائی ملی، اسکول میں ادبی ماحول ملا جس سے ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو اجاگر ہونے اور جلا پانے کا موقع ملا۔ بعد میں انہوں نے بی اے اور ڈی ایڈ کے کورس کی تکمیل بھی کرلی۔ میونسپل پرائمری اسکول میں مدرسی کا پیشہ اختیار کیا۔ اساتذہ کے فلاحی اور شہر کے سماجی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ گذشتہ جون میں سبکدوش ہوئے۔

بچپن میں رسالہ "نور" (رامپور) ان کے زیرِ مطالعہ رہا کرتا تھا۔ اس سے ان کی ذہنی تربیت میں مدد ملی۔ مالیگاؤں ہائی اسکول کی تعلیمی زندگی کے دوران ان کی کہانیاں "نقشِ دیوار" کی زینت بننے لگی تھیں۔ اسکول میں منعقد ہونے والی ادبی تنقیدی نشستوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے۔ اس طرح رفتہ رفتہ ان کے اندر کا افسانہ نگار اپنا سر ابھارنے لگا۔ اتفاق سے مقامی اخبارات میں ترقی پسند

قدروں کی علم برداراد بی انجمن نوجوان مصنفین کے رپورتاژان کی نظروں سے گذرے۔ دل میں امنگ جاگی، ایک افسانہ بعنوان ''سماج کی تصویریں'' لکھا جو اشتراکیت کے زیر اثر لکھا گیا تھا۔ اسے لے کر وہ انجمن نوجوان مصنفین کی ادبی نشست میں جا پہنچے۔ افسانہ سنایا۔ حاضرین یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ یہ روایتی قسم کا رومانی افسانہ نہیں ہے بلکہ زندگی کی برہنہ حقیقتوں کا غماز ہے۔ ان کا پر جوش استقبال کیا گیا اس طرح وہ ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہو گئے۔ ترقی پسند ادیبوں کو خوب پڑھا اوران سے متاثر ہوئے۔ اسی وابستگی کے سبب جلگاؤں، اورنگ آباد اور ممبئی کی ترقی پسند انجمنوں کی ادبی نشستوں میں شرکت کا موقع ملا۔ گیا (بہار) میں ترقی پسند مصنفین کی کانفرنس میں بھی شریک ہوئے۔

ابتدا میں ان کے افسانے روزنامہ اردو ٹائمز اور انقلاب میں شائع ہوئے۔ بعد میں انیس ادب (دہلی)، شاعر (ممبئی)، جمال، جواز، توازن (مالیگاؤں) اور ایوان اردو (دہلی) میں اشاعت پذیر ہوئے۔ آکاش وانی جلگاؤں، اورنگ آباد اور ممبئی سے افسانے نشر ہوئے۔ افسانہ نگاری کے ساتھ ساتھ انہوں نے بچوں کے ادب پر بھی توجہ کی۔ بچوں کے لئے لکھی گئیں ان کی کہانیاں امنگ اور پیام تعلیم (دہلی) میں شائع ہوئیں۔ چند تنقیدی مضامین بھی تحریر کئے جن میں سے ایک افسانہ نگار احمد داؤد کے فن اور شخصیت کا احاطہ کرنے والا مضمون ہے اور دوسرا ''امراؤ جان ادا'' کی تنقید ہے۔ انہوں نے مقامی اخبارات کے ادبی صفحات کی ترتیب و تزئین میں بھی نمایاں رول ادا کیا۔ انصار ویکلی، عوامی آواز، شناخت، اور ہم سب راہی وغیرہ مقامی اخبارات کے ادبی صفحات کی ترتیب میں ان کا حصہ رہا۔ ادبی رسالہ ''جواز'' کے اجراء سے لے کر آخر تک اس سے منسلک رہے۔ انہوں نے کئی کتابوں پر تبصرے بھی رقم کئے ہیں جو مختلف رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے تین افسانوی مجموعے شائع ہو چکے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱) اپنے آپ کا قیدی:

جنوری ۱۹۷۵ء میں یہ مجموعہ مالیگاؤں سے شائع ہوا۔ صفحات ۱۱۲ رہیں۔ پیش لفظ راجندر سنگھ بیدی نے لکھا ہے اوراحمد عثمانی کے فن اور شخصیت کا تعاقب سلطان سبحانی نے کیا ہے۔ چھوٹی تقطیع کی اس کتاب میں چوبیس مختصر افسانے ہیں۔ احمد عثمانی نے لکھا ہے:

''میں نے دور تخریب میں آنکھ کھولی، مجھے نہیں معلوم کہ امن اور سکون کسے کہتے ہیں، مجھے جنگ سے شدید نفرت ہے۔ فلسطین، ویت نام، ہندو پاک، ہندو چین، قحط و افلاس یہ سب انسانوں کی دین ہے۔'' صلہ

اس تمہید سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان کے افسانوں میں کیا ہونا چاہئے۔ ورق الٹتے ہی نظر آجاتا ہے کہ ایک حساس فنکار کا زہر میں ڈوبا قلم سماج کے ناپسندیدہ عناصر کا نقاب نوچ کر ان کی اصلی شکل دکھاتا جا رہا ہے۔ راجندر سنگھ بیدی نے غلط نہیں کہا ہے:

''احمد عثمانی کی تحریریں پڑھ کر مجھے اپنی شکل دکھائی دینے لگتی ہے جو میں نہیں دیکھنا چاہتا۔ آپ کی ہمت ہو تو شوق سے دیکھئے مگر ایک بات کا خیال رکھئے کہ وہ شکل میری یا احمد عثمانی کی نہیں آپ کی اپنی ہوگی۔'' صلہ

سلطان سبحانی نے ان افسانوں کو ''نئے ترقی پسند افسانے'' کا نام دیا ہے۔ اس مجموعے میں کچھ جدید افسانے بھی شامل ہیں۔ اسی بنا پر سلطان سبحانی نے لکھا ہے:

''ان افسانوں میں ٹوٹ پھوٹ، ذات کا المیہ اور تشکیک (جس کا شمار اب جدید روایت میں ہوگا) میں بھی احمد نے اس انسان کی تلاش جاری رکھی ہے جو اس بھیڑ میں کہیں کھو گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ آنے والے کل سے مایوس نہیں ہیں............'' صلہ

صلہ: احمد عثمانی، اپنے آپ کا قیدی، ۱۹۷۵ء، ص ۶

صلہ: راجندر سنگھ بیدی، پیش لفظ، اپنے آپ کا قیدی، احمد عثمانی، ۱۹۷۵ء، ص ۱۰

صلہ: سلطان سبحانی، آگے منظر نیا ہے، اپنے آپ کا قیدی، احمد عثمانی، ۱۹۷۵ء، ص ۱۱۰

۲)رات کا منظر:

۱۱۲ صفحات اور اٹھارہ افسانوں پر مشتمل یہ افسانوی مجموعہ جواز رائٹرز گروپ مالیگاؤں کی پہلی پیشکش ہے جو ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا۔

احمد عثمانی ان افسانوں میں ''اپنے آپ کا قیدی'' کے افسانوں سے کافی آگے بڑھ گئے ہیں۔ ان کے فن اور زبان و بیان دونوں میں نکھار پیدا ہوا ہے۔ افسانہ نگاری کی تیکنک پر تجربے بھی کئے ہیں۔ ان کے فن میں پختگی آنے کے ساتھ ساتھ اعتبار بھی پیدا ہوا ہے۔

۳)اپنی مٹی:

طباعت اگست ۱۹۹۱ء صفحات ۱۱۲۔ افسانے ۱۷۔ اس مجموعے میں ان کے افسانے جن موضوعات کے گرد گھومتے ہیں اور وہ اپنے سفر میں جن کرداروں کو لے کر چلتے ہیں وہ اختراعی اور بے جان نہیں، فطری اور زندہ معلوم ہوتے ہیں۔ موضوعات و مسائل وہ ہیں جن میں ہم سب گھرے ہوئے ہیں اور کردار وہ ہیں جو ہمارے اردگرد ہی نہیں بلکہ ہمارے اندرون میں بھی موجود ہیں۔ احمد عثمانی کی خوبی یہ ہے کہ نئے تجربوں کے باوجود ان کے افسانوں سے ''کہانیت'' کا عنصر فنا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ افسانے جدید ہوں یا روایتی، مصنوعی پن کا احساس نہیں پایا جاتا۔

ان تینوں مجموعوں کے پیش نظر یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ وہ جہاں تھے وہیں نہیں ہیں۔ ارتقائی عناصر ان کے فن میں بھی پائے جاتے ہیں لیکن اتنے فطری اور واضح نہیں ہیں جو (مثلاً) سلطان سبحانی کے فن میں دکھائی دیتے ہیں۔ احمد عثمانی کو اپنے مقصد سے عشق ہے۔ دنیا کے اندھیروں سے ان کی نظریں آشنا ہیں۔ افسانوں میں کردار ہوں یا نہ ہوں، پلاٹ ہو یا نہ ہو، ٹیکنک جدید ہو یا پرانی، وہ اندھیروں میں ''جگنو کی چمک'' تلاش کرتے رہتے ہیں۔ یہی ان کے فن کی بنیاد ہے۔

فیاض اختر

پیدائش: ۲۰؍ستمبر ۱۹۴۳ء

فیاض اختر اصلی اور قلمی نام ہے۔ والد کا نام عبدالرؤف۔ آباء واجداد الہ آباد کے رہنے والے تھے۔ دادا حافظ قرآن تھے۔ تلاش معاش اس خاندان کو ممبئی کھینچ لائی۔ یہاں فیاض کے والد مل مزدور کے طور پر کام کرنے لگے۔ ان کا تعلق مومن انصاری برادری سے تھا۔ فیاض اختر نے چوتھی جماعت تک تعلیم حاصل کی لیکن گھریلو پریشانیوں اور حالات کے تقاضوں کے پیش نظر تعلیم ترک کردی اور موٹر میکنک کا ہنر سیکھنا شروع کیا۔ ۱۹۶۰ء تک اسی کو انہوں نے روزی کا ذریعہ بنایا۔ اسی سال فیاض اختر اپنے والدین کے ساتھ ممبئی سے مالیگاؤں چلے آئے اور محلہ سردار نگر کے ایک کرائے کے مکان میں رہائش اختیار کی۔ پانچ برس مالیگاؤں میں قیام کے بعد یہ پورا خاندان دوبارہ ممبئی چلا گیا۔ فیاض اختر نے بھی ممبئی میں دوبارہ میکنک کے کام کی شروعات کی۔ ۱۹۸۴ء تک ممبئی میں قیام کے بعد مستقل طور پر مالیگاؤں آگئے۔ فی الحال کرانہ کی دکان چلا رہے ہیں۔ انہوں نے باہر سے ایس ایس سی کا امتحان دیا لیکن ناکامی ہاتھ آئی۔

فیاض اختر کی تخلیقی سرگرمیوں کی ابتدا شاعری سے ہوئی۔ مالیگاؤں میں ان کی ملاقات شاعر حیات حضرت ادیب مالیگانوی سے ہوئی۔ انہوں نے ادیب صاحب کی شعری انجمن قصرالادب کی رکنیت اختیار کرلی۔ اختر ادیبی الہ آبادی کے نام سے شاعری کرنے لگے اور ادیب صاحب سے اصلاح سخن لینے لگے۔ قریب ڈیڑھ سال ادیب صاحب کی خدمت میں رہے۔ اس دوران علمی اور ادبی کتابوں کا مطالعہ بھی برابر جاری رہا۔ شہر کے مشہور صحافی لطیف جعفری کی دوستی نے کمیونسٹ پارٹی کے آفس تک پہنچادیا۔ جب لطیف جعفری نے ہفت روزہ ''کیفی'' کا اجراء کیا تو فیاض اختر بھی ان کے ساتھ ہوگئے۔ اور اداریے اور مضامین کے ذریعے اخبار سجانے لگے۔ یہیں سے گویا ان کی نثر نگاری کی ابتدا ہوئی۔ نثر نگاری کا شوق ایسا بڑھا کہ شاعری بھول بیٹھے۔ ترقی پسندوں کی انجمن نوجوان

مصنفین کے رکن بنے۔ اوراس کی ادبی نشستوں میں افسانے سنانے اور بحث ومباحثہ میں حصہ لینے لگے۔ کچھ دنوں تک اس کے سکریٹری بھی رہے۔ ان کی پہلی تخلیق ''ایک لڑکی ایک چوراہا'' کے عنوان سے ایک افسانہ ہے۔ جو صفیہ ادیب کے ادبی رسالے ''صبا'' حیدرآباد میں شائع ہوا۔ ان کے چند جدید افسانے ماہنامہ ''کتاب'' (لکھنؤ) میں بھی شائع ہوئے ہیں۔ ۱۹۶۷ء میں دو افسانے ''سیپ'' (کراچی) میں اشاعت پذیر ہوئے۔ فیاض اختر بہت دنوں تک ادارہ ''جواز'' سے وابستہ رہے۔ وہ جواز کی ترتیب میں بھی تعاون دیتے تھے۔ اس رسالے میں ان کی کئی کہانیاں شائع ہوئیں اور بہت سی کتابوں پر ان کے تبصرے بھی شائع ہوئے جو ان کی تنقیدی بصیرت کے غماز ہیں۔ شب خون (الہ آباد) میں ایک ہندی کہانی کا ترجمہ اور ایک مضمون شائع ہوا۔

۱۹۸۷ء میں ایک ضخیم ناول ''سکون'' لکھا لیکن معاشی مجبوریوں کی وجہ سے شائع نہ ہو سکا۔ ایک اور ناول ''زمین گھومتی رہی'' لکھنا شروع کیا تھا مگر نامکمل رہا۔ ۸۱-۱۹۸۰ء میں ان کا ایک افسانہ ''کتا'' جواز میں چھپا۔

بدقسمتی سے فیاض اختر کی گھریلو الجھنوں اور خانگی پریشانیوں میں تشویش ناک اضافہ ہوتا گیا۔ لکھنا پڑھنا چھوڑ کر بیٹھ گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ دن بہ دن بگڑتے ہوئے حالات نے انہیں خودکشی کے دہانے تک پہنچا دیا لیکن زندگی، عارضی طور پر ہی، موت سے زیادہ طاقت ور ثابت ہوئی۔ زندہ رہ گئے اور حالات کے پرسکون ہونے کے بعد تخلیقی سفر کے آغاز نو کی کوشش کی۔ ۱۹۸۵ء میں ایک افسانہ ''زندہ پیر'' لکھا یہی ان کی آخری تخلیق ہے۔ تیرہ برس گذر چکے ہیں وہ جسمانی خودکشی سے تو محفوظ رہ گئے لیکن ادبی خودکشی سے خود کو نہ بچا سکے۔

عرفان عارف

پیدائش: یکم مارچ ۱۹۴۴ء

عرفان عارف شہر کے ان قلم کاروں میں سے ہیں جنہوں نے ادب سے اپنا رشتہ مستقل طور پر استوار رکھا ہے۔ انہوں نے صرف افسانہ نگاری پر ہی توجہ مرکوز رکھی۔ دیگر اصناف کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا جس کی وجہ سے ان کے فن میں پختگی اور نکھار پیدا ہوتا چلا گیا۔

ان کا پورا نام محمد عرفان عبدالخالق ہے۔ مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔ بی اے بی ایڈ تک تعلیم حاصل کی۔ مالیگاؤں میں ہی پرائمری اسکول میں درس وتدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

عرفان عارف کا ادبی مطالعہ ترقی پسند مصنفین کی تخلیقات سے شروع ہوا۔ ابتدا ہی سے وہ ترقی پسند تحریک سے متاثر اور وابستہ رہے۔ شہر میں ترقی پسندوں کی ادبی انجمن ''نوجوان مصنفین'' تنقیدی اور ادبی نشستوں کے ذریعے نوجوان نسل کی تخلیقی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے اور نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کا قابل قدر کام انجام دے رہی تھی۔ عرفان عارف بھی ان نشستوں میں باقاعدگی سے شریک ہوتے تھے اور بحث ومباحثہ میں حصہ لیتے تھے۔ ۱۹۶۶ء میں انہوں نے اپنا پہلا افسانہ ''دس کا نوٹ'' اسی انجمن میں پیش کیا۔ اس وقت اس انجمن میں نئے لکھنے والوں کی ایک پوری ٹیم تخلیقی سرگرمیوں میں مصروف تھی جس میں سے کئی فنکاروں نے آگے چل کر بڑا نام پیدا کیا۔ عرفان عارف نے تیس برس تک مستقل مزاجی کے ساتھ فن افسانہ نگاری کی خدمت کی اس دوران ان کے افسانے ''شاخسار'' (لکھنؤ)، اسباق (پونہ)، نشانات، ہم زبان، نوید نو (مالیگاؤں) میں شائع ہوتے رہے۔ اب تک وہ ستر سے زائد افسانے تخلیق کر چکے ہیں جن میں بیشتر ان کے تین افسانوی مجموعوں میں شامل ہے۔ ان کی فن پر گفتگو ان کے مجموعوں کے حوالے سے کرنا مناسب ہے۔

۱)شہر کا خواب:

افسانوں کا یہ مجموعہ ۱۹۸۴ء میں مالیگاؤں سے طبع ہوا۔جس میں ان کے ۲۱/افسانے شامل ہیں۔''شہر کا خواب''ان کے افسانوی سفر کا نقطہ' آغاز ہے۔پیش لفظ سلطان سبحانی نے تحریر کیا ہے۔ان کی رائے ہے:

> ''عرفان عارف اپنے افسانوں میں ترسیل اورابلاغ کی سطح سے مروجه افسانے کی کلاسیکی ہیئت کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں. ''شہر کا خواب''جدید اور ترقی پسند افسانے کے درمیان خط امتیاز نہیں بلکه نقطۂ اتصال ہے.یوں محسوس ہوتا ہے جیسے افسانے کی زیریں رو میں افسانہ نگار خود بھی شریك ہوگیا ہے.زندگی کے ہزاروں پیچ درپیچ مسائل ،گھٹن،مایوسی،بھوك،بیکاری اور تشدد وغیرہ کا وہ خودبھی چشم دید گواہ ہے......''شہر کا خواب''اس آدمی تك پہنچنے کا سفر نامہ ہے جو نئے عہد میں کہیں کھو گیا.''صد

بقول شبیر ہاشمی''ان کے افسانے میں جوعصری تصور ملتا ہے وہ ماورائی نہیں بلکہ ارضی ہے۔صد۲''عرفان عارف نے اس مجموعے کے ذریعے خودکواردو دنیا سے روشناس کروایا ہے یہ مجموعہ بہرحال ان کی منزل نہیں سنگ میل ثابت ہوا''یعنی آگے چلیں گے دم لے کر''

۲) صدیوں بعد کے لوگ :

'شہر کا خواب' کی اشاعت کے دو برس بعد ۱۹۸۶ء میں ان کے چوبیس افسانوں کا دوسرا مجموعہ''صدیوں بعد کے لوگ''شائع ہوا۔ان دو برسوں میں عرفان عارف کی شہرت ملک کی سرحدوں کو پار کر چکی تھی۔اس مجموعہ کا پیش لفظ پاکستان کو مشہور نقاد رشید امجد نے لکھا ہے۔اور ایک سچا جائزہ پیش کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

صد:سلطان سبحانی،ایك جگمگ کرتا ہوا مکمل آدمی.شہر کا خواب،عرفان عارف،مالیگاؤں ۱۹۸٤ء

صد۲:شبیر ہاشمی،شہر کا خواب،عرفان عارف،مالیگاؤں،۱۹۸٤ء۔

''عرفان عارف کی کہانیاں اپنے عہد کی وہ احتجاجی آوازیں ہیں جو سماجی، سیاسی صورتِ حال سے جنم لیتی ہیں...... اس کی کہانیوں میں ایک خاموش احتجاج ہے ایک دبا دبا غصہ بھی، لیکن کہانی کے فنی حسن کے ساتھ اس کے کردار ماحول اورصورتِ حال کی گواہی دیتے ہیں اور اپنے زندہ ہونے کا احساس بھی دلاتے ہیں۔''[۱]

وہ عرفان عارف کی فن کاری کا ان الفاظ میں اعتراف کرتے ہیں:

''وہ تیکنک کے زور پر لکھی ہوئی کہانیاں نہیں ہیں بلکہ اپنی زمین اور کہانی کی روایت سے جنم لیتی ہیں۔ ان کی کہانیاں نئی کہانیوں کے اس رنگ سے قریب تر ہیں جو نئی کہانی کو ایک طویل سفر کے بعد نصیب ہوا ہے۔''[۱]

عرفان عارف کا یہ مجموعہ اپنے مزاج، رویے، اسلوب اور تیکنیکی جدت کے ساتھ نظریاتی وابستگی کے رویے کی وجہ سے نئی اردو کہانی میں یقیناً ایک خوشگوار تازہ ہوا کے جھونکے کے مصداق ہے۔

۳) کرنوں کا سفر:
یہ مجموعہ ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا۔ اس میں ۲۰/افسانے شامل ہیں جن میں زندگی کی شاہراہ پر چلتے پھرتے کرداروں کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے۔ ان کرداروں کے بارے میں خود عرفان عارف نے لکھا ہے:

''انسانی کشمکش اور پس و پیش کرنے والوں کی رہنمائی کرنا افسانہ نگار کا فرض ہوتا ہے۔ وہ رہنما بھی ہوتا ہے اور مسافر بھی۔ اس کی دوربین نگاہیں اپنے گرد وپیش میں سفر

---

[۱]، [۱]: رشید امجد، پیش لفظ، صدیوں بعد کے لوگ، عرفان عارف، مالیگاؤں، ۱۹۸۶ء

کرتی ہیں ۔ وہ نہ صرف خود کے ذہن و فکر کو اپنی تخلیق میں سموتا ہے بلکہ دوسرے افراد کی فکر کا عکاس بھی ہوتا ہے۔"صد

ان افسانوں کا قاری ان کرداروں میں خود کو تلاش کر سکتا ہے۔ بحیثیت مجموعی یہ کہا جا سکتا ہے کہ عرفان عارف نے اپنی کہانیوں کے ذریعے اپنی شناخت بنائی ہے اور شہر میں افسانہ نگاری کی روایت کو تابندگی اور وقار عطا کیا ہے۔ سلطان سبحانی کی طرح عرفان عارف نے بھی تخلیقات کا تسلسل قائم رکھ کر ادب و فن کی جو خدمت انجام دی ہے۔ اسے گروہ بندی اور استوار تعلقات کی سیاست نظر انداز کرنے کی لاکھ کوشش کرے کامیاب نہیں ہو سکتی۔ وقت آنے پر زمانہ عرفان عارف کی تخلیقات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوگا کیونکہ ان کی کہانیوں کا محور زندگی اور اس کا دکھ اور سکھ ہے۔ ادب ہو یا فن زندہ وہی رہتا ہے جو زندگی سے قریب تر ہو۔ عرفان عارف کی کہانیوں میں بھی زندہ رہنے کی بھرپور صلاحیت موجود ہے۔

صد: عرفان عارف، اپنی بات، کرنوں کا سفر، مالیگاؤں، ۱۹۹۴ء

نہال احمد دلار

پیدائش: یکم جون ۱۹۴۴ء

نہال احمد ابن حاجی مصطفیٰ، چونا بھٹی کی مشہور دلار فیملی سے تعلق رکھتے ہیں۔ مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔ اے ٹی ٹی ہائی اسکول میں میٹرک جماعت تک پہنچے لیکن مکمل نہ کر سکے۔ اس کے بعد سوت اور گرے کلاتھ کی کمیشن ایجنٹی کرنے لگے۔ آج بھی اسی کاروبار سے منسلک ہیں۔

نہال احمد کا قلم بچوں کی کہانیاں لکھنے میں تیز تھا، روزنامہ انقلاب میں بچوں کا صفحہ جب مرحوم عبداللہ ناصر ترتیب دیتے تھے۔ اس وقت ان کی کئی کہانیاں انقلاب میں شائع ہوئیں۔ ان میں سونے کے بدلے پتھر، خلائی سفر وغیرہ شامل ہیں۔ ۶۲۔۱۹۶۱ء میں ان کی ایک کتاب ''سمندری شیطان'' مالیگاؤں سے شائع ہوئی۔ جو ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ کہانیوں کی اصلاح ان کے بڑے بھائی اقبال احمد دلار کرتے تھے۔ لیکن نہال احمد سب سے زیادہ احسان ادیب مالیگانوی مرحوم کا مانتے ہیں جو حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کی اصلاح میں بھی بڑی دلچسپی لیتے تھے۔

''سمندری شیطان'' کی مقبولیت سے حوصلہ پا کر نہال احمد نے ایک اور کہانی ''جدید ڈراکیولا'' لکھی۔ اس کا ٹائٹل چھپ کر تیار ہو چکا تھا۔ کتاب پریس میں جانے والی تھی۔ بدقسمتی سے بازار کے اتار چڑھاؤ کی وجہ سے ان کی مالی پوزیشن خستہ ہو گئی۔ اس سے بددل ہو کر انہوں نے کتاب چھپوانے کا ارادہ ہی نہیں چھوڑا بلکہ کہانیاں لکھنا ہی ترک کر دیا۔ اس کے بعد سے آج تک قلم کو ہاتھ نہیں لگایا۔

موصوف کو سماجی امور سے بھی دلچسپی ہے۔ میونسپل کونسلر رہ چکے ہیں۔ ان کے چھوٹے بھائی سراج احمد دلار کامیاب ڈرامہ نگار اور اداکار ہیں۔

ڈاکٹر مختار احمد انصاری

پیدائش: یکم مارچ ۱۹۴۵ء

مختار احمد انصاری ابن الحاج محمد بشیر ادیب پورا نام ہے۔ مالیگاؤں کی پیدائش ہے۔ ان کے والد مالیگاؤں کی علمی ادبی سرگرمیوں سے طویل زمانے سے متعلق رہے ہیں۔ مالیگاؤں کی تاریخ، بزرگوں کے تذکروں اور شعراء وادباء کے حالات زندگی جمع کر کے شائع کروانے کا بڑا شوق ہے۔ مختار احمد انصاری ابتداء سے ہی باصلاحیت ہیں۔ ۱۹۶۳ء میں ایس ایس سی کا امتحان انہوں نے مالیگاؤں ہائی اسکول سے پاس کیا۔ اپنی اس گیارہ برس کی تعلیم کے دوران وہ ہمیشہ اول نمبر سے کامیاب ہوئے۔ اسماعیل یوسف کالج ممبئی سے انٹر سائنس کرنے کے بعد گرانٹ میڈیکل کالج سے ۱۹۷۰ء میں ایم بی بی ایس کیا۔ پیتھالوجی میں ایم ڈی کیا اور اسی کالج میں لیکچرر ہوگئے۔ ۱۹۷۵ء میں انگلینڈ چلے گئے یہاں وہ لندن کے مضافات میں Orsett کے اسپتال میں ہیوپیتالوجی کے رجسٹرار رہے۔ دو برس قیام کے بعد امریکہ چلے آگئے۔ شکاگو کے مختلف اسپتالوں میں بطور پیتھالوجسٹ کام کیا۔ شکاگو کے پرائیوٹ لیبوریٹریز کے پارٹ ٹائم ڈائرکٹر رہے۔ اب ۱۹۹۰ء سے ٹیکساس کے Alis شہر کے ایک اسپتال میں پیتھالوجسٹ اور لیب ڈائرکٹر کے عہدے پر ہیں۔

ڈاکٹر مختار انصاری ہائی اسکول کی طالب علمی کے زمانے سے ہی تخلیقی سرگرمیوں میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ اسکول میں منعقدہ تنقیدی نشستوں میں بھی شریک ہوتے تھے۔ اسکول کا وال پیپر ''نقش دیوار'' ان کی تخلیقات سے بھی مزین ہوا کرتا تھا۔ آج بھی ان کی یہ تخلیقات جو مختصر افسانوں کی شکل میں ہیں اسکول میں محفوظ ہیں۔

ادبی انجمن ''پاسبان ادب'' کے قیام کے بعد ڈاکٹر صاحب اس کے رکن بنے۔ اور انجمن کی ماہانہ ادبی وتنقیدی نشستوں میں شریک ہونے لگے۔ ساتھ ہی ساتھ افسانے بھی پیش کرنے لگے۔

ان ادبی جلسوں سے انہیں بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔ مشہور افسانہ نگار سلطان سبحانی سے افسانوں پر اصلاح لیتے تھے۔ ان افسانوں میں سے بیشتر روزنامہ ہندوستان (ممبئی) کے ادبی صفحے پر شائع ہوئے۔ انجمن کے فنکاروں نے ایک قلمی رسالہ ''فردوس'' ترتیب دیا تھا جس میں ڈاکٹر صاحب کے افسانے کے ساتھ ساتھ عرفان عارف، صدیق انصاری اور سلطان سبحانی جیسے تخلیق کاروں کے افسانے بھی شامل تھے۔ رسالے کی کتابت خود ڈاکٹر صاحب نے کی تھی اور مصوری ماسٹر محمد ابراہیم تاج محمد نے۔

ممبئی میں کالج کی تعلیم کے دوران موصوف کے اردو افسانے کالج میگزین کے ہندی سیکشن میں شائع ہوئے۔ ان میں دو استاد، تصادم اور بنا چِتا کی ستی وغیرہ شامل ہیں۔ ۱۹۶۷ء میں انہوں نے کشمیر جنت نظیر کا سفر کیا تھا۔ اس خوبصورت سفر کی خوبصورت داستان سفرنامہ کی شکل میں لکھی جو انصار ویکلی (مالیگاؤں) میں شائع ہوئی۔ آج کے پڑھنے والوں کو یہ داستان خواب وخیال معلوم ہوگی۔ دو ہفتوں کے لئے وہ پاکستان بھی گئے تھے۔ جس کا سفرنامہ لکھا گیا مگر اشاعت کی نوبت نہ آسکی۔

مندرجہ بالا حقائق سے آشکارا ہے کہ ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے لکھنے میں استقلال اور باقاعدگی کبھی نہیں رہی۔ دراصل زندگی میں انہیں کسی ایک جگہ جم کر رہنے کا موقع نہ مل سکا۔ چونکہ وہ امریکہ میں مستقل طور سے سکونت پذیر ہو چکے ہیں امید کی جاسکتی ہے کہ ان کا قلم دوبارہ حرکت میں آئے گا اور صفحۂ قرطاس پر ادب کے گل بوٹے کھلائے گا۔

مجید کوثر

پیدائش: یکم مارچ ۱۹۴۵ء

پورا نام عبدالمجید ابن عبدالعزیز ہے۔ محلہ چونا بھٹی مالیگاؤں کی پیدائش ہے۔ موصوف مشہور صحافی اور قلم کار لطیف جعفری کے برادر خرد ہیں۔ تعلیم کی ابتدا پرائمری اسکول سے ہوئی لیکن معاش کی الجھنوں نے راستے میں کانٹے بچھا دیے۔ سلسلۂ تعلیم ترک کر دیا لیکن شوق باقی رہا۔ بعد میں جے اے ٹی نائٹ اسکول سے ۱۹۷۴ء میں ایس ایس سی کا امتحان پاس کر لیا۔ دن میں محنت مزدوری کرتے تھے اور رات میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔

مجید کوثر نے جب ہوش سنبھالا تو گھر میں ادبی ماحول پایا۔ مطالعہ سے جذبۂ تخلیق پروان چڑھا اور ۱۹۷۰ء میں انہوں نے اپنے تخلیقی سفر کا آغاز افسانے سے کیا۔ ساتھ ہی شاعری بھی کرتے رہے۔ انقلاب کے علمی ادبی صفحے'' ہفت رنگ'' اور برہانپور کے ایک رسالے میں، جس کے مدیر اقبال نصیب تھے، ان کے افسانے اور نظمیں، دونوں شائع ہوئے۔ سال دو سال ہی افسانہ نویسی کا سلسلہ جاری رکھ پائے۔ اس دوران کم و بیش پندرہ افسانے لکھے۔ مقامی اخبارات زبانِ خلق، بیباک اور مزدور نمائندہ میں ان کی اشاعت بھی ہوئی۔ ہفت روزہ ''مزدور نمائندہ'' کے ترتیب کاروں میں سلطان سبحانی اور کریم رحمانی (جلگاؤں) کے ساتھ مجید کوثر بھی تھے۔

سلطان سبحانی نے جب اپنے ادبی رسالے'' ہم زباں'' کا اجراء کیا تو کئی کتابوں پر تبصرے انہوں نے مجید کوثر سے لکھوا کر شائع کئے۔ ان کے علاوہ ۷۱-۱۹۷۰ء میں مجید کوثر ممبئی کے ہفت روزہ ''بے نظیر'' میں ایک مستقل کالم'' پھول اور کانٹے'' چھ مہینے تک لکھتے رہے۔ جس کا انہیں باقاعدہ معاوضہ ملتا تھا۔ اپنے اس کالم میں وہ تازہ خبروں پر لطیفوں اور چٹکلوں کی آمیزش کے ساتھ تبصرہ کرتے تھے اور انہیں بے حد دلچسپ بنا دیتے تھے۔

مجید کوثر ترقی پسند مصنفین کے ہم سفر تھے لیکن فطری اور طبعی رجحان میل نہیں کھاتا تھا۔ پوری آزادی اور کھلے پروں کے ساتھ لامتناہی فضاؤں میں پرواز کرنے کی آرزو تھی اسلئے جدید شاعری اور نئے ادبی رجحانات کا اثر تیزی سے قبول کرنے لگے۔ یہ روش ترقی پسند دوستوں کو ناگوار گذری، انہیں دنوں مجید کوثر نے ایک شعر لکھا۔

شرٹ میں اس نے بٹن ہی تو لگائے تھے مگر
ایک ہنگامہ اٹھاتا رہا چھت پر کوئی

ترقی پسند احباب یہ جدید ''گستاخی'' برداشت نہ کر سکے۔ اخبار بازی شروع ہوگئی۔ انجمن ترقی پسند مصنفین سے ان کا استعفیٰ طلب کیا جانے لگا۔ مجبور ہو کر علاحدہ ہو گئے۔ اس وقت سید عارف اور رزاق عادل بھی نئے رنگ و آہنگ کی شاعری کر رہے تھے۔ مجید کوثر کو ان کا ساتھ مل گیا۔ اور شہر کی شاعری میں جدید رجحانات کا رنگ تیز رفتاری سے شامل ہونے لگا۔

مجید کوثر ۱۹۸۷ء سے ۱۹۹۵ء تک کاروباری الجھنوں کے سبب افسانہ نگاری اور شاعری سے دور رہے۔ آج کل پھر مراجعت ہوئی ہے لیکن شاعری پر توجہ زیادہ ہے۔ فی الحال غزلوں اور نظموں کا مجموعہ شائع کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔

سجاد عزیز

پیدائش: ۱۳؍مارچ ۱۹۴۵ء

سجاد احمد، عبدالعزیز عابد انصاری مرحوم کے لائق فرزند ہیں۔ ان کے والد بھی اچھے شاعر اور نثر نگار تھے۔ مرحوم کی ساری تخلیقی صلاحیتیں سجاد عزیز کو ورثہ میں ملیں۔ سجاد عزیز نے اپنے مطالعے اور مشق سے ان صلاحیتوں کو خوب نکھارا۔

سجاد عزیز کا شمار اپنے زمانے کے ذہین طلباء میں ہوتا تھا۔ ساتویں جماعت کے پبلک امتحان (فائنل) میں وہ اردو میڈیم کے طلبہ و طالبات میں اوّل رہے۔ اس کے بعد مالیگاؤں ہائی اسکول میں داخلہ لیکر ۱۹۶۳ء میں ایس ایس سی کا امتحان پاس کیا صلہ۔ اسماعیل یوسف کالج، ممبئی میں سائنس کلاس میں داخلہ لیا لیکن ناکامی مقدر رہی۔ بعد میں انہوں نے اندور سے انٹر سائنس کا امتحان پاس کر کے تعلیم کو خیر باد کہہ دیا۔

اسکول کے زمانے میں وہ بچوں کے "نقش دیوار" کے ایڈیٹر رہے۔ اس میں خود ان کی تخلیقات بھی شامل رہتی تھیں۔ یہ اولین تربیت گاہ سجاد عزیز اور ان جیسے تخلیقی صلاحیت رکھنے والے طلبہ و طالبات کے حق میں بڑی مفید تھی۔ اس وقت شہر میں ایک ادبی انجمن "پاسبانِ ادب" کے نام سے قائم ہوئی۔ سجاد عزیز اس کی ادبی نشستوں میں شرکت کرنے اور افسانے سنانے لگے۔ مطالعہ خوب تھا۔ بولنے میں بھی تیز تھے۔ اسلئے ادبی بحثوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ ان کی موجودگی کسی بھی تنقیدی نشست کی زندگی اور کامیابی کی ضمانت ہوا کرتی تھی۔ اس کے بعد وہ ترقی پسند مصنفین کی انجمن نوجوان مصنفین سے وابستہ ہوگئے۔ یہاں بھی اکثر نشستوں میں وہ اپنے افسانے پیش کرتے تھے۔

احمد نسیم مینا نگری کے پندرہ روزہ "ثبات" کے ادبی صفحہ "نشانات" کی ادارت

صلہ: راقم الحروف کو ہائی اسکول کے چار برسوں میں ان کا کلاس فیلو ہونے کا شرف حاصل رہا۔

سجاد عزیز سنبھالتے تھے۔ نیز جواز کی ترتیب و تزئین میں بھی ان کا بڑا حصہ ہوتا تھا۔ دیکھا جائے تو ۱۹۶۰ء کے بعد کی ادبی رفتار و ترقی، خصوصاً نثری ارتقاء کے وہ ایک نزدیکی شاہد ہیں۔ شاعری ان کے بس کے باہر کی چیز ہے۔ اسلئے سجاد عزیز اور شاعری، دونوں نے ایک دوسرے کو منہ نہیں لگایا۔

سجاد عزیز کی سب سے پہلی شائع ہونے والی تخلیق "پیاس" نام کا ایک افسانہ ہے۔ یہ روزنامہ ہندوستان (ممبئی) میں اس وقت شائع ہوئی جب وہ ساتویں جماعت میں تھے۔ بعد میں جب نثر میں روانی اور فن میں پختگی آئی تو ان کے افسانے کافی تعداد میں جلیس (مالیگاؤں)، نوید نو (مالیگاؤں)، کتاب (لکھنؤ)، الفاظ (علی گڑھ)، جواز، نشانات (مالیگاؤں) میں شائع ہوئے۔ انکے بہترین افسانوں میں مکمل نامکمل، رکا ہوا جذبہ، رنگ پس رنگ، اکائی کا فریب، محدود لا محدود، تغیر کی ضرب، میں اور (میرے) علاوہ، انسان اور روٹی، زار وغ تار نیتا بیز واورا خفتہ کے درمیان وغیرہ شامل ہیں۔

سجاد عزیز کی افسانہ نگاری دو جمع دو برابر چار کی کہانی نہیں ہے۔ انہوں نے اپنے ادبی سفر کی ابتدائی منزلیں ترقی پسند فنکاروں کی ہمراہی میں طے کیں لیکن بلند پروازی کی شدید خواہش نے انہیں اپنا راستہ خود نکالنے پر مجبور کر دیا۔ یہ راستہ انہوں نے پورے اعتماد کے ساتھ طے کیا۔ انہوں نے ادب کا وسیع مطالعہ کیا ہے۔ اس مطالعے نے ان کی نظر کو وسعت اور فکر و خیال کو گہرائی عطا کی ہے۔ وہ کہانی بیان کرنے کے فن سے بھی واقف ہیں اور انہیں افسانوں کے جدید اسلوب اور ٹیکنک کو برتنے کا سلیقہ بھی ہے۔ ان کے فن کی یہ جدیدیت تقلیدی نہیں بلکہ تخلیقی ہے۔ نئے افسانہ نگاروں میں جدیدیت کا جو شعور ان کے یہاں دکھائی دیتا ہے کم لوگوں کو نصیب ہوسکا۔ انہوں نے اپنی ساری توجہ افسانہ نگاری پر مرکوز رکھی۔ اسلئے اس صنف میں وہ اپنے ہم عصر قلم کاروں سے آگے دکھائی دیتے ہیں۔

سجاد عزیز نے کم و بیش بیس افسانے تخلیق کئے جو مختلف رسالوں میں اشاعت پذیر ہوئے۔ لیکن زندگی کی الجھنوں اور معاش کی پریشانیوں کی وجہ سے مجموعے کی شکل میں پیش نہ کئے جاسکے۔ 1985ء کے بعد انہوں نے کچھ نہیں لکھا۔ مطالعہ اگرچہ جاری ہے لیکن تخلیق کے سوتے خشک ہیں۔ اس کے باوجود ان کے اندر افسانہ نگاری کا زبردست امکان آج بھی پوشیدہ ہے۔ جدید افسانے کی روایت کو پروان چڑھانے والوں میں ان کا نام سرفہرست ہے۔

آج کل وہ اکاؤنٹس لکھ رہے ہیں۔ ٹیوشن دے رہے ہیں۔ اور اپنی مجروح زندگی کی کشتی کو کھینچ کھانچ کر دوسرے کنارے تک لے جانے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔

مولانا محفوظ الرحمن قاسمی

پیدائش: ۱۹۴۶ء

وفات: ۱۲ر اگست ۱۹۹۷ء

ام المدارس مدرسہ بیت العلوم مالیگاؤں کا سب سے قدیم دینی مدرسہ ہے۔ جس کی بنیاد حضرت مولانا عبداللہ اعظمی کے دست مبارک سے ۱۳۰۵ھ (۸۸۔۱۸۸۷ء) میں رکھی گئی۔ مولانا محفوظ الرحمٰن پورے ۳۱ ر برس تک اس مدرسہ میں شیخ الحدیث کے جلیل القدر عہدے پر فائز رہے۔ سینکڑوں طلبہ نے ان سے درس لیا اور فراغت کی سند پائی۔ ان کے وصال کے بعد شہر ایک عالم باعمل سے محروم ہو گیا۔

مولانا کا پورا نام محفوظ الرحمٰن ابن ضیف اللہ ہے۔ ۱۹۴۶ء میں موضع برگدوا تحصیل بانسی ضلع بستی میں پیدا ہوئے صلے۔ گاؤں میں مدرسہ مصباح العلوم کے نام سے ایک چھوٹا سا مکتب تھا جہاں انہوں نے عربی فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد مئو ناتھ بھنجن میں مدرسہ مفتاح العلوم میں داخلہ لیا۔ یہاں انہیں مولانا صفی اللہ اور مولانا حبیب الرحمٰن جیسے اہل علم سے استفادے کا موقع ملا۔ دو برس تعلیم حاصل کرنے کے بعد درمیان میں چھوڑ کر مدرسہ رحمانیہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ چلے آئے۔ اتفاق کی بات کہ وہاں طلبہ کا امتحان لینے کیلئے دیوبند سے صدر المدرسین حضرت مولانا فخر الحسن تشریف لائے۔ انہوں نے مولانا محفوظ الرحمٰن قاسمی کی صلاحیتوں کا اندازہ کر لیا اور اپنے ساتھ دارالعلوم دیوبند لے گئے۔ مولانا ۱۹۶۰ء میں دیوبند پہنچے اور سات برس کی تعلیم کے بعد ۱۹۶۷ء میں سند فراغت سے نوازے گئے۔ دیوبند میں عالمیت کے نصاب کی تکمیل کے ساتھ ساتھ مولانا نے تین فنون میں تخصص کیا۔ ادب عربی، فلسفۂ قدیم اور تفسیر، فلسفۂ قدیم میں وہ اوّل انعام سے سرفراز ہوئے۔ اسی سال مالیگاؤں سے مولانا عبدالقادر دیوبند پہنچے جو دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ وہ مولانا محفوظ الرحمٰن کو اپنے ساتھ مالیگاؤں لے آئے اور بیت العلوم میں بحیثیت مدرس تقرری ہوئی بعد میں شیخ الحدیث کے عہدے پر مقرر کئے گئے۔ مولانا تادم واپسیں اس عہدے پر قائم رہے۔

صلے: اب یہ حصہ ضلع سدھارتھ نگر یوپی میں شامل ہے۔

دارالعلوم دیوبند کی طالب علمی کے زمانے سے مولانا کی تحریری سرگرمیوں کا آغاز ہوتا ہے۔ ابتدا انہوں نے ۱۹۶۵ء میں مولانا عامر عثمانی کے رسالے تجلی سے کی۔ اس میں مولانا محفوظ الرحمٰن نے خالد غزنوی اور ابن فرید کے فرضی ناموں سے مضامین تحریر فرمائے۔ تجلی میں سارے مضامین علمی نوعیت کے تھے۔ بچوں کیلئے انہوں نے بعض قصے کہانیاں بھی رقم کیں جو مدینہ (بجنور) میں شائع ہوئیں۔ ان میں کلیلہ دمنہ کے کچھ ابواب کے تراجم بھی شامل ہیں۔

احمد آباد میں طلاق کے مسئلے پر ایک عظیم الشان کانفرنس کا انعقاد ہوا تھا۔ مالیگاؤں کی نمائندگی کے لئے مولانا محفوظ الرحمٰن کا انتخاب ہوا۔ وہاں پیش کردہ ان کا مقالہ تجلی کے علاوہ پاکستان میں بھی شائع ہوا۔ جنوری ۱۹۷۰ء میں انہوں نے رسالہ ''دارالعلوم'' (دیوبند) میں ایک گراں قدر علمی اور تحقیقی سلسلے کا آغاز فرمایا۔ اس کا عنوان تھا ''مولانا احمد رضا خان صاحب کے ترجمۂ قرآن کا تقابلی مطالعہ''علوم قرآنی کے تعلق سے مولانا کا یہ مضمون قسط وار مہینوں شائع ہوتا رہا۔ اگر انہیں شائع کیا جائے تو ایک مختصر لیکن علمی حیثیت سے بڑی کتاب تیار ہوسکتی ہے۔ مولانا عبدالماجد دریابادی پر تحریر کردہ ایک مضمون کے جواب میں انہوں نے ''شیشے سے نازک حساسیت'' کے عنوان سے ایک تنقیدی مضمون تحریر کیا جو مقامی ہفت روزہ ''سلسبیل'' میں شائع ہوا۔ ادبی تنقید وسوانح نگاری اگرچہ مولانا کا میدان نہیں تھا باوجود اس کے کبھی کسی شاعر یا مصنف کے فن اور شخصیت پر قلم اٹھاتے تو حق ادا کردیتے تھے۔ مولانا محمد اسحٰق'' کے تعلق سے ان کا ایک سوانحی مضمون ''مولانا محمد اسحٰق صاحب، ایک عظیم علمی محسن'' کے عنوان سے اجالوں کے سفیر میں شامل ہے۔ ص۱

مولانا محفوظ الرحمٰن زبردست خطیب ومقرر تھے۔ مختلف مساجد میں ان کی تقریریں سننے کے لئے لوگ بڑی تعداد میں جمع ہوتے تھے خصوصاً جمعہ کی تقریریں بے حد شوق سے سنی جاتی تھیں۔ مولانا جس طرح اپنی تحریروں میں علمی شان کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے اسی طرح خطابت میں بھی زبان کی بلند سطح سے نیچے آنا گوارا نہیں تھا۔ بولنے کھڑے ہوتے تو الفاظ کے گوہر لٹاتے، ان کے بہت سے مضامین جو انہوں نے مختلف پروگراموں میں پیش کئے بدقسمتی سے ضائع ہوگئے۔ لیکن وہ چیزیں ضرور دستیاب ہیں جو اشاعت کے مرحلوں سے گذریں۔ مولانا کوئی بھی تقریر فی البدیہہ نہیں کرتے تھے۔ اس کیلئے باقاعدہ مطالعہ اور تیاری کرتے تھے۔ اس لئے ان کی اکثر تقریریں تحریر سے کم درجہ کی نہیں ہوتی تھیں۔

ص۱ مولانا محفوظ الرحمن قاسمی: مولانا محمد اسحق صاحب ایک عظیم علمی محسن، اجالوں کے سفیر مالیگاؤں، ۱۹۹۲ء، ص ۲۶

مولانا کے تبحر علمی اور تخلیقی استعداد کے پیش نظر بجا طور پر توقع کی جاتی تھی کہ وہ مضمون نگاری کی بجائے کسی مستقل تصنیف کی طرف توجہ فرمائیں۔ لیکن کچھ تو صحت کی خرابی اور کچھ مصروفیات کے سبب وہ اس جانب توجہ نہ دے پائے۔ ان کی تقریروں کی اشاعت کا ایک سلسلہ شروع کیا گیا تھا۔ مگر تین کتابچوں سے آگے نہ بڑھ سکے۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱) نکاح ایک عبادت ہے:

۲۴ صفحات کا یہ مختصر رسالہ ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا۔ اس میں ان کی دو تقریریں شامل ہیں جو انہوں نے ۱۵ ر اپریل اور ۳۰ ر اپریل ۱۹۹۳ء کو رحمانی مسجد میں کی۔ ان میں مولانا نے نکاح کے مسائل بیان کرنے کے ساتھ ساتھ نکاح میں سادگی لانے کے لئے شہر کے سامنے چند تجاویز پیش کی ہیں۔

۲) نگار عالم:

یہ تقریر شہر کی معروف دینی درس گاہ برائے خواتین کلیۃ الطاہرات میں ۲۲ ر جنوری ۱۹۸۴ء کو کی گئی۔ رسالہ چالیس صفحات پر مشتمل ہے جو ۱۹۹۶ء میں نورانی پریس میں طبع ہو کر شائع ہوا۔ اس میں حضور پاک ﷺ کی سیرت مبارکہ کے مختلف پہلوؤں کے بیان کے ساتھ علم دین اور اس کی اشاعت کی اہمیت کو قرآن و حدیث اور تاریخ کے حوالوں سے اجاگر کیا گیا ہے۔

۳) خطبات محفوظ:

مولانا کے انتقال کے بعد ان کے فرزندان نے ان کی گیارہ تقاریر کا یہ مجموعہ مئی ۲۰۰۱ء میں شائع کروا کے محفوظ کر لیا ہے۔ مولانا عبدالاحد ازہری نے پیش لفظ تحریر فرمایا ہے۔

افسوس کہ شہر عزیز کے اس عظیم معلم، مقرر اور مصلح نے محض ۵۱ ر سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہہ دیا۔ جس کا دعویٰ ہمیشہ یہ رہا۔

شنیدم آنچہ از پاکان امت
ترا با شوخی رندانہ گفتم

❖❖❖❖❖

نشاط انور

پیدائش: ۲۹ر جون ۱۹۴۶ء

وفات: ۲ر فروری ۲۰۰۰ء بروز بدھ

نشاط انور کے والد بیرسٹر عبدالمجید سالک انصاری شہر کے پہلے بیرسٹر اور ممبئی ہائی کورٹ کے ایک نامور وکیل تھے۔ ادب وسیاست میں گہری دلچسپی تھی۔ نشاط انور مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۶۳ء میں ایس ایس سی پاس کیا۔ نویں دسویں جماعتوں سے ہی ادبی مطالعہ شروع کردیا تھا۔ ممبئی کی مشہور لائبریری عوامی ادارہ اور مالیگاؤں کی اردو لائبریری کے تقریباً تمام دواوین پڑھ ڈالے لیکن طبیعت میں موزونی پیدا نہ ہوسکی۔ جس کا خود انہیں بھی اعتراف ہے۔ انجمن نوجوان مصنفین مالیگاؤں کی ادبی نشستوں میں تماشائی کی حیثیت سے شرکت کرتے رہے۔

۱۹۷۰ء میں مکتبہ جامعہ ممبئی جانا شروع کیا۔ وہاں عموماً سنیچر کی شام میں باقر مہدی اور فضیل جعفری وغیرہ سے ملاقاتیں رہیں۔ حافظ علی بہادر خاں کے داماد تصدیق سیوہاروی کے پریس میں ادبی نشستیں منعقد ہوتی تھیں وہاں نشاط انور نے اپنی پہلی تخلیق ''روشنی، خاکے اور سراب'' نام کا افسانہ سنایا۔ اس میں سرریلسٹک امیجز ہیں اور افسانے میں مینٹل اسکرین کو پیش کیا گیا ہے۔ یہ مکمل جدید افسانہ ہے۔ نشاط انور سے قبل شہر کے کسی افسانہ نگار نے اس رنگ میں افسانہ نہیں لکھا۔ اس کے بعد انہوں نے ایک بیمار آدمی کی کہانی ''خیال، خواب، وقفے'' لکھی۔ جس میں ممبئی کے مشینی ماحول، تشنگی کا کرب اور مذہب سے دوری کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ یہ فسادات کے پس منظر میں لکھا گیا ہے۔ یہ دونوں افسانے ۱۹۷۳ء اور ۱۹۷۴ء میں شب خون (الہ آباد) میں شائع ہوئے۔ ایک اور افسانہ ''گلیارا، کالی سڑک اور آنکھوں میں بوئے تیر'' بھی اشاعت پذیر ہوچکا ہے ص۱۔ ان کے چند افسانے نوید نو اور نشانات، (مالیگاؤں) میں شائع ہوئے۔ ''امتیاز'' ایک جملے کا افسانہ ہے یہ الگ بات ہے کہ وہ جملہ بھی بارہ سطروں پر مشتمل ہے۔ ص۲

ص۱: اظہار، پہلی کتاب، اپریل ۱۹۷۵ء۔

ص۲: نشانات، مالیگاؤں، اکتوبر ۱۹۷۴ء۔

پھر نہ جانے کیا ہوا افسانہ نگاری سے طبیعت اچاٹ ہوگئی اور مشق سخن نثری نظموں کی طرف مڑ گئی۔ بعض انگریزی نظموں اور افسانوں کے ترجمے کیے جو شب خون، نشانات، الفاظ، جواز وغیرہ رسائل میں شائع ہوئے۔ انتقال کے وقت ان کے پاس چالیس پچاس نثری نظمیں موجود تھیں جو کہیں شائع نہیں ہوئی تھیں۔ وہ خیالات کی رو کی شاعری کرتے تھے۔ خیالات جدھر جانا چاہتے تھے، جانے دیتے تھے۔ وہ نظموں میں بھی کہانیاں ہی بیان کرتے۔ نظم لکھنے کے بعد بہت زیادہ تبدیلیاں کرتے تھے۔ خیالات کی رو کی شاعری عموماً گنجلک اور ناقابلِ فہم ہوتی ہے۔ نشاط اس میں تبدیلی کرتے کرتے ایک واضح شکل عطا کر دیتے تھے۔

نشاط کا جدید وروایتی ادب کا مطالعہ خوب تھا۔ انہوں نے بیانیہ کہانی ایک بھی نہیں لکھی۔ جدید افسانوں سے ہی شروعات کی۔ اس سمت قدم بڑھانے والے شہر کے وہ اولین قلم کار تھے۔ اگر مستقل لکھتے رہتے تو جدید افسانہ نگاروں کی پہلی صف میں ہوتے۔ بدقسمتی سے افسانوی سفر ادھورا چھوڑ کر وہ نثری نظموں کی وادیوں کی طرف چل پڑے۔ حالت یہ ہوئی کہ وہ نہ افسانے کے رہے نہ نظموں کے۔ گھریلو اور ذاتی حالات کے سبب لکھنا بالکل بند کر دیا تھا جس کے سبب اردو ادب ایک ابھرتے ہوئے جدید افسانہ نگار سے محروم ہوگیا۔ لیکن پھر شہر کے لئے یہ ماتم کچھ نیا بھی نہیں۔

غلام محمد زیدی

پیدائش: ۳؍دسمبر ۱۹۴۷ء

پورا نام غلام محمد ابن حاجی غلام رسول ہے۔ ان کے والد مشہور خطاط اور کاتب تھے۔ جنہیں ''حسن رقم'' کا خطاب دیا گیا تھا۔ غلام محمد نے ایس ایس سی تک تعلیم پائی۔ پہلے ریسٹورنٹ کے ذریعے روزی کا بندوبست کیا اس کے بعد پاورلوم کے کاروبار سے وابستہ ہوئے۔ آج کل آفسیٹ پریس مینوفیکچر کر رہے ہیں۔

انہیں بچپن ہی سے کہانیاں پڑھنے کا بے حد شوق تھا۔ آزاد لائبریری کے نام سے اپنے گھر میں ہی ایک لائبریری قائم کر رکھی تھی۔ مطالعے کے دوران انہیں سراج انور، کرشن چندر اور رام لعل نے بے حد متاثر کیا۔ بچوں کی کتابیں پڑھتے پڑھتے لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ ''زندہ لاش'' کے نام سے بچوں کی ایک کہانی لکھ کر خود ہی شائع کروائی۔ ابتدائی کتاب ہونے کی وجہ سے زبان و بیان کی کافی غلطیاں ہیں۔ جن کی طرف عصمت چغتائی نے اشارہ کیا ہے ص۱۔ بچوں کے لئے ایک ماہنامہ ''بچوں کا ساتھی'' جاری کیا جس میں ان کے علاوہ دیگر مقامی فنکاروں کی تخلیقات بھی شائع ہوتی تھیں۔ ادیب مالیگانوی کے شوکت پریس میں چھپتا تھا۔ ان کی حوصلہ افزائی بھی شامل رہتی تھی۔ بارہ شماروں کے بعد بند ہوگیا۔

کچھ دنوں کے بعد بچوں کی کہانیاں لکھنے والا یہ قلم کار افسانہ نگاری اور ناول نگاری کی طرف مائل ہوگیا۔ ان کی کہانیاں کھلونا (دہلی)، اور بچوں کا باغ (مدراس) میں اور افسانے شاعر (ممبئی)، بیسویں صدی (دہلی)، اور رگ سنگ (کانپور) میں شائع ہوئے۔ شوق افسانہ نگاری انجمن نوجوان مصنفین

ص۱: عصمت چغتائی، کچھ تاثرات، زینت، غلام محمد زیدی، مالیگاؤں، دسمبر ۱۹۶۷
عصمت چغتائی لکھتی ہیں "عزیزی میاں زیدی! تمہاری کتاب زندہ لاش ملی۔ ابھی تمہاری زبان بہت کچی ہے اور بہت غلطیاں کرتے ہو.......اپنے گرد نظر دوڑاؤ اور حقیقت کو کہانی کا روپ دے کر لکھو تو تم واقعی کسی دن اچھا لکھنے لگوگے۔"

کی تنقیدی نشستوں میں کھینچ لے گیا۔ لیکن تنقید سے بددل ہو گئے۔ نشستوں میں شرکت ترک کر دی مگر لکھنا نہیں چھوڑا بلکہ ان میں مزاحیہ تحریروں کا اضافہ بھی ہو گیا جو شگوفہ (حیدرآباد) میں شائع ہوئیں۔

غلام محمد زیدی کے افسانوں کا ایک مجموعہ اور دو ناول منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔

۱) منزل:

سوا سو صفحات پر مشتمل یہ ناول دسمبر ۱۹۶۷ء میں مالیگاؤں سے شائع ہوا۔ پیش لفظ کرشن چندر نے لکھا ہے۔ مصنف کا تعارف سراج انور نے پیش کیا ہے۔ کرشن چندر نے اس نو مشق ناول نگار کی پوری حوصلہ افزائی کی۔ لکھتے ہیں:

> ناول منزل کے کردار زندہ کرداروں سے ملتے جلتے ہیں۔ وہ واقعات جو حقیقی زندگی میں رونما ہوتے ہیں ناول میں پیش کئے گئے ہیں۔ زیدی کے انداز تحریر میں جان ہے اور مجھے اس میں ایک اچھا ادیب بننے کی صلاحیتیں مضمر نظر آتی ہیں۔ مجھے یقین ہے یہ ناول کافی مقبول ہوگا۔" صلہ

سراج انور نے تعارف میں لکھا ہے:

> "پلاٹ کا اچھوتا پن اور دلکش طرز تحریر ان دونوں نے مل کر منزل کو ایک خاصے کی چیز بنادیا ہے۔" صلہ

۲) زینت:

یہ ناول بھی "منزل" کے ساتھ ہی شائع ہوا۔ گذشتہ تحریروں کے مقابلے میں زبان کافی صاف ہے۔ غالباً انہوں نے عصمت چغتائی کی نصیحت قبول کر لی تھی۔

صلہ: پیش لفظ، کرشن چندر، منزل، غلام محمد زیدی، مالیگاؤں، ۱۹۶۷ء، ص ۳

صلہ: تقریظ سراج انور، منزل، غلام محمد زیدی، مالیگاؤں، ۱۹۶۷ء، ص ۷

۳)قوس قزح:

زیدی کے سات افسانوں کا مجموعہ ہے جو اکتوبر ۱۹۷۳ء میں شائع ہوا۔

مندرجہ بالا تینوں کتابوں میں غلام محمد زیدی کا رومانی مزاج صاف جھلکتا ہے۔ان کے ناولوں میں وہی ہلکی ہلکی سی کسک اور میٹھی میٹھی سی جلن پائی جاتی ہے جو رومانی ناولوں کا طرۂ امتیاز ہے۔محبت کے پاکیزہ اظہار کے ساتھ ہلکا سا مزاح ناولوں کے بعض حصوں میں زندگی کی لہر دوڑا دیتا ہے۔ چونکہ وہ کرشن چندر اور سراج انور سے کافی متاثر ہیں اس لئے افسانے ہوں یا ناول، مہماتی اور رومانی عناصر کا آمیزہ بن کر سامنے آتے ہیں۔

وہ ایک اچھے مصور بھی ہیں۔ان کے بڑے بھائی غلام صابر صدیقی بھی آرٹسٹ ہیں۔۱۹۸۵ء کے بعد کاروباری پریشانیو ں کے سبب لکھنا پڑھنا ترک کردیا۔لیکن ان کی ''افسانوی صلاحیت'' ان کی با صلاحیت بیٹیوں میں در آئی ہے۔ ہما ناہید اور لبنیٰ زیدی دونوں کا قلم افسانہ اور ناول نگاری میں کافی تیز ہے۔

شبیر احمد ہاشمی

پیدائش: یکم جون ۱۹۴۸ء

شبیر احمد ہاشمی باغبان برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔ والد کا نام فقیر ظہور پر محمد ہے۔ مقامی طور پر اس برادری میں اس صلاحیت کا دوسرا فنکار نظر نہیں آتا۔ شاید ان کی کاروباری مصروفیات اس طرف توجہ دینے کی فرصت نہیں دیتیں لیکن شبیر ہاشمی صرف برادری سے نسبت رکھتے ہیں، اسکے کاروبار سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ وہ ایک مدرس ہیں اور ۱۹۷۲ء سے اس پیشے سے منسلک ہیں۔ تعلیمی لیاقت ایس ایس سی ڈی ایڈ ہے۔ آج کل پاورلوم کا کاروبار بھی کر رہے ہیں۔

شبیر ہاشمی کو اسکول کی تعلیم کے دوران جاسوسی کتب کے مطالعے کا بڑا شوق تھا۔ لیکن بہت جلد وہ ادبی وشعری کتابوں کی طرف مائل ہوگئے۔ اس زمانے میں ان کی کہانی ''ایک ناقابل فراموش واقعہ'' کے عنوان سے انقلاب میں شائع ہوئی۔ جس میں سفر کی پریشانیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ۶۷۔۱۹۶۶ء میں بچوں کیلئے بیسیوں کہانیاں لکھیں۔ ۱۹۶۸ء سے افسانہ نگاری کی شروعات ہوئی۔ پہلا افسانہ ''اجالے کی کرن'' اردو ٹائمز میں شائع ہوا۔ اس کے بعد مختلف ادبی رسالوں میں مثلاً نشانات، ہم زباں، الفاظ اور شاعر وغیرہ میں کئی افسانے شائع ہوئے۔ ان میں قابل ذکر گرداب، اندھیرے کا سفر، بازیافت، نسل کا نوحہ، بجھتی بینائی، آئینے بانٹنے والا، ہیں۔ ان کے علاوہ مقامی اخبارات ورسائل میں بھی افسانے اشاعت پذیر ہوتے رہے۔

مالیگاؤں سے ۱۹۷۱ء میں ایک ادبی رسالہ ''نوید نو'' کے نام سے جاری ہوا۔ اس رسالہ کی ترتیب وتزئین میں شبیر ہاشمی بڑی محنت کرتے تھے۔ بارہ شماروں کے بعد بند ہوگیا۔ اس کے بعد انہوں نے ''ہم زباں'' کی ترتیب میں تعاون دیا۔ روزنامہ آواز مالیگاؤں کے ادبی صفحے کی ادارت کی ذمہ داری نبھائی۔ ۱۹۶۵ء سے ۱۹۸۰ء تک انہوں نے ادبی وشعری پروگراموں کی خوب خوب نظامت کی۔

حافظہ اور مطالعہ دونوں اچھا ہے۔ بے شمار اشعار حافظہ میں محفوظ ہیں۔ اس لئے نظامت میں چار چاند لگا دیتے ہیں۔ مامن ایجوکیشن سوسائٹی اور انجمن معیار ادب کے فعال رکن ہیں۔

انہوں نے کم وبیش پینتیس افسانے لکھے ہیں۔ یعنی اپنی نثری فعالیت کے دور میں ہر سال ایک افسانہ۔ ۱۹۹۵ء میں انہوں نے اپنا آخری افسانہ ''گم ہوتی پہچان'' مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکیڈمی کے پروگرام میں سنایا جو بعد میں انقلاب میں شائع ہوا۔ اس کے بعد افسانہ نگاری ہی نہیں ادب کی دنیا سے بھی گم ہو گئے۔ غالباً ''الفاظ'' پر ''سکے'' غالب آ گئے۔

شبیر احمد ہاشمی کے آخری دور کے افسانے نئے افسانے ہیں۔ جس میں انہوں نے افسانے کی نئی تیکنک کا استعمال کیا ہے۔ ان کی جدت کی جڑیں روایت میں پیوست ہیں اور بے معنویت سے کوسوں دور۔ علامتی افسانے بھی لکھے لیکن علامتوں کو ''چیستاں'' نہیں بنایا۔ شبیر ہاشمی کی شکل میں شہر کو ایک کامیاب افسانہ نگار ملا تھا۔ مستقبل ایک جدید افسانہ نگار کے انتظار میں تھا۔ شہر نے ان سے بڑی توقعات باندھ رکھی تھیں۔ دنیا جانتی ہے کہ پینتیس برسوں میں پینتیس افسانے تخلیق کرنے والا فنکار پہلے بھی سست رو تھا لیکن امید باقی تھی۔ اب ان کی کنارہ کشی نے سب کی امیدوں پر پانی پھیر دیا ہے۔

عقیل احمد انصاری

پیدائش: یکم جون ۱۹۴۸ء

پورا نام عقیل احمد ابن سراج احمد ہے۔ ان کے والد پاورلوم کے میکنک تھے۔ عقیل احمد کی پیدائش مالیگاؤں میں ہوئی۔ ۱۹۶۷ء میں مالیگاؤں ہائی اسکول سے ایس ایس سی کرنے کے بعد انہوں نے امتحانات کی کئی منزلیں سر کی ہیں۔ ۱۹۷۲ء میں اردو سے بی اے کیا۔ دوبار ایم اے کیا۔ پہلی بار ۱۹۷۶ء میں سیاسیات سے دوسری بار ۱۹۷۸ء میں اردو سے۔ ڈی ایڈ اور بی ایڈ دونوں کی اسناد ان کے پاس ہیں۔ مہاراشٹر راشٹر بھاشا سبھا، پونہ سے ہندی میں ''پنڈت'' کی ڈگری حاصل کی جو گریجویشن کے برابر ہے۔ ۱۹۸۳ء میں ہومیو پیتھی طریقۂ علاج کا ڈپلومہ D.E.M.S حاصل کیا۔ ۱۵ر جولائی ۱۹۷۱ء سے پرائمری اسکول میں مدرسی کررہے ہیں۔

عقیل احمد انصاری نے اپنے لئے صرف ایک میدان چنا۔ بچوں کے لئے چھوٹی چھوٹی سبق آموز کہانیاں لکھنا۔ ان کی سب سے پہلی کہانی ۱۹۶۷ء میں اردو ٹائمز میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد ان کی مختصر کہانیوں کی اشاعت کا ایک طویل سلسلہ ہے جو بنگلور سے دہلی تک پھیلا ہوا ہے۔ ان کی کہانیاں، ثانی، غنچہ، نور، باغ و بہار، کھلونا، پیام تعلیم وغیرہ بیرونی رسائل کے ساتھ ساتھ مقامی طور پر بچوں کا ساتھی، ہیرا، گلاب کی مہک، اردو کومک، خیر اندیش اور بزم اطفال میں شائع ہو چکی ہیں۔ کہانیوں کے ساتھ ساتھ وہ بچوں کے لئے معلوماتی مضامین بھی باقاعدگی کے ساتھ تحریر کرتے رہے۔ گذشتہ تیس برسوں میں ان کی تحریر کردہ کہانیوں اور مضامین کی تعداد دوسو کے قریب پہنچتی ہے۔ ادب اطفال میں ان کی خدمات نے انہیں ایک نمایاں مقام عطا کیا ہے۔

تخلیقی سرگرمیوں کے علاوہ موصوف نے ہندی اور مراٹھی ڈراموں اور کہانیوں کے ترجمے بھی کئے ہیں جو ان کے پاس محفوظ ہیں۔ ان کا ارادہ جلد ہی انہیں شائع کروانے کا ہے۔ ہومیو پیتھی

طریقۂ علاج پر ایک کتاب بھی لکھ رکھی ہے۔ جس کی اشاعت بھی زیرِ غور ہے۔ عقیل احمد انصاری نے بچوں کے لئے چند چھوٹی چھوٹی مفید کتابیں بھی شائع کی ہیں جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

۱) گلدستہ:

آٹھ مختصر کہانیوں کا یہ مجموعہ پہلی بار ۱۹۶۷ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ اس کے بعد ۱۹۷۱ء اور ۱۹۷۸ء میں مزید دو ایڈیشن شائع ہوئے۔

۲) ملزم:

یہ ایک مختصر سی جاسوسی کہانی ہے جو ۱۹۶۸ء میں شائع ہوئی۔

۳) رہنمائے اردو:

پرائمری اسکولوں کے طلبہ و طالبات کے لئے تحریر کردہ اردو گرامر کی یہ کتاب ۱۹۸۰ء میں شائع ہوئی۔ اسی سال اس کا دوسرا ایڈیشن بھی طبع ہوا۔ ۱۹۸۸ء میں تیسرا ایڈیشن منظرِ عام پر آیا۔

٤) انگریزی گرامر:

انگریزی کی یہ کتاب بھی بچوں کے لئے نہایت مفید ہے۔

موصوف کی آخری کہانی ۱۹۹۵ء میں ہفت روزہ خیر اندیش میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد خانگی مسائل کی کثرت کے سبب خود ان کی زندگی ایک کہانی بنتی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ تخلیقی سرگرمیاں ٹھپ سی ہو کر رہ گئی ہیں۔

خیالؔ انصاری

پیدائش: یکم جون ۱۹۴۹ء

اصل نام نور الھدیٰ والد کا نام محمد شعبان، قلمی نام خیال انصاری ہے۔ پیدائش مالیگاؤں کی ہے۔ گیارہویں (میٹرک) کا امتحان ۱۹۶۴ء میں پاس کیا۔ خاندان میں پارچہ بافی کا کاروبار اچھا تھا اسلئے آگے تعلیم جاری رکھنے کی بجائے کاروبار کو ترجیح دی۔ لیکن مطالعہ میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ آج بھی اسی صنعت سے وابستہ ہیں۔

خیالؔ انصاری مقامی ادبی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ مقامی انجمن ترقی اردو کے جنرل سکریٹری ہیں۔ مرحوم ادیب مالیگانوی کی ادبی بزم "قصرالادب" کے نائب صدر کی حیثیت سے ذمہ داریاں نبھا چکے ہیں۔ وہ ایک اچھے صحافی بھی ہیں۔ ہفت روزہ سٹی زن ٹائمز (مالیگاؤں) کے نائب مدیر کی حیثیت سے کام بھی کر چکے ہیں۔ فی الحال "ناسک ضلع اردو پترکار سنگھ مالیگاؤں" کے سکریٹری ہیں۔

خیال انصاری اسکول کے زمانے سے ہی ادبی سرگرمیوں سے وابستہ ہو گئے تھے۔ تخلیقی سرگرمیوں کا آغاز ۱۹۶۰ء میں ہوا۔ ان کے مختصر مضامین مختلف اخبارات کے بچوں کے صفحات میں شائع ہونے لگے۔ ان اخبارات میں اردو ٹائمز، انقلاب، ہندوستان، آج، آشکار اور اردو رپورٹر (ممبئی) شامل ہیں۔ ابتدا میں ان کا غالب رجحان بچوں کی کہانیوں اور نظموں کی طرف رہا۔ لیکن ساتھ ساتھ افسانہ نگاری کے میدان میں بھی قلم کے جوہر دکھاتے رہے۔ ان کے افسانے شمع (دہلی) اور دیگر رسائل کی زینت بنے۔ کلیاں (لکھنؤ) اور کھلونا (دہلی) میں بھی ان کی کافی تخلیقات شائع ہو چکی ہیں۔ شاعری میں ان کا میلان طبع جدت کی طرف رہا۔ حضرت ادیبؔ مالیگانوی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ جدید رنگ و آہنگ لئے ہوئے ان کی بعض غزلیں اور نظمیں ماہنامہ شاعر ممبئی میں بھی شائع ہو چکی ہیں۔

۱۹۶۲ء میں یعنی اپنی عمر کے تیرہویں سال میں ''بزم شارب'' کے نام سے ایک ادبی بزم قائم کی جس کے تحت باقاعدہ ادبی اور تنقیدی نشستیں منعقد ہوتی تھیں۔ لیکن خیال انصاری صاحب کا سب سے اہم کارنامہ ''خیر اندیش'' کا اجراء ہے۔ بچوں کا یہ ہفت روزہ انہوں نے ۱۹۸۷ء میں جاری کیا جو بلا ناغہ گذشتہ ۱۴ رسال سے جاری ہے۔ چار صفحات کے اس اخبار میں بچوں کی کہانیاں، نظمیں، مضامین پہیلیاں، لطائف، انعامی مقابلے، غرض بچوں کے لئے پوری کائنات سموئی ہوئی ہوتی ہے۔ اخبار مہاراشٹر میں نہایت مقبول ہے۔ دور دراز کے اردو خواں بچے اور بچیاں اس کا مطالعہ بڑے ذوق وشوق سے کرتے ہیں۔ اخبار ان کے کردار اور زبان وبیان کی اصلاح کے لئے بہت مفید ہے۔ مشہور صحافی ساجد رشید نے بھی بچوں کے ادب کی خدمت کے لئے خیال انصاری کی تعریف کی ہے۔ ۲۲ رمئی ۱۹۹۸ء کو مالیگاؤں میں مہاراشٹرا اسٹیٹ اردو اکیڈمی کے زیر اہتمام ادب اطفال پر سہ روزہ سیمینار منعقد ہوا تھا۔ جس میں خیال انصاری نے ''مالیگاؤں میں ادب اطفال'' کے عنوان سے ایک پر مغز اور معلوماتی مقالہ سنایا۔ اسی پروگرام میں انہیں ادب اطفال کی خدمت کے لئے تمغہ سے نوازا گیا۔ مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکیڈمی کی جانب سے انہیں صحافت کا ایوارڈ جناب شنکر دیال شرما (سابق صدر جمہوریہ ہند) کے ہاتھوں دیا گیا۔ اب شاعری اور افسانہ نگاری پر ان کی توجہ کم ہوگئی ہے۔ لگتا ہے انہوں نے خود کو بچوں کے ادب کیلئے وقف کردیا ہے۔

کچھ عرصہ پہلے انہوں نے ''آواز جمہور'' کے نام سے ایک اور ہفت روزہ کی داغ بیل ڈالی۔ مگر یہ بیل زیادہ دنوں تک منڈھے نہ چڑھ سکی۔

اجالوں کا کرب:

۱۹۸۳ء میں ۱۲۸ رصفحات اور ۱۰ ار افسانوں پر مشتمل ایک افسانوی مجموعہ ''اجالوں کا کرب'' منظر عام پر آچکا ہے۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں انسانی فطرت کے مختلف پہلوؤں کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے افسانوں کا انسان ایک طرف نیک، مخلص اور ہمدرد ہے تو دوسری طرف حریص، عیار، مکار، مفاد پرست اور بھیڑیا۔ لیکن ان کی ہر کہانی پڑھنے کے بعد محسوس ہوتا ہے گویا خیال انصاری قاری سے اعتراف کروانا چاہتے ہیں کہ ''ابھی انسان زندہ ہے''۔ کہیں کہیں وعظ ونصیحت سے کام لینے لگتے ہیں۔ ممکن ہے کہ کچھ لوگ اس کو پسند نہ کریں مگر زندگی کے بہت سے پہلوؤں کی طرح یہ بھی ایک پہلو ہے جس سے مفر ممکن نہیں۔

خیال انصاری نے اپنے افسانوں میں انسانی زندگی کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ علامتیت اور جدیدیت کی بھول بھلیوں میں ان کا فن گم نہیں ہو جاتا اور نہ کہانی پن کو ٹھیس پہنچتی ہے۔

بقول ڈاکٹر اشفاق انجم:

"اجالوں کا کرب، ایک حساس فنکار کے دکھوں کا عکاس اور سماج و معاشرے کے درد و کرب کا مظہر بھی ہے اور اسی میں خیال انصاری کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔" صلہ

اس مجموعے کے آخر میں ایک نئے افسانوی مجموعہ "صلیبوں کا سفر" کا اعلان شائع ہوا ہے جو اب تک منظر عام پر نہیں آسکا۔

صلہ: ڈاکٹر اشفاق انجم، سرورق، اجالوں کا کرب، خیال انصاری، مالیگاؤں ۱۹۸۳ء

مجید انور

پیدائش: یکم جون ۱۹۵۲ء

عبدالمجید ابن نور محمد، مالیگاؤں میں ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد مزدوری کرتے تھے۔ مجید انور نے مالیگاؤں ہائی اسکول میں نویں جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ لیکن خاندان بڑا ہونے کی وجہ سے کفالت میں ہاتھ بٹانا ضروری ہوگیا اسلئے تعلیم ترک کردی۔

اسکول کے زمانے سے ہی مطالعہ کی عادت پڑ چکی تھی جو ترک تعلیم کے بعد بھی جاری رہا۔ شاعری سے بالکل دلچسپی نہ تھی۔ لیکن نثری اصناف کی کتابیں خوب پڑھیں۔ سفر ناموں، افسانوں اور ناولوں کے مطالعے میں خصوصی دلچسپی رہی۔ افسانہ نگار سجاد عزیز کی حوصلہ افزائی ہر قدم پر ساتھ دیتی رہی۔ طالب علمی کے زمانے سے لکھنے کا شوق تھا انہوں نے اسکول کے نقشِ دیوار (وال پیپر) کیلئے، جسے سجاد عزیز ترتیب دیتے تھے ہندو مسلم ایکتا کے موضوع پر اپنا پہلا افسانہ ''برف کے محل'' تحریر کیا۔

اسکول ترک کرنے کے بعد مجید انور بھی والد کی طرح پاور لوم پر بحیثیت مزدور کام کرنے لگے۔ اس دوران انہیں ''روزنامچہ'' لکھنے کا شوق ہوا۔ اسی کے ذریعے نثر کے لئے راستہ ہموار ہوتا گیا۔ پہلا افسانہ ''اندھیری رات کا خواب'' ۱۹۷۲ء میں شائع ہوا[۱]۔ مرحوم احمد نسیم مینا نگری کے ہفتہ وار ثبات کا ادبی صفحہ سجاد عزیز ترتیب دیتے تھے۔ اس میں ان کے کئی افسانے شائع ہوئے۔ مالیگاؤں سے شائع ہونے والے ادبی رسالے، نوید نو، جلیس، نشانات، جواز وغیرہ میں مجید انور کے افسانے مسلسل اشاعت پذیر ہوتے رہے۔ مقامی ہفتہ وار بیباک کا ادبی صفحہ بھی ان کی تخلیقات سے مزین ہوتا رہا۔ ۱۹۷۶ء آتے آتے موصوف کے افسانے ملک کے مقتدر ادبی رسالوں میں شائع ہونے لگے۔ ان میں الفاظ (علی گڑھ)، سطور (دہلی)، سیپ (کراچی) اور آج کل (دہلی) قابل ذکر ہیں۔ اب تک انہوں نے تیس سے پینتیس

---

[۱]: مجید انور، اندھیری رات کا خواب، سہ ماہی نوید نو، مالیگاؤں، مئی تا جولائی ۱۹۷۲ء، ص ۳۴

افسانے لکھے ہیں جو کسی نہ کسی ادبی رسالے میں شائع ہو چکے ہیں۔ مزاح نگاری سے انہیں کوئی علاقہ نہیں ہے لیکن ایک بار شاید منہ کا مزہ بدلنے کے لئے ایک مزاحیہ مضمون بھی سرزد ہو گیا۔ جس کا عنوان ہے ''نقش فریادی ہے''۔ صد

مجید انور ابھی آسمانِ افسانہ نگاری پر پوری طرح چھائے بھی نہیں تھے کہ ۱۹۹۰ء میں ان کے اندر ایک انقلابی تبدیلی آئی۔ انہیں احساس ہوا کہ بچوں کا ادب بہت کمزور ہے۔ بچوں کے لئے محض روایتی قسم کی کہانیاں لکھی جارہی ہیں۔ نئے زمانے میں ہزاروں سال پرانی کہانیاں سنا کر بچوں میں کوئی تبدیلی لائی جا سکتی ہے اور نہ نئے زمانے کے طور طریقوں سے انہیں روشناس کرایا جا سکتا ہے۔ اس احساس کے بیدار ہوتے ہی انہوں نے افسانہ نگاری ترک کر کے بچوں کے لئے نثری ادب تخلیق کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔ ارادہ اور منصوبہ یہ تھا کہ ہر ماہ ایک کتاب منظر عام پر لائی جائے۔ اس سلسلے کی پہلی کوشش ''چڑیوں کا شہر'' ہے۔ بدقسمتی سے ان کا منصوبہ تشنۂ تکمیل رہا۔ انہوں نے کہانیاں اگرچہ لکھ رکھی ہیں لیکن طباعت کا کام اپنے ارادے کے مطابق نہ کر سکے۔ اس وقت تک ان کی چار کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ ایک افسانوی ادب سے متعلق ہے اور تین ادب اطفال سے۔

۱) سرخ رومال والے :

دس افسانوں کا یہ مجموعہ نومبر ۱۹۹۲ء میں مالیگاؤں سے شائع ہوا۔ اس میں ''افق اور عمود'' نام کا وہ افسانہ بھی شامل ہے جو انہوں نے دہلی اردو اکیڈمی کے زیر اہتمام منعقدہ عالمی کہانیوں کے سیمینار (۱۹۸۵ء) میں پیش کیا تھا۔

مجید انور کے افسانوں پر طائرانہ نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا سفر روایت کی کورانہ تقلید سے شروع نہیں ہوا بلکہ ابتدائی افسانوں میں ہی تازہ کاری کا احساس ہوتا ہے۔ وہ نئی کہانی کے قدم سے قدم ملا کر چلتے رہے۔ نئی تکنیک، لفظیات، موضوعات اور پیشکش، ان کے یہاں تقلیدی نہیں بلکہ تخلیقی ہیں۔ انہوں نے علامتی افسانے بھی لکھے لیکن کہانیت پر آنچ نہ آنے دی۔ اس تناظر میں وہ اپنے فن میں کامیاب ہیں۔

صد: مجید انور، نقش فریادی ہے (طنز و مزاح)، نشانات، مالیگاؤں، ستمبر اکتوبر ۱۹۷۵ء، ص ۵۷

۲)چڑیوں کا شہر:

نومبر۱۹۹۵ء میں شائع شدہ پاکٹ سائز کی اس چھوٹی سی کتاب میں بچوں کے لئے پانچ کہانیاں شامل ہیں۔ چونکہ یہ کہانیاں نسبتاً طویل ہیں۔اس لئے انہوں نے کسی رسالہ اطفال میں اشاعت کے لئے بھیجنے کی بجائے خود شائع کرنے کا فیصلہ کیا۔اس کتاب میں مافوق الفطرت عناصر مثلاً جادو منتر، بادشاہ، شہزادے، پری، جنات، دیو وغیرہ کے کرداروں پر کوئی کہانی نہیں ہے۔بلکہ سائنس، سراغ رسانی اور بہادری کے کارناموں سے پر ہے۔

۳) پاگل ھاتھی:

کہکشاں سیریز (۱) کے تحت بچوں کے لئے تحریر کردہ یہ کتاب مئی ۲۰۰۱ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔

٤)سانپوں کا کنواں:

کہکشاں سیریز (۲) کے تحت اشاعت پذیر ہو چکی ہے۔

اب یہ لگتا ہے کہ مجید انور ہر ماہ ایک کتاب کی اشاعت میں کامیاب ہوں گے۔مجید انور زبان و بیان کے تخلیقی استعمال سے واقف ہیں اس لئے بچوں کے ادب کی دنیا میں ان کا استقبال اور پذیرائی یقینی ہے۔

نخشب مسعود

پیدائش: یکم جون ۱۹۵۲ء

نخشب مسعود کے والد کا نام عبدالسمیع ہے۔ درس و تدریس کے پیشے سے وابستہ تھے۔ شاعری بھی کرتے تھے۔ نازش تخلص تھا۔ نخشب نے ۱۹۷۰ء میں مالیگاؤں ہائی اسکول سے ایس ایس سی پاس کیا۔ پھر ڈی ایڈ کرنے کے بعد ۱۹۷۲ء میں پیشۂ معلمی سے وابستہ ہوئے۔ بعد ازاں ۱۹۷۵ء میں جامعہ اردو علی گڑھ سے ادیب کامل کا امتحان پاس کیا۔

ساتویں جماعت میں نخشب کے استاد ماسٹر محمد الیاس عبدالشکور شعراء کو اسکول میں مدعو کرکے طلبہ سے ملاقات کرواتے تھے۔ اس سے ایک قسم کے ادبی ماحول کی تشکیل ہوتی تھی۔ نخشب میں بھی اسی ماحول کے زیر اثر لکھنے پڑھنے کا شوق پیدا ہوا۔ مسعود احمد آرزو کے نام سے شاعری بھی شروع کردی لیکن اس راستے پر زیادہ دور تک نہ چل سکے۔ انہوں نے بچوں کے لئے کہانیاں لکھنا شروع کردیں۔ پہلی کہانی آٹھویں جماعت میں لکھی جو رسالہ شریر (ممبئی) میں شائع ہوئی۔ کلیاں اور نافہ (لکھنؤ) میں بھی ان کی کہانیاں شائع ہوئیں۔ افسانہ نگاری کی شروعات ہائی اسکول کی طالب علمی کے زمانے سے ہی ہوچکی تھی۔ یہ افسانے مقامی اخبارات کے علاوہ اردو ٹائمز کے ادبی صفحہ ''لوح وقلم'' میں بھی شائع ہوتے رہے۔ ۱۹۷۰ء کے بعد افسانہ نگاری میں تیزی پیدا ہوئی۔ اس زمانے میں ان کے افسانے نوید نو (مالیگاؤں) تحریک (دہلی)، آہنگ (گیا)، برگ آوارہ (حیدرآباد)، پیکر (حیدرآباد) اور رگ سنگ (کانپور) میں شائع ہوئے۔ ثبات (مالیگاؤں) کے ادبی صفحہ ''نشانات'' میں بھی چند ایک افسانے شائع ہوئے۔ نشانات اور ہم زبان (مالیگاؤں) میں شعری اور نثری مجموعوں پر تبصرے اشاعت پذیر ہوئے۔

''ہماری لوک کہانیاں'' کے نام سے دنیا بھر کی کہانیوں کا مجموعہ پیش کیا۔ اسے مہاراشٹرا اسٹیٹ اردو اکیڈمی سے انعام بھی ملا لیکن شکایات کی بنیاد پر رد کردیا گیا۔

ہماری لوک کہانیاں:

یہ کتاب اگست ۱۹۷۸ء میں شائع ہوئی۔ اس میں ۳۸ منتخبہ لوک کہانیوں کو شامل کیا گیا ہے۔ یہ کہانیاں ان کی اپنی تخلیق نہیں لیکن اس حقیقت کا واضح اظہار نہ ہونے کی وجہ سے کتاب زبردست تنازعہ کا سبب بن گئی۔ یہ تمام کہانیاں مختلف رسالوں سے ڈائجسٹ کی گئی ہیں۔ ان کہانیوں کے مطالعے سے آج کی مٹتی ہوئی دنیا کے ماضی کی تہذیبی وتمدنی قدروں اور فطری جذبوں کے اندر ڈوبی ہوئی تلخ وشیریں سوچوں کا ادراک ایک نظر میں ہو جاتا ہے۔

مخشب مسعود نے افسانوں میں روایت سے بغاوت کی ہے۔ ان میں فکر اور اسلوب کی جدت ہے اور زبان و بیان میں تازہ کاری کا احساس ہوتا ہے۔ علامتی اظہار بہت پسند ہے۔ وہ اگرچہ افسانہ نگاری میں مقصدیت کے قائل ہیں لیکن افسانوں کو کسی نتیجے تک لے جانا پسند نہیں کرتے اور فیصلہ قاری پر چھوڑ دیتے ہیں۔ آج کل ہومیو پیتھی طریقۂ علاج پر طبی مضامین لکھ رہے ہیں۔

دورِ سوّم پر تبصرہ

(۱۹۶۱ء تا ۱۹۸۰ء)

تیسرا دور مالیگاؤں میں نثر نگاری کا موسمِ بہار کہلانے کا مستحق ہے۔ دوسرے دور کے اساتذہ نے جن نوجوانوں کی تربیت کی تھی انہوں نے اسی زمانے میں پر پرزے نکالے اور ایسی شاندار نثری خدمات انجام دیں کہ مالیگاؤں کا نام دور دور تک چمک اٹھا۔ ہر دور کی طرح اس دور میں بھی بعض عوامل نے نثر کے فروغ اور نثر نگاروں کی حوصلہ افزائی اور تربیت میں نمایاں رول ادا کیا۔ ان کا جائزہ لیے بغیر اس دور پر منصفانہ تبصرہ نہیں کیا جاسکتا۔

۱) ادبی انجمنیں:

زیرِ بحث دور میں چار ایسی ادبی انجمنیں قائم ہوئیں جن کی کارگزاریوں نے نثر پر گہرا اثر چھوڑا۔ جماعت اسلامی کے زیر اثر ادارۂ ادب اسلامی کا قیام ۱۹۵۰ء عمل میں آچکا تھا۔ اس کی ادبی نشستوں کا باقاعدہ انعقاد بھی شروع ہو چکا تھا۔ لیکن اس کی سرگرمیوں پر شباب ۱۹۶۰ء کے بعد ہی آیا۔ اسلامی فکر اور صالح ادب کے علم بردار بہت سے ادبا و شعراء اس انجمن کی ادبی و تنقیدی نشستوں میں اپنی تخلیقات پیش کرتے تھے۔ جن کی حوصلہ افزائی، تربیت اور اصلاح کے سارے جتن کئے جاتے تھے۔ ان میں سے بیشتر قلم کاروں کی تخلیقات مقامی اخبارات میں اشاعت پذیر ہوتی تھیں۔ اس انجمن کے زیر اثر جن قلم کاروں نے نام پیدا کیا ان میں قابلِ ذکر احمد نسیم مینا نگری، یوسف فیض، فضل الرحمٰن، لطیف عزیز، مرتضیٰ اقبال، مختار یونس اور رائے حبیب الرحمٰن وغیرہ شامل ہیں۔

۱۹۵۹ء کے لگ بھگ دو انجمنوں کا قیام عمل میں آیا۔ ان میں سے ایک انجمن

پاسبان ادب نومشق طلبہ نے قائم کی تھی۔ اس میں پیش کی گئی تخلیقات عموماً ممبئی کے اخبارات کے بچوں کے صفحات میں اشاعت کیلئے بھیج دی جاتی تھیں۔ ان طلباء میں سے مختار یونس اور اسحٰق خضر نے نام پیدا کیا۔

دوسری ''انجمن نوجوان مصنفین''، تھی جو ترقی پسند ادب کے فروغ اور ترقی کے لئے قائم کی گئی تھی۔ نوجوان فنکاروں پر سب سے نمایاں اثر اسی انجمن نے ڈالا۔ اس کی سرگرمیاں طویل مدت تک جاری رہیں۔ عموماً ماہانہ تنقیدی ادبی نشستیں منعقد ہوتی تھیں۔ تخلیق کار اپنی تخلیقاتِ نظم ونثر پیش کرتے تھے۔ گرماگرم بحث ومباحثہ ہوتا تھا۔ اس کی روداد یں مقامی اور بیرونی اخبارات میں شائع ہوتی تھیں۔ اس انجمن کے پروردہ اور تربیت یافتہ نثر نگاروں کی ایک بڑی تعداد نے نام پیدا کیا۔ آج ان میں سے کئی نام ہندو پاک میں احترام سے لئے جاتے ہیں۔ چند نمایاں ناموں میں سے لطیف جعفری، سلطان سبحانی، احمد عثمانی، فیاض اختر، عرفان عارف، سجاد عزیز اور نشاط انور قابلِ ذکر ہیں۔

دور کے اختتام سے چار سال قبل بزم زندہ دلان مالیگاؤں کا قیام عمل میں آیا۔ اس کا بنیادی مقصد مزاح نگاری کو فروغ دینا تھا۔ اس بزم نے کئی مزاح نگار پیدا کئے۔ لیکن شاعری پر زیادہ توجہ ہونے کی وجہ سے نثری ادب کے فروغ میں زیادہ مددگار ثابت نہ ہوسکی، بہر حال اس سے ادبی ماحول مزید خوشگوار بنانے میں ضرور مدد ملی۔

غرض ان انجمنوں کی سرگرمیوں نے نثر نگاری کے فروغ میں زبردست رول ادا کیا۔ بہت سے نئے لکھنے والے میدان میں آئے۔ پرانے لکھنے والوں کو ایک نیا پلیٹ فارم ملا۔ ادبی بحث و مباحثے سے فنکاروں کے ذہنوں کو وسعت ملی، مطالعے کا شوق پیدا ہوا اور انہیں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے بھرپور استعمال کا موقع ملا نیز ان کی صلاحیتوں میں نکھار بھی پیدا ہوا۔

۲) ادبی رسائل:

ہر تخلیق کار کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی تخلیقات اشاعت پذیر ہوں۔ اس کے بغیر نہ تو فنکار کی قدردانی صحیح طور سے ہوتی ہے اور نہ حوصلہ افزائی۔ گوناگوں وجوہات کی بنا پر بیرونی رسائل سے ہمیشہ تعاون نہیں ملتا۔ اس سلسلے میں مقامی اخبارات ورسائل بے حد مفید اور مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

خوش قسمتی سے اس دور میں یکے بعد دیگرے پانچ ادبی رسالے منظر عام پر آئے۔

اکتوبر ۱۹۷۱ء میں سہ ماہی نوید نو کا اجراء ہوا۔ اس نے اسلام پسند اور ترقی پسند تمام ہی مقامی قلم کاروں کیلئے

اپنے دروازے کھلے رکھے اور وسعت قلبی کا ثبوت دیا۔

دوسرا رسالہ ماہنامہ جلیس اگست ۱۹۷۳ء میں جاری ہوا۔ اس میں بھی مقامی فنکاروں کو کافی جگہ دی گئی۔ اس کے ذریعے سے مالیگاؤں کے ادب کو دور دراز کے مقامات پر متعارف کروانے میں مدد ملی۔

سلطان سبحانی کی ادارت میں نشانات اور ہم زباں دو رسالے یکے بعد دیگرے جاری ہوئے۔ دونوں رسالے ترقی پسند ادب کے ترجمان تھے لیکن جدید افسانوں اور نئی تنقید کو بھی کھلے دل کے ساتھ جگہ دی جاتی تھی۔ یہ معیاری رسالے دنیا کے بیشتر ممالک میں جاتے تھے اور مقامی قلم کاروں کی تخلیقات کے پھول بھی اپنے دامن پر سجا کر لے جاتے تھے۔

۱۹۷۷ء میں سید عارف کے جواز کا اجراء ہوا۔ یہ شہر کا سب سے معیاری رسالہ ثابت ہوا۔ جس نے دنیا کے ادبی رسائل کی صف میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ جدید ادب کا ترجمان یہ وقیع ادبی رسالہ نہایت ضخیم ہوتا تھا۔ جس میں گاہے بگاہے مقامی قلمکاروں کی تخلیقات بھی اشاعت پذیر ہوتی تھیں۔

مندرجۂ بالا تمام ہی رسائل میں جن مقامی فنکاروں کی تخلیقات شائع ہوئیں ان کی فہرست کافی طویل ہے۔ کئی فنکار انہیں کے توسط سے دنیائے ادب میں متعارف ہوئے۔ بعد میں ان کی تخلیقات ملک کے دیگر رسائل میں بھی شائع ہونے لگیں۔

نثر کی ترقی:

اس دور میں بیالیس نثر نگاروں کے تذکرے شامل ہیں۔ جنہوں نے مختلف اصناف ادب کو ترقی دے کر نہایت بلندی تک پہنچا دیا۔ ان کی نثری خدمات کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ کرنے کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہر صنف کی ترقی کا مختصراً جائزہ لیا جائے۔

۱) افسانہ:

اس دور میں افسانہ نگاری کو عروج حاصل ہوا اور مقامی افسانہ نگاروں کے افسانے عالمی افسانوں سے آنکھیں ملانے لگے۔ ترقی پسندی سے شروع ہونے والے یہ افسانے جدیدیت کی سرحدوں تک جا پہنچے اور شہر کا نام

روشن کر گئے۔ علامتیت، عصری حسیت، جدید اسلوب و تکنیک، نئی لفظیات اور موضوعی تازہ کاری ان افسانوں کی خصوصیات ہیں۔ ان میں قابل ذکر سلطان سبحانی، احمد عثمانی، رائے حبیب الرحمٰن، عرفان عارف، فیاض اختر، سجاد عزیز، نشاط انور، شبیر ہاشمی، خیال انصاری، مجید انور اور غلام محمد زیدی ہیں۔

۲) ڈرامہ:

ڈرامہ نگاری میں عموماً فنکاروں کی دلچسپی کم ہی ہوا کرتی تھی۔ پھر بھی اس دور میں چار قلم کاروں نے ڈراموں پر خاصی توجہ دی۔ نذیر احمد انصاری، عطاالرحمٰن عطا، آصف بختیار سعید اور مختار یونس نے ڈرامہ نگاری کے فن کو کافی آگے بڑھایا۔ ان قلم کاروں کے تمام ہی ڈرامے اسٹیج ہوتے رہے۔ لیکن ایک بھی اشاعت کی منزلوں سے نہیں گذرا۔ ان میں بیشتر ڈرامے اصلاحی ہیں اور ان میں مزاح کا عنصر غالب ہے۔

۳) تنقید:

شاعری اور ادب کی تنقید نے بھی فروغ پایا۔ اس زمانے میں خالص ادبی تنقیدیں لکھی گئیں۔ ان میں بعض ایسے قلم کار بھی شامل ہیں جن کا ذکر اگر چہ گذشتہ دور میں کیا جاچکا ہے۔ لیکن ان کی تنقید نگاری کے نمونے اس دور میں بھی ملتے ہیں۔ احمد نسیم ینا نگری، یوسف فیض، لطیف جعفری، مولانا محمد حنیف ملی، سلطان سبحانی اور شبیر ہاشمی نے تنقید نگاری پر توجہ دی۔ ان کے تنقیدی مضامین مختلف اخبارات ورسائل میں اشاعت پذیر ہوئے۔ اور اہل نظر نے انہیں بنظر استحسان دیکھا۔ مگر یہ سرمایہ بہت ہی کم ہے۔

۴) بچوں کا ادب:

زیر تبصرہ دور کی دو دہائیوں میں چند فنکاروں نے بچوں کے ادب کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ بچوں کے لئے نظم ونثر کا بڑا سرمایہ وجود میں آیا۔ بڑی تعداد میں تخلیقات اخبارات ورسائل کی زینت بنیں۔ ان میں بعض فنکاروں نے ہندو پاک میں منفرد مقام حاصل کیا۔ خصوصیت کے ساتھ آصف بختیار سعید، غلام محمد زیدی، عقیل احمد انصاری، خیال انصاری، مجید انور، مختار یونس، محمد صدیق انصاری اور نہال احمد دلار کے نام قابل ذکر ہیں۔

۵) علمی ، اصلاحی، اخلاقی، اور مذ ہبی مضا مین:

اس قبیل کے مضامین دورِ اوّل کی خصوصیت رہے ہیں۔ لیکن دورِ دوم کے فنکاروں نے انہیں کامل طور پر نظر انداز کردیا۔ مولانا محمد حنیف ملّی نے نہ صرف ان کا احیاء کیا بلکہ نقش ثانی کو نقش اوّل سے بہتر بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی۔ بلا مبالغہ مولانا کے کئی سو مضامین اشاعت پذیر ہوئے۔ دیگر قلم کاروں میں فضل الرحمٰن، لطیف عزیز اور مولانا محفوظ الرحمٰن قاسمی کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ مذہبی نثر کا سب سے بڑا سرمایہ حاجی عبدالرشید خان عرف بنے خاں نے پیش کیا۔

۶) تجوید ، قرأت اور تصوف:

مولانا قاری مفتی محمد حسین اشرفی نے فن تجوید وقرأت میں بڑا کام کیا۔ انہوں نے اپنی تالیف ''تیسیر الطبع فی اجراء السبع'' میں مکمل قرآن پاک کا سبعہ قرأت میں اجراء کر کے اردو میں ایک منفرد تخلیق پیش کی۔ حاجی عبدالرشید خاں اور سید ظفر عابد پیرزادہ نے تصوف میں گراں قدر رسالے تالیف کئے۔

۷) تاریخ:

محمد حسن احسن نے مالیگاؤں میں جنگ آزادی کی تاریخ لکھی۔ احمد نسیم مینانگری نے صحافت، عبدالستار رحمانی نے تعلیمی اداروں اور خیال انصاری نے بچوں کے ادب کی مقامی تاریخ کا جائزہ لیا۔

۸) سائنس:

سائنس اور صحت کے تعلق سے ڈاکٹر محمد غفران کی تخلیقات اہمیت کی حامل ہیں۔ خصوصاً انگریزی، سائنسی اور طبی اصطلاحات کو اردو قالب عطا کرنے میں انہوں نے بڑی محنت کا ثبوت دیا۔

۹) سفر نا مے:

اس صنف میں محض دو ہی قلم کاروں نے توجہ دی۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری نے مختصر سفرنامے لکھے۔ لیکن مولانا محمد حنیف ملی نے ''نقوشِ چین'' تحریر فرما کر سفرناموں کی شاہراہ پر ایک اہم سنگ میل نصب کردیا۔

۱۰)طنز و مزاح:

طنز ومزاح میں سب سے بہتر سرمایہ مختار یونس نے پیش کیا۔ان کے بعد دوسرا اہم نام آصف بختیار سعید کا ہے۔مجموعی طور پر طنزیہ ومزاحیہ نثری ادب پر خاطر خواہ توجہ نہ دی جا سکی۔

۱۱)ناول:

غلام محمد زیدی کے دو ناول اور فیاض اختر کے ایک غیر مطبوعہ ناول کے علاوہ اس دور کے دوسرے قلم کاروں نے ناول نگاری پر توجہ نہیں کی۔

۱۲)تحقیق:

ادبی تحقیق کے میدان میں سناٹا چھایا رہا۔اس دور کے کسی بھی فنکار نے کسی تحقیقی موضوع کو ہاتھ نہیں لگایا۔ مولانا محمد حنیف ملی نے اپنی تحریروں میں تحقیق وجستجو کا ثبوت ضرور دیا لیکن اسے باقاعدہ تحقیق کے زمرے میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔حاجی عبدالرشید خاں اور سید ظفر عابد پیرزادہ کی تالیفات بھی اگر چہ بڑی تلاش وجستجو کے بعد وجود میں آئیں مگر انہیں بھی تحقیقی کام کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔

۱۳)صحافت:

دور سوم میں صحافتی خدمات انجام دینے والوں میں سب سے اہم نام احمد نسیم بینا نگری کا ہے۔دیگر قلم کار جنہوں نے نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا ان میں لطیف جعفری،سرفراز افسر،لطیف عزیز،مولانا محمد حنیف ملی،خیال انصاری،خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

۱۴)سوانح نگاری:

اس صنف میں مولانا محمد حنیف ملی نے سب سے زیادہ گراں قدر سرمایہ پیش کیا۔وہ اگر اس موضوع پر قلم نہ اٹھاتے تو نثر کا یہ خانہ خالی نظر آتا۔

بحیثیت مجموعی کہا جاسکتا ہے کہ گذشتہ ادوار کے مقابلے میں اس دور کے فنکاروں نے بڑا ادبی اور تخلیقی سرمایہ پیش کیا۔دوسری اہم بات یہ ہے کہ ادبی اور فنی کتابیں بڑی تعداد میں

منظر عام پر آئیں۔ قلم کاروں کی معتدبہ تعداد خدمت فن وادب کے لئے میدان میں آئی۔ اور ہر صنف میں کچھ نہ کچھ کام ہوا۔ خالص ادبی تخلیقات کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو دورِ سوم مالیگاؤں کی نثر کی تاریخ میں نقطۂ عروج کہلانے کا مستحق ہے۔

پانچواں باب.....دورِ چہارم

(۱۹۸۱ء تا ۲۰۰۱ء)

صوفی محمد الیاس جوشؔ

پیدائش: ۲۷ر دسمبر ۱۹۱۹ء

صوفی محمد الیاس جوشؔ ان بزرگوں میں ہیں جنہیں ''باقیات الصالحات'' میں شمار میں کیا جاتا ہے۔ چشتی صابری سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ پرانے آگرہ روڈ پر واقع ایک خانقاہ میں گوشہ نشینی کی زندگی گذار رہے ہیں۔ موصوف کے دادا محمد غازی سوداگر، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکّی کے ماموں زاد بھائی تھے۔ غازی پور (یوپی) سے نسبت رکھتے تھے۔ دادی ڈیروا بابو گنج (الہ آباد) کی تھیں۔ ان کے والد کا نام بابو سردار تھا۔ صوفی صاحب کی پیدائش مالیگاؤں کی ہے۔ حضرت شاہ مولانا محمد اسحٰق'' سے ان کے والد کا قریبی تعلق تھا۔ اسلئے صوفی صاحب کو تعلیم کے لئے مدرسہ بیت العلوم میں داخل کیا گیا جہاں پانچ برس تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے سند فراغت پائی۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد ہینڈلوم پر کپڑا بننے لگے۔ دو سال کے بعد پاورلوم چلانے لگے۔ لوم چھوڑ کر پاورلوم کے میکنک بنے۔ دور آخر میں ممبئی سے تجارت کرنے لگے۔ قاری محمد حسین اشرفی مرحوم سے دوستی اور قربت تھی۔ قاری صاحب پیر روشن ضمیر صوفی عبدالغفور بخش اللہ اشرفی برہانپوری سے بیعت تھے اور چاہتے تھے کہ صوفی محمد الیاس بھی انہیں کے مرید ہو جائیں۔ صوفی صاحب کو استخارہ میں احمد میاں فاروقی نظر آئے۔ یہ محمد میاں فاروقی کے بھائی تھے۔ صوفی صاحب اکثر خود کو خواب میں پرواز کرتے ہوئے دیکھتے تھے۔ ایک مدت سے یہ خواب دکھائی دینا بند ہو گیا تھا۔ اتفاق سے انہوں نے مدو بابا کی مسجد میں احمد میاں کو نماز پڑھتے دیکھ لیا۔ خواب یاد آیا۔ انہوں نے احمد میاں سے گذارش کی کہ دوبارہ خود کو خواب میں

پرواز کرتے دیکھوں گا تو مرید بنوں گا۔خواب نظر آ گیا۔مگر صوفی صاحب نے احمد میاں سے اصرار کیا کہ مولانا محمد اسحٰق ؒ کی درگاہ پر مرید بنوں گا۔چنانچہ وہیں پر احمد میاں فاروقی کے حلقۂ مریدی میں داخل ہوئے۔

صوفی صاحب جوشؔ تخلص کرتے ہیں اور اسی نام سے مشہور ہیں۔تصوف میں دو مختصر رسالے تالیف کئے ہیں۔

۱)معمولات یومیہ محمدیہ و مختصر نصاب اصلاح نفس:

۱۹۸۶ء میں پچاس صفحات کی یہ کتاب گیارہ سو کی تعداد میں چھپی۔دوسرے سال پانچ ہزار کی تعداد میں شائع ہوئی۔اس کتاب میں صوفی محمد الیاس جوشؔ نے اپنے پیروں اور بزرگوں کے اقوال اور اعمال سامنے رکھ کر ان ہی کی ہدایت کے مطابق اصلاحِ نفس کا ایک مختصر نصاب پیش کیا ہے۔ابتدا میں صفائے باطنی کی غرض سے کچھ معمولات بھی تجویز فرمائے ہیں اور ایک مستحکم نظام الاوقات مقرر کرنے کی صلاح دی ہے۔رسالہ تصوف کے سالک کے لئے مفید ہے۔

۲)الاحسان:

۱۴۲ر صفحات کی یہ کتاب ۲۰۰۰ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔صوفی صاحب نے اس کا مقصد ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔''صوفیائے کرام کے جتنے سلسلے ہندوستان میں رائج ہیں ان میں جو مجاہدات، ریاضیات، وظائف اور معمولات ہیں ان کا خلاصہ ایک جگہ مختصر طور پر جمع کروں تا کہ تمام سلسلوں کے وابستگان اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔''

ڈاکٹر محمد سلیم شیخ

پیدائش: ۱۲/دسمبر ۱۹۲۰ء

وفات: ۳/جون ۲۰۰۰ء

الحاج ڈاکٹر محمد سلیم شیخ ان بزرگوں میں سے تھے جنہوں نے سماجی خدمات کے ساتھ ساتھ میدان تحقیق میں وہ کام انجام دیا ہے جو شاید اس میدان کے شہسواروں کے لئے بھی آسان نہیں تھا۔ڈاکٹر صاحب موصوف اس میدان کے کھلاڑی نہیں تھے۔لیکن بڑی محنت،مطالعہ اور عرق ریزی سے ایسے موضوع پر ریسرچ کا کام کیا جسے چھوتے ہوئے لوگ اپنے ہاتھ جلا لیتے ہیں۔اسکی تفصیل آگے آئے گی۔فی الحال ان کے ذاتی حالات پر ایک نظر:

ڈاکٹر صاحب کی پیدائش مالیگاؤں کی ہے۔والد کا نام شمس الدین ہے۔انہوں نے اینگلو اردو ہائی اسکول سے ۱۹۳۸ء میں میٹریکولیشن کیا۔اس کے بعد اسماعیل یوسف کالج،ممبئی سے انٹر سائنس پاس کیا اور گرانٹ میڈیکل کالج ممبئی میں داخلہ لے کر ۱۹۴۶ء میں ایم بی بی ایس کیا۔تقریباً اسی وقت سے پیشہ طب سے وابستہ ہوئے۔ڈاکٹر صاحب نے مقامی سیاست میں بھی بھرپور حصہ لیا۔میونسپلٹی کے رکن بنے۔صدر بلدیہ ہوئے۔لیکن مصروفیت کی وجہ سے ساری سیاسی سرگرمیاں ترک کر دی تھیں۔وہ زبردست خطیب بھی تھے۔

موصوف کا آبائی وطن مئوائمہ (یو پی) ہے۔ان کے آباء و اجداد ڈیرو اضلع پرتاپ گڑھ میں قلعہ دار تھے جہاں ان کی تعمیر کردہ مسجد آج بھی موجود ہے۔ڈاکٹر صاحب کے نانا کا نام حافظ عبدالغفور تھا اور پر نانا عبدالرحمٰن تھے جو "بڑے حافظ جی" کے نام سے جانے جاتے تھے۔حافظ عبدالرحمٰن کے والد بھدوئی ریاست کے راجہ کے بھائی تھے۔انہوں نے اسلام قبول کر کے ریاست چھوڑ دی اور الہ آباد آ گئے وہاں قرآن کی تعلیم بحیثیت نو مسلم حاصل کی۔پھر حالات کے تقاضے سے مجبور ہو کر مئوائمہ آ گئے۔ان کا پرانا نام کنور سنگھ تھا۔حافظ عبدالرحمٰن کی اولادیں ایک زمانے سے قریش محلہ کی مسجد میں امامت کے فرائض

انجام دے رہی ہیں جس کی تعمیر خود انہوں نے کی تھی۔

ڈاکٹر صاحب ان خوش نصیب لوگوں میں سے تھے جنہیں اسماعیل یوسف کالج میں سید نجیب اشرف ندوی جیسا استاد ملا۔ ۴۳-۱۹۴۲ء میں ڈاکٹر صاحب نے اپنی نثری سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ وہ کہکشاں (ممبئی) میں ''میرا ذوقِ شعری'' کے نام سے ایک مستقل کالم لکھتے تھے۔ جو سال بھر سے زیادہ مدت تک جاری رہا۔ اس کالم پر ڈاکٹر صاحب کے نام کی بجائے ''ایڈیٹوریل اسٹاف کی طرف سے'' کے الفاظ ہوتے تھے۔ اسی زمانے میں ان کا ایک افسانہ بھی شائع ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے راقم سے ایک عجیب بات روایت کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ محترم ادیبؔ مالیگانوی اپنی غزلیں بغرض اصلاح یا نظرِ ثانی ان کے پاس دے جاتے تھے اور وہ اس غزل کے سامنے والے صفحے پر اصلاحی نوٹ لکھ دیا کرتے تھے۔ ص۱

ڈاکٹر صاحب نے اپنے نانا کی تعمیر کردہ مسجد قریش محلہ میں اجتماعی دعا کے خلاف تحریک چھیڑ دی۔ اپنی بات کی تائید میں فتاوے اور احادیث تلاش کرنے میں بڑی دوڑ دھوپ کی۔ اپنے دلائل کو وہ مقامی اخبارات میں فرضی ناموں سے شائع کرواتے تھے ص۲۔ مگر لوگ بہرطور ان کی شخصیت سے واقف ہو گئے اور انہیں بدعتی جان کر مسجد سے نکالنے کی دھمکیاں دینے لگے۔ ان حالات کے پیشِ نظر ڈاکٹر صاحب نے مسجد قریش چھوڑ دی تھی اور مسجد اہلِ حدیث میں نماز کی ادائیگی کرنے لگے تھے۔

اسی زمانے میں بقول موصوف شہر میں ''شیعہ سازی'' کا زور تھا۔ اس لئے شیعیت کو موضوع بنا کر ایک کتاب ''خلافتِ راشدہ بمقابلہ خلافتِ ائمہ'' تحریر فرمائی۔ یہ مختصر سی کتاب قاری صدیق احمد باندوی کی نظر سے گذری۔ انہوں نے اس سلسلے کی تمام بحثوں اور تحقیقات کو تفصیل سے لکھنے کا مشورہ دیا جس کی بنیاد پر ڈاکٹر صاحب نے ایک عظیم کتاب ''احقاقِ حق اور ابطالِ باطل'' کے نام سے لکھی جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

ص۱: ڈاکٹر صاحب کا یہ دعویٰ عجیب لگتا ہے۔ ادیبؔ صاحب عمر میں ان سے بارہ سال بڑے تھے۔ ان کی شاعری کا آغاز ۱۹۲۷ء میں ہو چکا تھا۔ ابتداً انہوں نے تجملؔ جلالپوری اس کے بعد قدیرؔ ایولوی سے اصلاح سخن لی۔ ڈاکٹر صاحب کی طالب علمی کے زمانے میں ادیبؔ صاحب کی شاعری کو استناد حاصل ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی سخن فہمی میں کوئی کلام نہیں۔ لیکن بہر حال نہ وہ شاعر تھے اور نہ اس فن کے رموز و اسرار سے اتنی واقفیت کی ان سے توقع تھی جتنی ادیبؔ صاحب رکھتے تھے۔ اس صورت میں یہ تسلیم تو کیا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی شعر فہمی کی صلاحیت کی بنیاد پر ادیبؔ صاحب کو اپنی غزلیں انہیں سنانے میں مسرت ہوتی ہوگی۔ لیکن اصلاح سخن کی بات قبول کرنے میں تامل ہے۔ (راقم)

ص۲: ایک نام "عبدالحمید اشرفی مقادم اسلامپورہ" تھا۔ (راقم)

ڈاکٹر صاحب کے ذاتی مراسم ملک کی عظیم اور اہم شخصیتوں سے تھے۔ ان میں قاری محمد طیب، ڈاکٹر ذاکر حسین سابق صدر جمہوریہ ہند، مولانا زکریا، شاہ عبدالقادر رائے پوری، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا اسعد مدنی اور عبدالحکیم چیئرمین وغیرہ شامل ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے والدین پڑھے لکھے نہ تھے لیکن قدرت نے انہیں ایسا نوازا کہ دینی و دنیوی علوم سے نہ صرف بہرہ ور ہوئے بلکہ اس میں اتنا درک حاصل کیا کہ ایک اہم تالیف ان کے ہاتھوں وجود میں آگئی۔

احقاق حق اور ابطال باطل:

اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے قاری صدیق احمد باندوی کے مشورے پر اس کتاب کی تالیف کا کام اپنے ہاتھ میں لیا اور شیعیت کے تعلق سے مواد کی فراہمی کا آغاز کیا۔ بے شمار کتابیں حاصل کیں جو بڑی دقتوں سے دستیاب ہوئیں۔ کچھ کتابیں مقامی طور پر حاصل کیں جن کی فوٹو کاپی بنوا کر واپس کردیں۔ پاکستان سے شائع شدہ بعض کتابیں مدینہ منورہ سے منگوائیں۔ مولانا عبدالشکور کاکوروی اور مولانا منظور احمد نعمانی کے ذریعے کئی کتابیں حاصل کیں۔ غرض بہت ساری کتابوں کو جمع کیا۔ مطالعہ کیا اور اپنے طور پر ترتیب و تالیف کے کام میں مصروف ہوگئے۔ اور "1/2 11 X "1/2 8 کاغذ کے سائز کے سات سو صفحات پر مشتمل کتاب تالیف کی۔ یہ کتاب ڈاکٹر صاحب کی برسوں کی محنت کا ثمرہ ہے۔ جو دسمبر ۱۹۹۲ء میں تکمیل کو پہنچی۔

پیش لفظ میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن مدنی فرماتے ہیں:

> ''اس واسطے ضرورت اس بات کی تھی کہ ہمارے علماء اور مفکرین اس فرقہ (شیعہ) کے فاسد افکار و خیالات، ان کی اسلام دشمنی کا پردہ چاک کریں۔ اور ان کا اصلی چہرہ لوگوں کے سامنے پیش کریں ار مسلمانوں کو ان کے دام فریب میں پھنسنے سے بچائیں۔ گذشتہ چند سالوں میں جن حضرات نے اس میدان میں کام کیا ہے ان میں شہر مالیگاؤں کے مشہور ڈاکٹر جناب محمد سلیم صاحب (ایم بی بی ایس)

بھی ہیں۔آپ نے پہلے اس فرقے کے بارے میں مختصر کتاب
لکھی۔پھر اس کتاب (احقاق حق اور ابطالِ باطل)کو تحریر
فرمایا اور اپنے مخصوص اندازمیں شیعہ اوراہلِ سنت
والجماعت کے عقائد و نظریات کا تقابلی مطالعہ پیش کرکے
شیعوں کے عقائد و افکار کو باطل ثابت کیا..........''ص۱

پروفیسر ڈاکٹر عبدالعزیز انصاری رقم طراز ہیں:

''کتاب کی تیاری اور اس میں حوالوں کا جو اہتمام کیا گیا ہے
وہ قابلِ تعریف ہے۔اورشیعہ علماء کے اعتراضات کا جو دندان
شکن جواب دیا گیا ہے وہ بہت خوب ہے..........''ص۲

مندرجہ بالا آراء سے کتاب کے متن و مقصد پر بھرپور روشنی پڑتی ہے اس لئے ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ مزید خیال آرائی کی جائے۔ڈاکٹر محمد سلیم صاحب نے ۳۰۱؍عنوانات اور ذیلی عنوانات کے تحت مدلل طریقے سے اپنی بات رکھی ہے۔کتاب بجا طور پر مذہب شیعیت کا انسائیکلو پیڈیا کہلانے کی مستحق ہے۔

موصوف ''قادیانیت'' پر قلم اٹھانا چاہتے تھے لیکن آنکھ کے آپریشن اور عمر کے تقاضے سے مجبور تھے نیز اپنے ان مضامین کو کتابی شکل دینا چاہتے تھے جو ایک مقامی اخبار میں سوا سو قسطوں میں شائع ہو چکے تھے ص۳۔لیکن خالقِ کائنات کا بلاوا آ گیا اور انہیں اپنے منصوبے نامکمل چھوڑ کر سفرِ آخرت پر روانہ ہونا پڑا۔امید کہ ان کے فرزند ''احقاق حق اور ابطالِ باطل'' کی اشاعت کی فکر کریں گے۔

ص۱: ڈاکٹر فضل الرحمن مدنی،پیش لفظ،احقاقِ حق اور ابطالِ باطل،ڈاکٹر محمد سلیم شیخ (غیر مطبوعہ)،ص (۱۱)

ص۲: ڈاکٹر عبدالعزیز انصاری،احقاقِ حق اور ابطالِ باطل ،ڈاکٹر محمد سلیم شیخ (غیر مطبوعہ)

ص۳: ڈاکٹر صاحب نے اس اخبار اور ان مضامین کی "نقاب کشائی" نہ کرنے کی درخواست کی تھی۔ویسے یہ مضامین بھی رازِ افشا Open Secret کے زمرے میں آتے ہیں۔(راقم)

عتیق احمد عتیق

پیدائش: نومبر ۱۹۲۳ء

مشہور ادبی رسالے "توازن" کے مالک و مدیر بنیادی طور پر نثر نگار نہیں شاعر ہیں۔ جدید رنگ و آہنگ میں اشعار کہتے ہیں۔ زبان کی صحت پر خصوصی توجہ فرماتے ہیں۔ ۱۹۶۴ء میں "نورِ فردا" کے نام سے ان کا ایک مجموعۂ کلام شائع ہو چکا ہے۔

ان کا اصل نام محمد حنیف اور والد کا نام عبدالجبار ہے۔ پیدائش مالیگاؤں کی ہے۔ دینی مدرسہ میں تعلیم پائی۔ دو برس عربی زبان سیکھنے میں گذارے۔ مدرسہ بیت العلوم سے تجوید کی سند پائی۔ فارسی مولانا محمد یوسف عزیز سے سیکھی۔ نعتیہ کلام سے شاعری کا آغاز کیا۔ اس کے بعد غزل میں طبع آزمائی کرنے لگے۔ ۱۹۴۶ء سے ۱۹۵۰ء تک مولانا انجم فوقی بدایونی مرحوم سے کلام پر اصلاح لیتے رہے۔

عتیق احمد عتیق اچھی آواز اور خوبصورت ترنم کے مالک ہیں۔ موسیقی کے اسرار و رموز بھی جانتے ہیں۔ آزادیٔ ہند کے بعد مشاعروں میں شرکت شروع کی اور ہندوستان کے ہر اہم مقام پر مشاعرے پڑھے۔ پھر ان کے جی میں کیا آئی کہ ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہو گئے اور ترقی پسند ادب کی علم بردار انجمن نوجوان مصنفین کی ادبی نشستوں میں شریک ہو کر ادب اور فن پر عالمانہ اور پر مغز گفتگو اور تبصرے کرنے لگے۔ ۱۹۴۷ء کے عالمگیر (لاہور) میں جب ان کا ایک افسانہ شائع ہوا تو اسے پڑھ کر احمد ندیم قاسمی نے مزید افسانوں کا تقاضہ کیا لیکن وہ یہ سلسلہ جاری نہ رکھ سکے۔

موصوف کی بے شمار شعراء و ادباء سے مراسلت رہتی ہے۔ اگر ان خطوط کو یکجا کیا جائے تو عتیق صاحب کی تنقیدی صلاحیت اور بصیرت کا ایک مرقع بآسانی تیار ہو سکتا ہے۔

عتیق صاحب کی نثر مختلف النوع، وقیع اور جامع ہوتی ہے۔ اس کا سلسلہ "توازن" کے اجراء (۱۹۸۲ء) سے شروع ہوتا ہے۔ توازن کے اداریے کسی نثر پارے سے کم نہیں ہوتے۔

''توازن''میں جن ادبا، وشعراء کے''گوشے'' شائع ہوتے ہیں ان کی شخصیت اور فن کے تعلق سے عتیق صاحب کی جچی تلی رائے بھی اس کے ساتھ ضرور شامل ہوتی ہے۔ ہر شمارے میں ایک دو شعراء کا تعارف اوران کے فکر وفن پر تبصرہ، ان کے تنقیدی شعور کی علامت ہے۔ سینکڑوں کتابوں کے فلیپ پر درج صاحب کتاب کے فن پر جامع تبصرہ ان کی نثر کو ایک نئی جہت عطا کرتا ہے۔ کم سے کم الفاظ میں بڑی بات کہہ جانا یا بالفاظ دیگر دریا کو کوزہ میں بند دیکھنا ہو تو عتیق صاحب کی ان تحریروں کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ نیز جن تخلیق کاروں کی کتابوں کے فلیپ پر ان کی رائے چھپی، جستہ جستہ ''توازن''میں ان کے فن کا جائزہ پیش کرنا بھی وہ ضروری سمجھتے ہیں۔

سہ ماہی ''توازن'' عتیق صاحب کی شناخت بن چکا ہے۔ اس کے لئے وہ بڑی محنت کرتے ہیں اوراس کے معیار کو بلند سے بلندتر کرنے کی جدوجہد میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ اس کی کاپیاں ان تمام ممالک میں جاتی ہیں جہاں اردو کے شعراء وادباء موجود ہیں۔ مالیگاؤں کا یہ واحد ادبی رسالہ ہے جو دست بردزمانہ سے محفوظ رہ گیا ہے۔ خدا اسے تادیر جاری رہنے کی سبیل پیدا فرمائے۔

ڈاکٹر پیر محمد رحمانی

پیدائش: ۲۱ر جولائی ۱۹۲۴ء

الحاج ڈاکٹر پیر محمد رحمانی کا تعلق ادبی نثر سے کبھی نہیں رہا۔ انہوں نے مختلف طریقہ ہائے علاج کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور اس میدان میں اپنے تحقیقی کام کو پورے اعتماد کے ساتھ دنیا کے سامنے رکھا۔ آج طبی تحقیق کے میدان میں ان کا نام عزت و احترام سے لیا جاتا ہے۔ ان کی تحریر کردہ کتابیں مختلف تھیراپیوں کے ذریعے مریضوں کی خدمت کرنے والوں کے لئے نہایت مفید ہیں۔

ان کے والد کا نام عبدالرحمٰن ہے (جو بدری سیٹھ کہلاتے تھے) ڈاکٹر صاحب نے اینگلو اردو ہائی اسکول سے میٹرک پاس کرنے کے بعد اسماعیل یوسف کالج ممبئی سے انٹر سائنس کیا۔ بعد ازاں جے جے میڈیکل کالج ممبئی سے دسمبر ۱۹۵۲ء میں ایم بی بی ایس کی ڈگری حاصل کی۔ ستمبر ۱۹۵۴ء سے طبی پریکٹس شروع کی۔ نورانی مسجد کے قریب مطب ہے۔ تقریباً اسی زمانے سے وہ شہر کے دوسرے بڑے اور قدیم تعلیمی ادارے انجمن معین الطلباء کی سرپرستی کر رہے ہیں۔ جس کے تحت پرائمری اسکول سے لے کر جونیئر کالج تک کئی ادارے جاری ہیں۔ انہیں مقامی سیاست سے بھی دلچسپی رہی ہے۔ وہ میونسپل کونسلر اور میونسپل اسکول بورڈ کے چیئرمین بھی رہ چکے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی نثری سرگرمیوں کا آغاز ۱۹۴۰ء سے ہوتا ہے۔ ''مصطفیٰ کمال اتاترک'' ان کی زندگی کا پہلا مضمون ہے۔ سائنس میں ان کا پہلا مضمون '' لے آئینہ دیکھئے'' کے عنوان سے تھا جس میں انسانی پاؤں کے تلوے میں اکوپنکچر کے نقطوں کی مفید معلومات درج ہے۔ یہ مقامی طور پر شائع ہوا۔ طلوع (ممبئی) میں بھی ان کے ایک دو مضامین شائع ہو چکے ہیں۔

فی زمانہ ڈاکٹر صاحب ایک بین الاقوامی شخصیت کے مالک ہیں۔ بنیادی تعلیم انہوں نے ایلوپیتھک طریقہ علاج میں پائی لیکن اپنی محنت، مطالعہ اور تحقیق کے بل بوتے پر مختلف تھیراپیوں

کا ماہرانہ ادراک حاصل کیا اور دنیا بھر کی مختلف بین الاقوامی کانفرنسوں میں اپنے تحقیقی کام کو پیش کیا۔ سب سے پہلے انہوں نے ہومیوپیتھی کو مرکز توجہ بنایا۔ ۱۹۷۴ء میں پونا اور ۱۹۷۵ء میں ناگپور کی کانفرنسوں میں ہومیوپیتھک طریقۂ علاج پر اپنے مقالے پیش کئے۔ ۱۹۷۶ء میں کلکتہ ۱۹۷۷ء میں دہلی اور پھر اسی سال کلکتہ کی ہومیوپیتھک کانفرنسوں میں شرکت کا موقع ملا۔ وہاں ان کی ملاقات ڈاکٹر اے کے بھٹاچاریہ سے ہوئی۔ ان کی لائبریری زبردست تھی۔ ڈاکٹر رحمانی نے اس سے بھرپور استفادہ کیا انہوں نے جملہ سائنس گویا وہیں سے سیکھے۔ اس کے بعد ۱۹۸۸ء تک وہ ہر سال کلکتہ جاتے رہے۔ ۱۹۸۹ء میں ایتھنز (یونان) میں منعقدہ ہومیوپیتھک ورلڈ کانفرنس میں انہوں نے اپنی نئی تحقیق ''پرامڈ تھیراپی اور اہرامِ مصر'' پر مقالہ پڑھا۔ ۱۹۹۲ء میں اسپین کی ہومیوپیتھک کانفرنس میں بھی پرامڈ (اہرام) کے تعلق سے ہی مقالہ پڑھا۔ اس مقالے کی خصوصیت یہ ہے کہ ہندوستان میں اس موضوع پر قلم اٹھانے والے وہ پہلے شخص ہیں جس میں انہوں نے جابجا قرآنی آیات کے حوالے دیئے ہیں۔ علاوہ ازیں لندن، اندور، بڑودہ، ممبئی اور مدراس کی کانفرنسوں میں بھی ان کے مقالے قدر کی نگاہ سے دیکھے گئے۔

موصوف نے ایلوپیتھی، ہومیوپیتھی، اکوپریشر، میگنیٹ تھیراپی، کروموتھیراپی، پرامڈ تھیراپی اور پائرکس (جوڑوں کے درد کے لئے انجکشن کا طریقۂ علاج) پر نہ صرف تحقیقی کام کیا ہے بلکہ اردو اور انگریزی میں کئی کتابیں بھی لکھی ہیں۔ جن کا تعارف حسب ذیل ہے:

۱) ھفت رنگ (دین، سائنس اور حکمت کی روشنی میں):

۱۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اگست ۱۹۸۲ء میں مالیگاؤں سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب نوری شعاعوں کے ذریعے علاج کو بنیاد بنا کر لکھی گئی ہے۔ غرض و غایت صاحب تالیف خود بیان کرتے ہیں:

> ''زیر نظر کتاب قرآن کی روشنی میں لکھنے کی صرف ایک وجہ یہ ہے کہ اللہ کی وحدانیت، ربوبیت رحمت و معبودیت کے سائے میں ''النور'' کے مظہرات کو اجاگر کیا جائے اور روشنی کی کرن پابند مشیتِ الٰہی ہوتے ہوئے کس طرح پیدا کرنے، جلانے اور مارنے میں ایک نافع نظام کائنات کا کام

سرانجام دیتی ہے۔ اورکس طرح اسے مخلوق کے فائدے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ ان تمام باتوں اور تجربوں سے عوام کو روشناس کرایا جائے۔۔۔۔۔۔۔''ص۸

اپنی نوعیت کی ایک حیرت انگیز تحقیق ہے۔

۲)فیضان وضو(وضو کے فوائد سائنس اور حکمت کی روشنی میں):

صفحات ۲۲۴، سال طباعت ستمبر ۱۹۸۵ء، مالیگاؤں۔ اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے جسم کے ان تمام نقاط کا سائنٹفک جائزہ لیا ہے جہاں بوقتِ وضو انگلیوں کا دباؤ پڑتا ہے۔ کتاب کے آخر میں علم التشریح اعضاء اور اعمال اعضاء سے متعلق ایک مضمون شامل کردیا گیا ہے۔ ہاتھ، پیر، چہرے، گردن کے خاکوں کی شمولیت نے کتاب کو زیادہ مفید بنادیا ہے۔

۳)مقناطیس سے علاج:

چالیس صفحات کا یہ مختصر سا رسالہ ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا۔ کتاب کے نام سے ہی ظاہر ہے کہ انہوں نے میگنیٹ تھیراپی کی تھیوری اور پریکٹس کے تعلق سے اپنی تجرباتی اور تحقیقاتی کاوشوں کے دریا کو کوزۂ کتاب میں بند کردیا ہے۔

٤)کاغذ کے اہرام سے علاج:

سولہ صفحات کی یہ چھوٹی سی کتاب ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی۔ کتاب ایک جدید موضوع کا احاطہ کرتی ہے۔ اس نے اہرام مصر کی خصوصیات سے لے کر کاغذی اہرام کے اثرات تک اور کاغذ کے پٹھوں سے اہرام بنانے کی ترکیب سے لے کر پودوں پر اہرام کے اثرات تک، تحقیق کا ایک نیا دروازہ کھولا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ڈاکٹر صاحب کو اس موضوع پر ید طولی حاصل ہے۔

ص۸ :ڈاکٹر پیر محمد رحمانی، ہفت رنگ، مالیگاؤں، اگست ۱۹۸۲ء، ص۷

۵)اھرام میں آرام:

نومبر ۱۹۹۴ء میں مالیگاؤں سے شائع ہوئی۔ اس کا دیباچہ ڈاکٹر مہر ماسٹر موس ایم اے ایل ایل ایم، وائس چانسلر، انٹرنیشنل یونیورسٹی فار کمپلی مینٹری میڈیسن، نے تحریر کیا ہے۔ فرماتی ہیں:

''موجودہ نصف صدی کے بعد ماڈرن سائنس اورٹیکنالوجی نے نئے نئے آلات ایجاد کئے جو کہ نظام کائنات کے قانون کو سائنسی اصولوں کے ذریعے ثابت کرنے کے کام میں لائے جاتے ہیں۔ اس تمام کامیابی کا سہرا صرف ڈاکٹر رحمانی کے سر جاتا ہے کہ آپ نے برداشت اور صبر کے ساتھ اس راز کو ثابت قدمی سے پیش کیا۔ اس کو ہم دوسرے الفاظ میں یوں بیان کرسکتے ہیں کہ اس کارنامہ پر آپ ہی انعام کے حق دار ہیں۔ بغیر دواؤں کے علاج یہ اکیسویں صدی کو آپ کی اولین دین ہے.......''صد

ڈاکٹر صاحب کی یہ تحقیق اپنے موضوع کے اعتبار سے بالکل نئی اور منفرد ہے۔ اس موضوع پر ہندوستان میں قلم اٹھانے والے وہ پہلے شخص ہیں۔ اقوام متحدہ کے ادارے WHO کے زیر اہتمام ان کی کاوشوں کو بین الاقوامی سطح پر تسلیم کیا گیا ہے اور ان کا نام عزت واحترام سے لیا گیا ہے۔

۶)طبی استخارہ:

۶۴ صفحات، نومبر ۱۹۹۶ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے مختلف تجرابیوں میں دواؤں کے انتخاب کا ایک انوکھا طریقہ دریافت کیا ہے۔ یہ ابھی تجربات کی منزل میں ہے اور موصوف تحقیق وعمل میں مسلسل مصروف ہیں۔ اس استخارے سے دوا کی بالقوہ حیثیت ہی معلوم نہیں ہوتی بلکہ اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ علاج کتنے دن چلے گا، مریض کی کیفیت کیا ہے، مرض کس درجے میں ہے، نیز اعضاء کے نام، کیفیت، حالت اور علامت بھی اس استخارے کے ذریعے معلوم کی جاسکتی ہے۔

صد: ڈاکٹر مہر ماسٹر موس، دیباچہ، اھرام میں آرام، ڈاکٹر پیر محمد رحمانی، مالیگاؤں، ۱۹۹۴ء، ص ۷،۸

ڈاکٹر رحمانی صاحب کی طبی تحقیقات کا سلسلہ ابھی جاری ہے۔ ۷۴ برس کی عمر ہونے کے باوجود وہ جون ۱۹۹۸ء میں لندن گئے اور Tolerance in the Advancement of Medicine اس موضوع پر اپنا گراں قدر مقالہ پیش کیا جسے عالمی طور پر قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔ ان کی بعض کتابیں انگریزی میں بھی شائع ہو چکی ہیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

1) Lady Heal Thyself, Pages 30, 1990, Mumbai.

2) Magnetic Age Therapy, Pages 42, 1992, Mumbai.

3) Pyramid a Medicinal Rationale Therapy, Pages 60, 1992, Mumbai.

محمد حسین منشی

پیدائش: یکم جولائی ۱۹۲۵ء

محمد حسین ابن عبدالشکور، قلمی نام محمد حسین منشی، ایک باغ و بہار شخصیت کا نام ہے۔ طبیعت میں شوخی اور شگفتگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ منشی صاحب کے آباء اجداد ۱۸۵۷ء کے ہنگامۂ دارو گیر کے بعد فیض آباد (یوپی) سے ترک وطن کر کے ممبئی پہنچے۔ ان کے والد کی پیدائش یہیں ہوئی۔ کچھ برس بھیونڈی میں گذارنے کے بعد مستقل طور سے مالیگاؤں کو مسکن بنالیا۔ ان کے والد منشی عبدالشکور نے مدرسہ بیت العلوم سے اردو، فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کی۔ منشی محمد حسین یکم جولائی ۱۹۲۵ء کو مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۵ء میں میٹرک کا امتحان امتیازی درجے میں پاس کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے ممبئی گئے۔ ان کا ذہنی اور فطری میلان فنی اور ٹیکنکی تعلیم کی طرف تھا۔ انہوں نے ایشیاء کے عظیم انجینئرنگ کالج وی جے ٹی آئی سے ٹیکسٹائیل ٹیکنالوجی (ایل ٹی ایم) کی سند حاصل کی۔ ممبئی یونیورسٹی کی میرٹ لسٹ میں وہ ساتویں نمبر پر رہے۔ بعد ازاں انہوں نے مہاراشٹر، مدھیہ پردیش، اتر پردیش اور پنجاب کی مختلف نامور ٹیکسٹائیل ملوں میں ملازمت کی۔ کبھی اسپننگ ماسٹر کبھی مینیجنگ ڈائریکٹر اور کبھی فیکٹری مینجر کے عہدوں پر رہے۔ آخر کار یہ طویل سلسلہ ملازمت انہوں نے ۱۹۸۵ء میں از خود ترک کر دیا۔

منشی صاحب بچپن ہی سے بذلہ سنج اور پر لطف طبیعت کے مالک رہے۔ ابتدا میں ان کے کچھ خطوط ہفت روزہ بیباک (مالیگاؤں) میں شائع ہوئے۔ ان کے ذریعے انہوں نے اپنے اندر کے مزاح نگار کو دریافت کیا اور مزاح نگاری اختیار کر لی۔

طنز و مزاح میں ان کی سب سے پہلی تحریر ۱۹۶۸ء میں ہفت روزہ شہر یار (مالیگاؤں) کے اجراء کے وقت شائع ہوئی۔ اس کے بعد انہوں نے گویا مزاحیہ مضامین کا ایک طومار سا باندھ دیا۔

وہ ہفت روزہ شہریار، بیباک اور ممبئی کے روزنامہ انقلاب میں لگاتار لکھتے رہے۔ تین چار مضامین آل انڈیا ریڈیو ممبئی سے نشر ہوئے۔ ۱۹۹۲ء سے شگوفہ (حیدرآباد) کو بھی اپنی جولانئ طبع کا نشانہ بنایا۔ آج کل ممبئی میں اپنے بچوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ کبھی کبھار مالیگاؤں کے چکر ہوتے ہیں تو احباب بطور ''زیارت'' مل لیا کرتے ہیں۔ ان کی دو کتابیں شائع ہو کر منظر عام پر آ چکی ہیں:

۱) غم غلط:

۱۱۲ صفحات کی اس کتاب میں پندرہ طنزیہ ومزاحیہ مضامین ہیں جو ''پان'' سے شروع کر ''کان'' پر ختم ہوتے ہیں۔ ۱۹۹۳ء میں مالیگاؤں سے شائع ہوئی۔

محمد حسین منشی کے ان مضامین کی خوبی یہ ہے کہ قاری کسی سطر میں بور نہیں ہوتا۔ ہر دوسری سطر میں طنز ومزاح کی ایسی ضرب پڑتی ہے کہ وہ حیران ہو جاتا ہے۔ رضا نقوی واہی نے اس حقیقت کا اظہار ان لفظوں میں کیا ہے:

''ہنستے ہنساتے انہوں نے سماجی، معاشرتی، تمدنی اور تہذیبی مسائل پر سنجیدہ طنز و مزاح کے شوگر کوٹیڈ اسلوب میں اظہار خیال کیا ہے۔ ان کے مضامین میں تنوع بھی ہے اور زبان و بیان پر انہیں قدرت حاصل ہے جس سے یکسانیت اور ناہمواری کا احساس نہیں ہوتا.........'' ص۱

یوسف ناظم نے ان کی صلاحیتوں کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

''منشی محمد حسین ظرافت کی جو ڈش تیار کرتے ہیں اس میں طنز کے مقابلے میں مزاح کی جڑی بوٹیوں کے اجزاء مقدار میں زیادہ ہوتے ہیں.... طنز کو کس طرح مزاح سے ہم آہنگ، ہم رنگ اور ہم وزن رکھنا ہے، یہ گر منشی محمد حسین کی بائیں جیب میں پڑا ہے۔'' ص۲

ص۱: رضا نقوی واہی، غم غلط پر ایک نظر، غم غلط، محمد حسین منشی، مالیگاؤں ۱۹۹۳ء، ص ۱۱
ص۲: یوسف ناظم خندۂ گل، غم غلط، محمد حسین منشی، مالیگاؤں، ۱۹۹۳ء، ص ۱۳-۱۲

نامور اور معتبر مزاح نگاروں کے اعترافات کے بعد تبصرہ کے لئے باقی کیا رہتا ہے؟ راقم کے خیال میں منشی صاحب کا کمال یہ ہے کہ ان تمام مضامین میں انہوں نے پھوہڑ پن، لذتیت اور سوقیانہ پن سے اپنا دامن محفوظ رکھتے ہوئے مزاح کے گل بوٹے بلکہ کانٹے بھی سجائے ہیں۔ یہ وہ کانٹے ہیں جو بقول یوسف ناظم ''زہریلے نہیں ہوتے'' ص۱

۳) محاورے اور چٹخارے:

غم غلط کی اشاعت کے ایک سال کے اندر یعنی ۱۹۹۴ء میں مزاحیہ مضامین پر مشتمل محمد حسین منشی کی دوسری تصنیف منظر عام پر آئی۔ ۱۵۰ صفحات کی اس کتاب میں محاروں اور کہاوتوں کی ایسی ''دلچسپ تشریح'' چٹخارے لے کر بیان کی گئی ہے کہ قاری کے لب مسکراہٹ سے آشنا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے بشرطیکہ قاری میں مزاح سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیت موجود ہو۔ مولانا محمد حنیف ملی اور یوسف ناظم نے پیش لفظ تحریر کئے ہیں۔ موضوع کے اعتبار سے تصویری خاکوں اور کارٹونوں کی شمولیت نے کتاب کے مزاح کو دو چند کر دیا ہے۔

محمد حسین منشی کا قلم ظرافت رقم اب بھی رواں دواں ہے۔ ہر چند ان پر عمر کے تقاضے غالب آنے لگے ہیں، قلب پر حملہ بھی ہو چکا ہے۔ عبادت و ریاضت میں اضافہ ہو گیا ہے، مگر ظرافت اور زندہ دلی قائم ہے۔ اس کے بعد طنز و مزاح کے ''پوکھرن'' میں وہ کون سا دھماکہ کریں گے، وہی بہتر بتا سکتے ہیں۔

ص۱: یوسف ناظم خندۂ گل، غم غلط، محمد حسین منشی، مالیگاؤں، ۱۹۹۳ء، ص ۱۳۔۱۴

محمد رمضان (فیمس)

پیدائش: ۲؍ستمبر ۱۹۲۹ء

مالیگاؤں میں شاہراہ موسیقی پر سفر کرنے والے کو قدم قدم پر رمضان بھائی فیمس کے نقوشِ قدم دکھائی دیں گے۔ ''فیمس'' یہ نام رمضان بھائی کا تخلص تو نہیں البتہ شناخت ضرور ہے جوان کے موسیقی کے ادارے ''فیمس میوزک سینٹر'' کی وجہ سے انہیں ملا۔

ان کی زندگی بڑے نشیب وفراز سے گذری ہے۔ ۱۹۴۳ء میں انہوں نے ساتویں جماعت کا امتحان دیا اور پورے سینٹر میں اوّل رہے۔ لیکن گھریلو حالات نے پیروں میں زنجیر باندھ دی اور وہ مزید تعلیم حاصل کرنے سے محروم رہ گئے۔ ترک تعلیم کے بعد پاورلوم پر بحیثیت مزدور کام کرنے لگے۔ دس سال تک محنت مزدوری کرنے کے بعد اپنا ذاتی ایک لوم خریدا۔ وہ اس لوم پر خود کام کرتے تھے اور اپنے خاندان کی کفالت کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان کی جان توڑ محنت رنگ لائی۔ اب ان کا شمار خوش حال صنعت کاروں میں ہوتا ہے۔ موصوف کے ایک فرزند عبدالماجد مہاراشٹر کالج، ممبئی میں لکچرار ہیں اور دوسرے ڈاکٹر ہیں۔ دیگر فرزندان گھر کا کاروبار بحسن وخوبی سنبھال رہے ہیں۔

رمضان بھائی نے احسان دانش کی طرح اسکولی تعلیم کی کمی کو مطالعہ سے پورا کیا۔ وہ اردو لائبریری کے قدیم ترین رکن اور مجلس منصرمہ کے ممبر ہیں۔ ابتدا میں بلا امتیاز صنف مطالعہ کرتے رہے۔ پھر آہستہ آہستہ ان کا فطری رجحان اور میلان طبع رہنمائی کرتا گیا۔ ناول اور افسانوں میں دلچسپی کم ہوتی گئی۔ سفرنامے، سوانح اور طنز ومزاح کی کتابیں تمام پڑھ ڈالیں۔ عموماً وہ کسی ایک مصنف کی تمام تخلیقات پڑھنے کی کوشش کرتے۔ اسی دوران موسیقی کا شوق بھی پورا کرتے رہے۔ موسیقی کی صلاحیت ان کے اندر خداداد ہے۔ اسلئے بہت جلد ترقی کی منزلیں طے کرتے گئے۔ ۱۹۶۴ء میں کلاسیکل سنگیت میں وشارد (گریجویٹ) ہوئے۔ مختلف سازوں کی مہارت حاصل ہے۔ آواز بہت اچھی پائی ہے۔ غزل گائیکی اور خوبصورت غزلوں

کی خوبصورت دھنیں ترتیب دینے میں جواب نہیں رکھتے۔ موسیقی کی محفلوں میں سامعین کو ان کی باری کا انتظار ہوتا ہے۔

اپنی اس صلاحیت کو انہوں نے بچوں میں تقسیم کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ برسوں تک وہ جے اے ٹی جونیر کالج آف ایجوکیشن میں درسِ موسیقی دیتے رہے۔ اب سبکدوش ہو چکے ہیں۔ معصوم طلبہ وطالبات کے لئے گیتوں کی معصومانہ طرز تیار کرنا اور انہیں گیت گانے کی تربیت دینا۔ اس کام کو وہ زندگی بھر انجام دیتے رہے ہیں۔ شہر کا ہر تعلیمی ادارہ اس معاملے میں انکا احسان مند ہے۔

مطالعہ کی کثرت عموماً کسی شخص کے اندر کے تخلیق کار کو بیدار کر دیتی ہے۔ ان کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ محنت مزدوری اور موسیقی سے فرصت ملتی تو مزاحیہ نظم ونثر کی طرف توجہ کرتے۔ شاعری انہوں نے احمق مالیگانوی کے نام سے کی۔ ان کے مزاحیہ کلام میں ''ہندوستانی فلمی ہیرو کا ترانہ'' خاصے کی چیز ہے۔ اس میں تیرہ بند ہیں۔ انہوں نے جب اپنا پہلا طنزیہ ومزاحیہ مضمون لکھا تو ان کی بڑی پذیرائی ہوئی۔ بیرسٹر عبدالمجید سالک، شبیر احمد حکیم، عبدالمجید سرور اور سجاد عزیز جیسے اہلِ علم وقلم نے دادِ تحریر دی۔ اور ان کے حوصلوں کو بڑھایا۔

''روزگار کی تلاش'' اس عنوان پر شگوفہ حیدرآباد کی جانب سے مزاحیہ مضمون نگاری کا ایک کل ہند مقابلہ منعقد ہوا تھا۔ رمضان بھائی کو دوسرا انعام ملا۔ بعد میں وہی مضمون شگوفہ میں شائع ہوا۔ دیگر مضامین ہفت روزہ بیباک میں اشاعت پذیر ہوئے۔

موصوف محنت کشی کے زینے سے آسودگی کی فصیلوں تک پہنچے ہیں۔ اسلئے انہیں مسلمانوں میں تعلیم کی کمی اور مزدوروں کی حالتِ زار کا شدت سے احساس رہتا ہے۔ اسی جذبہ کے تحت انہوں نے ہفت روزہ سٹی زن ٹائمز میں اصلاحی اور معاشرتی مضامین کا ایک مفید سلسلہ شروع کیا۔ اور مسلمانوں کو عموماً اور مزدوروں کو خصوصاً پسماندگی کے دلدل سے نکالنے کی کامیاب کوشش کی۔ بعد میں یہی سلسلہ روزنامہ ''شامنامہ'' اور ہفت روزہ بیباک میں جاری رکھا۔ اس سلسلے نے اخبار بیں طبقے میں کافی مقبولیت حاصل کی۔

رمضان بھائی کو خدا نے ایک عطیہ اور دیا ہے وہ یہ کہ کسی بھی چیز کو بہت جلد سیکھ جاتے ہیں۔ ابھی چند برس قبل انہیں انگریزی زبان سیکھنے کا شوق ہوا۔ سال بھر نہ گذرا تھا کہ انہوں نے ٹائمز آف انڈیا کے مضامین کا بامحاورہ ترجمہ شروع کر دیا۔ یہ ترجمے بھی ''شامنامہ'' میں شائع ہو چکے ہیں۔

فن موسیقی کو بھی اپنے قلم کی جولانیوں سے محروم نہیں رکھا۔ سر، تال اور گائیکی کے تعلق سے ان کے مضامین ہفت روزہ بیباک کے علاوہ سہ ماہی توازن (مالیگاؤں: مدیر: عتیق احمد عتیق) میں بھی شائع ہوئے۔ موسیقی کے تعلق سے ان کا دلچسپ ترین اور گراں قدر مضمون وہ ہے جو ''گگن'' کے مذاہب عالم نمبر میں شائع ہوا ہے۔ راقم السطور کو موسیقی کی جو معمولی سی سمجھ ملی ہے وہ انہیں کی صحبت کا فیض ہے۔ وہ ڈراموں میں اداکاری بھی کر چکے ہیں۔

تعارف موسیقی:

رمضان بھائی نے تعارف موسیقی کے نام سے ایک چھوٹی سی کتاب مبتدیوں کے لئے تحریر فرمائی ہے جو ۲۰۰۱ء میں مالیگاؤں سے اشاعت پذیر ہوئی۔ اس میں موسیقی کی تمام اصطلاحات کی توضیح اور سارے گاما کی بنیادی معلومات سے لے کر راگ راگنیوں کی خصوصیات تک بیان کی گئی ہیں۔ نیز موسیقی کی زبان۔ سر، لے، تال وغیرہ کی معلومات نہایت عام فہم اور دلنشیں انداز میں دی گئی ہے۔ ترتیب منطقی ہے اور مبتدیوں کی نفسیات کے عین مطابق ہے۔

رمضان بھائی کی اس فن میں مہارت اور ان کی یاداشت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس کے لکھنے کے لئے انہیں کسی کتاب کو حوالے کے طور پر دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

رمضان بھائی کی ذہانت، طباعی اور خلاقی کے جوہر ان کی مزاحیہ تحریروں میں زیادہ نمایاں ہیں۔ لکھتے رہتے تو مزاح نگاروں کی صف اول میں ہوتے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ کسی سرگرمی کو یک لخت ترک کر دینے کو عیب نہیں جانتے مگر پھر افتادِ طبع کے ہاتھوں مجبور ہو کر دوبارہ میدان میں آجاتے ہیں۔

آج کل مختلف النوع مضامین تحریر کر رہے ہیں۔

ایم اے زاهد

پیدائش: ۲۳؍مارچ ۱۹۳۶ء

ایم اے زاہد کا پورا نام مشتاق احمد ابن حافظ عبدالجبار ہے۔ مالیگاؤں کی پیدائش ہے۔ ساتویں جماعت پاس کرنے کے بعد لوم پر مزدوری کرنے لگے۔ پھر ریسٹورنٹ چلایا اور اب سبکدوشی کی زندگی گذار رہے ہیں۔

مالیگاؤں میں ایک طریقہ ہے کہ سڑکوں اور چوراہوں پر بلیک بورڈ رکھ دیئے جاتے ہیں جنہیں اعلانات اور تشہیر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض بورڈوں پر اصلاحی مضامین بھی تحریر کئے جاتے ہیں۔ شہر کے مشہور چوک ''فتح میدان'' میں ایم اے زاہد کے لکھے ہوئے خوبصورت اور رنگین بورڈ اور اس کے متن کو شہر میں بہت پسند کیا جاتا ہے۔ یہ اصلاحی مقصد سے لکھا جاتا ہے۔ اسے وہ خود ترتیب دیتے ہیں جو مختصر اور جامع طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ ادیب الملک حضرت ادیبؔ مالیگانوی کی نظر سے یہ مضامین گذرے، انہوں نے ایم اے زاہد سے ملاقات کر کے مبارک باد دی اور انہیں نثر لکھنے کی ترغیب دلائی بس یہیں سے ان کی نثر نگاری کی شروعات ہوتی ہے۔

حضرت ادیبؔ نے ان کا نام زاہد رکھا۔ جمنا داس اختر کے سویرا ویکلی میں ان کا پہلا مضمون ''شریک غم'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس سے حوصلہ پا کر انہوں نے تاریخی، ادبی اور مذہبی معلومات پر مبنی مضامین لکھنے کا سلسلہ شروع کیا۔ جو انقلاب اور اردو ٹائمز کے علاوہ محراب اور حدیٰ جیسے ڈائجسٹوں میں اشاعت پذیر ہوتے رہے۔ یہ سارے مضامین معلوماتی تھے۔ جب قلم میں مزید روانی آئی تو، اسلامی، تاریخی اور بعض سائنسی مضامین بھی تحریر کئے۔ مثلاً روزہ اور سائنس، زمزم اور سائنس وغیرہ۔ یہ مضامین زیادہ تر بتول اور ذکریٰ وغیرہ رسالوں میں شائع ہوئے۔ ڈیڑھ سال تک مقامی ہفتہ وار ''معیار زندگی'' بھی ایڈیٹ کیا جس میں کچھ سیاسی مضامین بھی لکھنے کا موقع ملا۔

تعمیر ہریانہ اور آندھراپردیش ان دو رسالوں میں ان کی کہانیاں بھی شائع ہوئی ہیں۔ لیکن بہرحال کہانی کی طرف ان کی توجہ کم رہی۔

ایم اے زاہد نے پچاس سے اوپر مضامین لکھے۔ عبدالوحید صدیقی (ہما: دہلی) اور مولانا محمد عثمان فارقلیط (الجمعیۃ دہلی) جیسی محترم شخصیتوں نے انہیں خطوط لکھ کر تعریف وتوصیف اور حوصلہ افزائی فرمائی مگر یہ حوصلہ افزائی بھی کام نہ آئی۔ نثری سرگرمیاں ترک کئے بیٹھے ہیں اور دوبارہ شروع کرنے کا ارادہ بھی نہیں ہے۔

مولانا محمد میاں مالیگ

پیدائش: ۳رمئی ۱۹۳۸ء

مولانا محمد میاں کی شخصیت ایسی نہیں کہ چند سطروں میں اس کا بیان ہو سکے۔ برطانیہ جیسے مذہب بیزار ملک میں وہ جس عزم وہمت کے ساتھ دین مبین کی تبلیغ واشاعت میں مصروف ہیں وہ انہیں کا حصہ ہے۔ ان کے مختصر حالات درج ذیل ہیں۔

مولانا کی پیدائش مالیگاؤں میں ہوئی۔ ان کے والد کا نام مولانا محمد یونس ہے۔ آباء واجداد ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد منو کو پاضلع اعظم گڑھ (یوپی) سے نقل مکانی کر کے مالیگاؤں آئے تھے۔ مولانا نے اردو کی چوتھی جماعت تک کی تعلیم پرائمری اسکول میں اور پھر ساتویں جماعت تک اے ٹی ٹی ہائی اسکول میں پائی۔ مالیگاؤں کے ایک مکتب میں ناظرہ قرآن شریف پڑھا۔ ۱۹۵۲ء میں ان کے والد تلاشِ معاش اور تبلیغ دین کے سلسلے میں گجرات چلے گئے۔ مولانا محمد میاں نے کولونہ ضلع بھڑوچ (گجرات) میں والد ماجد کے پاس چودہ پارے حفظ کئے۔ بعد ازاں دار العلوم شاہ عالم احمد آباد میں حافظ سید صابر علی صاحب ٹونکی کے پاس حفظ کی تکمیل کی۔ تجوید کی تعلیم قاری محمد معین الدین صاحب امین دانش ٹونکی سے حاصل کی۔

مولانا اس کے بعد ریاستِ گجرات کی مختلف مساجد میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ چار برس تک احمد آباد میں اسپئیر پارٹس کی دکان پر ملازمت بھی کی۔ یکم جنوری ۱۹۷۲ء کو انگلینڈ پہنچے۔ اور ڈولے (برطانیہ) کی مسجد میں امامت وخطابت کے فرائض نو برس تک انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد اولڈ بری کی جامع مسجد میں ذمہ داری قبول کی۔ فی الحال وہ اسی مسجد کے امام وخطیب ہیں۔ برطانیہ میں وہ بچوں کو قرآن پاک پڑھانے کی خدمت بھی انجام دیتے ہیں۔

مولانا اگر چہ کسی دینی مدرسہ کے فارغ نہیں لیکن ان کا دینی مطالعہ غضب کا ہے۔ دوران مطالعہ علامہ مشتاق احمد نظامی اور علامہ ارشد القادری صاحب مصباحی سے کافی متاثر ہوئے لیکن

سب سے زیادہ اثر انہوں نے امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کی تحریروں سے قبول کیا۔ ان کی سب سے پہلی تحریر گجراتی ماہنامے طیبہ احمد آباد میں ۱۹۵۹ء میں شائع ہوئی۔ دیگر رسائل جن میں مولانا کی تخلیقات اشاعت پذیر ہوئیں وہ المیزان (ممبئی)، استقامت (کانپور)، ترجمان اہلسنت (کراچی)، رضائے مصطفیٰ (گوجرانوالہ)، سیدھا راستہ (لاہور) اور الدعوۃ الاسلامیہ (بریڈ فورڈ: لندن) ہیں ہفت روزہ اخبارات میں اخبار وطن (لندن)، راوی (بریڈ فورڈ) اور انوار (مالیگاؤں)، نیز روزناموں میں ملّت، آواز، جنگ (لندن) شامل ہیں۔

بھیونڈی کے اہل علم شبیر احمد راہی مرحوم کی ایک کتاب مناظرۂ بھیونڈی کا تنقیدی جائزہ بھی مولانا نے لکھا جو المیزان (ممبئی) میں قسط وار شائع ہوا ہے۔[۱]

سینکڑوں مضامین کے علاوہ مولانا کی چار مختصر تصانیف بھی شائع ہو چکی ہیں۔ اول الذکر تین کتابیں ۱۹۹۳ء میں شائع ہوئیں۔ دیگر تفصیلات درج ذیل ہیں۔

۱) شرک کیا ہے؟

موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے۔ غیر اللہ سے مدد مانگنے کے شرک ہونے یا نہ ہونے کے تعلق سے مولانا محمد میاں کی طویل تحریری گفتگو مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی سے ہوئی تھی۔ جس کو شرک کیا ہے؟ کے عنوان سے شائع کیا گیا ہے۔ کتاب ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

مسلکی اختلاف کے باوجود مولانا محمد میاں نے اس مراسلت میں گفتگو کے جن اعلیٰ آداب کا ثبوت بہم پہنچایا ہے وہ قابل تقلید ہے۔ مثال ملاحظہ ہو:

> "۱۶/مئی ۱۹۹۱ء کا مرقوم آپ کا جواب نامہ مجھے بروقت مل گیا۔ ۱۳/مئی کے اپنے خط میں اپنا پتہ نہ لکھ کر میں نے آپ کو جو تکلیف پہنچائی ہے اس کے لئے میں صمیم قلب سے آپ سے معافی کا خواستگار ہوں۔ امید ہے کہ چھوٹا بھائی سمجھ کر آپ مجھے ضرور معاف فرماویں گے.........."[۲]

---

[۱]: محمد میاں مالیگ، مناظرہ بھیونڈی کا جواب، المیزان، مبئی، جون ۱۹۷۵ء، ص ۳

[۲]: محمد میاں مالیگ، شرک کیا ھے؟، برطانیه ۱۹۹۳ء، ص ۳۵

۲)مقصود الٰہی کیا ہے؟

رویت ہلال کے موضوع پر آٹھ صفحات کا ایک مختصر کتابچہ ہے۔ جس میں مولانا نے ترقی کے نام پر چاند کی رویت کے بغیر ہی عید ورمضان کے تعین پر اصرار کرنے والوں کے سامنے مسئلہ کی صحیح شکل واضح کرنے کے ساتھ ساتھ اس سلسلے میں عربوں کے غلط فیصلوں پر تنقید بھی کی ہے۔

۳)رشک خوبان جہاں:

اس میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ حضور پاک ﷺ حسن اخلاق اور عادات واطوار میں بے مثال، بے نظیر اور لاجواب ہیں اور کوئی بھی انسان یا مخلوق ان کی مثل ومشابہ نہیں۔

مندرجہ بالا تینوں کتابوں کی اشاعت کا اہتمام رضا ریسرچ اینڈ پبلیشنگ بورڈ، مانچسٹر، برطانیہ نے کیا ہے۔

۴)اس کی باقی ابھی عدالت ہے:

۴۴ صفحات کی یہ کتاب رضا اکیڈمی، مالیگاؤں نے جنوری ۲۰۰۰ء میں شائع کی۔ اس میں مولانا کے چھ مضامین شامل ہیں جو انہیں مراسلات پر مبنی ہیں جو انہوں نے لندن کے مختلف اردو اخبارات میں شائع فرمائے۔

مولانا محمد میاں کی تحریریں مسلک اہل سنت کے دفاع اور تبلیغ کے لئے ہوتی ہیں۔ روزنامہ جنگ (لندن) میں شائع شدہ ان کے مراسلات ڈیڑھ سو صفحات پر پھیل سکتے ہیں۔ مولانا کی کوشش یہ ہے کہ انہیں جمع کر کے کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ شرک وبدعت کے ہی عنوان پر مولانا محمد میاں کی تفصیلی تحریری گفتگو جمعیت اہلحدیث برطانیہ کے جنرل سکریٹری مولانا عبد الاعلیٰ درانی اور مولانا شفیق الرحمٰن شاہین سے بھی ہوئی ہے جو تین چار سو صفحات پر مشتمل ہے۔ مولانا کا ارادہ ان کی اشاعت کا بھی ہے۔

مولانا نیاز احمد مالیگ مولانا محمد میاں کے بھائی ہیں جو سمیدک (برطانیہ) کی ایک مسجد میں درس وتدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ مولانا کے بڑے بیٹے محمد ارشد مصباحی مانچسٹر کی وکٹوریہ پارک کی جامع مسجد میں درس وخطابت میں مصروف ہیں۔ مولانا ابوزہرہ رضوی، مولانا محمد میاں کے بھانجے ہیں جن کا تذکرہ اسی کتاب میں موجود ہے۔ مولانا چونکہ مالیگاؤں میں مختصر عرصہ کے لئے رہے اس لئے شہر کے لوگ ان سے کم واقف ہیں۔

قاری عبدالصمد فیضی

پیدائش: ۸/ جنوری ۱۹۳۹ء

قاری عبدالصمد کے آباء واجداد مئو ناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ سے مالیگاؤں آئے تھے۔ ان کے والد کا نام عبداللطیف ہے۔ قاری صاحب کی پیدائش مالیگاؤں کی ہے۔ صرف آٹھویں جماعت تک تعلیم پا سکے۔ ۱۹۵۲ء میں سلسلۂ تعلیم ترک کر کے پاورلوم اور سائزنگ کے کاروبار میں مصروف ہوئے۔ دن کاروباری مصروفیتوں میں گذارتے اور رات میں مسجد اہلحدیث محلہ قلعہ میں جاری شبینہ مدرسہ محمدیہ میں قاری جنید علی حیدرآبادی سے فنِ تجوید اور قرأتِ سبعہ وعشرہ کی تحصیل کرتے۔ قاری عبدالصمد نے چار برسوں میں تکمیل کی۔ بعد میں قاری جنید علی پاکستان چلے گئے۔ لیکن قاری عبدالصمد کے قالب میں اپنا ایک لائق جانشین چھوڑ گئے۔

قاری صاحب نے آواز خوب پائی ہے۔ انہوں نے قرأت میں خاصی مشق بہم پہنچائی۔ ایک زمانے تک شہر کے ہر اہم پروگرام کا آغاز قرأت سے کرنے کے لئے انہیں یاد کیا جاتا رہا۔ ۱۹۷۲ء میں انہوں نے کالی کٹ (کیرالا) میں قرأت کے کل ہند مقابلے میں دوّم انعام حاصل کیا۔ تین چار سال کے بعد دوبارہ اسی مقابلے میں دوّم انعام پایا۔ قاری صاحب مہاراشٹر قرأت ایسوسی ایشن کے صدر رہ چکے ہیں۔ اس فن میں ایک رسالہ بھی تالیف کیا ہے۔

انوار التجوید:

اپنے علم وفن کا فیض نئی نسل تک پہنچانے کے لئے قاری عبدالصمد نے فنِ تجوید وقرأت پر یہ رسالہ سیدنا حفصؒ کوفی کی روایت کے مطابق ترتیب دیا۔ جو اگست ۱۹۸۹ء میں مالیگاؤں سے شائع ہوا۔ یہ رسالہ انہوں نے اپنے استاد کے حکم پر لکھا۔ انہوں نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ قواعد تجوید کی کسی لمبی بحث وگفتگو میں پڑے

بغیر بالکل اختصار اور مکمل طریقے سے قلم بند کردیے جائیں۔

اس کا دوسرا ایڈیشن جو اکتوبر ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا، ایک دوسری تالیف کا درجہ رکھتا ہے۔ دوسرا ایڈیشن امام حفصؒ اور امام ابو بکر شعبہؒ دونوں ہی زاویوں کی روایتوں کے مطابق مرتب کیا گیا۔ نہایت سلیس، عام فہم اور دلکش اسلوب ہے۔ اب اس کا تیسرا ایڈیشن بھی طبع ہو چکا ہے۔

قاری صاحب نے اپنے بچوں میں اس فن کی آبیاری میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ ان کے ایک فرزند قاری عبدالمتین جو تجوید کے معلم ہیں، انہوں نے ۔ اگر پدر نتواند پسر تمام کند کے مصداق آل انڈیا قرأت کے مقابلوں میں چار بار اوّل انعام حاصل کیا۔ دوسرے فرزند محمد امین فیضی جمہور ہائی اسکول میں فزیکل انسٹرکٹر ہیں۔ قاری صاحب کی چار بچیوں نے بھی اس فن میں مہارت حاصل کی ہے، ان میں سے ایک مدرسہ محمدیہ منصورہ میں قرأت و تجوید کی تعلیم دے رہی ہیں۔

مولانا عبدالاحد ازھری

پیدائش : یکم جون ۱۹۴۱ء

مولانا عبدالاحد ازہری کے والد، ماسٹر عبدالعزیز ایاز لطفی خود بھی اچھے شاعر تھے۔ سیاسی اور سماجی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ انہوں نے اپنے بچوں کی علمی تربیت میں بڑی کوشش کی یہی سبب ہے کہ ان کے تمام بیٹے مختلف سماجی، ادبی، علمی اور صحافتی میدانوں میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

مولانا عبدالاحد کی پیدائش مالیگاؤں کی ہے۔ تعلیم کی ابتدا پرائمری اسکول سے ہوئی پانچویں جماعت کے بعد معہد ملت میں داخلہ لیا جو ۱۹۵۳ء میں نیا نیا قائم ہوا تھا۔ مولانا کو اس دینی درس گاہ کے اولین طالب علم ہونے کا شرف حاصل ہے۔ مولانا نے یہاں سے نہ صرف عالمیت کا کورس پورا کیا بلکہ حفظ قرآن بھی مکمل کرلیا۔ بعد ازاں دارالعلوم دیوبند میں دو برس زیر درس رہے اور درس نظامی کی بعض اونچی کتابیں پڑھیں جو پڑھنے سے رہ گئی تھیں۔ ۱۹۶۰ء میں ان کے استاد مولانا عبدالحمید نعمانی نے انہیں معہد ملت میں تدریسی خدمات پر لگا دیا ہے دو ڈھائی سال کے بعد مولانا نعمانی نے انہیں جامعہ ازہر قاہرہ (مصر) بھیج دیا۔ ۱۹۶۵ء تک جامعہ ازہر کے دینیات کالج میں شعبۂ عقیدہ و فلسفہ میں دو سال تعلیم حاصل کی اور وہاں سے بی اے کے مساوی ڈگری لے کر وطن لوٹے اور دوبارہ تدریسی خدمات سے وابستہ ہو گئے۔ جنوری ۱۹۷۳ء میں قضا کی ٹریننگ کے لئے پھلواری شریف پٹنہ پہنچے اور مولانا منت اللہ رحمانی اور مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی کے زیر سرپرستی و زیر نگرانی قضا اور فصل خصومات کی مکمل ٹریننگ حاصل کی۔ ۳ رجون ۱۹۷۳ء کو معہد ملت میں دارالقضاء کی بنیاد رکھی گئی اور مولانا کو قاضیٔ شریعت دارالقضاء مالیگاؤں نامزد کیا گیا۔ اس وقت سے لے کر آج تک وہ اس جلیل القدر عہدے پر فائز ہیں اور باہمی مناقشات کو شریعت اسلامی کی بنیاد پر حل کر رہے ہیں۔ مولانا محمد حنیف ملی کے انتقال کے بعد معہد ملت میں شیخ الحدیث اور

صدر المدرسین کی ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں۔ گذشتہ چالیس برسوں سے شہر کی مختلف مساجد میں نماز تراویح میں قرآن پاک سنا رہے ہیں۔ گولڈن نگر کی عیدگاہ پر نماز عیدین کی امامت بھی فرماتے ہیں۔

مولانا نے شعور سنبھالا تو لکھنے پڑھنے کا ماحول گھر میں موجود پایا۔ بچپن سے ہی مطالعہ کا بے حد شوق رہا ہے۔ ان کے مضامین اور ترجمے ملک کے موقر اور معیاری رسائل میں چھپتے رہے ہیں۔ ''سرزمین شام میں کتابیں اور کتب خانے، بہترین لائبریریاں اور نفیس ترین کتابیں'' کے عنوان سے ایک ترجمہ عرصہ ہوا ندوۃ المصنفین کی طرف سے شائع ہونے والے رسالے برہان میں شائع ہوا تھا۔ ھدیٰ اور ہما ڈائجسٹ (دہلی) میں بہت سارے ترجمے شائع ہوئے ہیں۔ ایک زمانے میں مولانا عبدالوحید صدیقی نے مولانا ازہری کو ان دونوں رسالوں کے مستقل قلم کاروں میں شامل کرلیا تھا۔ کچھ مضامین امارت شرعیہ بہار کے ترجمان نقیب میں بھی اشاعت پذیر ہوئے۔

۱۵ر مارچ ۱۹۸۱ء کو پندرہ روزہ گلشن کا اجراء ہوا۔ مولانا موصوف اس کے چیف ایڈیٹر بنائے گئے۔ یہ پرچہ آٹھ برسوں تک جاری رہا۔ مولانا اس کے اداریئے رقم کرنے کے ساتھ ساتھ مضامین بھی لکھتے رہے۔ ان کے اداریئے بھی مستقل مضمون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ملت اسلامیہ کی تئیں ان کا درد دلی ان تحریروں سے صاف جھلکتا ہے۔ ان میں چند ایک سوانحی مضامین ہیں باقی سب اصلاحی ہیں۔ ان کی تحریروں کا بنیادی مقصد مسلمانوں کی اصلاح، غیر ضروری رسم و رواج، بدعات اور میلوں ٹھیلوں میں خرافات کا خاتمہ ہے، ساتھ ہی وہ اس کی خواہش بھی رکھتے ہیں کہ مسلمان اسلامی طور طریقوں کے مطابق زندگی گذاریں۔ گلشن کی زندگی کے آٹھ برسوں میں مولانا نے ایک سو دس مضامین لکھے ہیں۔ یہ مضامین مسلمانوں کی پسماندگی، جہالت، بے حسی اور کمزوری کے خلاف ایک پیغام جہاد کا حکم رکھتے ہیں۔ ان مضامین سے ان کا اطمینان نہیں ہوتا تو شہر میں اصلاح معاشرہ کے پروگراموں اور جلسوں کے ذریعے اپنے خیالات کا اظہار کرنے لگتے ہیں۔

مولانا عبدالحمید نعمانی کے عزیز ترین شاگردوں میں مولانا محمد حنیف ملی مرحوم کے ساتھ ساتھ مولانا عبدالاحد ازہری بھی شامل ہیں۔ مارچ ۱۹۸۹ء میں ''گلشن'' کے بند ہونے کے بعد مولانا نے بہت کم لکھا ہے۔

مولانا ازہری علم دین کی نزاکتوں اور باریکیوں سے بخوبی واقف ہیں۔ مطالعہ بھی اچھا ہے اور تحریری صلاحیت بھی خوب ہے۔ اس بناء پر شہر بجا طور پر ان سے توقع رکھتا ہے کہ علم دین اور تحقیق

کے میدان میں کوئی مستقل کام کرنے کا بیڑہ اٹھائیں، وقت تیزی سے گذرتا جارہا ہے۔ ورنہ خدشہ یہ ہے کہ مولانا نعمانی، مولانا محمد عثمان، مولانا جمال الدین لبیب اور ان کے رفقا. نے تحریر و تحقیق کا جو پودا لگایا تھا وہ مرجھا نہ جائے۔ اس سلسلے میں معہد ملت قائدانہ کردار ادا کرسکتا ہے اور اسے کرنا چاہئے۔

اسحٰق خضرؔ

پیدائش: یکم ستمبر ۱۹۴۱ء

پورا نام محمد اسحٰق ابن محمد حسن منشی اور تخلص خضرؔ ہے۔ مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد مالیگاؤں ہائی اسکول میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۰ء میں ایس ایس سی کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۶۲ء میں اسماعیل یوسف کالج، جوگیشوری (ممبئی) سے انٹر سائنس کامیاب کیا۔ پھر مالیگاؤں واپس آ کر ایم ایس جی کالج میں بی اے میں داخلہ لیا لیکن انگریزی ادب سے گریجویشن کی تکمیل ۱۹۶۴ء میں ایچ پی ٹی کالج (ناسک) سے کی۔ انگریزی ادب سے ہی پوسٹ گریجویشن سینٹ زیویرس کالج ممبئی سے ۱۹۶۸ء میں کیا اور ۱۹۶۹ء میں ایس ٹی کالج ممبئی سے بی ایڈ کی ٹریننگ حاصل کی۔

اسحٰق خضرؔ نے جس طرح اپنی تعلیم کے لئے دربدر کی خاک چھانی، اسی طرح ملازمت میں بھی کافی دنوں کے بعد ایک مقام پر جمنے کا موقع ملا۔ ملازمت کی شروعات انہوں نے جمہور ہائی اسکول سے کی۔ ایک سال سروس کرنے کے بعد ممبئی چلے گئے اور باندرہ اردو ہائی اسکول میں چار سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ واپس مالیگاؤں آئے اور تہذیب ہائی اسکول میں پانچ برس معاون مدرس کے طور پر خدمت کرنے کے بعد بھیونڈی روانہ ہو گئے۔ یہاں انہیں نئی قائم شدہ بھیونڈی ویورس ہائی اسکول (موجودہ صمدیہ ہائی اسکول) میں ایک سال تک بحیثیت صدر مدرس کام کرنے کا موقع حاصل ہوا۔ ۱۹۷۵ء میں ''خانہ بدوشی'' ملازمت کا خاتمہ ہوا۔ وہ تہذیب ہائی اسکول مالیگاؤں کے صدر مدرس مقرر کئے گئے۔ ۱۹۹۹ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

مندرجۂ بالا حقائق سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے بہت دنیا دیکھی ہے۔ وہ گوناگوں تجربات، حالات اور مقامات سے گذرے ہیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس دوران وہ انگریزی، اردو اور فارسی ادب اور شاعری کے مطالعے سے غافل کبھی نہیں رہے۔ جس کا چسکہ انہیں ہائی اسکول کے زمانے سے پڑ

چکا تھا۔ اسکول کے زمانے سے ہی وہ غزلیں، نظمیں، مضامین، خاکے اور ڈرامے لکھنے کی مشق بہم پہنچانے لگے تھے ان کا خاص میدان بچوں کی شاعری اور مزاح نگاری ہے ویسے میدان غزل میں بھی فنکاری کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔ ''تشنگی زحمتِ سفر'' کے نام سے ایک مجموعہ کلام جنوری ۲۰۰۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔

ابتدا میں ان کے ہلکے پھلکے مضامین اور نصیحت آموز کہانیاں ہندوستان اور انقلاب (ممبئی) میں بچوں کے صفحات میں اشاعت پذیر ہوئیں۔ مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکیڈمی نے بچوں کی نظموں کا ایک مجموعہ ۱۹۹۳ء میں ''چاند ستارے'' کے نام سے شائع کیا ہے۔

اگر چہ ان کا خاص میدان طنز و مزاح ہے لیکن ادبی، تنقیدی اور تعلیمی مضامین بھی کافی تعداد میں لکھے ہیں جن میں سے اکثر مقامی اخبارات میں چھپے ہیں۔ قرطاس (ناگپور)، ایوان اردو (دہلی)، آواز (دہلی) اور شگوفہ (حیدرآباد) میں بھی مزاحیہ اور تعلیمی مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ مزاحیہ مضامین کا ایک مجموعہ منظر عام پر آ چکا ہے۔

پہلی غلطی:

ہندوستان کے مختلف رسائل میں لکھتے لکھتے آخر ان سے ''پہلی غلطی'' سرزد ہو ہی گئی۔ ''پہلی غلطی'' موصوف کے طنزیہ و مزاحیہ مضامین کا پہلا مجموعہ ہے جو ۱۹۸۹ء میں مالیگاؤں سے طبع ہوا۔ ۱۲۸ صفحات کی اس کتاب میں پندرہ مضامین شامل ہیں۔ تقریظ مشہور نقاد انور سدید (پاکستان) نے لکھی ہے۔ اور فلیپ پر یوسف ناظم اور مجتبیٰ حسین کی آراء شامل ہیں۔

اسحق خضر کی تحریر کے تعلق سے مجتبیٰ حسین کی رائے یہ ہے:

> ''وہ طنز و مزاح کے سارے حربوں سے واقف ہیں. کھیں کھیں طنز کی زہرناکی کے باوجود ان کے مضامین میں مزاح کی زیریں لہریں جاری و ساری دکھائی دیتی ہیں. زبان کا تخلیقی استعمال کرنا وہ خوب جانتے ہیں..'' ص۱

ص۱: مجتبیٰ حسین، سرورق پہلی غلطی، اسحق خضر، مالیگاؤں، ۱۹۸۹ء

انور سدید کے خیال میں:

"اسحق خضرؔ کے ہاں مزاح لالہ خود رو کی طرح پیدا ہوتا ہے۔ یہ ایسا مزاح ہے جسے آرائشِ خامہ کی ضرورت نہیں........مجھے ان کے ہاں کامیابی کے روشن امکانات نظر آتے ہیں" ص۲

مختصر یہ کہ اسحق خضر جس موضوع کا انتخاب کرتے ہیں اس کے سارے گوشوں کو اجاگر کر کے دم لیتے ہیں۔ اپنے فن کے آئینے میں انہوں نے سماج کو اس کا اصلی چہرہ دکھانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ فی الحال ان کی نثر نگاری پر بھی افسردگی کا عالم طاری ہے۔ آج کل 'بیباک' کے جوائنٹ ایڈیٹر کی نئی ذمہ داریاں سنبھال رہے ہیں۔

ص۲: انور سدید، تقریظ، پہلی غلطی، اسحق خضرؔ، مالیگاؤں، ۱۹۸۹ء

محمد حسن فاروقی

پیدائش: ۲؍دسمبر ۱۹۴۱ء

محمد حسن فاروقی ایولہ (ضلع ناسک) میں پیدا ہوئے۔ان کے والد عبدالرشید صاحب اینگلو اردو ہائی اسکول (موجودہ اے ٹی ٹی ہائی اسکول) کے ایک معزز اور محترم استاد تھے۔محمد حسن فاروقی کو گھر میں علمی اور مذہبی ماحول ملا۔جس کے سبب ان کے ذوق سلیم کی تربیت میں بڑی مدد ملی۔ انہوں نے ایم اے بی ایڈ تک تعلیم حاصل کی اور درس وتدریس کے مقدس پیشے سے وابستہ ہوئے۔ایک طویل عرصے تک جمہور ہائی اسکول اینڈ جونیئر کالج ،مالیگاؤں میں معاون مدرس کے طور پر کام کیا پھر سپروائزر ہوئے اس کے بعد پرنسپل، دسمبر ۱۹۹۹ء میں سبکدوش ہوئے۔

اے ٹی ٹی ہائی اسکول میں طالب علمی کے زمانے میں فاروقی صاحب کو ایسے اساتذہ میسر آئے جو شعروادب کا اعلیٰ ذوق ہی نہیں رکھتے تھے بلکہ خود بھی شاعر اور ادیب تھے۔مرحومہ عائشہ حکیم (جنھیں عرف عام میں عائشہ آپا کے نام سے یاد کیا جاتا تھا) جو بعد میں مالیگاؤں ہائی اسکول کی ہیڈ مسٹریس اور ایم ایل اے بنیں،ان سے بھی استفادہ کا موقع نصیب ہوا۔عائشہ آپا خود بھی افسانہ نگار اور مضمون نگار تھیں۔انہوں نے تحریری صلاحیت پیدا کرنے میں فاروقی صاحب کی مدد بھی کی اور حوصلہ افزائی بھی۔آصف بختیار سعید جیسے قلم کاران کے کلاس فیلو تھے۔

محمد حسن فاروقی نے تعلیمی مضامین سے نثر نگاری کی ابتدا کی۔جلگاؤں ٹائمز میں بحیثیت نائب مدیر ذمہ داریاں سنبھالیں۔اس کے بعد اکبر رحمانی جلگانوی نے اپنے تعلیمی رسالے ''آموزگار'' کا اجراء کیا (جواب بھی جاری ہے) ابتداء سے ہی حسن فاروقی اس کے نائب مدیر ہیں۔ایک زمانے تک وہ اقبال قریشی (سابق سپروائزر اے ٹی ٹی ہائی اسکول) کے ساتھ مل کر مالیگاؤں ٹائمز بھی نکالتے رہے۔حسن مستری کے ہفتہ وار ''مطلع'' کے اکثر اداریے موصوف کے ہی زور قلم کا نتیجہ ہوتے تھے۔

ماہنامہ جلیس (مالیگاؤں) میں ایک دو انشائیے بھی شائع ہو چکے ہیں۔

فاروقی صاحب کو مسلمانوں کی تعلیمی ترقی میں بڑی دلچسپی ہے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے نثر کی دوسری اصناف کی بجائے محض تعلیمی مضامین تحریر کرنے کو ترجیح دی۔ خوش قسمتی سے انہیں رسالہ ''آموزگار'' جیسا موثر پلیٹ فارم مل گیا۔ ان کے بے شمار مضامین اس رسالے میں شائع ہو کر دنیائے علم و تعلیم سے خراج تحسین وصول کر چکے ہیں۔ آموزگار کے زیادہ تر اداریے موصوف کے ہی قلم کے مرہون منت ہیں۔ حسن فاروقی انہیں مضامین کے توسط سے پہچانے جاتے ہیں۔ مختلف مقامات پر منعقدہ تعلیمی سیمناروں میں شریک ہونے اور مضامین و مقالات پڑھنے کے مواقع بھی ملے۔ ان کا ایک تحقیقی مضمون ''جنگ آزادی میں نثر نگاروں کا حصہ'' مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکیڈمی کے رسالے ''امکان'' میں شائع ہوا۔

بال بھارتی، پونہ مہاراشٹر کی درسی کتب تیار کرنے والا سرکاری ادارہ ہے۔ مہاراشٹر مراٹھی بولنے والوں کا علاقہ ہے لیکن اردو بولنے والوں کی اچھی خاصی آبادی ریاست کے مختلف حصوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ درسی کتب کسی بھی زبان کے معیار کی سند مانی جاتی ہیں اس لئے ان کی تیاری میں نہایت احتیاط اور محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ مختلف جماعتوں کے طلبہ و طالبات کے لئے ان کی عمر، صلاحیت و نفسیات کے پیش نظر نثر و نظم کا انتخاب تحریری مشقوں کی ترتیب اور اساتذہ کے لئے رہنما کتابوں کی تیاری بڑی مہارت مطالعہ، اور تجربہ کی متقاضی ہے، بال بھارتی پونہ کے اسپیشل اردو آفیسر کی حیثیت سے جناب بشیر احمد انصاری طویل مدت تک اس وادی پر خار سے برہنہ پا گذرتے رہے ہیں۔ ان کی سبکدوشی کے بعد غلام نبی مومن صاحب کو اس اہم کام کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔

محمد حسن فاروقی تعلیمی مضامین سے زیادہ اہمیت ان خدمات کو دیتے ہیں جو انہوں نے پہلے تو بال بھارتی کی لسانی کمیٹی کے مہمان رکن اور بعد میں رکن کی حیثیت سے انجام دی ہیں۔ اس ادارے میں انہیں بشیر احمد انصاری کے طویل تجربے اور مسز نور العین علی کے مطالعے اور تجربے سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔ انہوں نے درسی کتب کے ترجموں سے اپنے کام کا آغاز کیا۔ نویں جماعت کی کتاب تاریخ اور چھٹی، ساتویں، آٹھویں اور دسویں جماعتوں کی کتب شہریت کو اردو جامہ پہنانے کا وقت طلب کام انجام دیا۔ موصوف اردو کی درسی کتابوں کے ساتھ ساتھ ٹیچرس ہینڈ بک کی تیاری میں بھی شامل رہے۔ خصوصی طور پر دوسری جماعت سے نویں جماعت تک کی اردو بال بھارتی کے ہینڈ بک کی تیاری انہوں نے بڑی عرق ریزی اور محنت سے کی۔ جن اصحاب کو اس کا تجربہ ہے وہ جانتے ہیں کہ اساتذہ کے لئے رہنما کتب کی تیاری

کبھی کبھی اصل کتاب سے بھی زیادہ دشوار گذار ثابت ہوتی ہے۔ لیکن فاروقی صاحب اس سے کامیاب گذرے اور اہلِ علم حضرات نے ان کے کاموں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا۔

وہ اب بھی اردو لسانی کمیٹی بال بھارتی پونہ کے اہم رکن ہیں۔ ان کے بعض مضامین کو داخل نصاب کیا گیا ہے۔ تعلیمی موضوعات پر ان کے تحریر کردہ مضامین شائع کیے جائیں تو کئی جلدیں ہوسکتی ہیں۔

رفیع احمد

پیدائش: یکم اکتوبر ۱۹۴۲ء

ان کا اصل نام رفیع الدین اور والد کا نام بدرالدین ہے۔مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔ایس ایس سی پاس کرنے کے بعد پرائمری اساتذہ کا دوسالہ ترجیتی کورس سینئر پی ٹی سی کیا۔اس کے بعد پیشۂ تدریس سے وابستہ ہو گئے۔گذشتہ برس بحیثیت صدر مدرس سبکدوش ہو چکے ہیں۔

رفیع احمد مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ہزلیں لکھنے کے ساتھ بچوں کے لئے معصومانہ نظمیں بھی لکھتے ہیں۔بچوں کی نظموں کا ایک مجموعہ ''گلدان'' ۱۹۹۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔یہ ایسا ہاتھوں ہاتھ لیا گیا کہ دو تین مہینوں کے اندر دو مزید ایڈیشن شائع کرتے پڑے۔بچوں کی نظموں پر مشتمل دوسرا مجموعہ ''آنکھ مچولی'' ۱۹۹۷ء میں اور تیسرا مجموعہ ''گلشن'' ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا۔نثری کتابوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱)علم کا شوق:

۳۲ صفحات کی یہ مختصری کتاب ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئی۔رفیع احمد نے تاریخ سے علم کے شوق کی مثالیں تلاش کر کے یکجا کر دی ہیں۔کتاب چونکہ بچوں کے لئے لکھی گئی ہے اس لئے نہایت آسان زبان استعمال کی گئی ہے۔ان واقعات کے ذریعے بچوں کو ذہن نشین کروایا گیا ہے کہ کس طرح بزرگوں نے قربانیاں دے کر اور محنت کر کے دبستانِ علم کو آباد رکھا ہے۔

۲)پیارا قرآن:

۴۴ صفحات کی یہ کتاب جون ۱۹۹۶ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔یہ رفیع احمد کی ایک انمول تالیف ہے جس میں

قرآن کریم سے متعلق بہت ساری معلومات یکجا کردی گئی ہیں۔اس کی زبان بھی بہت آسان ہے۔ بچوں نے اسے بڑے شوق سے پڑھا۔ نتیجتاً پے در پے کئی ایڈیشن شائع کرنے پڑے۔

۳)آؤ مضمون لکھیں:

۱۹۹۸ء میں طالب علم پبلی کیشنز، مالیگاؤں کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔اس میں پانچویں تا ساتویں جماعتوں کے طلبا کے لئے دلچسپ مضامین ہے۔جوان کے امتحانوں کے لئے بے حد مفید ہیں۔اس کے ذریعے طلبہ میں مضمون لکھنے کا شوق اور صلاحیت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔کتاب کی مقبولیت کے پیش نظر دو ہفتوں میں ہی دوسرے ایڈیشن کی نوبت آگئی۔

٤)بڑوں کا ادب:

۲۴ رصفحات کی یہ چھوٹی سی کتاب اگست ۱۹۹۸ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔اس میں والدین، بزرگوں اور استاد کے ادب کی مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

۵)آؤ نماز پڑھیں:

۴۰ رصفحات پر مشتمل یہ مفید کتاب اکتوبر ۲۰۰۰ء میں طبع ہوئی۔تمام نمازوں کی ادائیگی اور درستی کے لئے نہایت مفید ہے۔

٦)اقدار کی تعلیم:

حکومتِ مہاراشٹر نے ۱۹۹۷ء میں تمام پرائمری اور ثانوی اسکولوں میں اقدار کی تعلیم کو لازمی قرار دیا ہے۔یہ کتاب اس کے نصاب کا احاطہ کرتی ہے۔اس میں حمد، نعت اور سبق آموز نظمیں اور مضامین شامل ہیں۔

۷)ننی کہانیاں:

بچوں کے لئے تحریر کردہ سات مختصر کہانیوں کا مجموعہ ہے۔

۸)اردو گرامر:

(پنجم تا ہفتم جماعت کے لئے) بچوں کے لئے بے حد مفید کتاب ہے۔

مندرجۂ بالا تین کتابیں عالب علم پبلی کیشنز کے زیر اہتمام ۲۰۰۱ء میں اشاعت پذیر ہوئیں۔

نثر کا اصلی میدان:

بچوں کے لئے نثر و نظم کی چھوٹی چھوٹی کتابوں کی اشاعت کے ساتھ ساتھ انہوں نے طنزیہ اور مزاحیہ نثر کی طرف بھی توجہ دی۔ درحقیقت یہی ان کا اصل میدان ہے۔ ان کی مزاح نگاری کا آغاز ۱۹۹۵ء میں ایک مضمون ''ہوٹل'' سے ہوا۔ گذشتہ چند برسوں سے وہ مسلسل مضامین لکھ رہے ہیں۔ جو ہفت روزہ بیباک (مالیگاؤں)، مالیگاؤں افق ویکلی، روزنامہ آواز مالیگاؤں، انقلاب (ممبئی)، شگوفہ (حیدرآباد)، ماہنامہ صراط مستقیم (الہ آباد) اور ظرافت (حیدرآباد۔ پاکستان) میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ اب تک تیس سے زائد مضامین چھپ چکے ہیں۔ روزنامہ انقلاب کے دلچسپ کالم ''خالی پیلی'' میں بھی پانچ مضامین کی اشاعت ہو چکی ہے۔

رفیع احمد کے ان مضامین میں بڑی شگفتگی ہے۔ عموماً وہ چویشن کے ذریعے مزاح پیدا کرتے ہیں لیکن 'اصلاح'' کے مقصد سے غافل نہیں ہوتے۔ ان کے کامیاب مضامین میں تخلص کی تلاش، بھاگم بھاگ، مرزا غالب اور ہم، چائے، اخبار اور فرمائش قابل ذکر ہیں۔ مضامین کا ایک مجموعہ زیر طبع ہے۔

مئی ۱۹۹۸ء میں بچوں کے ادب کے سلسلے میں ان کی خدمات کے پیش نظر مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکیڈمی کی طرف سے انہیں ٹرافی عطا کی گئی۔

ظہیرؔ ابن قدسی

پیدائش: ۲۰؍جنوری ۱۹۴۴ء

اصل نام ظہیرالدین، قلمی نام ظہیرابن قدسی ہے۔ والد کا نام محمد عمر ہے۔ والد مزاحیہ شاعر اور مدرس تھے۔ قدسیؔ تخلص فرماتے تھے۔ ان کے مزاحیہ کلام کا ایک مجموعہ ''ترکش'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ ظہیرؔ قدسی نے جب ہوش سنبھالا تو گھر میں ادبی ماحول پایا۔ ان کے والد مختلف لائبریریوں سے کتابیں لاتے تھے جو ظہیرؔ کی نظروں سے بھی گذرتی تھیں۔ والد صاحب کی وجہ سے مشاعروں میں شرکت کے مواقع دستیاب ہوتے تھے۔ آہستہ آہستہ ان کے اندر بھی شاعری کے جراثیم سرایت کرنے لگے۔ احباب کے اصرار پر غزل کی شاعری کرنے لگے۔ لیکن بہت جلد طنز و مزاح نگاری کی طرف مائل ہو گئے۔ دوا کرنے کے باوجود مرض اس قدر بڑھا کہ ۱۹۸۹ء آتے آتے ایک عدد مجموعہ کلام ''حرف حرف تبسم'' کے خالق ہو بیٹھے۔ ظہیرؔ ابن قدسی نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی ہے اور سینئر پی ٹی سی کا امتحان بھی پاس کر چکے ہیں۔ والد کی طرح ملازمت کا آغاز مدرسی سے کیا۔ ترقی کر کے صدر مدرس کے عہدے تک پہنچے اور آج بھی اسی عہدے پر فائز رہتے ہوئے درس و تدریس کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

''شگوفہ'' (حیدرآباد) کا باقاعدگی سے مطالعہ ان کی عادت میں شامل رہا ہے۔ اس مطالعے کا ایک خطرناک نتیجہ یہ سامنے آیا کہ خود بھی نثر نگاری کی طرف مائل ہو گئے۔ ۱۹۷۶ء میں بزم زندہ دلانِ مالیگاؤں کا قیام عمل میں آیا۔ اس بزم کا شہر میں مزاح نگاری کو فروغ دینے میں نمایاں رول رہا ہے بزم کی پہلی نشست میں ظہیرؔ ابن قدسی نے تمام اراکین کا مزاحیہ تعارفی خاکہ پیش کیا جو کافی پسند کیا گیا۔ اس سے حوصلہ پا کر انہوں نے ''کھٹمل'' اور ''داڑھی'' کے عنوان سے دو اور مزاحیہ مضامین لکھے جو ''شگوفہ'' میں شائع ہوئے۔ حضرت خلیق برہانپوری پر ان کا ایک تنقیدی مضمون اردو ٹائمز کی زینت بنا۔

سب سے زیادہ دلچسپ نثر جوان سے سرزد ہوئی وہ ایک مزاحیہ تنقید ہے۔

انہوں نے ندا فاضلی کے آٹھ مصرعوں کا انتخاب کیا اور مالیگاؤں کے منتخب نقادانِ فن کی ممکنہ رائے ہر مصرعہ پر کیا ہو سکتی ہے، اسے دلچسپ انداز میں تحریر کیا ہے۔ یہ ایک مشکل کام ہے۔ اس کے لئے ہر نقاد کے اسلوب، اندازِ فکر اور اندازِ بیان سے بھرپور واقفیت کے ساتھ ساتھ فن شاعری سے بھی واقفیت ضروری ہے۔ مگر ظہیرؔ اس سے کامیاب گذرے ہیں۔ اس منفرد اور انوکھی تحریر کے ذریعے انہوں نے ایک طرزِ نو کی بنیاد ڈالی۔ اردو ٹائمز نے اسے اہتمام سے شائع کیا۔

ان کے علاوہ انہوں نے مزید مزاحیہ مضامین لکھے ہیں۔ مگر وہ مقامی حدود سے آگے نہ بڑھ سکے۔ حالانکہ ان کی نثری تخلیقات کی تعداد بہت کم ہے۔ لیکن ان سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ مزاحیہ شاعری کی طرح ان کی مزاحیہ نثر بھی خاصے کی چیز ہے۔ بہت دنوں سے انہوں نے اس صنف میں نہیں لکھا۔ اس کے باوجود اگر وہ لکھنا چاہیں تو دعا دینے کے علاوہ کیا کیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر الیاس صدیقی (بقلم خود)

پیدائش: یکم مارچ ۱۹۴۵ء

میری پیدائش محلہ بیلباغ کے ایک غریب گھرانے میں ہوئی۔ والدہ بتاتی ہیں کہ میرے دادا جان مرحوم ٹانڈہ (اتر پردیش) سے ہجرت کر کے پہلے دھولیہ آئے اس کے بعد مالیگاؤں منتقل ہوئے۔ والد صاحب کی پیدائش مالیگاؤں میں ہی ہوئی۔ نانا بھی ٹانڈہ ہی کے رہنے والے تھے جو مالیگاؤں آکر ہینڈلوم پر ساڑیاں بننے لگے۔ پارچہ بافی ہمارے خاندان کا آبائی پیشہ ہے۔ ابتدائی تعلیم چونا بھٹی کی اسکول نمبر ۴ میں ہوئی۔ ساتویں جماعت کے بعد مالیگاؤں ہائی اسکول میں آٹھویں جماعت میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۳ء میں ایس ایس سی کا امتحان پاس کرنے کے بعد اسماعیل یوسف کالج ممبئی میں سائنس کی کلاس میں داخلہ لیا لیکن فیل ہوگیا۔ اسلئے سائنس لائن ترک کر کے آرٹس کی طرف آگیا۔ صلہ

ذوق شعر و ادب کی پرورش:

ساتویں جماعت میں کلاس ٹیچر محمد مصطفےٰ عمر مرحوم نے کلاس کے تمام طلبہ کو شاعر بنانے کا بیڑا اٹھایا تھا اور کلاس کے ہر طالب علم کو تخلص بانٹ رکھے تھے۔ میرے حصے میں ''ناصح'' آیا تھا۔ تخلص کی لاج رکھنے کے لئے کچھ نہ کچھ شاعری کا مطالعہ تو کرنا ہی پڑتا تھا، جو شعری ذوق پیدا کرنے میں معاون ثابت ہوا۔ پانچویں جماعت سے ہی والد صاحب میرے لئے کہانیوں کی کتابیں اور رسالے خرید کر لاتے رہے۔ جن کو جمع کر کے میں نے اپنے گھر میں ہی طلبہ کے لئے ''نور لائبریری'' کے نام سے ایک لائبریری قائم کی تھی۔ جس سے ساتھی طلبہ بھی فیض اٹھاتے تھے۔ کتب و رسائل خریدنے اور مطالعے کا یہ شوق آج بھی باقی ہے۔ اس وقت میری ذاتی لائبریری میں ہزاروں کتابیں اور رسائل موجود ہیں۔ مجھے شاعر اور مقرر بنانے میں بانی

صلہ: تعلیم کی ساری تفصیل کتاب کے آخر میں "من آنم" کی سرخی کے تحت دی گئی ہے۔

انجمن تعلیم جمہور مرحوم سراج احمد مولوی محمد ایوب المعروف بہ چراغ صاحب کا بڑا ہاتھ رہا۔ اردو ٹائمز میں مہاراشٹر کے مختلف علاقوں کے مشاعروں کا انتخاب شائع ہوتا تھا۔ موصوف مجھ سے وہ مہینوں بآواز بلند پڑھواتے رہے اور 'لنگڑے' مصرعوں کی نشاندہی کرواتے رہے۔ کتابت کی غلطی کی وجہ سے اکثر مصرعے بحر سے خارج ہو جاتے تھے اس لئے ٹھیک طریقے سے پڑھنے میں نہیں آتے تھے۔ اسکے سبب سے آہستہ آہستہ کم عمری میں ہی طبیعت میں روانی بھی آنے لگی اور بحر کی شناخت بھی۔ نیز معنی پر بھی غور و خوض کا سلیقہ آتا گیا۔ انجمن تعلیم جمہور غریب طلبہ و طالبات کی کتابوں، بیاضوں اور فیس کے ذریعے مدد کرنے کا فلاحی کام کرتا تھا۔ فنڈ اکٹھا کرنے کے لئے انعامی مقابلے ہوتے تھے۔ اور لاٹری کی شکل میں ٹکٹ بیچ کر سالانہ جلسے میں، جس میں آل انڈیا مشاعرہ بھی ہوتا تھا، قرعہ اندازی کے ذریعے انعامات تقسیم ہوتے تھے۔ چار پہیوں کی گاڑی پر لاؤڈ اسپیکر لگا کر اور انعامات سجا کر گلی گلی ٹکٹ فروخت کرنے کیلئے مہینوں گھومنا پڑتا تھا۔ مرحوم چراغ صاحب میرے ہاتھوں میں مائک تھما دیتے تھے اور میں تعلیم کی اہمیت کے تعلق سے کچھ بھی 'ہانکتا' رہتا تھا۔ دھیرے دھیرے مربوط طریقے سے تقریر کرنا بھی آ گیا۔ ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ بزرگوں کی تربیت کا انداز کیسا دلنشیں اور موثر ہوتا تھا۔

مالیگاؤں ہائی اسکول میں باقاعدہ شعری و ادبی نشستیں ہوا کرتی تھیں۔ شہر کے کسی بزرگ شاعر یا نثر نگار کو بطور مہمان بلایا جاتا تھا۔ میرے دوست اور ہم جماعت سجاد عزیز اس میں سب سے زیادہ پیش پیش رہتے تھے۔ میں ان کا ساتھ نبھاتا تھا۔ ہم دونوں کو مختلف تقریری مقابلوں میں اسکول کی نمائندگی کے مواقع بھی حاصل رہے۔ جس سے تقریری صلاحیتوں میں مزید نکھار پیدا ہوا۔ اسکول میں پرنسپل عائشہ حکیم، پروفیسر نذیر انصاری، یسین انصاری، قمر صاحب (اللہ ان سب کو غریق رحمت کرے۔ آمین) اور حسین انور جیسے اہل علم و ادب کی تربیت نصیب ہوئی جس نے میری تخلیقی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں بڑی مدد کی۔

۷۶-۱۹۷۵ء سے باقاعدہ شاعری شروع کی جو اب تک جاری ہے۔ غزل پر خاص توجہ ہے ویسے کبھی کبھی گیت اور مزاحیہ کلام بھی لکھتا رہتا ہوں۔ کوئی مجموعہ کلام شائع نہیں ہوا۔

نثری سرگرمیاں:

مالیگاؤں ہائی اسکول کی طالب علمی کے زمانے میں "نقش دیوار" کے لئے چند کہانیاں اور مضامین لکھے۔

مضامین کیا تھے نثر میں شاعری کیا کرتا تھا۔ اس میں سے بعض چیزیں ممبئی کے اردو اخبارات میں شائع ہوئیں۔ چند تخلیقات انجمن نوجوان مصنفین اور انجمن پاسبان ادب کی ادبی نشستوں میں بھی سنانے کا موقع ملا۔ مطالعہ کا شوق دن بدن بڑھتا ہی رہا۔ اسکول سے نکلنے کے بعد افسانے، ناول خصوصاً جاسوسی ناول بے شمار پڑھے۔ شاعری کا مطالعہ بہت بعد میں کیا اور ۱۹۷۵ میں میں نے پابندی کے ساتھ مزاحیہ اور طنزیہ مضامین لکھنے شروع کردیئے جن میں سے اکثر ماہنامہ ''شگوفہ'' حیدرآباد میں شائع ہوئے۔ نثر نگاری میں سجاد عزیز، سلطان سبحانی، لطیف جعفری اور لطیف عزیز کا احسان مند ہوں جنہوں نے ہر طرح سے میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ لطیف عزیز اپنے اخبار ''السبیل'' میں مجھ سے ایک کالم لکھواتے رہے جو میں ''زندہ دل کے قلم سے'' تحریر کرتا تھا۔ ہفت روزہ ''ملی بیداری'' میں سیاسی اور ملی افادیت رکھنے والے بہت سے مضامین شائع ہوئے۔

میری تخلیقی صلاحیتوں کا مفید استعمال ۱۹۹۱ء میں شروع ہوا جب میں نے روزنامہ اخبار ''شامنامہ'' میں ''جاگ میرے شہر'' کے عنوان سے ہر منگل کو ایک مضمون لکھنے کا سلسلہ شروع کیا۔ ہر مضمون دو فل اسکیپ صفحات کا ہوتا تھا اور طنز و مزاح کی چاشنی کی وجہ سے بے شمار لوگ پڑھا کرتے تھے۔ مختلف تعلیمی، سماجی، معاشرتی، اصلاحی، ادبی، صنعتی اور سیاسی عنوانات کے تحت ۲۵۸ مضامین اشاعت پذیر ہوئے۔ اس سلسلے نے مقامی طور پر کالم نویسی کا ایک نیا ریکارڈ قائم کیا۔ گیارہ جون ۱۹۹۷ء کو آخری مضمون شائع ہوا اسکے بعد گٹھیا کے آزار میں مبتلا ہوجانے کے سبب یہ سلسلہ ترک ہوگیا۔

علاوہ ازیں میری نثری سرگرمیوں میں کتابوں پر تبصرے، خاکے اور بعض کتابوں کے پیش لفظ بھی شامل ہیں۔ لیکن ان سب سے بڑھ کر زیر نظر تحقیقی مقالے ''مالیگاؤں میں اردو نثر نگاری'' کو میں اپنی ادبی سرگرمیوں کا حاصل سمجھتا ہوں جس کے لئے میں نے سات قیمتی برس لگائے اور ۱۶۴ نثر نگاروں کے تذکروں کے ذریعے مالیگاؤں میں نثر نگاری کی تاریخ ہی نہیں، ادبی و شعری انجمنوں نیز یہاں سے اشاعت پذیر ہونے والے جملہ رسائل کی تفصیلات بھی قلم بند کی ہیں۔ ؎۱

فی الحال مالیگاؤں کی سیاسی و سماجی تاریخ مرتب کرنے کا کام جاری ہے۔ ساتھ ہی سفر حج کے تاثرات پر مبنی ایک کتاب زیر اشاعت ہے۔

؎۱: تفصیلات ''عرض مصنف'' کے عنوان کے تحت بیان کی گئی ہیں۔

محمد ابراهیم انصاری

پیدائش: یکم مارچ ۱۹۴۶ء

محمد ابراہیم انصاری کے والد حاجی محمد اسحاق عیدو مرحوم انگنو سیٹھ کے ملے کی مشہور شخصیت اور صنعت کار تھے۔ ایک زمانے تک وہ حج کمیٹی کے معرفت حجاج کی خدمت کرتے رہے۔ ابراہیم انصاری کی پیدائش مالیگاؤں کی ہے۔ ۱۹۶۴ء میں مالیگاؤں ہائی اسکول سے ایس ایس سی پاس کیا۔ ۱۹۶۹ء میں معاشیات سے بی اے اور ۱۹۷۳ء میں اسی مضمون میں ایم اے کیا۔ ۱۹۷۲ء میں بی ایڈ کرنے کے بعد جمہور ہائی اسکول اینڈ جونیئر کالج میں پیشہ تدریس سے وابستہ ہوئے اور اب تک اسی ملازمت پر قائم ہیں۔

موصوف کو معاشیات سے خصوصی دلچسپی ہے۔ ابتک ان کا سارا تحریری کام معاشیات کے مضمون میں رہنمائی سے ہی متعلق ہے۔ ان کی تحریری سرگرمیوں کا آغاز ۱۹۷۴ء میں ہوا۔ آموزگار (جلگاؤں) میں ان کا ایک مضمون اشاعت پذیر ہوا جس میں ممبئی سے شائع شدہ معاشیات کی نویں جماعت کی کتاب کی اصطلاحات اور مواد پر ماہرانہ تبصرہ کیا گیا تھا۔ مہاراشٹر اسٹیٹ بورڈ آف سیکنڈری اینڈ ہائر سیکنڈری ایجوکیشن، پونہ سے انگریزی میں شائع شدہ نویں اور دسویں جماعتوں کے لئے معاشیات کی نصابی کتابوں کا اردو ترجمہ کیا۔ یہ کام اس لحاظ سے کافی مشکل تھا کہ اردو میں انگریزی اصطلاحات کے مترادفات کی تلاش جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ مگر انہوں نے اس کام کو بخوبی انجام دیا۔ دو بار دسویں جماعت کی معاشیات کی کتاب کے رہبر تیار کئے اور دو بار بارھویں جماعت کی کتاب کے۔ پونہ بورڈ کے نصاب کے پیش نظر ۱۹۹۶ء میں انہوں نے بارھویں جماعت کے لئے معاشیات کی نصابی کتاب تیار کر کے خود شائع کی۔ انہیں اس مضمون میں ایسی مہارت اور ملکہ حاصل ہے کہ اکثر علم معاشیات کے لئے منعقدہ اساتذہ کے ورکشاپ اور سمیناروں میں رہنمائی کے لئے انہیں مدعو کیا جاتا ہے۔

حکومت نے عام شہریوں کے ساتھ ساتھ اقلیتوں کے لئے بھی روزگار کی بیشمار

اسکیمیں بنائی ہیں ۔لیکن مسلمان ناواقفیت کی بنا پر ان اسکیموں سے کماحقہٗ فائدہ نہیں اٹھا پاتے ۔ ابراہیم انصاری کا ارادہ یہ ہے کہ ان تمام اسکیموں اور قرضہ جات کے منصوبوں کی مکمل معلومات جمع کر کے اردو میں شائع کریں تاکہ پڑھے لکھے بے روزگار نوجوان ان سے فائدہ اٹھا سکیں اور اپنا مستقبل سنوار سکیں۔

نجم الہدیٰ شیخ

پیدائش: ۱۱ر ستمبر ۱۹۴۶ء

نجم الہدیٰ شیخ کے والد شمس الضحیٰ شیخ مشہور وکیل تھے۔ جو کسی زمانے میں واڈیا کالج پونہ میں اردو فارسی کے لیکچرر بھی تھے۔ ڈاکٹر نجم الہدیٰ نے انگریزی سے بی اے اور ۱۹۷۷ء میں پونہ یونیورسٹی سے اردو فارسی سے ایم اے کیا۔ ملازمت کی شروعات ۱۹۶۶ء میں اینچ اے کے ہائی اسکول ممبارڑ سے ہوئی۔ دو سال یہاں گذارنے کے بعد نیشنل ہائی اسکول، ناسک، میں پانچ برس سروس کی۔ ۱۹۷۳ء میں بی ایڈ کیا۔ ۱۹۷۶ء میں مہاتما گاندھی ودیا مندر مالیگاؤں کے بی ایڈ کالج میں بحیثیت لیکچرر تقرری ہوئی، پھر اسی انتظامیہ کے تحت جونیئر کالج میں تبادلہ ہوا۔ بعد ازاں ایم ایس جی کالج میں لیکچرر ہوئے۔ ۱۹۸۲ء میں آرٹس اینڈ کامرس کالج مالیگاؤں سٹی میں تبادلہ ہوا تب سے یہیں سروس کر رہے ہیں۔ سٹی کالج میں آمد سے قبل موصوف ایل ایل بی اور ایل ایس جی ڈی کے امتحانات بھی پاس کر چکے تھے۔ انہوں نے ''جگن ناتھ آزاد، عہد و فن'' کے موضوع پر ڈاکٹر نظام الدین ایس گوریکر کی رہنمائی میں تحقیقی کام کیا جس پر ممبئی یونیورسٹی سے انہیں ۱۹۸۹ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا ہوئی۔

یوں تو ان کے چند ایک مضامین مختلف رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں لیکن دیکھا جائے تو ان کا اصل کام آٹھ سو صفحات پر پھیلا ہوا ان کا تحقیقی مقالہ ہے۔ اس مقالے کی تیاری میں انہوں نے بڑی محنت کا ثبوت دیا ہے۔ سنا ہے اس کی اشاعت کے لئے خود ڈاکٹر جگن ناتھ آزاد دلچسپی لے رہے ہیں۔ شائع ہو جانے پر یقیناً اہل علم و ادب قدر کی نگاہوں سے دیکھیں گے۔

ڈاکٹر شیخ نے اب صرف تدریسی سرگرمیوں سے رشتہ استوار رکھا ہے۔ نثری سرگرمیوں کو الوداع کہہ چکے ہیں۔ لیکن اپنے شاگردوں کی حوصلہ افزائی اور ان میں ادب کا شوق پیدا کرنے کی کوششوں میں برابر لگے رہتے ہیں۔

❖❖❖❖❖❖

سلطان نیازی

پیدائش: یکم اکتوبر ۱۹۴۶ء

وفات: ۱۵؍جون ۱۹۹۵ء

مرحوم سلطان نیازی کا اصل نام سلطان احمد اور والد کا نام خلیل احمد ہے۔ مالیگاؤں میں مشہور بھوپالی حکیم خاندان میں پیدا ہوئے۔ عمر بھر پیشۂ معلمی سے وابستہ رہے۔ طب سے بھی شغف رکھتے تھے۔ انہوں نے اردو سے ایم اے کیا تھا۔ بعد میں بی ایڈ کا امتحان بھی کامیاب کیا تھا۔

سلطان نیازی کو شاعری سے بالکل دلچسپی نہ تھی۔ گھر میں انہیں مزاح نگاری کا ماحول ملا تھا۔ ان کے بڑے بھائی حکیم غفران نیازی نہ صرف زندہ دل شخص تھے بلکہ مزاحیہ نثر و نظم میں ید طولی رکھتے تھے۔ سلطان نیازی نے ۱۹۷۵ء میں ڈی ایڈ کی تعلیم کے دوران کالج میگزین کے لئے اپنا پہلا مزاحیہ مضمون بعنوان ''ہم نے لیسن پڑھایا'' لکھا جو خاصہ پسند کیا گیا۔ یہیں سے ان کی نثر نگاری کا آغاز ہوتا ہے۔ بعدازاں ان کی تخلیقات ہفت روزہ چورن (مالیگاؤں) اور شگوفہ (حیدرآباد) میں شائع ہوئیں۔ نشانِ افق اور آواز مالیگاؤں وغیرہ میں بھی لکھا کرتے تھے لیکن اس پر اپنا نام نہیں دیتے تھے۔

حاتم طائی اور آٹھواں سوال، زلف برگوش، آخری مقابلہ، حسن وغیرہ ان کے نمائندہ مضامین ہیں۔ ان کا آخری مضمون ''کس کے بس کی بات ہے'' کے عنوان سے روزنامہ آواز مالیگاؤں میں شائع ہوا۔ بدقسمتی سے ابھی ان کے اندر کا فنکار پوری طرح بیدار بھی نہیں ہوا تھا کہ اچانک موت کا بلاوا آگیا اور ہارٹ اٹیک کے سبب انتقال کر گئے۔ مرحوم کو صحافت میں بھی دلچسپی تھی۔ ان کے صحافی دوستوں میں عبدالمجید سرورؔ کا نام قابل ذکر ہے۔

ان کے مضامین میں مزاح سے زیادہ طنز کا عنصر نمایاں ہوتا تھا۔ طنز کی کاٹ ناقابل برداشت ہوتی تھی۔ اگر زندگی وفا کرتی تو شاید زیادہ بہتر مضامین ان کے قلم سے ''سرزد'' ہو سکتے تھے۔ مرحوم راقم الحروف کے بہنوئی تھے۔ انکے وارثین میں کوئی نرینہ اولاد نہیں ہے۔ چار لڑکیاں ہیں جنکی تربیت اب ماں کے ذمہ ہے۔

ڈاکٹر عبدالعزیز انصاری

پیدائش: یکم جون ۱۹۴۷ء

ڈاکٹر عبدالعزیز انصاری کو شہر کے تعلیمی حلقوں میں احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ فرزندانِ ملت اسلامیہ کی تعلیمی ترقی میں ان کی دلچسپی اظہر من الشمس ہے۔ تعلیمی فلسفے، نظریات اور مسائل کا گہرا مطالعہ ہے۔ نیز تعلیمی مسائل پر اس مطالعے کا انطباق کر کے صحیح نتیجہ اخذ کرنے کی صلاحیت بھی خداداد ہے۔

ان کا پورا نام عبدالعزیز ابن محمد حنیف ہے۔ محلہ کمہار باڑہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۹۶۵ء میں مالیگاؤں ہائی اسکول سے ایس ایس سی کیا۔ ۱۹۷۰ء میں اسماعیل یوسف کالج ممبئی سے بی ایس سی، مالیگاؤں سے بی ایڈ اور دھولیہ کے کالج آف ایجوکیشن سے ۱۹۷۳ء میں ایم ایڈ کیا۔ سائنس کا طالب علم ہونے کی وجہ سے اردو ادب سے ان کا تعلق برائے نام آتا تھا۔ لیکن جب کالج آف ایجوکیشن مالیگاؤں میں بحیثیت معتمد ماسٹر تقرری ہوئی تو اردو شعر و ادب اور تاریخ کے مطالعے کی ضرورت کا شدید احساس ہوا۔ اسلئے ۱۹۷۵ء میں اردو اور فارسی مضامین کے ساتھ ایم اے کیا۔ ۱۹۸۸ء میں ممبئی یونیورسٹی سے انہیں پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی گئی۔ ڈاکٹریٹ کے لئے ان کے مقالے کا عنوان تھا:

Educational Philosophy as found in Islamic Culture

تدریسی خدمات کا آغاز جے ٹی گرلز ہائی اسکول سے کیا۔ لیکن ۷ اروز کی سروس کے بعد کالج آف ایجوکیشن مالیگاؤں کیمپ میں معتمد ماسٹر مقرر ہوئے۔ بعد میں اسی کالج میں لیکچرار ہوئے اور اسسٹنٹ پروفیسر کے عہدے تک پہنچے۔ ۱۹۷۹ء میں کالج بند ہو گیا۔ کچھ دنوں سٹی کالج آف آرٹس اینڈ کامرس، مالیگاؤں میں سروس کرنے کے بعد ۱۹۸۱ء میں گوکھلے کالج آف ایجوکیشن، ممبئی میں لیکچرر ہوئے۔ فی الحال وہیں ریڈر کی پوسٹ پر ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کا شمار اسکول کے زمانے میں "بیک بینچرس" میں ہوتا تھا۔ اپنی افتادِ طبع کی وجہ سے بولنے اور لکھنے میں پیچھے رہتے تھے۔ اسماعیل یوسف کالج کے حوصلہ افزا ماحول میں لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ کالج میں ان کی استاد مسز میمونہ دلوی نے مضمون نگاری کا ایک انٹر کلاسیس مقابلہ منعقد کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے مضمون "ممبئی کے فٹ پاتھ" کو اوّل انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔ اس کی وجہ سے موصوف کے اندر ایک قسم کا اعتماد پیدا ہوا۔ تعلیمی موضوعات پر مختصر مضامین کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کے مضامین کالج میگزین اور مالیگاؤں کے مقامی اخبارات کے علاوہ انقلاب، اردو ٹائمز، بلٹز اور اخبار عالم میں بھی اشاعت پذیر ہوئے۔ لیکن ان کی تعداد کم ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا اصل کام متقدر انگریزی رسائل میں تعلیمی موضوعات پر مضامین کی اشاعت ہے۔ ان کے مضامین کو بڑا اعتبار حاصل ہے اور تعلیمی میدان میں کام کرنے والے انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

گوکھلے سوسائٹی آف ایجوکیشن نے موصوف کو مثالی مدرس (آدرش شکشک) کا خطاب عطا کیا ہے۔ گذشتہ دنوں این سی ای آر ٹی، نئی دہلی کے زیر اہتمام مضمون نگاری کا ایک کل ہند مقابلہ منعقد کیا گیا تھا۔ حصہ لینے والوں کو اپنی پسند کے موضوع پر ایک تحقیقی مقالہ تیار کرنا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے "کم ذہنی صلاحیت رکھنے طلبا کو میتھس کی تعلیم کس طرح دی جائے؟" اس موضوع پر مقالہ داخل کیا۔ ملک بھر سے آئے ہوئے ہزاروں مضامین سے دس کا انتخاب ایوارڈ کے لئے کیا گیا۔ ان میں ڈاکٹر صاحب کا مقالہ بھی شامل تھا۔ یکم اپریل ۱۹۹۷ء کو دہلی کی ایک پروقار تقریب میں انہیں ایوارڈ عطا کیا گیا۔

کل کے خاموش طالب علم عبدالعزیز انصاری اب علمی موضوعات پر بے تکان بولتے ہیں اور بڑے سائنٹفک انداز میں لکھتے ہیں۔ ان کے مضامین اکثر مقامی اخبارات کی زینت بنتے رہتے ہیں۔ ان تحریروں سے افرادِ ملت اسلامیہ کو تعلیم کے میدان میں پھولتے پھلتے اور پروان چڑھتے دیکھنے کی ان کی شدید خواہش کا اظہار ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں تعلیمی پسماندگی کے سبب وہ اپنے دل میں کس قدر درد و کرب محسوس کرتے ہیں۔ اردو میں انہوں نے حافظ مدار بخش کی سوانح بھی رقم کی ہے۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

حیات حافظ مدار بخش:

حافظ مدار بخش شہر کے ایک نامور حافظ قرآن اور قرآن کے سچے عاشق اور خدمت گذار تھے۔ انہوں نے

۶۳ برس تک قرآن کی خدمت کی۔ ڈاکٹر صاحب نے محسوس کیا کہ شہر کے حفاظ کرام کی تاریخ و تذکرے میں حافظ مدار بخش کو جو مرتبہ ملنا چاہئے تھا انہیں ملا ص۱ اس احساس نے انہیں ''حیات حافظ مدار بخش'' کی تالیف کی ترغیب دی۔ سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۹۸۴ء میں مالیگاؤں سے شائع ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب نے اس تالیف کے دو مقاصد خصوصیت سے نظر میں رکھے ہیں۔ ایک تو حافظ صاحب کی ہمہ پہلو شخصیت کو روشنی میں لانا، دوسرے ان گوشوں پر روشنی ڈالنا جو موجودہ اور آنے والی نسلوں کے لئے قابل تقلید، لائق اتباع، حوصلہ افزا اور ہمت آفرین ثابت ہوں ص۲ اسلئے انہوں نے بڑی عرق ریزی، محنت اور احتیاط سے کام لینے کی کوشش کی ہے تاکہ مبالغہ آمیز اور غلط واقعات راہ نہ پا جائیں۔ خود لکھتے ہیں:

''اس سوانح میں حتی الامکان ان باتوں کو شامل کیا گیا ہے جو تواتر سے ثابت ہیں۔ بہت سی باتیں جو محض حسن عقیدت کا ثمرہ تھیں اور مبالغہ آمیز محسوس ہوئیں، یا جن کی تصدیق نہیں ہوسکی، شامل نہیں کی گئیں'' ص۲

ڈاکٹر صاحب کی اس احتیاط نے مستقبل کے سوانح اور تذکرہ نگاروں کے لئے ایک روشن نقش چھوڑا ہے۔ تقریظات، مولانا محمد حنیف ملی اور مولانا محفوظ الرحمن مرحوم نے تحریر فرمائی ہیں۔ مولانا محمد حنیف ملی لکھتے ہیں:

''کتاب بقامت کمتر، بقیمت بہتر، کا نمونہ ہے۔ فاضل مرتب نے حافظ صاحب مرحوم کی زندگی کا ہر زاویے سے جائزہ لیا ہے...... اور حوالجات کا جو خاص اہتمام فرمایا ہے وہ بجائے خود ایک دستاویز ہے'' ص۳

ص۱ :صرف حافظ مدار بخش پر کیا موقوف، شہر میں جن جن لوگوں نے دین، تعلیم اور ادب کی خدمات انجام دی ہیں، ان کے تفصیلی حالات جمع کرنے اور ترتیب دینے کے اہم کام کو اب تک انجام نہیں دیا جاسکا ہے۔ بعض تذکروں میں ان کے سرسری حوالے آگئے ہیں، اس سے زیادہ نہیں، حالانکہ ان میں بیشتر شخصیات ایسی ہیں جن کے کار و افکار شخصیت اور فن پر مستقل کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔ (مصنف)

ص۲ :ص۲ :پروفیسر عبدالعزیز انصاری، دیباچہ، حیات حافظ مدار بخش، ۱۹۸۴ء، ص ۴

ص۳ :مولانا محمد حنیف ملی، تقریظ، حیات حافظ مدار بخش، پروفیسر عبدالعزیز انصاری، ۱۹۸۴ء، ص ۶

مولانا محفوظ الرحمن نے ان الفاظ میں داد تحسین دی ہے:

''انھوں نے حد درجہ کاوش علمی کا ثبوت دیا، حالات کو دقت نظر سے پرکھا، ہزاروں لوگوں سے ملے، سالہا سال جوئے علم کے فرہاد بنے رہے، اس طرح... حیات اسلاف کا ایک ورق مسلمانوں کے سامنے آگیا'' [صلا]

اور یہ ورق ایسا روشن اور منور ہے کہ مدت دراز تک اہل علم حضرات کے دلوں کو منور کرتا رہے گا۔ کتاب ڈاکٹر صاحب کے تبحر علمی، دقت نظر، تحقیقی شعور وصلاحیت کی روشن دلیل ہے۔ اسلوب بیان دلکش اور زبان معیاری ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی صلاحیتوں کے پیش نظر یہ تقاضا بے جا نہیں کہ علمی مضامین کے ساتھ ساتھ اس میدان میں بھی وقتاً فوقتاً جوہر قلم دکھاتے رہیں۔ اور بالفرض ایسا نہ کر سکے تب بھی یہی ایک کتاب ان کے نام کو تا دیر زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے۔ ان کے فرزند ڈاکٹر سہیل احمد انصاری شہر کے اولین مسلم ایم ڈی ہیں اور مالیگاؤں میں کامیابی کے ساتھ پریکٹس کر رہے ہیں۔

صلا: مولانا محفوظ الرحمن، تقریظ، حیات حافظ مدار بخش، پروفیسر عبدالعزیز انصاری، ۱۹۸۴ء، ص ۱۰

عمر اسلم شیخ

پیدائش: یکم جون ۱۹۴۷ء

محمد عمر اپنے قلمی نام میں اپنے والد محمد اسلم کا نام بھی استعمال کرتے ہیں۔ مالیگاؤں میں معدودے چند لوگ ہیں جنہوں نے سفر نامہ لکھا ہے۔ شائع کروانے والے تو اور بھی کم ہیں۔ مولانا محمد حنیف ملّی نے چین کا سفر نامہ ''نقوشِ چین'' کے نام سے شائع کروایا ہے۔ دوسرا سفر نامہ عمر اسلم شیخ کا ''شوقِ ناتمام'' ہے۔ یہ عراق کا سفر نامہ ہے۔

عمر اسلم شیخ کی پیدائش محلہ بدر کا باڑہ، مالیگاؤں کی ہے۔ لیکن قدرت نے ایک زمانے تک ان کے پیروں میں چکر باندھے رکھا اور وہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر سفر کرتے رہے۔ ایم اے' بی ایڈ تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۶۵ء میں انہوں نے مالیگاؤں چھوڑ دیا۔ انجمن اسلام ہائی اسکول ممبئی میں نو برس تک تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد کویت روانہ ہو گئے۔ وہاں انہوں نے آٹھ برس گذارے۔ وطن لوٹنے کے بعد کوکن کے مھسلہ میں ساڑھے تین سال سروس کی۔ اسکے بعد پونہ کے مولیدنا ہائی اسکول میں ملازمت اختیار کی۔ اور اب پونہ کو ہی اپنا وطن ثانی بنا رکھا ہے۔

انہوں نے نثری سرگرمیوں کا آغاز اسکول اور کالج میگزین سے کیا۔ ہائی اسکول میں فی البدیہہ مشاعرے میں شرکت کی اور اس زمانے میں ایک نظم بھی کہی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے اندر ادب و شعر کا ذوق ابتدا سے موجود ہے۔ بعد میں انہوں نے چند ادبی مضامین تخلیق کیے لیکن ان میں کوئی بھی اب دستیاب نہیں ہے۔ اپنے دوستوں کی فرمائش پر انہوں نے عراق کا سفر نامہ لکھا ہے۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱)شوق نا تمام:

اپنے قیام کویت کے دوران ایک بار چھٹیوں میں وہ اپنے دوست محمد یوسف کنگی صاحب کے ہمراہ عراق کی سیر کو گئے تھے۔شوق نا تمام اسی سفر کی داستان ہے۔اس کی اشاعت ۱۹۸۷ء میں عمل میں آئی۔دیباچہ مرحوم پروفیسر غلام دستگیر شہاب نے رقم کیا ہے۔یہ سفر نامہ عراق کی اس وقت کی صورت حال اور اس سرزمین میں پیوند خاک ہونے والی جلیل القدر ہستیوں کے کارناموں کے پس منظر میں تحریر کیا گیا ہے۔مختلف شہروں اور تاریخی مقامات کی دل پذیر منظر کشی،مقدس مقامات پر اولوالعزم اور برگزیدہ ہستیوں کے مزارات کی زیارت پر اپنی قلبی کیفیتوں کا اظہار اور پھر مختلف تاریخی کتابوں کے حوالوں سے ان کے ناقابل فراموش کارناموں،ان کی مجاہدانہ سرفروشیوں اور ان کے اعلیٰ پیغامات،ان تمام باتوں کو جس خوبصورت اور موثر انداز میں پیش کیا ہے اس نے اس سفر کو دلچسپ ،بامعنی اور قابل قدر بنا دیا ہے۔ص۱

شبیر احمد ہاشمی کے خیال میں:

> ''زبان و بیان کی سادگی،حسن آفرینی اور واقعاتی تسلسل موثر اوردلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ شیخ کی فنکارانہ صلاحیتوں کا خوبصورت اظہار بھی ھے۔''ص۲

اس رائے میں ایک چیز کا اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ عمر اسلم شیخ کو عراقی معاشرے میں جہاں جہاں خرابیاں نظر آتی ہیں نہایت کرب کے ساتھ لیکن بے لاگ اظہار کرتے ہیں۔یہ ان کی انصاف پسندی حقیقت پسندی اور متوازن رائے رکھنے کا بین ثبوت ہے۔

کتاب میں جا بجا مصوری اور منظر کشی کے جو نمونے پیش کئے گئے ہیں وہ اس سفر نامے کو دلچسپ بنا دیتے ہیں۔انصاف سے دیکھا جائے تو یہ سفر نامہ ادبی سفر ناموں میں اہم مقام پانے کا مستحق ہے۔

ص۱ :پروفیسر غلام دستگیر شہاب،پیش لفظ،شوق نا تمام،عمر اسلم شیخ،مالیگاؤں،۱۹۸۷ء،ص۸

ص۲ :شبیر احمد ھاشمی،سرورق،شوق نا تمام،عمر اسلم شیخ،مالیگاؤں،۱۹۸۷ء۔

ڈاکٹر اشفاق انجم

پیدائش: یکم جون ۱۹۴۸ء

ڈاکٹر اشفاق انجم کی شخصیت ہشت پہلو ہے۔ وہ شاعر بھی ہیں، ناقد بھی، مورخ بھی ہیں اور محقق بھی، مدرس بھی ہیں اور پی ایچ ڈی کے گائیڈ بھی۔ ان کا مزاج تنقیدی و تحقیقی ہے۔ مالیگاؤں کی تاریخ اور شعراء کے حالات کی تحقیق میں انہوں نے جس دقت نظر اور تبحر علمی کا ثبوت دیا ہے وہ ان سے قبل کے تذکرہ نگاروں میں عنقا ہے۔ وہ روایتوں پر آنکھ بند کر کے بھروسہ نہیں کرتے بلکہ تحقیقی اصولوں کی کسوٹی پر کس کر اپنی بات پیش کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے شہر میں ''تحقیقی طرزِ نو'' کی بنیاد ڈالنے والے اور تحقیق کو حقیقی معنوں میں تحقیق بنانے والے وہ پہلے شخص ہیں۔

ان کا پورا نام اشفاق احمد ابن جلیل احمد ہے۔ مالیگاؤں کی پیدائش ہے۔ ۱۹۶۶ء میں مالیگاؤں ہائی اسکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۷۳ء میں ایم ایس جی کالج مالیگاؤں سے بی اے اور ایک سال کے بعد بی ایڈ کیا۔ جون ۱۹۷۴ء میں جے اے ٹی گرلس ہائی اسکول میں مدرسی اختیار کی اور دوران ملازمت اردو فارسی سے ایم اے کیا۔ ۱۹۸۷ء میں گجرات یونیورسٹی احمد آباد نے ان کے گراں قدر مقالے ''شعرائے مالیگاؤں'' پر ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری عطا کی۔ یہ مقالہ ڈاکٹر صاحب نے گجرات کالج آف لینگویجز کے پروفیسر ڈاکٹر محمد فاروقی کی رہنمائی میں تحریر کیا۔ پروفیسر صاحب موصوف مالیگاؤں کے ہی تھے۔ صوبہ بمبئی کے مہاراشٹر اور گجرات کی دو ریاستوں میں تقسیم ہو جانے کے بعد احمد آباد میں سکونت پذیر ہوئے۔ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد مالیگاؤں آگئے۔ اور یہیں انتقال فرمایا۔

ڈاکٹر اشفاق انجم ۱۹۷۹ء میں ایم ایس جی کالج، مالیگاؤں میں اردو فارسی کے لیکچرر مقرر ہوئے۔ فی الحال وہ اس کالج میں شعبہ اردو فارسی کے صدر ہیں۔ پونہ یونیورسٹی کے پی ایچ ڈی کمیٹی کے رکن اور رجسٹرڈ گائیڈ ہیں۔ یونیورسٹی کی اردو فارسی اور عربی کے بورڈ آف اسٹڈیز کے رکن ہیں۔

ناگپور یونیورسٹی کی پی ایچ ڈی کمیٹی کے رکن اور آل انڈیا اردو یونیورسٹی ٹیچرس ایسوسی ایشن کی مہاراشٹر شاخ کے کنوینر ہیں۔ بال بھارتی پونہ کی اردو لسانی کمیٹی اور مہاراشٹر اردو اکیڈمی کے رکن بھی رہ چکے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی تحریری سرگرمیوں کا آغاز ہائی اسکول کی طالب علمی کے زمانے میں ہی ہو چکا تھا۔ ''نقش دیوار'' کے صفحات ان کی کہانی اور مضامین سے آراستہ ہوتے تھے۔ اس سمت رغبت دلانے والوں میں مرحومہ عائشہ حکیم اور صحافی ندرت انقلابی تھے۔ ۱۹۶۵ء میں انہوں نے شعر گوئی شروع کردی۔ ندرت انقلابی کے پاس کئی اخبارات کی ایجنسی تھی۔ انہیں کے توسط سے ڈاکٹر صاحب کی غزلیں اور نثری تخلیقات شائع ہونا شروع ہوئیں۔ مقامی ہفت روزہ عوامی آواز میں بھی ان کی کہانیاں اور مضامین اشاعت پذیر ہوئے۔ اس زمانے میں انہوں نے جنگل بیابانی کا فرضی نام اختیار کرکے عوامی آواز میں طنزیہ اور مزاحیہ کالم نگاری کا آغاز کیا۔ موصوف کے مضامین اردو ٹائمز (ممبئی)، امکان (ممبئی) اور ہماری زبان (دہلی) میں شائع ہوئے۔ ہماری زبان میں اردو کا پہلا تذکرہ اور تذکرہ نویس کون؟ اس سوال پر بحث چھڑی تو ڈاکٹر اشفاق انجم کی تحقیقی اور تخلیقی صلاحیت کھل کر سامنے آئی۔ بعض تنقیدی اور تحقیقی مضامین سٹی زن ٹائمز (مالیگاؤں) میں اشاعت پذیر ہوئے۔ کئی کتابوں کے پیش لفظ لکھے جو ان کی تنقیدی بصیرت اور صلاحیت کے آئینہ دار ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کا اصل میدان تحقیق ہے۔ ''شعرائے مالیگاؤں'' کا قابل قدر کارنامہ انجام دینے کے بعد وہ خاموش نہیں بیٹھے۔ مالیگاؤں کے قلعہ اور شہر کی تاریخ کے تعلق سے ان کی تحقیق تقریباً مکمل ہو چکی ہے۔ جلد ہی طباعت کی امید ہے۔ مرزا جان تپش لکھنوی کے مخطوطے کی تدوین و تحقیق کا کام بھی جاری ہے۔ ان کے پاس ۱۵۰۰ء کا شیخ حسن عبداللہ کا ایک شعری مخطوطہ دکنی زبان میں ہے۔ اس کی تحقیق و تدوین کے کام میں بھی وہ انہماک سے جٹے ہوئے ہیں۔ بایں ہمہ غالبؔ کی شاعری کا نفسیاتی مطالعہ بھی جاری ہے۔ دو تین برسوں میں ان تمام کاموں کی تکمیل متوقع ہے۔

ڈاکٹر صاحب جدید لب ولہجہ میں شاعری کرتے ہیں۔ حضرت ادیبؔ مالیگانوی مرحوم کے سب سے عزیز شاگرد اور جانشین ہیں۔ ۱۹۷۹ء میں ڈاکٹر صاحب کا مجموعہ کلام ''سایہ سایہ دھوپ'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ نیز ۲۰۰۱ء میں نعتوں کا مجموعہ ''صلّو علیہ و آلہٖ'' بھی اشاعت پذیر ہو چکا ہے۔

شعرائے مالیگاؤں:

ڈاکٹر صاحب کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے۔انہوں نے پی ایچ ڈی کے لئے رجسٹریشن ۱۹۷۷ء میں گجرات یونیورسٹی سے کروایا۔گائیڈ پروفیسر محمد فاروقی تھے۔لیکن دوران تحقیق (۱۹۸۰ء) پروفیسر صاحب کا انتقال ہوجانے کی وجہ سے تاخیر ہوئی۔بعد میں انہوں نے پروفیسر اے این قریشی کی رہنمائی میں باقی کام مکمل کیا۔ ۱۹۸۷ء میں اس مقالے پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری عطا ہوئی۔

اس تذکرہ سے قبل مالیگاؤں میں شہکار ہم نشیں، جمال ہم نشیں، زخم و مرہم اور شعلۂ احساس وغیرہ تذکرے شائع ہو چکے تھے۔مسلم مالیگانوی نے بھی اس سلسلے میں ایک طویل اور اہم مضمون رقم کیا تھا۔لیکن یہ تمام تذکرے اس اعتبار سے نامکمل تھے کہ بیشتر قابل ذکر فنکاران میں شامل نہ تھے۔ دوسرے مختصر ہونے کی وجہ سے نہ تو شعراء کے حالات کا ٹھیک پتہ چلتا تھا، نہ شاعری کی خصوصیات واضح ہو پاتی تھیں۔بعد میں حفیظ مالیگانوی نے ''نقوش'' کے نام سے ایک ضخیم تذکرہ تالیف کیا۔ان تذکروں کی موجودگی میں ڈاکٹر صاحب کو''شعرائے مالیگاؤں'' لکھنے کی ضرورت کیوں پڑی؟ اس کا ذکر انہیں سے سنئے:

> ''افسوس ناک امر یہ ہے کہ حفیظ صاحب نے اس تذکرے میں دقت نظر، تحقیق و تفتیش اور تفحص سے کام لینے کی بجائے مشکوک و غیر مصدقہ روایتوں کے افسانوی بیان سے کام لیا ہے۔ اور حقائق کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ یہی نہیں اکثر روایتوں اور حقائق کو اپنے مطمح نظر کے مطابق توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے۔ جس کی وجہ سے ''نقوش'' میں سینکڑوں اغلاط در آئے ہیں۔ اگر یہ مکمل شائع ہوگیا تو مالیگاؤں کی ادبی تاریخ کا چہرہ ہی مسخ ہوجائے گا۔''صا

انہیں وجوہات کی بناء پر ڈاکٹر صاحب نے ۱۸۸۰ء سے ۱۹۸۰ء تک کے شعراء کے حالات اور کلام مکمل تحقیق، صحت او غیر جانبداری کے ساتھ قلم بند کرنے کی کوشش کی۔اس مقالے کو شہر کے تین بزرگ شعراء حضرت احسن، ۔ رت اختر اور حضرت ادیب نے پڑھا اور اسے''مالیگاؤں کی صحیح اور ۔ ل ادبی تاریخ'' کی سند عطا فرماتے ہوئے اپنے اطمینان اور خوشی کا اظہار فرمایا۔صا

صا :ڈاکٹر اشفاق انجم،شعرائے مالیگاؤں،ص ۲

صا :ڈاکٹر اشفاق انجم،شعرائے مالیگاؤں،ص ۳

افسوس کی بات ہے کہ ان کی یہ گراں قدر تالیف اب تک اشاعت سے محروم ہے۔اس کی اشاعت بے حد ضروری ہے کہ یہ کتاب شہر کی شعری اور ادبی تاریخ کا احاطہ کرتی ہے نیز مستقبل کے تذکرہ نویسوں کو حوالے کی بنیاد فراہم کرتی ہے۔

ڈاکٹر اشفاق انجم کی علمی لیاقت اور تنقیدی بصیرت کا سارا شہر معترف ہے۔ تحقیقی کام کرنے والے اکثر انہیں سے مشورہ کرتے ہیں۔فی الحال ڈاکٹر صاحب کی رہنمائی میں بشیر احمد انصاری (پونہ)، ساجد انصاری، جمیل الرحمن وغیرہ مختلف موضوعات پر کام کر رہے ہیں۔ راقم الحروف نے زیر نظر مقالہ انہیں کی رہنمائی میں مکمل کیا ہے۔

ڈاکٹر ھارون فراز

پیدائش: یکم جون ۱۹۴۸ء

نام محمد ہارون ابن محمد یوسف ہے۔ مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔ ایم اے بی ایڈ تک تعلیم حاصل کی۔ پونا یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی۔ جے اے ٹی گرلس ہائی اسکول میں مدرس ہیں۔

اپنی طالب علمی کے زمانے میں محلّہ کی ایک ادبی انجمن ادارۂ صالح ادب کے رکن بنے اور اس کی ادبی نشستوں میں مختصر مضامین اور خاکے سنانے لگے۔ مضامین زیادہ تر اصلاحی اور معاشرتی موضوعات پر لکھے جاتے تھے۔ ایک عرصے تک لکھنے لکھانے کا سلسلہ گھریلو الجھنوں کی وجہ سے بند رہا۔ بعد ازاں ہفت روزہ سٹی زن ٹائمز سے وابستہ ہوئے اور شاہد یوسفی کے نام سے اداریے لکھنے لگے۔ تقریباً ڈیڑھ سال تک یہ ذمہ داری پوری کی۔ ان کے تحریر کردہ اداریوں کی بنیاد پر مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکیڈمی نے انہیں صحافتی ایوارڈ سے نوازا۔ شعراء کی محفلوں میں شرکت کے سبب ادبی ذوق پروان چڑھا۔ شاعری شروع کردی۔ ان کی شاعری جدید رنگ و آہنگ لئے ہوئے ہے جس میں بیرونی اور خارجی عوامل سے زیادہ ذاتی زندگی اور باطنی کرب کا عکس صاف دکھائی دیتا ہے۔ لیکن بنیادی رجحان نثر کی طرف رہا۔ اسلئے خاکوں، تبصروں اور تنقیدی مضامین کے ذریعے اپنی صلاحیتوں کا اظہار کرتے رہے۔ انہوں نے بہت سے شعری مجموعوں پر تنقیدی نظر ڈالی ہے۔ ان میں منشی نصیر کی کتاب ''فکر بلند'' اختر مالیگانوی کی تضمین دیوان غالب، احسن مالیگانوی کی شاخ تمنا اور ارشد نظر کی ''برگ درخشاں'' شامل ہیں۔ ڈاکٹر محبوب راہی کی کتاب ''رنگا رنگ'' کی بھی تنقید لکھی ہے۔ مالیگاؤں کے مستند شعراء و ادباء میں سے نشاط شاہدوی، محمد صدیق مسلم اور رامش کے فن اور شخصیت پر گراں قدر مضامین لکھے ہیں۔ یہ تمام تبصرے، مضامین اور مقالے مختلف رسائل و اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان کا ایک اصلاحی مضمون ''جہیز ایک زہریلی رسم'' قومی راج (ممبئی)

میں شائع ہوا اور اپنی افادیت کے پیش نظر ششماہی گلکدہ (سہسرام) میں بھی نقل ہوا۔ موصوف شہر کی ایک فعال ادبی انجمن ''بزم ارباب ذوق'' کے صدر ہیں۔ یہ بزم اپنے انوکھے، تربیتی اور مفید ادبی و شعری پروگراموں کی وجہ سے قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ نیز انجمن ترقی اردو شاخ مالیگاؤں کے نائب صدر ہیں۔

جیل کی شاعری:

اس دوران انہیں ڈاکٹریٹ کرنے کیلئے مناسب موضوع کی تلاش ہوئی۔ خواہش یہ تھی کہ کسی شاعر یا ادیب کے کار و افکار پر مقالہ لکھنے کی عام روش سے ہٹ کر کام کیا جائے۔ تلاش بسیار کے بعد ''جیل کی شاعری'' کا انتخاب ہوا۔ اس مقالے کو انہوں نے استاذ الاساتذہ، ماہر تعلیم اور سابق پرنسپل سٹی کالج، عبدالحفیظ انصاری صاحب کی رہنمائی میں ۱۹۹۳ء میں مکمل کیا۔ اکتوبر ۱۹۹۴ء میں پونا یونیورسٹی نے انہیں اس قابل قدر کام پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری عطا کی۔

اس مقالے میں ان تمام شعراء کے حالات جمع کئے گئے ہیں جنہیں زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر زنداں سے واسطہ پڑا اور انہیں قید و بند کی صعوبتوں سے گذرنا پڑا، خواہ کسی وجہ سے ہو۔ مواد کی فراہمی کے لئے انہوں نے دور دراز کا سفر کیا، سینکڑوں کتابوں سے استفادہ کیا، ذاتی طور پر ملاقاتیں کیں اور جیل کی دیواروں سے آشنا شعراء کا ایک جامع تذکرہ ترتیب دینے میں کامیابی حاصل کی۔

موصوف نے نہ صرف مختلف ادوار قائم کئے ہیں بلکہ ہر دور کی سیاسی، سماجی، تہذیبی، ثقافتی اور تاریخی حقیقتوں کا خلاصہ بھی تحریر کیا ہے۔ پھر اس کے پس منظر میں اس دور کے زندانی شعراء کا تذکرہ لکھا ہے۔ فارسی شعراء کے اضافے نے مقالے کی افادیت میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے سینکڑوں شعراء کے تذکرے لکھے ہیں۔ یہ تذکرے سرسری نہیں ہیں بلکہ ہر شاعر کا حق ادا کرنے کی پرخلوص کوشش کی گئی ہے۔ انہوں نے اس مقالے میں بڑی خوبصورت زبان استعمال کی ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ نثر میں شاعری کی ہے۔ ان کا یہ مخصوص اسلوب ہے۔ عموماً یہ ہوتا ہے کہ تذکرہ نگار انشاپردازی کے جوہر دکھانے کی کوشش میں متن و معنی کو گم کر بیٹھتا ہے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کی نثر متن پر حرف نہیں آنے دیتی۔ یہی ان کی کامیابی کی دلیل ہے۔ نثر کے نمونے دیکھئے:

''فیض کے یہاں ماضی کی یادیں اپنے تمام تر حسن اور تمام رنگوں کے ساتھ موجود ہیں. جیل کے بے رنگ محل میں جب یادوں کے سائے لہرانے لگتے ہیں تو رنگ پیراہن،زلف کی خوشبو اور کسی کے چشم و لب کے سبب گلستاں اور میخانے کی بات رنگین ہوجاتی ہے،نظر میں پھول مہکنے لگتے ہیں،دل میں شمعیں جلنے لگتی ہیں. اورتصور اس کی بزم میں جانے کا نام لینے لگتا ہے.....''ص۱

منیر شکوہ آبادی کے بیان میں لکھتے ہیں:

''۱۸۵۷ء کی سرخ آندھی چلی تو دلّی اجڑ گئی. اودھ تاراج ہوگیا اور یہ تمام ویرانیاں سمٹ آئیں اس دور کے شعراء کے کلام میں. اس وقت جو شاعری صفحۂ قرطاس پر اتری وہ چیخ تھی جو دل سے ابھری،آنسو تھا جو آنکھوں سے برسا، ان میں نوحہ ہے شہروں کی بربادی کا،ماتم ہے پرانی رونقوں کا،غم ہے مٹے ہوئے نظام کا.....''ص۲

غرض سات سو صفحات پر مشتمل اس مقالے میں موصوف نے معلومات کا خزانۂ بے بہا ہی پیش نہیں کیا ہے بلکہ جا بجا لفظ و بیان کے جواہر بے بہا سے آراستہ بھی کیا ہے۔ مقالہ ان کے تحقیقی شعور وصلاحیت، فکر کی پختگی، علمی متانت، کھوج اور تخلیقی مزاج کی دلیل ہے۔ ضرورت ہے اسے شائع کیا جائے تاکہ اردو دنیا اس سے بھرپور استفادہ کر سکے۔

ص۱ :ڈاکٹر ہارون فراز،جیل کی شاعری(پی ایچ ڈی کا غیر مطبوعہ مقالہ)۱۹۹۴ء،ص ۱۹

اس پیراگراف میں انھوں نے فیض کے ان دو اشعار سے خوبصورت استفادہ کیا ہے ؎

دوستو اس چشم و لب کی کچھ کہو جس کے بغیر	گلستاں کی بات رنگیں ہے نہ میخانے کا نام
پھر نظر میں پھول مہکے دل میں پھر شمعیں جلیں	پھر تصور نے لیا اس بزم میں جانے کا نام

ص۲ :ڈاکٹر ہارون فراز،جیل کی شاعری،۱۹۹۴ء،ص ۱۵۳

پروفیسر عبدالمجید مظہرؔ صدیقی

پیدائش: یکم جون ۱۹۴۸ء

پروفیسر صاحب کا پورا نام عبدالمجید ابن محمد صدیق اور تخلص مظہر ہے۔ مالیگاؤں کی پیدائش، اے ٹی ٹی ہائی اسکول سے ۱۹۶۵ء میں ایس ایس سی پاس کیا۔ (آج کل اس کی انتظامیہ کے رکن ہیں) ۱۹۶۹ء میں بی اے اور ۱۹۷۲ء میں معاشیات سے ایم اے کیا۔ ملازمت کی ابتداء مالیگاؤں میونسپلٹی میں چوکیداری سے کی۔ ۱۹۶۹ء میں اے ٹی ٹی ہائی اسکول میں مدرس ہوئے۔ ۱۹۷۲ء میں آرٹس اینڈ کامرس کالج مالیگاؤں میں معاشیات کے لیکچرر مقرر ہوئے۔ اگست ۱۹۹۴ء سے اسی کالج میں پرنسپل کے عہدے پر فائز ہیں۔ چوکیدار سے پرنسپل تک کے سفر میں انہوں نے زمانے کے بہت سرد و گرم دیکھے اور تجربات کا ایک وسیع خزانہ حاصل کیا۔

عبدالمجید صدیقی کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں، وہ ایک معلم ہیں، شاعر ہیں، ماہر معاشیات ہیں، سماجی مصلح ہیں اور نثر نگار ہیں لیکن سب سے زیادہ دلچسپی معاشیات سے رہی ہے۔ اس میدان میں انہوں نے محض طلباء کی ہی رہنمائی نہیں کی بلکہ شہر کی پاورلوم صنعت کو بھی اپنے خیالات، مشوروں اور تجویزوں سے کافی فیض پہنچایا۔ ٹوٹی پھوٹی شاعری کی شروعات انہوں نے ہائی اسکول کی طالب علمی کے زمانے سے ہی کردی تھی لیکن یہ ان کا اصل میدان نہیں ہے۔ حقیقتاً وہ ایک نثر نگار ہیں۔ نثر نگاری کا آغاز طلباء کے لئے تقریریں اور ڈرامے لکھنے سے کیا۔ عموماً ہر سال ایک ڈرامہ لکھتے جسے طلباء اسٹیج کرتے۔ ان کا پہلا مضمون ''مالیگاؤں میں جنگ آزادی'' کے عنوان سے مقامی روزنامہ ''شامنامہ'' میں شائع ہوا۔ یہ دراصل بے شمار سماجی، تعلیمی، معاشی اور ادبی موضوعات پر مضامین لکھنے کی شروعات تھی۔ معاشیات کے موضوع پر ان کے پینتیس مضامین شامنامہ میں اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔ ان میں سے بعض اتنے طویل ہیں کہ گیارہ قسطوں میں شائع ہوئے۔ دیگر مضامین کی بھی ایک طویل فہرست ہے۔

پروفیسر صاحب کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی موضوع پر سرسری قلم نہیں اٹھاتے۔ خوب مطالعہ کرتے ہیں، تلاش و جستجو کرتے ہیں، جہاں ضرورت ہوتی ہے سروے کرتے ہیں اور اعداد و شمار کی روشنی میں مضامین تحریر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ وہ اکثر درست نتیجے تک پہنچتے ہیں۔ اس طرح انکے مضامین کی اہمیت وافادیت شہر کی صنعت کے لئے ہی نہیں، معاشیات میں پی ایچ ڈی کرنے والوں کی نظر میں بھی بڑھ جاتی ہے۔

ادبی مضامین میں ''ہم سخن فہم ہیں'' کے عنوان سے انہوں نے غالب کی شاعری پر قلم اٹھایا ہے۔ اس سے موصوف کی سخن فہمی اور فن شاعری سے واقفیت کا پتہ چلتا ہے۔ ''الطاف سلطان پوری، نعت گوئی کے پل صراط پر'' اس مضمون میں الطاف صاحب کی نعتیہ شاعری کا بھرپور اور بے لاگ جائزہ لیا گیا ہے۔ پروفیسر صاحب نے اس میں ان حدوں اور احتیاطوں کا بھی بیان کیا ہے جو ایک نعت گو شاعر کے لئے لازمی ہیں۔ مولانا محمد حسین اشرفی، مفتی مہاراشٹر پر ان کا سوانحی خاکہ ایک عالم، قاری اور مخلص انسان کی خدمات کو سچا خراج عقیدت ہے۔ نیز ''مولانا برکت علی'' اس مضمون میں پروفیسر صاحب نے شہر کے ایک بزرگ عالم دین کے فضل و کمال کا جائزہ بڑی عقیدت مندی اور سچائی سے لینے کی کوشش کی ہے صد پرنسپل بننے کے بعد ذمہ داریوں کا بوجھ بڑھ گیا ہے۔ اس لئے تخلیقی سرگرمیاں سرد ہو گئی ہیں لیکن ان کے شاگردوں نے اب میدان سنبھال لیا ہے اور پروفیسر صاحب کی تعمیر کردہ بنیادوں پر خوبصورت عمارتیں بنا رہے ہیں۔

صد: عبدالمجید صدیقی، حضرت مولانا برکت علی شاہ، اجالوں کے سفیر، اگست ۱۹۹۲ء، ص ۱۷

سراج دلار

پیدائش: یکم جون ۱۹۴۸ء

اکثر ادبی مراکز کے گلستانِ ادب ڈراموں کے گل بوٹوں سے خالی ہی رہتے ہیں۔ کچھ یہی حال مالیگاؤں کا بھی ہے۔ یہاں بھی ڈرامہ نگار کم ہیں مگر جو ہیں ان میں سراج دلار سرِ فہرست ہیں۔ قدرت نے انہیں بڑی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ وہ ڈرامہ نگار بھی ہیں۔ ایکٹر اور ڈائرکٹر بھی، کاتب بھی ہیں اور مصور بھی، طنز و مزاح نگار بھی ہیں، مزاحیہ شاعر بھی۔

ان کا پورا نام سراج احمد ابن محمد مصطفیٰ ہے۔ شہر کے مشہور دلار خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔ بی اے بی ایڈ تک تعلیم پائی۔ ۱۹۷۳ء سے میونسپل پرائمری مدارس میں مدرسی کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

طالب علمی کے زمانے میں ان کا ایک افسانہ ''گرگٹ'' بڑا پسند کیا گیا جو سکوں کی تبدیلی کو موضوع بنا کر لکھا گیا تھا۔ یہی ان کی پہلی نثری تخلیق ہے۔ بجٹ سے متعلق ایک علامتی افسانہ ''ڈاکہ'' کے عنوان سے گلابی کرن (دہلی) میں شائع ہوا۔ دراصل طنز و مزاح میں لکھنے کی طرف انہیں پروفیسر عبدالعزیز انصاری نے راغب کیا جو اس وقت مالیگاؤں کے بی ایڈ کالج میں لیکچرر تھے اور سراج دلار ایک طالب علم۔ پروفیسر صاحب نے مشتاق احمد یوسفی کی کتابیں پڑھنے کو دیں اور ان کے مزاح کی باریکیوں سے واقف کرایا۔ سراج دلار نے ہفت روزہ ''چورن'' اور پرنس میں مزاحیہ کالم لکھنے شروع کئے۔ اس زمانے میں یہ دونوں اخبارات اپنی طنزیہ و مزاحیہ تحریروں کے سبب بہت زیادہ پڑھے جاتے تھے۔ پروفیسر صاحب کے بعد سراج دلار کی حوصلہ افزائی میں مدیر چورن (فی الحال مدیر طالب علم) عزیز الرحمٰن کا بڑا ہاتھ ہے۔ کچھ دنوں تک سراج دلار ہفت روزہ ''ہاشمی آواز'' میں اتر پردیش کے ایک کردار کو بنیاد بنا کر مزاح نگاری کرتے رہے۔ روزنامہ ''شامنامہ'' کے اولین شمارے میں ''پیون'' شائع ہوا اسکے بعد کئی اور مزاحیہ مضامین اس میں

اشاعت پذیر ہوئے۔ روزنامہ ''ہندوستان'' کے مالیگاؤں ایڈیشن کے اجراء کے بعد سراج دلار کو بھی ادارہ تحریر میں شامل کیا گیا۔ اس اخبار میں انہوں نے سیاسی اور سماجی موضوعات پر بھی مضامین لکھے۔ نیز مختلف طبقات سے منسلک افراد کے انٹرویوز بھی شائع کئے جن کی تعداد پچیس سے کم نہیں ہے۔

سراج دلار کی تحریری سرگرمیوں کو ان کے استاد پروفیسر نذیر احمد انصاری بغور دیکھ رہے تھے۔ پروفیسر صاحب ادب وشعر کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ ایک اچھے ڈرامہ نگار اور ایکٹر تھے۔ انہوں نے سراج دلار کو ڈرامہ نگاری کی طرف توجہ دلائی۔ ان کی ایماء پر سراج دلار نے ۱۹۷۵ء میں ڈرامہ لکھنے کا آغاز کیا۔ شروع کے تین ڈرامے پروفیسر صاحب نے رد کردیے۔ لیکن سراج دلار کو تو جیسے چسکا لگ گیا تھا۔ انہوں نے چوتھا ڈرامہ ''ڈاکٹر'' کے عنوان سے لکھ کر ان کی خدمت میں پیش کیا جو پاس کردیا گیا۔ یہ ڈرامہ مالیگاؤں ہائی اسکول میں اسٹیج ہوا۔

۱۹۷۵ء میں ہی ازدواجی زندگی کے مسائل کو بنیاد اور سفید داغ (برص) کو موضوع بنا کر ایک معاشرتی اصلاحی ڈرامہ ''چل رے بیوا، بجار کرے'' تخلیق کیا۔ یہ مالیگاؤں کی مقامی بولی میں ہے جو پوربی سے کافی قریب ہے۔ یہ کم از کم اٹھارہ مرتبہ اسٹیج ہوا۔ اور مالیگاؤں کے ساتھ ساتھ بھیونڈی اور ممبئی میں بھی کافی مقبول ہوا۔ اس میں پہلی بار ''شیڈو پلے'' کی تکنیک کا استعمال کیا گیا۔

سراج دلار نے تجرباتی ڈرامے Experimental Plays بھی لکھے ہیں۔ ''بے رنگ'' نام کا تجرباتی ڈرامہ مالیگاؤں ہائی اسکول کے اسٹیج سے کھیلا گیا۔ اس میں کسی قسم کا Costume استعمال نہیں کیا گیا تھا اور خود انہوں نے اس میں چار رول ادا کئے تھے۔ ان کا سب سے مشہور ڈرامہ ہے ''یہ بھارت میرا ہے'' جسے ممبئی، پونہ اور مقامی مقابلوں میں چار بار اول انعام سے نوازا گیا۔ سراج دلار اسے اپنے لئے اعزاز کی بات مانتے ہیں کہ ایک مقابلے میں جس میں قادر خان اور مشتاق مرچنٹ جیسے ماہرین فن کی اسکرپٹ شامل تھیں، ان کے اس ڈرامے کی بنیاد پر انہیں ساگر سرحدی کے ہاتھوں بہترین رائٹر کے انعام سے نوازا گیا۔ ''طوطا'' نام کا سیاسی ڈرامہ جو شاہ بانو کیس کی بنیاد پر لکھا گیا تھا۔ صابو صدیق ممبئی میں اسٹیج ہوا اور اسے کے ہنگل کے ہاتھوں ڈرامہ اور ڈرامہ نگار کو اول انعام عطا کیا گیا۔

ان کے دیگر ڈرامے جو مقبول ہوئے ان میں خاندیشی زبان میں تحریر کردہ ''دوکھنا'' ؎ اور دراڑ قابل ذکر ہیں۔ دراڑ میں ایکتا کو موضوع بنایا گیا ہے۔

؎: خاندیش میں میت کے چالیسویں کی رسم کو کہتے ہیں۔

سراج دلار نے ایک اور طرح سے فن ڈرامہ نگاری کی خدمت کی ہے۔ انہوں نے اسکولی طلبہ کو ڈرامے کے فن اور اداکاری سے قریب کیا۔ بچوں کے لئے چند ایسے ڈرامے لکھے جو بچوں کی مشہور پرانی کہانیوں کو بنیاد بنا کر لکھے گئے۔ انہیں دلچسپ، سبق آموز اور بچوں کے معیار کے مطابق بنانے کے لئے ''طفلانہ'' عناصر کی آمیزش کردی گئی ہے۔ اس قسم کے ڈراموں میں قابلِ ذکر خرگوش اور چوہا، پورس اور سکندر لکڑ ہارا اور ریڈ بم ہیں۔

سراج دلار شہر میں نکڑ ناٹک کے بانیوں میں ہیں۔ ان کے ساتھ تقریباً پچیس کلاکاروں کی ایک بہترین ٹیم ہے۔ یہ سارے فنکار مالیگاؤں آرٹس اینڈ کلچرل ایسوسی ایشن کے پرچم تلے کام کرتے ہیں۔ سراج دلار اس کے قیام سے لے کر تا حال صدر کے عہدے پر فائز ہیں۔ اب تک تقریباً پینتیس نکڑ ناٹک تخلیق کر چکے ہیں۔ یہ ناٹک صرف اردو آبادی میں مقبول نہیں ہوئے بلکہ مراٹھی داں طبقے میں بھی مقبول ہوئے۔ اکثر مراٹھی طبقہ اصرار کر کے ایسوسی ایشن کو نکڑ ناٹک کے لئے مدعو کرتا ہے۔ اس طرح اردو کا پیغام محبت مراٹھی داں طبقے کے دلوں میں بھی جگہ بنا رہا ہے۔

سراج دلار نے ''کتابی'' ڈراموں پر توجہ کم کی جسے شائع کر کے دور دراز کے علاقوں تک پھیلایا جاسکتا۔ لیکن اردو دنیا مایوس نہیں ہے۔ سراج دلار اب بھی توجہ دیں تو مہاراشٹر کا اردو داں طبقہ اچھے ڈراموں کی کمیابی کے بحران سے نکل سکتا ہے۔

غرض پروفیسر نذیر احمد انصاری مرحوم کے اس عزیز شاگرد کا سفر ابھی جاری ہے۔ ابھی تو نصف فاصلہ ہی طے ہوا ہے۔

اقبال ابن اختر

پیدائش: یکم جون ۱۹۴۸ء

اقبال ابن اختر شہر مالیگاؤں کے مشہور بزرگ اور استاد شاعر حضرت اختر مالیگانوی کے فرزند ہیں۔ گھر میں ادبی ماحول پہلے ہی موجود تھا لیکن اقبال اختر شاعری کی بجائے نثر کی طرف مائل ہوئے۔ صنعت پارچہ بافی سے منسلک ہیں۔

اسکول کے زمانے سے ہی ان کی تخلیقی صلاحیتیں اجاگر ہونا شروع ہوگئی تھیں۔ انصار لائبریری کا رکن بننے کے بعد مطالعہ کا خوب موقع ملا۔ اس مطالعہ نے انہیں بھی قلم سنبھالنے پر اکسایا۔ ''انوکھی سزا'' کے عنوان سے انہوں نے اپنی پہلی کہانی لکھی۔ ''چھوٹا ڈاکٹر'' رسالہ نور (رامپور) میں شائع ہوئی جو ان کی اشاعت پذیر ہونے والی پہلی کہانی ہے۔ ۱۹۸۲ء میں ''بے گناہ'' کے نام سے ایک جاسوسی کہانی لکھی۔ یہ بھی رسالہ نور میں شائع ہوئی۔ ان کے علاوہ بھی بچوں کے لئے بہت سی کہانیاں لکھیں۔

رفتہ رفتہ کہانیاں لکھنے کا یہ شوق افسانہ نگاری میں تبدیل ہوگیا۔ تقریباً پچیس افسانے لکھے۔ یہ تمام افسانے ہفت روزہ ''بیباک'' (مالیگاؤں) کے ادبی صفحے ادب نما کی زینت بنے۔

''منی افسانہ'' کی صنف ایک مشکل صنف ادب ہے۔ چند سطروں میں ایک مکمل کہانی پیش کرنا جس میں موضوع، کہانیت، پلاٹ، کردار اور مکالمہ بھی کچھ ہو، بڑی فنکاری اور مہارت کا متقاضی ہے۔ اس صنف میں بھی اقبال ابن اختر نے قابلِ قدر کاوشیں کی ہیں۔ ان کے منی افسانوں میں ''اندھیرا'' سب سے کامیاب ہے۔ اپنی ایک تخلیق ''ایک بندر کی کہانی، اسی کی زبانی'' میں انہوں نے تکنیک کا ایک نیا تجربہ کیا ہے اس میں المیہ، نشاطیہ، رومانس اور سسپنس کے ساتھ ساتھ سبق آموزی بھی ہے۔

''امر پریم'' جیسے افسانے لکھنے والا یہ تخلیق کار غالباً معاش کی بھول بھلیوں میں گم ہوگیا ہے۔ تحریری سرگرمیوں سے کنارہ کشی اختیار کرلی ہے اور شہر کی دنیائے افسانہ نگاری اس فنکار کی جدائی پر نوحہ کناں ہے۔

رضیہ حکیم

پیدائش: یکم جون ۱۹۴۸ء

رضیہ حکیم کے والد محمد زکریا حکیم کا خاندان اپنی علمی، طبّی اور ادبی خدمات کے لئے مشہور ہے۔ خود حکیم زکریا بہت اچھے طبیب ہیں۔ ان کے فرزند ڈاکٹر نعیم اختر مشہور شاعر اور ڈاکٹر سلیم زکریا نثر نگار ہیں۔ رضیہ حکیم کی پیدائش مالیگاؤں میں ہوئی۔ فائنل (ساتویں جماعت) کے امتحان میں وہ پورے ناسک ضلع میں اول آئیں۔ ۱۹۶۶ء میں ایس ایس سی اور ۱۹۷۶ء میں ڈی ایڈ کیا۔ بعد میں اردو اور فارسی سے بی اے بھی کرلیا۔ ان کی شادی بھیونڈی کے ایک معزز گھرانے میں ہوئی۔ وہیں جون ۱۹۷۳ء سے وہ بھیونڈی نظام پور میونسپل کونسل کی پرائمری اسکول میں معلمہ ہیں۔

رضیہ حکیم کا قلم اسکول کے زمانے سے ہی تیز تھا۔ گھر میں علمی ماحول تھا۔ والد صاحب کی حوصلہ افزائی مشعلِ راہ تھی اس لئے تعلیم کے ساتھ ساتھ ادبی سرگرمیاں جاری رکھنے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ ان کی سب سے پہلی کہانی اس وقت شائع ہوئی جب وہ چوتھی جماعت کی طالبہ تھیں صـ۱۔ مالیگاؤں ہائی اسکول میں داخلہ لینے کے بعد ان کی تخلیقی صلاحیتیں پروان چڑھیں۔ کہانیوں اور لطائف کے ذریعے وہ ''نقش دیوار'' میں حصہ لیتی رہیں۔ تقریری مقابلوں اور ڈراموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ رئیس ہائی اسکول بھیونڈی کے تقریری مقابلے میں انہوں نے اپنے اسکول کی نمائندگی کی اور اپنے مقرر ساتھی کے ساتھ مشترکہ طور پر اپنے اسکول کے لئے ٹرافی حاصل کی۔ بچوں کے لئے تقریریں لکھنے سے نثر نگاری کی مشق ہوتی گئی اور ان کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا گیا۔

۱۹۸۴ء سے انہوں نے باقاعدہ نثر نگاری کا آغاز کیا۔ ان کا سب سے پہلا افسانہ ''رشتہ کاغذ کا'' تھا جو اردو ٹائمز (ممبئی) اور پاکیزہ آنچل (دہلی) دونوں میں شائع ہوا۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے تیس افسانے تخلیق کئے جو روبی، پاکیزہ آنچل اور خاتون مشرق (دہلی) میں اشاعت پذیر ہوئے۔

صـ۱: روزنامہ اردو ٹائمز، ممبئی، ۱۰ جولائی ۱۹۵۸ء

روزنامہ انقلاب ،ممبئی کا ایک مزاحیہ کالم ''خالی پیلی'' بہت سے نومشق فنکاروں کی حوصلہ افزائی کا سبب تھا اور کافی مقبول بھی ۔رضیہ حکیم کے مختصر مضامین اس کالم میں ۱۹۸۵ء سے ۱۹۸۸ء تک وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے۔اسی زمانے میں اردو ٹائمز میں ''ضرب کلیم'' کے عنوان سے درس وتدریس اور تعلیم کے مسائل کا احاطہ کرنے والے بعض مضامین شائع ہوئے ۔ممبئی کے مقبول عام ہفتہ وار آر کے کرنجیا کے ''اردو بلٹز'' کی جانب سے ''قومی اتحاد کو درپیش مسائل اور ان کا حل'' کے عنوان پر ارباب قلم کو لکھنے کی دعوت دی گئی تھی ۔اس عنوان پر رضیہ حکیم کا مضمون انقلاب میں شائع ہوا۔

دیگر مضامین میں ''بابری مسجد کی شہادت اور مسلمانوں کا انتشار'' ایک خاتون تخلیق کار کے زاویۂ نظر کا مظہر ہے۔مرحومہ عائشہ حکیم جو شہر مالیگاؤں کی سابق ایم ایل اے ،نثر نگار اور ایک قابل معلمہ اور منتظم تھیں ،ان کی حیات پر ایک گراں قدر مضمون لکھا۔طنز ومزاح کی تاریخ کے عنوان سے تحقیقی میدان میں بھی جوہر دکھائے اور مرحوم ظ انصاری کی موجودگی میں ایک مضمون ''مولانا ابوالکلام آزاد ،جدو جہد آزادی کے آئینے میں'' پیش کیا جس کی ظ صاحب نے بڑی تعریف کی۔

اب تک انہوں نے دو ناول تخلیق کئے ہیں جن کی تفصیل پیش ہے:

۱)شمع جلتی رہے:

ان کا یہ معاشرتی ناول فروری ۱۹۸۸ء میں مالیگاؤں سے شائع ہوا۔انہوں نے اس ناول میں معاشرے کی سچائیوں کو اپنا مرکز ومحور بنایا ہے۔اگر چہ ان کا پہلا ناول ہے مگر جس اعتماد سے انہوں نے الفاظ کے استعمال، جملوں کی بندش، ماحول، چھوٹے بڑے کرداروں پر نگاہ رکھی ہے وہ قابلِ تحسین ہے۔اپنے اخلاقی پہلوؤں کی وجہ سے یہ ناول معاشرے کے لئے ایک سبق آموز تحریک سے کم نہیں۔ناول کی مقبولیت کی دلیل یہ ہے کہ مختصر عرصے میں اس کی تمام کاپیاں فروخت ہوگئیں۔اس ناول پر انہیں بہار اردو اکیڈمی سے تین ہزار روپئے کا انعام اور توصیفی سند ملی۔

۲)تمہارے بنا:

یہ ناول مسلم سماج کے سلگتے ہوئے مسئلے ''شوہر کا مفقود الخبر ہونا'' کو موضوع بنا کر لکھا گیا ہے۔یہ اپنی نوعیت کا ایک منفرد موضوع ہے۔اہم بات یہ ہے کہ موضوع کی نزاکت کے باوجود رضیہ حکیم کے قدم شریعت کے دائرے

سے باہر نہیں جاتے۔ یہ ان کی احتیاط پسندی کی دلیل ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے قیمتی مطالعے کا ثمرہ بھی ہے۔ ناول اشاعت سے محروم ہے۔

رضیہ حکیم خوش قسمت ہیں کہ سسرال میں بھی انہیں وہی دینی اور علمی ماحول نصیب ہوا جو مالیگاؤں میں حاصل تھا۔ ناول اور افسانوں کے ساتھ ساتھ انہوں نے دینی کتب کا مطالعہ بھی خوب کیا ہے۔ خصوصاً تفہیم القرآن اور سیرت کی مشہور کتاب ''الرحیق المختوم'' کو کئی کئی بار پڑھا۔ کتب احادیث کا مطالعہ کیا۔ اس مطالعے میں ان کے چچا سسر نے مدد اور حوصلہ افزائی کی۔ اسی مطالعے کا اثر ہے کہ انہوں نے رومانی اور عشقیہ افسانوں اور ناولوں میں دلچسپی نہیں لی۔ اکثر افسانوں میں انہوں نے شرعی مسائل کو موضوع بنایا۔ غلط قسم کے رواجوں پر تنقید کے آرے چلائے اور اپنی تحریروں کو مسلم سماج کی کمزوریوں کا آئینہ اور احتجاج کا علم بردار بنادیا۔ اپنے ناولوں میں بھی انہوں نے عورتوں کے مسائل ہی پیش کئے ہیں۔ یہ ناول زبان حال سے مسلم خواتین کو پیغام دیتے نظر آتے ہیں کہ ''ظلم کرنا گناہ ہے مگر ظلم سہنا اس سے بڑا گناہ ہے، اٹھو اور ظالموں کے خلاف آواز بلند کرو'' انہوں نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ سکہ رائج الوقت قسم کے رومانی ناولوں کے محدود دائرے سے نکل کر اصلاحی ناول تخلیق کریں۔ ان کا قلم یقیناً اس قسم کے ناول تخلیق کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

گذشتہ چار پانچ برسوں سے ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق تخلیقی سرگرمیاں کم ہوگئی ہیں۔ خوبی کی بات یہ ہے کہ ان کی تخلیقات جن اخبارات و رسائل میں شائع ہوئی ہیں ان کی مکمل فائل انہوں نے سینت اور سنبھال کر رکھی ہے۔ ''امور خانہ داری'' سے واقفیت اور سلیقہ مندی کا یہ فائدہ کچھ کم نہیں۔

غلام مصطفیٰ اثر صدیقی

پیدائش: یکم جون ۱۹۴۸ء

موصوف کا پورا نام غلام مصطفیٰ ابن محمد صدیق اور تخلص اثر ہے۔ مالیگاؤں کے ایک ثروت مند گھرانے میں آنکھیں کھولیں۔ بی ایس سی تک تعلیم ۱۹۷۰ء میں ایم ایس جی کالج مالیگاؤں سے مکمل کی۔ سلسلۂ تعلیم ترک کرنے کے بعد ۱۹۷۲ء میں پاورلوم کے گھریلو چلتے کاروبار میں اپنے بھائیوں کے ساتھ مصروف ہو گئے۔ فی الحال اپنے تین لڑکوں کی مدد سے پاورلوم کا وسیع ذاتی کاروبار سنبھال رہے ہیں۔

اثر صدیقی کے برادر بزرگ ڈاکٹر غلام حیدر رفعت صدیقی کا مطب مدتوں شعری و ادبی سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے۔ شعراء و ادباء جمع رہتے تھے۔ انہیں کی صحبت میں اثر صدیقی کے اندر بھی ذوق شعر و ادب کی تخم ریزی ہوئی اور وہ بھی مشق سخن کرنے لگے۔ ابتدا میں افسانوی ادب کے مطالعے پر توجہ رہی، بعد میں شاعری اور تنقید کی بے شمار کتابیں پڑھیں۔ ۱۹۸۰ء سے مشاعروں میں کلام سنانے اور مشاعروں کی نظامت کا آغاز کیا۔ گجرات، مہاراشٹر، مدھیہ پردیش کے تقریباً تمام اہم اردو مراکز پر مشاعروں میں شرکت اور نظامت کے مواقع حاصل رہے۔ موصوف کا دولت کدہ ''کائنات نجم النساء'' شعری، ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں کی کائنات درخشاں ہے۔

۱۹۷۱ء میں اسیر امیدی برہانپوری کی ادارت میں ڈاکٹر رفعت صدیقی نے ایک ادبی رسالے ''نوید نو'' کا اجراء کیا۔ اثر صدیقی نے اس رسالے کے لئے افسانے لکھ کر اپنی نثری سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ پہلا افسانہ ''گلی نمبر ۵'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ تیسرے شمارے سے اثر صدیقی نے ادارتی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ ''تحفہ'' اور ''جگنو'' کے عنوان سے ان کے مزید دو افسانے شائع ہوئے۔

؎ : اثر صدیقی، گلی نمبر ۵، نوید نو مالیگاؤں ج ۱ ش ۱ اکتوبر ۱۹۷۱ء، ص ۱۷

ان کی نثر کا دوسرا پہلو وہ تبصراتی اور تجزیاتی مضامین ہیں جو انہوں نے محشر جالنوی، عادل فاروقی، عزیز ادیبی اور مقیم الدین اثر بیاولی پر رقم کیے ہیں۔ ''حدائق بخشش کی اردو نعتیہ شاعری'' اور ''امیر خسرو ایک نظر میں'' ان کی قابل توجہ تحریریں ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے گذشتہ بیس برسوں میں طلبہ و طالبات کے لئے دو سو سے زائد تقریریں بھی لکھی ہیں۔

مضامین ہوں یا تقریریں، اثر صدیقی ایک مخصوص لب و لہجہ رکھتے ہیں، شوکت بیان، شکوہ الفاظ، تشبیہ و استعارہ کی کثرت، مرصع اور مسجع زبان اور زور خطابت ان کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ اس معاملے میں وہ اپنی نظامت میں بھی سمجھوتہ نہیں کرتے۔ نثر کا یہ نمونہ دیکھئے:

> .... وہ یہاں دیدار یوسفِ کنعاں سے زلیخائے وقت کی انگلیاں نہیں کٹتیں بلکہ فیضانِ یار سے نسلوں کے مقدر سنورتے ہیں، یہاں کفِ کلیمؑ میں اک چاند نہیں چمکتا بلکہ ایک جنبشِ انگشت سے مہتاب عالم تاب کے شق ہونے کی سرمستیاں ہیں۔ یہاں دمِ مسیحؑ سے مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ نہیں بلکہ اک مکمل ضابطۂ حیات اور روشن لائحۂ عمل سے مردار ادیان و ملل کے اجسام میں حیات افروزیاں ہیں............(حدائقِ بخشش کی اردو نعتیہ شاعری)

اس قسم کی زبان میں تحریریں لکھنے میں شہر میں ان کا ثانی نہیں۔ انہوں نے بہت کم لکھا ہے اور مستقبل میں بھی رفتار بڑھنے کی امید نہیں۔

خالد فیضی

پیدائش: ۷؍جون ۱۹۴۸ء

پورا نام خالد اختر ابن عبدالرحیم فیضی ہے۔ مالیگاؤں کی پیدائش ہے۔ والد صاحب میونسپلٹی میں ملازم تھے۔ اب سبکدوش ہو چکے ہیں۔ خالد فیضی نے انگریزی زبان میں بڑا درک حاصل کیا ہے۔ انہوں نے انگریزی مضمون میں ایم اے کیا اور بی ایڈ کرنے کے بعد جون ۱۹۷۳ء سے تہذیب ہائی اسکول میں ملازمت کررہے ہیں۔

خالد فیضی کے مطالعے کی شروعات رسالہ مجرم، ابن صفی کے جاسوسی ناول، شرلاک ہومز کے ناول اور اردو ڈائجسٹ (لاہور) سے ہوئی۔ اسی کے ساتھ ساتھ آرتھر کانن ڈائل کی کتابوں میں بھی دلچسپی رہی۔ رفتہ رفتہ مطالعے میں بھی تبدیلی، انتخاب اور سنجیدگی آتی گئی اور جاسوسی وادیوں کا سفر کر کے تفسیر، حدیث، منطق اور تاریخ کی کتابوں کے گلزاروں کو اپنا مسکن بنایا۔ تھیوسوفیکل سوسائٹی کے روح رواں جے کرشنا مورتی کی کتابیں بھی نظر سے گذریں۔ ان کے لکھنے کے انداز سے کافی متاثر ہوئے۔ اس وسیع مطالعہ کا اثر یہ ہوا کہ ۱۹۹۳ء سے انہوں نے تحریری سرگرمیوں کا آغاز کردیا۔

ابتدا میں انہوں نے دینی اور ثقافتی موضوعات پر مضامین تحریر کئے۔ ان میں سے چند عناوین یہ ہیں: عقیدہ اور اس کا سرچشمہ، تہذیب پر مذاہب کے اثرات، فن تعمیر پر مذاہب کے اثرات، مساوات مرد و زن، کیا اسلامی نظام فرسودہ ہے؟، مطالعے کی اہمیت، مہر، نکاح نامہ ایک تجزیہ، یادوں کے سہارے اور اقتدار کا نشہ وغیرہ۔ فی الحال ہفت روزہ اخبار 'اسلاف' اور ماہنامہ صوت الحق سے منسلک ہیں جو جمعیت اہل حدیث کے ترجمان ہیں۔

خالد فیضی کا تخلیقی سفر جاری ہے۔ ان دونوں جریدوں کے تقریباً ہر شمارے میں ان کے مضامین شامل رہتے ہیں۔ گذشتہ دنوں انہوں نے صوت الحق (مالیگاؤں) میں

''اسلامی تہوار اور غیر اسلامی تہوار'' کے عنوان سے ایک گراں قدر تحقیقی مضمون تحریر کیا تھا جسے پاکستان کے ایک رسالے میں صوت الحق کے حوالے سے نقل کیا گیا۔ روزنامہ ہندوستان میں بھی ان کے کئی مضامین کی اشاعت ہو چکی ہے۔

خالد صاحب کبھی کبھی تعلیمی موضوعات پر بھی قلم اٹھاتے ہیں۔ یہ مضامین طلبہ و اساتذہ دونوں کے لئے کارآمد ہوتے ہیں۔ لکھنے کا اسلوب مدلل ہے۔ اجمال سے زیادہ تفصیل پر زور رہتا ہے۔ ذاتی مطالعہ اور تحقیق و جستجو کی خصوصیت کی وجہ سے ان کے مضامین کی وقعت بڑھ جاتی ہے۔ ان کی صلاحیت کے پیش نظر ان سے کسی بڑے تحقیقی کام کی توقع ہے۔

شبیر آصف

پیدائش: ۳۰؍جولائی ۱۹۴۸ء

''مٹی کے حوالے'' کے شاعر شبیر آصف ایک ذہین شخص ہیں۔ ان سے گفتگو کیجئے تو ''نقش ہائے رنگ رنگ'' کے حقیقی معنی سمجھ میں آتے ہیں۔ قدیم و جدید شعراء کے بے شمار اردو فارسی اشعار نوک زباں پر رہتے ہیں۔ ادھر موضوع سخن کا تقاضہ ہوا ادھر شعر زبان سے نکلا۔ مطالعہ اور حافظہ غضب کا ہے۔ بے موقع و بے ضرورت نہیں بولتے اس لئے اہل علم اور شعراء کی مجلسوں میں پسند کئے جاتے ہیں۔

ان کا پورا نام شبیر احمد ابن محمد یعقوب ہے۔ مومن انصاری برادری سے تعلق ہے۔ سید صادق شاہ حسینی کی آخری آرامگاہ گلشن آباد یعنی ناسک میں پیدا ہوئے۔ نیشنل ہائی اسکول ناسک سے ۱۹۶۵ء میں ایس ایس سی کیا۔ ان کے خاندان میں بھی ناسک کے دوسرے گھرانوں کی طرح ہینڈلوم چلتے تھے۔ لیکن زمانہ کے ساتھ چل کر اپنی صنعت کو پاورلوم میں تبدیل نہ کرسکے اس لئے برادری کے بہت سے لوگ ترک وطن کرکے بھیونڈی، ممبئی اور مالیگاؤں میں سکونت پذیر ہوگئے۔ شبیر آصف بھی ۱۹۶۸ء میں مالیگاؤں آئے اور اسی سال میونسپل پرائمری اسکول میں مدرسی کی ملازمت اختیار کی جو آج بھی جاری ہے۔ ۱۹۷۶ء میں اردو فارسی سے ایم اے کا امتحان دیا اور اول درجہ پایا۔

موصوف کی تخلیقی سرگرمیوں کا آغاز ۱۹۷۰ء میں شاعری سے ہوا۔ ابتدائی کلام ہفت روزہ بیباک میں شائع ہوا۔ اس وقت تک ادبی ماحول جدیدیت کے لئے سازگار ہوچکا تھا۔ رسالہ ''نشانات'' کی مقبولیت تھی۔ اسی سے تحریک پاکر جدید رنگ میں اشعار کہنے لگے۔ لیکن روایت سے بھی اپنا رشتہ خوبصورتی کے ساتھ باقی رکھا۔ ۱۹۹۰ء میں پہلا مجموعہ کلام ''مٹی کے حوالے'' مالیگاؤں سے شائع ہوا۔ اس میں غزلیں اور نظمیں دونوں شامل ہیں۔ اسے دیکھ کر جاوید ناصر نے دعویٰ کیا:

''فردا جب امروز میں تبدیل ہوگا تو اسکے ماتھے پر شبیر
آصف کا نام درج ہوگا'' صلہ

قاضی سلیم جیسے محترم اور قادرالکلام شاعر نے توصیف کا یہ انداز اختیار کیا:

''ان کے شعری مجموعے کو پڑھ کر میرا یہ ایمان تازہ ہوگیا کہ
ہر سوچنے والی حساس اور باضمیر شخصیت میں امکانات
کا ایک جہان چھپا ہوا ہے...'' صلہ

مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکیڈمی نے اس مجموعے کو شاعری میں اوّل انعام کا مستحق قرار دیا۔ جو شاعری کی مد میں دیا گیا شہر کا پہلا انعام ہے۔

نثری سرگرمیاں:

شاعری کے ساتھ شبیر آصف میں نثر کی بھی اچھی صلاحیت ہے۔ جس کے امکانات شاعری سے بھی زیادہ وسیع ہیں۔ نثر نگاری کی ابتدا انہوں نے کتابوں پر تبصرے لکھنے سے کی جو سلطان سبحانی کے رسالے ''ہم زبان'' میں شائع ہوئے۔ ان میں سب سے وقیع وہ تبصرہ ہے جو انہوں نے رسالہ اوراق (کراچی) کے جدید نظم نمبر پر لکھا تھا صلہ۔ ''مخدوم کی نظمیہ شاعری'' پر پی ایچ ڈی کرنے کا ارادہ کیا لیکن یہ خواب تشنۂ تعبیر رہا اور بات ایک طویل مضمون سے آگے نہ بڑھ سکی جو ہفت روزہ ''بیباک'' میں شائع ہوا۔ ڈاکٹر راہی معصوم رضا کی کتاب ''غریب شہر'' پر ان کا فاضلانہ تبصرہ اردو بلٹز (ممبئی) میں اشاعت پذیر ہوا۔

شبیر آصف نے ادبی اور تنقیدی مضامین پر بھی توجہ دی ہے۔ ان میں سے بیشتر [illegible] روزنامہ منبر (ممبئی) میں شائع ہوئے۔ ان میں احمد نسیم مینا نگری، اور رامش مالیگانوی کے فکر و فن کے تنقیدی جائزہ کے علاوہ غالب کی شاعری پر بعض قابل قدر مضامین بھی شامل ہیں۔ میر و غالب کے تقابلی

صلہ: جاوید ناصر، مئی کے حوالے، شبیر آصف، نومبر ۱۹۹۰ء۔

صلہ: قاضی سلیم، مئی کے حوالے، شبیر آصف، نومبر ۱۹۹۰ء۔

صلہ: شبیر آصف، تبصرہ، اوراق (جدید نظم نمبر) ہم زبان، مالیگاؤں، مئی تا جولائی ۱۹۷۸ء، ص ۷۱

مطالعے کے تحت ان کا مضمون ''کون بڑا اور کون چھوٹا'' بڑا متوازن ہے۔ آکاش وانی جلگاؤں سے ان کے دو مضامین براڈ کاسٹ ہوئے۔ ایک مطالعہ اور الیکٹرونک میڈیا، دوسرا ساحر ادیبی کے مجموعۂ کلام ''فسون سخن'' پر تبصرہ۔

شبیر آصف کی نثر کا تیسرا پہلو ''رپورتاژ'' ہے۔ ترقی پسند تحریک کے عروج کے زمانے میں اس کا چلن عام تھا۔ انجمن ترقی پسند مصنفین کی کانفرنسوں اور جلسوں کی روداد یں ادبیت کی چاشنی میں ڈبو کر بے تکلفی سے لکھی اور شائع کی جاتی تھیں۔ خود کرشن چندر نے حیدرآباد کانفرنس کا رپورتاژ اپنے مخصوص خوبصورت اسلوب میں تحریر کیا تھا۔

۱۹۹۳ء کے ممبئی بم دھماکوں کے بعد ایک تنقیدی نشست کا انعقاد ممبئی کے کولہ محلّہ میں کیا گیا تھا۔ ندا فاضلی نے شبیر آصف کا نام صدارت کے لئے پیش کیا۔ اس نشست کا رپورتاژ شبیر آصف نے ''جاتی ہوئی شام کی کہانی'' کے عنوان سے لکھا جو اردو ٹائمز میں شائع ہوا۔ اورنگ آباد کی ایک نشست کا رپورتاژ، جس میں قاضی سلیم اور بشر نواز جیسے شعرا بھی شریک تھے۔ انہوں نے ''عجب دوام تھا منظر کی بے ثباتی میں'' کے عنوان سے تحریر کیا۔ مہاراشٹر اردو اکیڈمی کی جانب سے منعقدہ ایک مشاعرے کی روداد ''طاؤس بولتا ہو تو جنگل ہرا بھی ہو'' کے عنوان سے لکھی۔ اس روداد میں طنز و مزاح کا عنصر شامل کر کے انہوں نے اپنی تخلیقی نثری صلاحیت کی پانچویں سمت کا اشارہ دیا ہے۔

۱۹۸۷ء میں انہوں نے حیدرآباد کا سفر کیا۔ اس کا دلچسپ سفر نامہ انہوں نے تحریر کیا ہے۔ لیکن طویل و ضخیم ہونے کے سبب شائع نہ ہوسکا۔

قصہ مختصر یہ کہ شبیر آصف کی نثر نگاری کی عمارت چار ستونوں پر کھڑی ہے۔ تبصرے، تنقیدی اور ادبی مضامین، رپورتاژ اور سفرنامہ۔ انہوں نے کہانیاں اور افسانے نہیں لکھے۔

شبیر آصف میں نثر نگاری کی جو صلاحیت قدرت نے ودیعت کی ہے، اس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ وہ کسی مستقل تحقیقی کام پر توجہ کرتے اور شاعری کی طرح نثر میں بھی اعتبار حاصل کرتے۔

سلیم شہزاد

پیدائش: یکم جون ۱۹۴۹ء

نئے ادب اور جدید تنقید نگاری میں جن لوگوں نے اپنے فکر و فن کی چھاپ چھوڑی ہے ان میں سلیم شہزاد کا نام نمایاں ہے۔ شہر میں تسلسل اور استقلال کے ساتھ لکھنے والے چند فنکاروں میں سے ایک ہیں۔ انہوں نے شاعری بھی کی، کہانیاں بھی لکھیں، ناول اور طویل نظمیں بھی لکھیں، بے شمار مضامین لکھے، تحقیقی کام کئے اور ہر میدان میں اپنا راستہ خود پیدا کیا۔ آج ہندو پاک کا اردو ادب اور تنقید ان کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ اس مقام تک پہنچنے کے لئے انہیں کن خارزاروں سے گذرنا پڑا، ان کے حالات جانے بغیر معلوم نہیں ہو سکتا۔

سلیم شہزاد کا پورا نام سلیم خان ابن ابراہیم خان ہے۔ شہر دھولیہ میں پیدا ہوئے۔ مالیگاؤں ہائی اسکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ پونہ یونیورسٹی سے انگلش لٹریچر میں ایم اے کیا۔ معاش کی ابتدا انہوں نے ۱۹۶۶ء میں احمد آباد سے کی جہاں وہ ڈاکیومینٹری فوٹوگرافی کرتے رہے۔ ۱۹۶۸ء میں مالیگاؤں واپس آئے اور ۱۹۶۹ء سے پرائمری اسکول میں مدرس ہوئے اب تک اسی پیشے سے وابستہ ہیں۔

سلیم شہزاد نے طالب علمی کے زمانے سے ہی مختلف اصناف کی کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا تھا۔ تخلیقی سرگرمیوں کا آغاز انہوں نے مختصر کہانیوں کے ذریعے کیا۔ ۱۹۷۰ء کے بعد غزلوں اور نظموں کی طرف رجحان بڑھ گیا اور ملک کے مقتدر رسالوں میں ان کا کلام شائع ہونے لگا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ تنقیدی مضامین بھی ضبط تحریر میں آنے لگے۔ ان کا سب سے پہلا مضمون "جدید شاعری کیا اور کیوں؟" کے عنوان سے شائع ہوا صد۔ اس کے بعد ہندو پاک کے معتبر رسائل میں انکے تنقیدی اور تجزیاتی مضامین بڑی تعداد میں اشاعت پذیر ہوئے۔ ان مضامین کے علاوہ انہوں نے منظوم ڈرامے بھی لکھے۔

صد: سلیم شہزاد، جدید شاعری کیا اور کیوں؟، ماہنامہ نوید نو، مالیگاؤں، فروری تا اپریل ۱۹۷۰ء، ص ۱۷

یہ تجرباتی ڈرامے ہیں۔ جن میں سے دو جواز (مالیگاؤں) اور شب خون (الہ آباد) میں شائع ہوئے۔ تین اور ڈرامے لکھ رکھے ہیں لیکن کہیں شائع نہ ہوسکے۔

۱۹۸۰ء کے بعد غزلیں کہنا بالکل ہی ترک کر دیا لیکن شاعری سے رشتہ برقرار رہا۔ اس میدان میں بھی انہوں نے اپنی خلاقانہ فطرت کا ثبوت دیا اور تجرباتی نثری نظمیں کہنے لگے۔ یہ طویل نظمیں ہیں۔ ہر نظم ایک کتاب کے برابر ہے۔ جن کی جملہ تعداد آٹھ ہے۔ اس صنف میں ہندو پاک میں بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ اس لحاظ سے یہ سلیم شہزاد کی تخلیقی انفرادیت کی دلیل ہیں۔ شاعری میں ان کے دو مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ایک ''دعا پر منتشر'' ہے جو ۱۹۸۱ء میں شائع ہوئی۔ اس میں کلام کے علاوہ برتی گئی اساطیری تراکیب کی تفہیم و توضیح بھی شامل ہے۔ ۱۹۸۷ء میں دوسرا مجموعہ کلام ''تزکیہ'' سامنے آیا۔ اس میں بھی انہوں نے ''تفہیمات'' کے عنوان سے غیر مانوس اور غریب تراکیب والفاظ کی تشریح شامل کی ہے۔ فی الحال ایک حمد و نعت کا مجموعہ، ایک سیرت پاک پر نظموں کا مجموعہ اور تجرباتی طویل نثری نظموں کا مجموعہ منتظر اشاعت ہے۔

ایک اور صنف ادب جس کو سلیم شہزاد نے اپنے تجربہ کی بنیاد بنایا، ناول ہے۔ ان کا ناول ''دشت آدم'' اس طرز کا ایک تجرباتی ناول ہے۔ ''ویرگاتھا'' کے نام سے ایک اور ناول تیار ہے لیکن شائع نہیں ہوا۔ اس کا موضوع ''جنگ'' ہے۔ سلیم شہزاد نے بے شمار کتابوں پر تبصرے لکھے ہیں جن میں ہندوستان اور پاکستان دونوں ممالک کی کتابیں شامل ہیں۔ یہ تبصرے تنقید، لسانیات، ناول، ڈرامہ، افسانہ، شاعری اور انشائیہ وغیرہ اصناف ادب سے متعلق ہیں۔ اور تقریباً تمام ہی شائع ہو چکے ہیں۔

سلیم شہزاد کی تنقیدی بصیرت وصلاحیت اور متوازن، صحت مند تنقیدی رویہ کے سبب انہیں ملک بھر کے سیمیناروں اور کانفرنسوں میں مدعو کیا جاتا رہا، جہاں انہوں نے درج ذیل وقیع مقالے پیش کئے۔ افسانے کا تجزیاتی مطالعہ، افسانے کی نئی تنقید، تجرباتی فکشن میں بیان کے رنگ، وغیرہ۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ انہوں نے افسانہ نویسی سے زیادہ افسانے کی تنقید پر توجہ دی ہے اور تنقید کے ایک پہلو تجزیہ کو اپنی خصوصی توجہ کا مرکز بنایا ہے اور اسے ایک الگ صنف کا درجہ دے دیا ہے۔

انہوں نے ''روایت'' نام کے ایک ادبی رسالے کا اجراء بھی کیا۔ لیکن دو تین شماروں کے بعد بند ہو گیا۔ مندرجہ بالا مقالوں اور تخلیقات کے علاوہ مزید پچاسوں مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ شمس الرحمٰن فاروقی اور وارث علوی سے متعلق انہوں نے کچھ لکھا ہے اس کی ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ یہ مضامین مختلف رسالوں میں اب بھی شائع ہو رہے ہیں۔

نثری کتابیں:

سلیم شہزاد نے اب تک جتنے ادبی وتنقیدی مضامین تحریر کیے ہیں انھیں یکجا کیا جائے تو دسیوں جلدیں ہو سکتی ہیں۔ان سب کو کتابی شکل دینا اور شائع کرنا ان کے بس سے باہر ہے۔پھر بھی انہوں نے جو چند کتابیں شائع کی ہیں ان سے ان کے تنقیدی رویے اور طرز اسلوب کا پتہ چل جاتا ہے۔شعری مجموعوں کا ذکر پہلے ہو چکا ہے،اس وقت ان کی نثری کتابوں کا جائزہ مقصود ہے۔

۱)جدید شاعری کی ابجد:

۱۳/عنوانات پر مشتمل ۱۱۰/صفحات کی یہ کتاب ۱۹۸۳ء میں طبع ہوئی۔یہ ان کی پہلی نثری کتاب ہے۔اس کتاب کا مقصد انہوں نے ''ابتدائیہ'' میں یوں بیان کیا ہے:

> ''تنقیدوں یا نقادوں کا یہ عمل رہا ہے کہ جدید شاعری پر ،جو ایک عرصہ سے بے لگام اور بے سمت بھاگی جارہی ہے،کوئی لفظی فلسفہ لادا جائے تاکہ یہ شریف النفس ،باحیا اورغیرت مند بن کر شریف نقادوں کی محلفوں میں اٹھنے بیٹھنے کے لائق ہوسکے......صورت حال کی نزاکت کے پیش نظر یہ ناگزیر معلوم ہوتا ہے کہ جدید شاعری کے فطری رجحانات کا جائزہ لیتے ہوئے نقادوں نے جو تنقیدی ابہام کی فضا پیدا کردی ہے،اسے پورے تنقیدی خلوص اور غیر جانبداری سے ممکنہ حد تک ختم کیا جائے........مقصود یہ ہے کہ جدید شاعری کے تمام فکری اور فنی رجحانات کی خانہ بندی کرکے ان کا جائزہ لیا جائے'' ؎۱

یہ کتاب اشاعت پذیر ہوتے ہی نقادانِ فن کی توجہ کا مرکز بن گئی۔وارث علوی نے سلیم شہزاد کی تنقیدی کاوشوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

؎۱ :ابتدائیہ،جدید شاعری کی ابجد،سلیم شہزاد،۱۹۸۳ء،ص۔۶

"خوب اچھا اوربڑی خود اعتمادی سے لکھتے ہو،دوسری بات یہ کہ موضوعات پر گرفت اچھی ہے۔نئی باتیں سوچتے ہو اور فکری اجتہاد سے کام لینے کی کوشش کرتے ہو۔جدید شاعری کی ابجد،میں لئے حیرت و مسرت کا سامان لے کر ائی ہے۔"ص۱

ندافاضلی کا اعتراف حقیقت:

"تمہاری تنقیدی زبان بہت صاف ہے۔اس میں شعری الیوژن سے قاری کو بھٹکانے کی بجائے راست دلائل سے اپنی سوچ کے قریب کیا گیا ہے۔۔۔۔۔"ص۲

جدید شاعری کی بنیادی خصوصیات سے واقفیت اور نئی شاعری کے تجزیاتی مطالعے کے لئے کتاب کارآمد ہے۔

۲)دشت آدم:

۱۸۴ صفحات کا یہ تجرباتی ناول ۱۹۸۵ء میں شائع ہوا۔ناول تیس ابواب پر مشتمل ہے۔اس کے تعلق سے خود مصنف کو احساس ہے کہ:

"میں اس نئی تخلیق کو دیکھ دیکھ کو گھبرا رہا ہوں جو زمان و مکان کی پابندیوں سے آزاد،زبان و بیان کے اصولوں سے منحرف اورشکل و ہئیت کے اعتبار سے غیر منظم ہے۔ اگرچہ اس میں کردار ہیں،واقعات ہیں،بعض مقامات پر واقعات کا منطقی ربط و تسلسل بھی ،لیکن یہاں وقت کا وہ منطقی یا روایتی بہاؤ مفقود ہے جس کے تحت کسی ایک مقام یا کچھ مقامات پر واقعات بتدریج رونما ہوتے ہیں۔۔۔۔۔دشت آدم میں انتشار اور ارتکاز دونوں پائے جاتے ہیں۔"ص۳

ص۱ :پروفیسر وارث علوی،ترکیہ،سلیم شہزاد،مالیگاؤں،۱۹۸۷ء،ص ۱۲۷

ص۲ :ندا فاضلی،ترکیہ،سلیم شہزاد،مالیگاؤں،۱۹۸۷ء،ص ۱۲۸

ص۳ :سلیم شہزاد،دشت آدم،مالیگاؤں،۱۹۸۵ء،ص ۷

ابوالکلام قاسمی نے اس ناول پر تبصرہ کرتے ہوئے رسالہ جواز (مالیگاؤں) میں لکھا تھا:

''اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ دشتِ آدم سلیم شہزادکی سچی تخلیقی لگن کی غمازی کرتا ہے۔ اردو میں اس قسم کے تجربے پر مبنی ناول نہ ہونے کے برابر لکھے گئے ہیں۔ یہ نہ صرف ناول نگار کا ایک سنجیدہ کارنامہ ہے بلکہ ناول نگاری کی تاریخ میں ایک باغی کا نصب کیا ہوا سنگ میل بھی........''صد

زیر تبصرہ ناول پر حسین الحق، مہدی جعفری، جوگندر پال اور انور سدید نے بھی تبصرے لکھے ہیں جن سے سلیم شہزاد کے اس تجربے کی اہمیت و وقعت کا پتہ چلتا ہے۔

۳)قصہ جدید افسانے کا:

سلیم شہزاد کی یہ تیسری نثری تخلیق ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی۔ ''جدید شاعری کی ابجد'' کی طرح اس کتاب میں بھی انہوں نے جدید افسانے کی تنقید لکھی ہے۔ جدید افسانے کی خصوصیات دریافت کی ہیں اور مختلف افسانوں کا تجزیہ کر کے ان کے مفاہیم کی گہرائیوں تک قاری کو پہنچانے کی سعی کی ہے۔ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ تجزیاتی تنقید میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ اور انہوں نے اسے ایک منفرد صنف ادب کا درجہ عطا کر دیا ہے۔ اس کی بہترین مثالیں پیش نظر کتاب میں ملتی ہیں۔ کتاب نو ابواب پر مشتمل ہے اور جدید افسانے کی تنقید میں بلند مقام پانے کی مستحق۔

٤)بیان کی وسعت: صفحات ۱۶۸، سن اشاعت ۱۹۹۲ء ''تجربات'' کے عنوان کے تحت پانچ اور ''لفظیات'' کے تحت پانچ، اس طرح کل دس تنقیدی مضامین شامل ہیں۔ انہوں نے خود لکھا ہے:

''ادبی تجربہ دو سطحوں پر ممکن ہے (۱) اظہاری (۲) ہئیتی اور اس تجربے کی دونوں سطحیں بھی بالخصوص شعری تجربے میں واضح طور پر اپنی شناخت دیتی ہیں۔ اس نقطۂ نظر سے یہاں عمومی شعری تجربے کی وسعتوں کے تعارف کے بعد اس کی اظہاری اور ہئیتی دونوں سطحوں کا روایت و رجحان اور زبان و بیان کے پیش نظر جائزہ لیا گیا ہے۔''صد

صد: ابوالکلام قاسمی، جواز ۲۸، مالیگاؤں، نومبر ۸۸ء تا اگست ۱۹۸۹ء، ص ۲۳۱،۲۳۲

صد: سلیم شہزاد، بیان کی وسعت، ۱۹۹۲ء، ص ۸

حصہ ''تجربات'' میں ان تجربات کا بیان کیا گیا ہے جن سے شاعر اپنی فکر کے اظہار میں دوچار ہوتا ہے۔ ''لفظیات'' میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان تجربات کے مدنظر کس طرح شاعر اپنے اظہار کے لئے اپنی زبان سے مخصوص الفاظ کا انتخاب کرتا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ:

> ''لفظیات کے مضامین میں میں نے لفظیات کی اسلوبی اور معنیاتی سطحوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔'' ص۱

اس اصول کے تحت انہوں نے شعری لفظیات کے عمومی نظری بیانات کے ساتھ ساتھ خصوصی عملی نمونے بھی پیش کئے ہیں۔ جن کے سبب ان مضامین کی قدر و قیمت دو چند ہوگئی ہے۔

۵)متن و معنی کا تجزیہ:

شائع شدہ ۱۹۹۶ء صفحات ۱۶۴/ہیں۔ کتاب میں صرف دو مقالات ہیں۔ لیکن دونوں کی اہمیت و افادیت مسلّم ہے۔ ایک ''نقد شور انگیز'' ہے جو شمس الرحمن فاروقی کی گراں قدر شرح دیوان میرؔ ''شعر شور انگیز'' پر اشاراتی نقد و تبصرہ ہے۔ اشاراتی ان معنوں میں کہ میرؔ کے ضخیم دیوان کی اس سے زیادہ ضخیم شرح پر پچاس صفحے کا ایک مضمون کسی صورت میں بھی ''سیر حاصل'' کے زمرے میں نہیں آسکتا۔ لیکن سلیم شہزاد نے اپنی اس مختصر تحریر میں کچھ ایسی واضح بنیادی کمیوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو مستقبل کے تبصرہ نگار کو بنیاد فراہم کرتی ہیں۔ اس لحاظ سے مختصر ہونے کے باوجود اس مضمون کی اہمیت و افادیت مختصر نہیں ہوتی۔ آخر میں سلیم شہزاد لکھتے ہیں:

> ''میرؔ کے اشعار کی انہوں نے بڑے محاکاتی انداز میں داد دی ہے۔ اتنے محاکاتی انداز میں کہ جذباتیت نے اس داد کو بیداد بنا دیا ہے۔ لیکن میرؔ سے تقابل کے لئے فاروقی نے کلاسک غزل سے جو اشعار منتخب کئے ہیں وہ اتنے کمزور بھی نہیں جتنا انہوں نے انہیں دکھایا ہے۔ ہم دیکھ ہی چکے ہیں کہ ان اشعار کی داد انہوں نے کتنی بے دلی سے دی اور کس طرح جابجا ان کی خوبیوں کو اجاگر کرنے سے دامن بچایا ہے۔'' ص۲

ص۱ سلیم شہزاد، بیان کی وسعت، ۱۹۹۲ء، ص ۸۹

ص۲ سلیم شہزاد، متن و معنی کا تجزیہ، ۱۹۹۶ء، ص ۵۳

پورا مضمون اس کلیہ کے تائیدی دلائل و براہین سے مزین ہے۔

دوسرا مضمون ''فکشن کا تنقیدی ڈراما'' پروفیسر وارث علوی کی فکشن کی تنقید کی تنقید ہے۔ وارث علوی نے ایک کتاب ''فکشن کی تنقید کا المیہ'' شائع کروائی جس کے مختلف مضامین پر سلسلہ وار تنقید کرنے کی کوشش سلیم شہزاد نے کی ہے۔

۶) فرہنگ ادبیات:

ساڑھے سات سو صفحات سے زائد اس کتاب میں حتی الامکان تمام ہی ادبی اصطلاحات جمع کرنے کی قابل قدر کوشش کی گئی ہے۔ ان اصطلاحات کی تشریح و توضیح میں سلیم شہزاد نے جس دقت نظر، تبحر علمی اور عرق ریزی کا ثبوت دیا ہے وہ قابل تحسین ہے۔ ادبی اصطلاحات کی فرہنگیں ہندوپاک میں کئی شائع ہوئیں لیکن یہ کاوش جداگانہ اور منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ راقم کو یقین ہے کہ یہ فرہنگ سلیم شہزاد کے نام کو تا دیر زندہ و پائندہ رکھے گی۔

کتاب منظر نما پبلیشرز مالیگاؤں کے زیر اہتمام نومبر ۱۹۹۸ء میں شائع ہوئی۔

۷) جیم سے جملے تک:

یہ کتاب بھی زیر طباعت ہے۔ اس میں انہوں نے اردو کی ساخت پر سولہ مضامین شامل کئے ہیں۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس میں اردو کی بنیادی آوازوں سے لے کر مکمل جملے تک الگ الگ نوعیت کے مضامین ہیں جو زبان کے طلبہ ہی نہیں اہل علم وفن کو بھی غور و فکر کا ایک نیا زاویہ عطا کرتے ہیں۔

۸) ویر گاتھا:

''وشتِ آدم'' کی طرح ایک تجرباتی ناول انہوں نے ''ویرگاتھا'' کے نام سے لکھ رکھا ہے۔ جس کی طباعت باقی ہے۔ منظر عام پر آجانے کے بعد یقیناً اہل علم قدر کی نگاہوں سے دیکھیں گے اور اسی طرح پذیرائی کریں گے جس طرح ''وشتِ آدم'' کی کی تھی۔

خلاصۂ کلام کے طور پر کہا جا سکتا ہے کہ:

''سلیم شہزاد بنیادی طور پر ایک تخلیق کار ہیں ایک ایسے تخلیق کار جو اپنے تنقیدی شعور کو بھی تخلیقی سفر کے رہنما کے طور پر استعمال کرنا ناگزیر تخلیقی ضرورت تصور کرتے ہیں.... ان کے تنقیدی مضامین کی اصل اہمیت تو راقم الحروف کے نزدیک تخلیق اور تنقید کے مابین رشتے کی تفہیم کے سبب ہے۔ مگر اردو میں سنجیدہ علمی اور تنقیدی صلاحیت کے روز افزوں بحران کے سبب سلیم شہزاد کے مضامین خاصی اہمیت اختیار کرلیتے ہیں..........''ؔ

ادبی نثر نگاری میں سلیم شہزاد کا نام سب سے ممتاز ہے۔ ان کی نثری تخلیقات کثیر جہتی بھی ہیں اور وقیع بھی، جن کی وجہ سے اردو دنیا میں ان کے نام کو اعتبار حاصل ہوا ہے۔ مقامی فنکاروں کے بالمقابل ادب میں سلیم شہزاد کا حصہ Contribution سب سے بڑا ہے اسلئے ان کا ادبی قد بھی دیگر نثر نگاروں کے مقابلے میں کافی اونچا ہے۔

ؔ ابوالکلام قاسمی، جواز ۲۸، مالیگاؤں، نومبر ۱۹۸۸ء تا اگست ۱۹۸۹ء، ص ۲۳

ڈاکٹر افتخار احمد

پیدائش: یکم جون ۱۹۴۹ء

ڈاکٹر افتخار احمد شہر کی ایک معزز شخصیت ہیں، سیاسی، سماجی اور خصوصاً تعلیمی میدان میں کافی فعال رہتے ہیں۔ کئی تعلیمی اداروں سے وابستہ ہیں۔ ادب سے بھرپور وابستگی طالب علمی کے زمانے سے رہی ہے۔

ان کا پورا نام افتخار احمد ابن محمد حسین ہے۔ مالیگاؤں کی پیدائش ہے۔ اے ٹی ٹی ہائی اسکول سے ۱۹۶۶ء میں ایس ایس سی کا امتحان پاس کیا پھر انٹر سائنس کرنے کے بعد ممبئی میں ہومیو پیتھک میڈیکل کالج سے ایل سی ای ایچ کا کورس کیا۔ واپسی پر ۱۹۷۳ء سے پریکٹس شروع کی۔ آج ان کا مطب دار الشفاء بنا ہوا ہے۔

جس وقت وہ نویں جماعت میں تھے جماعتِ اسلامی کے رہنما مولانا رشید احمد عثمانی کی رہنمائی میں بزم صالح ادب قائم کی۔ اس انجمن میں ان کے ساتھ اسلام پسند طلبہ اور نوجوان کا ایک بڑا حلقہ تھا۔ ان میں ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ہارون فراز اور خورشید ابن رشید کافی اچھے لکھنے والے تھے۔ بزم کی ماہانہ تنقیدی نشستیں باقاعدگی کے ساتھ تین سال تک منعقد ہوتی رہیں۔ شہر کے مشہور علما اور صحافی ان نشستوں میں شریک ہوکر نوجوان قلمکاروں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ ڈاکٹر افتخار احمد صاحب بھی ان میں اپنے افسانے پیش کرتے اور بحث ومباحثہ میں نمایاں حصہ لیتے تھے۔

تعلیم کیلئے ممبئی چلے جانے کے بعد اگرچہ صالح ادب کی سرگرمیاں معطل ہوگئیں لیکن ڈاکٹر صاحب کو مطالعہ کا سنہری موقع ہاتھ لگا۔ انہوں نے مہاتما گاندھی میموریل ریسرچ سینٹر، چرنی روڈ ممبئی کو مرکز مطالعہ بنایا۔ ڈراموں میں دلچسپی بڑھی۔ اردو ڈرامے تو کم ہی تھے، انہوں نے جی بی شاہ اور ابسن کے انگریزی ڈرامے اور کانیٹ کر اور پی ایل دیشپانڈے کے تقریباً سبھی مراٹھی ڈرامے پڑھ ڈالے۔

مالیگاؤں واپسی کے بعد ادبی سرگرمیوں سے دوبارہ تعلق پیدا ہوا۔ ادارہ ادب اسلامی کی ادبی نشستوں میں وقتاً فوقتاً افسانے سناتے رہے۔ ۱۹۸۰ء کے بعد ڈرامہ نگاری کا شوق پیدا ہوا۔ انہوں نے اپنا پہلا ڈرامہ ''بابا کی کرامت'' تخلیق کیا۔ جس کے بیسیوں شو ہوئے اور کافی پسند کیا گیا۔ اس کے بعد انہوں نے مزید ڈراموں کی تخلیق کی۔ رہبر سل، بکری، بلی آئی اور آدمی سڑک کا، ان کے کامیاب ڈرامے ہیں۔ یہ سب اسٹیج ہوتے رہے۔ روسی ڈرامہ نگار نکولائی گگول کے ڈرامے کا انگریزی ترجمہ ''انسپکٹر جنرل'' ان کی نظر سے گذرا۔ انہوں نے اس کا مراٹھی ترجمہ بھی سامنے رکھا اور دونوں کو سامنے رکھ کر اردو میں ایک ڈرامہ ''انسپکٹر'' کے نام سے لکھا جو اپنی نوعیت کا منفرد ڈرامہ ہے۔ ڈرامہ نویسی کے ساتھ ساتھ وہ مقامی فن کاروں کی حوصلہ افزائی میں بھی پیش پیش رہے۔ اس سلسلے میں کافی روپیہ خرچ کیا۔

ادب تخلیق کرنے کے ساتھ ساتھ موصوف کو بچوں کے ادب کے فروغ میں ابتدا سے ہی دلچسپی رہی ہے۔ ۱۹۶۵ء میں بچوں کے لئے رسالہ ''آبِ حیات'' نکالا۔ یہ آج پریس ممبئی سے چھپ کر آتا تھا۔ اس کے تین شمارے ہی شائع ہوئے۔ اس کے بعد بچوں کا دوسرا رسالہ ''ہیرا'' جاری کیا جو ادیب مالیگانوی کے شوکت پریس سے چھپتا تھا۔ اس کے پانچ شمارے شائع ہو سکے۔ خسارے کے سبب بند کرنا پڑا۔ ان رسالوں میں ڈاکٹر صاحب کی بہت سی کہانیاں شائع ہوئیں۔

گذشتہ دنوں بچوں سے ان کی محبت نے ایک اور رسالے ماہنامہ ''جل پری'' کو جنم دیا۔ ستمبر ۱۹۹۷ء سے اب تک اس کے بارہ شمارے شائع ہو چکے ہیں۔ اس میں ڈاکٹر صاحب کی تخلیقات بھی متواتر شائع ہوتی رہیں۔

جل پری ایک مقصد کے تحت جاری کیا گیا۔ ایک مقصد تو ان کا یہ احساس ہے کہ بچوں کا حق ادا نہیں ہو پا رہا ہے۔ دوسرے آج کل پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا میں تشدد Voilence کا دور دورہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب جل پری کے ذریعے اسکے مضر اثرات سے بچوں کو محفوظ رکھنے کی پرخلوص اور نیک کوشش کرنے میں مصروف تھے۔

بدقسمتی سے ان کی کوششوں کو کامیابی نہیں ملی۔ اس لئے جل پری بھی تعطل کا شکار ہو کر رہ گیا ہے۔

مولانا محمد ادریس عقیل ملی

پیدائش: ۲/اگست ۱۹۴۹ء

مولانا محمد ادریس عقیل ملی کے والد حاجی عقیل رحمانی بہت اچھے شاعر تھے۔ نعت ہائے پاک کے کئی مجموعے ان کی یادگار ہیں۔ مولانا کا آبائی وطن پھولپور ضلع اعظم گڑھ ہے۔ پرائمری اسکول میں چوتھی جماعت پاس کرنے کے بعد معہد ملت میں داخل ہوئے۔ عالمیت وفضیلت اور تجوید و قرأت کی سند فراغت ۱۹۶۴ء میں حاصل کی۔ حفظ قرآن مجید کی تکمیل ۱۹۶۹ء میں کی۔ اوردارالعلوم دیوبند کے نصاب عالمیت وفضیلت کی تکمیل کے بعد ۱۹۷۰ء میں فراغت کی سند پائی۔ مولانا نے جامعہ اردو علی گڑھ کا امتحان ادیب بھی پاس کیا ہے۔

مولانا اپنے آبائی پیشہ پارچہ بافی سے وابستہ ہیں۔ تقریباً تیس سال تک معہد ملت میں تدریسی خدمات انجام دے چکے ہیں۔ اصلاح المسلمین ایجوکیشنل اینڈ سوشل ویلفیر سوسائٹی کے صدر اور چیف ٹرسٹی ہیں۔ جامعۃ الہدیٰ میں بخاری شریف کی تعلیم دے رہے ہیں۔ مولانا کو مساجد کے اندر درس قرآن کا سلسلہ قائم کرنے میں بڑی دلچسپی ہے۔ خود بھی ایک مسجد میں چودہ برس تک درس قرآن دیتے رہے اوراز اول تا آخر قرآن مجید کو مکمل کیا۔ آج کل اصلاح المسلمین ہاسپٹل کا انتظام بھی دیکھ رہے ہیں۔

مولانا زمانہ طالب علمی میں عربی مضامین کے ترجمے کرتے تھے۔ نیز فراغت کے بعد تخلیقی مضامین بھی لکھنے لگے۔ ان کے تراجم اور مضامین مقامی اخبارات کے ساتھ ساتھ گلشن، ندائے ملت (لکھنؤ)، نقیب (پٹنہ) اور ممبئی کے روزناموں میں اشاعت پذیر ہوئے۔ گلشن میں بیس کے قریب تخلیقات شائع ہوئیں۔ اسی اخبار میں مولانا نے ''دبستانِ حکمت'' کے عنوان سے ایک قابل قدر سلسلہ شروع کیا تھا۔ وہ اسلامی تاریخ اور ادبی کتابوں سے دلچسپ اور سبق آموز واقعات انتخاب کرکے ایڈٹ کرتے تھے اور انہیں شائع کرواتے تھے۔

دیگر علماء کی طرح مولانا محمد ادریس بھی اصلاح امت مسلمہ کے پیش نظر، دینی، ادبی اور اصلاحی مضامین رقم کرتے رہے۔ آج کل عدیم الفرصتی کے باعث نثری سرگرمیاں ترک کردی ہیں اور عربی زبان وادب کے فروغ، حدیث وتفسیر، اور تجوید وقرأت کی تدریس میں مشغول رہنا مقصد زندگی بنا رکھا ہے۔

نمونۂ نثر:

.... بلاشبہ مولانا نقیؒ کا شمار اس گروہ علماء میں کرنا چاہیے جن کی نشانیاں روز بروز مٹتی جارہی ہیں۔ ان کی بے پناہ قوتِ عمل، خلوص، اور دین کی تڑپ نے نئی نسلوں پر بڑے گہرے اور پائیدار اثرات چھوڑے ہیں۔ وہ اپنے عقیدہ میں اتنے پختہ اور دائرۂ حنفیہ کے ان بے لچک علماء میں سے تھے۔ جو اپنے اصول اور عقیدہ کے تحفظ کی خاطر بڑی سے بڑی قربانیاں کھیل سمجھتے تھے۔ کتنی جگہوں پر جہاں وہ بڑے ذمہ دارانہ مناصب پر فائز رہے ان کے عقائد کی پختگی اور مضبوطی کا امتحان ہوا اور انہوں نے بے جھجک اس روزی سے بھی ہاتھ کھینچ لیا جو ان کی ذرا سی ریاکاری اور لچک کے ذریعہ نہ صرف حاصل ہوسکتی تھی بلکہ ان کے مشاہرہ میں اضافہ بھی ہوسکتا تھا۔ لیکن انہوں نے نہ کبھی روزی کی پرواہ کی نہ کسی کا دباؤ مانا۔ مذہب اور عقیدہ کے مقابلے میں مرتے دم تک وہ ہر چیز کو بے حقیقت سمجھتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پہاڑ کی طرح استقامت کے پیکر ایسے انسان روز نہیں پیدا ہوتے۔۔۔ (حضرت مولانا محمد نقیؒ، اجالوں کے سفیر)

حافظ محمد مصطفیٰ ملّی (بی کام)

پیدائش: ۲۳ر ستمبر ۱۹۴۹ء

حافظ محمد مصطفیٰ ابن محمد ادریس ایک قابل محقق ہیں۔ کم گو، کم آمیز، کم یاب۔ شہر کا علمی ادبی حلقہ ان سے بہت کم آشنا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ حافظ صاحب اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔ تقریباً گوشہ نشین رہتے ہیں۔ عصری اور دینی دونوں علوم پر دسترس رکھتے ہیں۔ اپنی تحقیق کے لئے بھی ایسے ہی موضوعات کا انتخاب کرتے ہیں جن میں دونوں علوم کی ضرورت محسوس ہو۔

حافظ صاحب کی پیدائش مالیگاؤں میں ہوئی۔ آٹھویں جماعت تک مالیگاؤں ہائی اسکول میں تعلیم حاصل کی پھر ترک کر دی۔ ۱۹۶۴ء سے ۱۹۷۰ء تک گھر بیٹھے رہے۔ ۱۹۷۱ء میں باہر سے ایس ایس سی کیا۔ آرٹس اینڈ کامرس کالج، مالیگاؤں سٹی کی کامرس کلاس میں داخلہ لیا۔ ۱۹۷۵ء میں بی کام ہوئے۔ عصری تعلیم سے بے اطمینانی نے انہیں ۱۹۷۶ء میں معہد ملت میں درجہ حفظ میں داخلہ لینے پر مجبور کیا۔ اس سے قبل وہ نورانی مسجد میں حافظ محمد یوسف سے پندرہ پارے حفظ کر چکے تھے، اس کی تکمیل معہد ملت میں ہوئی۔ مولانا محمد عثمان سے حدیث کا علم حاصل کیا۔

۱۹۷۸ء میں انجمن خیر الاسلام یتیم خانہ، ممبئی میں ملازم ہوئے۔ دو برس کے بعد مالیگاؤں واپس آئے اور فارمیسی کالج میں اکاؤنٹنٹ بنے۔ دو سال یہاں گذارنے کے بعد دوبارہ ممبئی جا کر سعودی سفارت خانے میں سروس اختیار کی۔ کام کی زیادتی کے سبب ۱۹۹۴ء میں استعفیٰ دے دیا۔ مالیگاؤں واپس آ گئے۔ اپنا پاورلوم کا کارخانہ کرایے پر اٹھا دیا۔ اب سارا وقت لکھنے پڑھنے اور تصنیف و تالیف میں گذارتے ہیں۔

حافظ محمد مصطفیٰ ملّی نے چھوٹے چھوٹے مضامین پر توجہ نہیں دی۔ ان علوم پر توجہ فرمائی جن کی آج کے زمانے میں زیادہ ضرورت ہے۔ اختلافی مسائل سے گریز کرتے ہوئے تحقیق کے

جان لیوا کام میں سارا وقت صرف کرتے ہیں۔ اب تک ان کی تین گراں قدر کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ حافظ صاحب کا طریقہ یہ ہے کہ کتابوں کی اشاعت کے بعد وہ انہیں مختلف دینی تحقیقاتی اداروں اور جید علمائے کرام کے پاس روانہ کر دیتے ہیں، مختلف کتب خانوں کو عنایت کر دیتے ہیں اور دوسری کتاب کی تیاری میں لگ جاتے ہیں۔

۱)مسائل میراث:

مشکوۃ شریف کے درس کے وقت ایک دن مولانا عثمان مرحوم حافظ صاحب سے فرمانے لگے" تم بی کام ہو۔ فرائض کے حسابات کو سمجھ سکتے ہو اس علم کو حاصل کرو۔ ہوسکتا ہے کہ تم اس کو اچھی طرح سمجھ سکو۔" صہ

مولانا محمد عثمان کی اس تحریک و ترغیب کو انہوں نے حکم کے خانے میں رکھا اور علم الفرائض کے مطالعے میں مصروف ہو گئے اور ۱۹۹۵ء میں" مسائل میراث" کے عنوان سے ۱۵۴؍صفحات کا ایک رسالہ تالیف فرمایا جو مالیگاؤں سے شائع ہوا۔

علم الفرائض پر بہت سے رسالے موجود ہیں۔ مالیگاؤں میں قاری محمد حسین اشرفی اس موضوع پر" سراج الوارثین" پہلے ہی تالیف فرما چکے تھے۔ لیکن حافظ صاحب نے نئی ریاضی تیکنک کا استعمال کر کے ان مسائل کو آسان اور عام فہم بنا دیا ہے۔ عموماً اس موضوع کے دیگر رسائل میں اصطلاحات کی بھرمار ہونے سے عام قاری کیلئے ان کا سمجھنا ہی نہیں پڑھنا بھی دشوار ہوتا ہے۔ حافظ صاحب نے مشکل اور ادق اصطلاحات سے صرف نظر کر کے زیادہ سے زیادہ قابلِ فہم بنانے کی شعوری کوشش کی ہے۔ ساتھ ہی اس بات کی بھی کوشش کی ہے کہ عام مسلمانوں کو ان اختلافی مسائل سے محفوظ رکھا جائے جن میں الجھنا اکثر علماء کا خاصہ ہے۔

اس کتاب میں حافظ صاحب نے ان مسائل کو ہاتھ نہیں لگایا جن کی آج کے زمانے میں ضرورت ہی باقی نہ رہی یا عام آدمی سے جن کا تعلق شاذ و نادر ہی آتا ہے۔ مثلاً غلامی اور ولا کے مسائل، اختلاف دارین کے تحت ذمی، مستامن، معاھد اور حربی، دارالاسلام، دارالکفر وغیرہ کے مسائل۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو کتاب مسلمانوں کے لئے ایک گائیڈ کی حیثیت رکھتی ہے۔ مسلمانوں کو اس پر عمل پیرا ہونا باعثِ برکت اور باعث نجات اخروی و دُنیوی ہے اور اس سے پہلو تہی کرنا اپنی ساٹھ سال کی زندگی کی عبادت کو ضائع کرنے کے برابر ہے۔

صہ : حافظ محمد مصطفیٰ، انتساب، مسائل میراث، ۱۹۹۵ء۔

۲)فقه المیزان والمیکائیل الشرعیه (شرعی وزن اور پیمانے)

۲۶۴ صفحات پر مشتمل سونے چاندی کے نصاب اور صدقۃ الفطر پر ان کا یہ تحقیقاتی مقالہ دسمبر ۱۹۹۷ء میں ہمدم پریس مالیگاؤں سے طبع ہو کر منظر عام پر آیا۔ یہ عالم اسلام میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ بات یہ ہوئی کہ حافظ صاحب جس وقت ''مسائل میراث'' کی تحقیق میں مصروف تھے، شرعی اوزان اور پیمانوں کا ذکر بار بار ان کی نظروں سے گذرتا تھا۔ دل میں خلش پیدا ہوئی کہ آج سے چودہ سو سال قبل جو اوزان اور پیمانے رائج تھے اور جو اب متروک ہو چکے ہیں، ان کا موجودہ زمانے کے اوزان اور پیمانوں سے کیا تعلق ہے؟ قدیم کتب احادیث میں نصاب درہم و دینار اور اوقیہ میں بیان کیا گیا ہے، انہیں تولوں اور ماشوں میں کیسے تبدیل کیا گیا؟ ان کا تناسب کیا ہے؟ ان سوالات کو حل کرنے کے لئے حافظ صاحب نے دو ڈھائی سال تک کتب خانوں کی گرد صاف کی، بے شمار کتابوں کا مطالعہ کیا، شرعی اوزان اور پیمانوں کو تلاش کیا اور آخر الامر انہوں نے اس تناسب کو طے کرنے اور بیان کرنے میں کامیابی پائی۔

عالم اسلام میں یہ ''مُدّ'' کے بارے میں پہلی تحقیق ہے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے اوزان کا نہ صرف ذکر کیا ہے بلکہ بڑی محنت سے حساب کر کے ان کی آج کی قیمت بھی طے کی ہے۔ علاوہ ازیں عربی اور ہندوستانی اوزان کی مختصر تاریخ بھی بیان فرمادی ہے۔ اس لحاظ سے حافظ صاحب کی یہ تحقیق بڑی قیمتی ہے۔

۳)اَصحٰبُ بدرٍ وَّ اُحُد (بدری اور احدی صحابہؓ کرام):

ابھی ''شرعی وزن اور پیمانے'' کی سیاہی بھی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ جولائی ۱۹۹۸ء میں ۳۷۶ صفحات کی ایک اور تصنیف منظر عام پر آگئی۔ اس میں ان صحابہ کرام کا تعارف ہے جو بدر اور احد کے معرکوں میں موجود تھے۔ حافظ صاحب نے ان کی موجودگی کی شہادت پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ہر ایک کا اجمالاً تذکرہ بھی لکھا ہے۔ اس تحقیق کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ قدیم عربی کتب میں بعض ایسے لوگوں کو بھی بدری صحابی قرار دیا گیا ہے جو بدر میں حاضر نہیں تھے یا صحابی نہیں تھے۔

کتاب کی خوبی یہ ہے کہ بے شمار سیرت، مغازی اور احوالِ صحابہ کی کتابوں سے بدری اور احدی صحابہؓ کرام کے ناموں کو جمع کر کے ایڈٹ کیا گیا ہے اور بڑی تحقیق اور غور و خوض کے بعد لکھی گئی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ دونوں معرکوں میں کافروں کی تعداد بھی طے کی گئی ہے۔

یہ تحقیق بھی حافظ صاحب کی دوسری کتابوں کی طرح نہایت گراں قدر ہے اوران کی محنتوں اور عرق ریزیوں پردال ہے۔

فی الحال انہوں نے لغاتِ قرآن تحریر کرنے کا زبردست کام شروع کررکھا ہے۔ خود انھیں کے بیان کے مطابق یہ ہزاروں الفاظ پر مشتمل ہوگی۔حافظ صاحب نہایت یکسوئی سے محنت کررہے ہیں۔رب ذوالجلال اس کی تکمیل میں ان کی مدد فرمائے۔

دورانِ تحقیق انہیں جن تکالیف اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ان کی بناء پر ان کی خواہش ہے کہ مالیگاؤں میں بھی دارالمصنفین اور ندوۃ المصنفین قسم کے ادارے قائم ہوں،اچھی سی لائبریری ہو، کچھ لوگ خود کو اس اہم کام کیلئے وقف کریں اور اعلیٰ پیمانے پر تحقیقی کام انجام دیا جائے جسکی بڑی گنجائش دینی مزاج رکھنے والے اس شہر میں موجود ہے۔کاش حافظ صاحب کا یہ خواب تعبیر کو پہنچے۔

محی الدین مالیگانوی

پیدائش : یکم جنوری 1951ء

پورا نام محی الدین ابن قطب الدین ہے۔ آباء و اجداد کا تعلق نصیر آباد ضلع جلگاؤں سے تھا۔ محی الدین کی پیدائش مالیگاؤں میں ہوئی، بی اے بی ایڈ تک تعلیم پائی۔ یکم اکتوبر ۱۹۶۸ء سے میونسپل پرائمری مدرسے میں بحیثیت مدرس کام کر رہے ہیں۔

انہیں مطالعہ کا شوق جنون کی حد تک ہے۔ بے شمار کتابیں پڑھیں اور نتیجتاً ان کے اندر کا تخلیق کار انگڑائیاں لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ۱۹۷۳ء میں ہلکے پھلکے نیم مزاحیہ مضامین سے نثری سرگرمیوں کا سلسلہ شروع کیا جو مقامی ہفت روزہ اخبارات میں شائع ہونے لگے۔ محی الدین کو دور دراز کے رسالوں میں چھپنے چھپانے کا اتنا شوق نہیں جتنا کتابیں شائع کروانے کا۔ گذشتہ دنوں ان کی دو کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔

کاروبار کی طرف :

عنوان سے اس غلط فہمی کا امکان ہیکہ شائد یہ تجارت میں کامیابی کے نسخے بتانے والی کتاب ہوگی۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یہ محی الدین کے طنزیہ اور مزاحیہ مضامین کا مجموعہ ہے جو ۱۹۹۳ء میں مالیگاؤں سے شائع ہوا۔ کتاب میں سو صفحات اور پندرہ مضامین ہیں۔

کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی نثر رواں، سہل اور سادہ ہے۔ مزاح ہلکا پھلکا ہے، طنزیہ اشارے بہت کم ہیں۔ اگر ہیں بھی تو زہرناکی کی سرحدوں تک نہیں پہنچتے۔ اسے راقم الحروف خوبی تسلیم کرتا ہے۔ جہاں تک قارئین کی "اصلاح" کا تعلق ہے، موصوف اپنی تخلیقات میں اس "کارِ خیر" کے لئے شعوری کوشش نہیں کرتے بلکہ مزاح پر ساری توجہ مرکوز رکھتے ہیں۔

بے ساختگی اور بے تکلفی سے غیر شعوری طور پر اگر چند جملے قلم سے ایسے ٹپک پڑیں جو "نصیحت" کے خانے میں شمار کیے جائیں تو وہ اسکو برا نہیں سمجھتے۔ کتاب میں زبان و بیان کی بعض غلطیاں در آئی ہیں۔ ان سے بچنے کی ضرورت ہے۔

شاعر اعظم:

مزاحیہ مضامین کا یہ دوسرا مجموعہ ۱۹۹۶ء میں مالیگاؤں سے شائع ہوا۔ سو صفحات کی اس کتاب میں ان کے ۱۴ منتخبہ مضامین شامل ہیں۔ گذشتہ کتاب کے مقابلے میں اس کتاب کا مزاح زیادہ برجستہ ہے جو ان کے تخلیقی ارتقا کا غماز ہے۔ اس مجموعہ کے اکثر مضامین کی خصوصیت یہ ہے کہ بیانیہ انداز اختیار کرنے کی بجائے مکالماتی اسلوب اور مضحک سچویشن کی تخلیق کے توسط سے مزاح پیدا کیا گیا ہے۔ طنز اسمیں بھی خال خال دکھائی دیتا ہے۔ اس قسم کا خالص مزاح لکھنے والے بہت کم ہیں۔

جہان طنز و مزاح کو محی الدین سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔ ان کے یہاں تخلیقی صلاحیت کی بھی کمی نہیں ہے۔ وہ چاہیں تو ہماری زبان کے دوسرے "شفیق الرحمٰن" بن سکتے ہیں لیکن اس کے لئے مزید مشاہدہ و مطالعہ نیز نثر میں مزید بے ساختگی اور بے تکلفی پیدا کرنے کی ضرورت ہے جو ان کے دائرۂ اختیار میں ہے۔

عبدالودود ایم ایس سی

پیدائش : ۲۷؍اپریل ۱۹۵۱ء

عبدالودود کے والد کا نام عبدالاحد ہے۔ ان کی پیدائش مالیگاؤں کی ہے۔ تعلیمی لیاقت ایم ایس سی بی ایڈ ہے۔ ایک دو سال سند کھیڑا میں ملازمت کرنے کے بعد ۱۹۷۹ء میں تہذیب ہائی اسکول مالیگاؤں میں بحیثیت معاون مدرس تقرری ہوئی۔ اب بھی وہیں سروس کر رہے ہیں۔ موصوف کا شمار بھی ''حلقہ اسلاف'' میں ہوتا ہے۔

ان کی نثر نگاری کا آغاز شہر کے مشہور صحافی اطہر الخیری کی رہنمائی میں ہوا۔ طنزیہ اور مزاحیہ مضامین سے ابتدا ہوئی۔ ساتھ ہی ساتھ اخبارات میں مراسلہ نگاری کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ ان مراسلوں میں وہ ''حق بیان'' کا فرضی نام استعمال کرتے تھے۔ چار پانچ مزاحیہ مضامین [illegible] بعد سنجیدہ مضامین بھی لکھنے لگے جو مقامی اخبارات میں شائع ہوئے۔ بعد میں مضامین میں بھی وہ ا[illegible] استعمال کرنے لگے۔

ان کے مضامین سماج کی تنقید ہوتے ہیں اور اصلاح کے مقصد سے لکھے جاتے ہیں۔ اکثر دینی موضوعات کا انتخاب کرتے ہیں۔ ماہنامہ صوت الحق (مالیگاؤں) میں جو مضامین اشاعت پذیر ہوئے ان میں سا[illegible] اور مذہبی روایات، ذہنی غسل، سنہ ہجری ماہ محرم اور عاشورہ، وغیرہ شامل ہیں۔ آخر الذکر مضمون صوت الحق کے حوالے سے پاکستان کے ایک رسالے میں نقل ہوا۔

موصوف کا دینی مطالعہ خوب ہے اور سائنس سے لگاؤ بھی ہفت روزہ ''اسلاف'' میں آج کل اسلام اور سائنس کے عنوان سے مضامین کا ایک قابل قدر سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ اسلام اور سائنس کا جو تقابلی مطالعہ انہوں نے کیا ہے اس کا خلاصہ اپنے مضامین میں پیش کر رہے ہیں۔ آ[illegible]دہ بھی وہ اسی سلسلے پر اپنی توجہ مرکوز رکھنا چاہتے ہیں۔

مختار یوسف

پیدائش : ۲۲ر اپریل ۱۹۵۲ء

مسلمانوں میں جب تک بے حسی، مستقبل سے بے فکری اور تعلیم سے عدم دلچسپی تھی، نہ تو تعلیمی اداروں کے قیام میں رس تھا اور نہ پیشہ ورانہ رہنمائی کا کوئی سوال۔ لیکن اب بفضل خدا ان میں تعلیم کا شوق پیدا ہوا ہے۔ نئے نئے تعلیمی اداروں کے قیام کی ریس لگی ہوئی ہے۔ مسلم طلبہ وطالبات پبلک امتحانات میں اپنی صلاحیتوں کا پرچم لہرا رہے ہیں۔ اس لئے پیشہ وارانہ رہنمائی Vocational Guidance کی ضرورت بھی ناگزیر ہو چکی ہے۔ اس سلسلے میں رہنمائی کا پہلا قدم مقامی طور پر محترم سعید الظفر فاروقی (سابق ہیڈ ماسٹر مالیگاؤں ہائی اسکول) نے اٹھایا تھا لیکن ان کی رہنمائی مختلف لیکچروں تک محدود رہی۔ اس سلسلے کو سب سے زیادہ آگے بڑھانے والوں میں مختار یوسف کا نام سرفہرست ہے۔

ان کا پورا نام انصاری مختار احمد محمد یوسف ہے۔ بی اے بی ایڈ تک تعلیم پائی۔ تدریسی خدمات کی ابتدا مالیگاؤں ہائی اسکول سے کی۔ چند برس منماڑ اور رتناگری میں سروس کرنے کے بعد یکم جون ۱۹۷۸ء سے تہذیب ہائی اسکول مالیگاؤں میں ملازمت کر رہے ہیں۔ انہوں نے نثر نگاری کی شروعات مقامی اخبار زبان خلق سے کی جس میں وہ تین برس تک مزاحیہ کالم "تلخ وشیریں" لکھتے رہے۔ چونکہ وہ خود ایک جگہ سے دوسری جگہ بھٹکتے رہے تھے۔ اس لئے احساس ہوا کہ شہر کے طلبہ وطالبات میں پیشہ وارانہ رہنمائی کی بڑی کمی ہے۔ اس سمت میں کوئی کام ہونا چاہئے۔ سعید الظفر فاروقی صاحب کی تحریک وترغیب پر انہوں نے ووکیشنل گائیڈنس کی طرف قدم بڑھایا۔ انہوں نے کیریئر ماسٹر کا ڈپلوما ۱۹۹۱ء میں حاصل کیا۔ اور اولین مسلم کاؤنسیلر Counsellor ہونے کا شرف حاصل کیا۔ نیز طلبہ وطالبات کی پیشہ ورانہ رہنمائی کی شروعات کی۔ مختلف اسکولوں اور کالجوں میں انہیں لیکچر دینے کے لئے بلایا جاتا ہے۔ نیز مقامی طور پر سالانہ پانچ سو سے زائد طلبہ رہنمائی کے لئے ان سے رجوع ہوتے ہیں۔ انکی مخلصانہ کوششیں رنگ لا رہی ہیں۔

مسلم طلبہ مختلف میدانوں میں سرگرم عمل ہونے لگے ہیں اور دیگر اساتذہ بھی رہنمائی کے لئے آگے آرہے ہیں۔

ووکیشنل گائیڈنس کے تعلق سے متعدد باران کی تقریریں ریڈیو سے نشر ہو چکی ہے۔

اس دوران انہوں نے چند کتابچے بھی لکھے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱)رھنمائے تعلیمی نفسیات:

یہ کتابچہ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا۔طلبہ کی رہنمائی کے لئے نہایت مفید ہے۔

۲)آئی ٹی آئی کورسیز:

مسلمانوں میں ٹیکنکل تعلیم کے فروغ کے پیش نظر آئی ٹی آئی کورسیز کی تفصیلی معلومات نیز آئی ٹی آئی سینٹرس کی تفصیلات پر مبنی یہ کتاب بڑی کارآمد ہے جس کے دوایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

۳)ایس ایس سی کے بعد کیا؟:

۱۹۹۵ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔رہنمایانہ خطوط مہیا کرنے والی اس کتاب کو تعلیمی حلقوں میں کافی پسند کیا گیا۔

٤)آئی اے ایس افسر کیسے بنیں:

سول سروسز امتحانات کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔اس میدان میں مسلم طلبہ کی رہنمائی کے لئے انہوں نے دسمبر ۱۹۹۵ء میں یہ معلوماتی کتاب تالیف کی جو مالیگاؤں سے طالب علم پبلی کیشنز کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔اس کتاب کے توسط سے مسلم نوجوانوں کو سنہری مواقع سے پر وسیع و عریض دنیا کا احساس ہوا۔بہت سے نوجوان پبلک سروس کمیشن کے امتحانوں کے لئے اس سے رہنمائی حاصل کر رہے ہیں۔
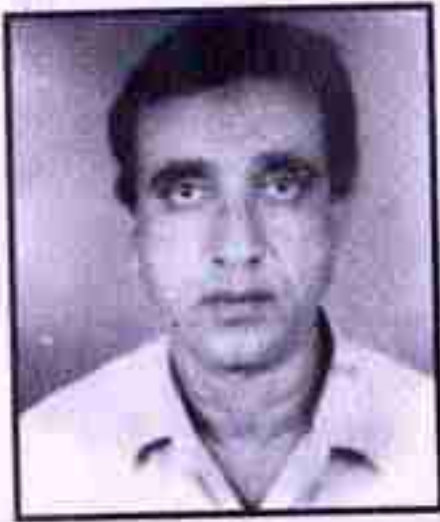
ڈاکٹر عبداللطیف انصاری

پیدائش : یکم جون ۱۹۵۲ء

ڈاکٹر عبداللطیف انصاری مشہور ماہر تعلیم اور نثر نگار ڈاکٹر عبدالعزیز انصاری کے برادر خرد ہیں۔ ان کے والد کا نام محمد حنیف ہے۔ پیدائش مالیگاؤں کی ہے۔ ۱۹۷۰ء میں مالیگاؤں ہائی اسکول سے ایس ایس سی کیا۔ ۱۹۷۴ء میں آزاد کالج اورنگ آباد سے بی اے، ۱۹۷۶ء میں مالیگاؤں سے بی ایڈ ۱۹۷۸ء میں پونہ یونیورسٹی سے ایم ایڈ اور ۱۹۷۹ء میں مراٹھواڑہ یونیورسٹی اورنگ آباد سے اردو میں ایم اے کیا۔

موصوف کی ملازمت کی شروعات ۱۹۷۶ء میں مالیگاؤں کیمپ کے کالج آف ایجوکیشن میں معتمد ماسٹر کی حیثیت سے ہوئی۔ ۱۹۸۱ء میں جونیئر کالج میں تبادلہ ہوا اور ۱۹۹۴ء میں ایم ایس جی سینئر کالج میں اردو کے لیکچرر کی حیثیت سے تقرری ہوئی۔ یہ ملازمت آج بھی قائم ہے۔

ڈاکٹر عبداللطیف انصاری کے مضامین مختلف اخبارات میں گاہے بگاہے شائع ہوتے رہے ہیں۔ ۷۳-۱۹۷۲ء میں ہفت روزہ ڈسپلن (مالیگاؤں) کے پانچ چھ شماروں میں ن۔م۔راشد کے فکروفن پر تنقیدی مضمون شائع ہوا۔ ہفت روزہ ثبات میں بعض ادبی اور تعلیمی مضامین کی اشاعت ہوئی۔ کالج میگزین میں مقیم الدین آثر بیاولی کی شاعری پر تنقیدی مضمون اشاعت پذیر ہوا۔ مالیگاؤں کی پرائمری اسکولوں کے مسائل کا جائزہ لے کر تحقیقی مضمون ۱۹۸۵ء میں کالج کے سووینئر میں شائع کروایا۔

۱۹۸۷ء میں ''عصمت چغتائی فن اور شخصیت'' اس عنوان کو پونہ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کے مقالے کیلئے رجسٹرڈ کروایا۔ رہنمائی ڈاکٹر امانت شیخ (پونہ) نے فرمائی۔ بڑی محنت کے بعد ۵۰۲ صفحات پر مشتمل اپنا تحقیقی مقالہ نومبر ۱۹۹۳ء کو یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد کی خدمت میں پیش کیا۔ جس پر انہیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری عطا ہوئی۔ مقالہ ہنوز اشاعت سے محروم ہے۔

آج کل ڈاکٹر صاحب موصوف "مادیت کی ترقی اور روح کا زوال" اس عنوان پر تحقیقی کام میں مصروف ہیں۔ عنوان عجیب ہونے کے ساتھ ہی بڑی محنت اور عرق ریزی کا متقاضی بھی ہے۔ کتاب مکمل ہوجانے پر صراط روحانی کے رہ نوردوں کے لئے نہایت مفید ہوگی۔ موصوف کی ساری توجہ اسی کام پر مرکوز ہے۔

محمد سلطان

پیدائش : یکم جون ۱۹۵۲ء

محمد سلطان بنیادی طور پر صحافی ہیں اور صحافت کا ایک طویل تجربہ رکھتے ہیں۔ لیکن اخبار کے صفحات سیاہ کرتے ہوئے وہ اپنی بنیاد ''ادب'' کو نظر انداز نہیں کرپاتے۔ اس لئے اکثر ان کے نوک قلم سے کچھ ایسی چیزیں ٹپک پڑتی ہیں جو اخباری مزاج سے ہٹ کر ''چیزے دیگرے'' کے ذیل میں آتی ہیں۔

ان کا آبائی وطن نانڈگاؤں ہے۔ پیدائش مالیگاؤں کی ہے۔ ۱۹۷۵ء میں سٹی کالج، مالیگاؤں سے انگریزی ادب سے بی اے کیا۔ اس کے بعد بھارتیہ ودیا بھون (ممبئی) جرنلزم کا ڈپلومہ کرنے کیلئے گئے لیکن عین وقت پر بیمار پڑجانے کے سبب تمنا تشنۂ تکمیل رہی۔ دعوت ٹرسٹ (دہلی) نے انہیں اسلامی صحافت کی تربیت دینے کا بندوبست کیا جو چھ مہینوں میں پوری ہوئی۔ محمد سلطان نے محض مراٹھی اخبارات پڑھ کر مراٹھی زبان سیکھی اور اتنی مہارت بہم پہنچائی کہ مراٹھی صحافی بھی انکی مراٹھی دانی کے دل سے معترف ہیں۔

انہوں نے اپنی صحافت کا آغاز ۱۹۷۶ء میں مراٹھی ڈیلی وارتا (دھولیہ) سے کیا۔ پھر مالیگاؤں آکر مراٹھی روزنامہ ''سوریہ چکر'' سے وابستہ ہوگئے۔ پھر دہلی چلے گئے۔ لوٹنے کے بعد اورنگ آباد ٹائمز میں صحافتی خدمات انجام دیں۔ بعد ازاں عبدالسمیع بوبیرے کے روزنامہ ''شام'' (ممبئی) میں کام کیا۔ وہاں سے لوٹے تو مالیگاؤں سے پہلے ہفت روزہ پرنس، پھر ہفت روزہ رفتار شکن کا اجرا کیا۔ ساتھ ہی ساتھ بہت سارے مقامی اخبارات میں بھی لکھتے رہے۔ ان میں المغیث، شہریار، صدائے اہلسنت، نشان افق، معظم مجاہد، تحفظ ملت، اکبر ٹائمز، روزنامہ صبح نامہ وغیرہ شامل ہیں۔ آج کل ''روزنامہ'' (مالیگاؤں) سے منسلک ہیں۔ یہ چھوٹا سا اخبار بے حد مقبول ہے۔

محمد سلطان کی تحریری سرگرمیوں کا آغاز ۱۹۷۲ء سے ہوا۔ اردو ٹائمز کے لئے جب

نیوز سروس شروع کی جب سے ہی ادبی ذوق پیدا ہوا اور ممبئی کے اخبارات کے ادبی صفحات میں لکھنا شروع کیا۔ ان کی پہلی تخلیق افسانہ کی شکل میں تھی جو انقلاب میں شائع ہوئی۔ ادارہ ادب اسلامی کی ادبی و تنقیدی نشستوں میں بھی شریک ہوتے رہے۔ ان کا ایک افسانہ ''دو چہرے'' اردو ٹائمز میں شائع ہوا جو کافی پسند کیا گیا۔ اسی دوران انہوں نے علامہ گلدان کے فرضی نام سے اخبار پرنس، تحفظ ملت اور اکبر ٹائمز میں طنزیہ و مزاحیہ مضامین لکھے۔

انہوں نے بڑی تعداد میں افسانے لکھے ہیں لیکن بار بار جائے سکونت کی تبدیلی کے سبب محفوظ نہ رہ سکے۔ انہیں اعتراف ہے کہ قلم پکڑنے کا سلیقہ انہوں نے لطیف عزیز (ایڈیٹر السبیل) سے سیکھا اور دعوت دہلی کے محفوظ الرحمٰن صاحب سے خبریں بنانے کا گر حاصل کیا۔ قومی آواز (دہلی) کی محترمہ نور جہاں ثروت سے مضمون نگاری اور فیچر نگاری کا سلیقہ پایا۔ مراٹھی زبان میں لکھنے اور آگے بڑھنے کا حوصلہ مشہور مراٹھی صحافی بزرگ جیسے نارائن شرما اور دتا وڑگے جی سے ملا۔ غرض وہ اس معاملے میں شیخ سعدیؒ کے اس شعر کے قائل نظر آتے ہیں۔

تمتع زھر گوشہ یافتم

زھر خرمنے خوشہ یافتم

صحافت کو انہوں نے ذریعہ معاش بنایا اور کبھی معاش کی تنگی محسوس نہ کی۔ شائد ان کی قناعت پسندی اس کا سبب ہو کہ پوری زندگی انہیں کسی دوسرے ذریعہ معاش کی تلاش کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی۔

مولانا نہال احمد ملّی

پیدائش : ۹ر جون ۱۹۵۲ء

مولانا کے والد نصر اللہ صنعتِ پارچہ بافی سے وابستہ تھے۔ پڑھے لکھے نہ تھے لیکن بچوں کو تعلیم دلانے کے لئے تنگ دستی کے باوجود حالات کا مقابلہ کیا۔ نہال احمد محلّہ قلعہ میں پیدا ہوئے۔ پرائمری مدرسے میں چوتھی جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۶۳ء میں معہد ملت میں داخل ہوئے اور ۱۹۷۱ء میں تکمیل کے بعد سند فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد دو سال دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی۔ مالیگاؤں واپسی پر مختلف صباحی اور شبینہ مدارس میں دین وقرآن کی تعلیم دیتے رہے۔ ۱۹۷۸ء میں اپنی مادر علمی معہد ملت میں درس وتدریس کی خدمات پر مامور ہوئے، تب سے اب تک اسی درس گاہ سے منسلک ہیں۔

معہد ملت کے علمی اور حوصلہ افزا ماحول نے مولانا کے اندر بھی ذوق مطالعہ اور شوق تحریر پیدا کیا۔ مولانا محمد حنیف ملی کی نظر عنایت اور حوصلہ افزائی کے طفیل مضمون نگاری کا سلسلہ شروع کیا۔ ۱۹۸۱ء میں ''گلشن'' کے اجراء کے بعد ان کے مضامین بھی شامل اشاعت ہونے لگے۔ اس میں ان کے تیرہ مضامین شائع ہوئے۔ دیگر رسائل جن میں ان کے مضامین شائع ہوئے العدل (مالیگاؤں) اور دعوتِ انسانیت (گرن، سنگمیر) ہیں۔ دعوت انسانیت میں بیس کے قریب مضامین موجود ہیں۔ کبھی کبھی اردو ٹائمز، انقلاب، قرطاس وقلم (حیدرآباد) اور صحیفہ (مونگیر) میں بھی مضامین کی اشاعت ہوتی رہی۔

مولانا کے مضامین بیشتر اصلاحی ہیں۔ بعض مضامین میں تاریخ اسلام کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ ان میں چند سرفروش مجاہدین کی حیات اور کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مولانا اگر اس سلسلہ کو جاری رکھتے تو آج اسلامی جاں فروشوں کے حالات پر ایک ضخیم کتاب تیار ہو جاتی۔ مگر ہجوم افکار اور گردشِ ایام کے سبب شوق تحریر پس پشت چلا گیا۔ ان کا آخری مضمون نومبر ۱۹۹۳ء کے العدل میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد کسی اور تحریر کی نوبت نہیں آئی۔

ڈاکٹر سلیم ذکریا

پیدائش : یکم جون ۱۹۵۳ء

محمد سلیم ابن حکیم محمد ذکریا ایک علمی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ان کے والد محمد ذکریا شہر کے مشہور طبیب ہیں۔ مشہور شاعر ڈاکٹر نعیم اختر اور خاتون افسانہ و ناول نگار رضیہ حکیم کے بھائی ہیں۔ مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔۱۹۷۲ء میں ایس ایس سی کا امتحان پاس کرنے کے بعد گورنمنٹ طبیہ کالج، پٹنہ، سے جی یو ایم ایس (موجودہ بی یو ایم ایس) کا کورس ۱۹۷۶ء میں پورا کیا۔ فی الحال مالیگاؤں میں میڈیکل پریکٹس کررہے ہیں۔

ڈاکٹر سلیم ذکریا بچپن ہی سے اپنے والد کی ذاتی لائبریری سے استفادہ کرتے رہے۔اس سے ان کے ذوق کو جلا ملی۔ پھر رضیہ باجی (رضیہ حکیم) سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ ہائی اسکول کے زمانے میں اداکاری اور ممکری کا شوق تھا، چھوٹے موٹے ڈرامے بھی لکھ لیتے تھے۔ لیکن بعد میں مستقل طور پر طنز و مزاح میں لکھنے لگے۔ طبیہ کالج، پٹنہ، سے ''طبیب'' نام کا رسالہ نکلتا تھا۔۱۹۷۳ء میں اس رسالے میں ان کے چند مزاحیہ مضامین شائع ہوئے۔اس کے علاوہ سنگم (پٹنہ) میں بھی مضامین شائع ہوئے۔۱۹۷۷ء میں مالیگاؤں آنے کے بعد مزاح نگاری جاری رکھی اور اس میں افسانہ نگاری کا اضافہ ہوگیا۔ان کی تخلیقات ہفت روزہ بیباک کے ادبی صفحے ادب نما میں اور ہفت روزہ ڈسپلن میں شائع ہوئیں۔ بحیثیت مجموعی چھ سات افسانے اور بیس تا پچیس مزاحیہ مضامین اشاعت پذیر ہوئے۔اسی دوران ''اندھیرے اجالے'' اور گورکھ دھندے'' کے عنوان سے دو ڈرامے تحریر کئے جو سنگمنیر (ضلع احمد نگر) میں اسٹیج ہوئے۔

ڈاکٹر صاحب کے لکھنے کا ایک مخصوص اسلوب ہے۔ کسی چیز کو موضوع بناتے ہیں اور پھر بات میں بات پیدا کرتے چلے جاتے ہیں۔اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ مضمون میں کوئی بات ہو، بے بات کی بات نہ ہو۔

انہوں نے بہت سے شوق پال رکھے ہیں، اداکاری، ممکری، نقالی، گائیکی، مصوری، شاعری اور نثر نگاری۔ لیکن جب دیکھا کہ شوق ہر رنگ رقیب سروساماں نکلا، تو شوق تج دیئے اور سروساماں بچالئے۔ اس سانحے پر چار سال گذر چکے ہیں۔

نہال حفیظ

پیدائش : یکم جون ۱۹۵۳ء

''نقوش'' کے مولف حفیظ مالیگانوی کا تذکرہ پہلے گذر چکا ہے۔انصاری نہال احمد انہیں کے فرزند ہیں جو نہال حفیظ کے قلمی نام سے لکھا کرتے ہیں۔ان کی پیدائش مالیگاؤں کی ہے۔بی اے ڈی ایڈ تک تعلیم پائی۔فی الحال ممبئی میونسپل کارپوریشن میں درس وتدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

نہال حفیظ شاعری بھی کرتے ہیں اور نثر نگاری بھی،انکا پہلا تخلیقی مضمون ''انصاف'' کے عنوان سے ۱۹۷۰ء میں اردو ٹائمز میں اشاعت پذیر ہوا۔بچوں کے لئے تحریر کردہ ان کی کہانیاں اردو کومک ، بچوں کا ساتھی،ٹافی،کلیاں،کھلونا،آواز،الہلال،بچوں کا باغ وغیرہ رسائل میں شائع ہوچکی ہیں۔نیز ان کے مضامین بھی بہت سارے اخبارات اور رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔انہوں نے چند افسانے بھی لکھے ہیں۔

نہال حفیظ مختلف النوع مضامین لکھتے ہیں ان میں تعلیمی،تنقیدی اور سوانحی مضامین بھی شامل ہیں۔مشہور شعرائے مالیگاؤں عتیق احمد عتیقؔ اور ادیب مالیگانوی پر ان کے مضامین تنقیدی نوعیت کے ہیں جن میں ان شعراء کی شخصیت اور فن کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔علاوہ ازیں مولانا آزاد، پنڈت نہرو اور مسز اندرا گاندھی پر بھی مضامین کی اشاعت ہوچکی ہے۔بچوں کے لئے تحریر کردہ نصیحت آموز تعلیمی مضامین انہوں نے بڑی تعداد میں لکھے ہیں جو مختلف اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں۔

موصوف کو صحافت سے بھی دلچسپی ہے۔ابتدا میں وہ اپنے والد کے اخبار ''انصار ویکلی'' میں گلستان ادب کے نام سے بچوں کا صفحہ ترتیب دیتے تھے۔فی الحال شامنامہ اخبار ممبئی کے شعبۂ ادارت سے وابستہ ہیں۔نیز صدف میگزین کے جوائنٹ ایڈیٹر ''ان دونوں'' کے معاون مدیر اور ماہنامہ گل بوٹے ممبئی کی مجلس ادارت کے رکن ہیں۔

لگتا ہے نہال حفیظ کو چھپنے چھپانے کا بڑا شوق ہے۔ ان کے اندر تحریری صلاحیت موجود ہے لیکن اسے سنوارنے اور مانجھنے پر توجہ کم ہے۔ انہیں اپنی شناخت بنانے کے لئے ''منتشر نویسی'' ترک کر کے کسی ایک صنف نثر پر توجہ مرکوز کرنی ہوگی۔

نمونۂ نثر:

.... سرزمین مالیگاؤں کے ممتاز شاعر حضرت ادیبؔ مالیگانوی مرحوم تھے جنہوں نے اپنے نغمۂ دلنشیں سے پورے ہندوستان میں تہلکہ برپا کردیا۔ نیشنلزم جن کی وراثت تھی، قومیت جن کی فطرت تھی، شعر گوئی اور شعر فہمی کا ذوق خلافت کمیٹی کے شاندار جلسوں سے ہوا۔ شاعری میں حضرت قدیر ایلوی اور حضرت تجمل جلالپوری کے شاگرد تھے۔......... کہا جاتا ہے کہ ادیبؔ، سہیلؔ اور آزاد انصاری یہی تین شاعر تھے جنہوں نے مالیگاؤں کی شعری و ادبی فضا کو جلا بخشی اور اس شہر کو ہمدوشِ ثریا کردیا۔ اس وقت یہاں کے رنگِ سخن میں قدامت تھی۔ اشعار میں عام طور پر پرانے مضامین باندھے جاتے تھے۔ رنگِ جدید سے انہیں کوئی علاقہ نہ تھا۔ انہی شعراء نے مسابقت کی اور رنگِ جدید میں شہرت اور مقبولیت حاصل کی۔''

.........(حضرت ادیبؔ مالیگانوی۔از نہال حفیظ)

سلطان ڈانگے

پیدائش : ۱۷ر دسمبر ۱۹۵۳ء

ان کا پورا نام سلطان عبدالرحیم ابن محمد ہے۔ مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۷۱ء میں جمہور ہائی اسکول سے ایس ایس سی کیا۔ ۱۹۷۵ء میں جے اے ٹی جونیئر کالج آف ایجوکیشن سے ڈی ایڈ کیا، ۱۹۷۷ء میں سٹی کالج مالیگاؤں سے معاشیات میں بی اے، ۱۹۷۹ء میں اسی خصوصی مضمون میں شیواجی یونیورسٹی کولہاپور سے ایم اے اور ۱۹۸۸ء میں اورنگ آباد سے بی ایڈ کیا۔ ۲ر نومبر ۱۹۷۷ء کو جمہور ہائی اسکول میں معاون مدرس کی حیثیت سے ملازمت شروع کی جو اب بھی قائم ہے۔

موصوف کی ساری دلچسپی مسلم طلبہ و طالبات کی پیشہ ورانہ رہنمائی میں ہے۔ اس میدان میں مہارت حاصل کرنے کے لئے انہوں نے ووکیشنل گائیڈنس اور کیریر ماسٹر کے کورس کئے۔ ۱۹۹۱ء میں ہفت روزہ ملی بیداری (مالیگاؤں) میں مضامین کا سلسلہ شروع کیا۔ جو طلبہ و طالبات کی رہنمائی کے لئے لکھے جاتے تھے۔ بعد میں اسی قسم کے مضامین کا سلسلہ روزنامہ شامنامہ میں بھی جاری رکھا۔ مشہور زمانہ بچوں کے اخبار خیر اندیش (مالیگاؤں) میں جنرل نالج، کوئز اور کیریر رہنمائی پر مضامین کا سلسلہ شروع کیا۔ فی الحال اسی اخبار میں سائنسی مضامین اشاعت پذیر ہو رہے ہیں۔

گذشتہ دو برسوں میں انہوں نے کئی قابل قدر کام کئے ہیں۔ حکومتِ مہاراشٹر نے نویں اور دسویں جماعتوں میں جنرل نالج کا مضمون لازمی قرار دیا ہے۔ اس کیلئے ضروری مواد مراٹھی زبان میں دستیاب تھا جس سے مسلم طلبہ و طالبات خاطر خواہ فائدہ نہ اٹھا سکتے تھے۔ موصوف نے دونوں کتابوں کا اردو ترجمہ کیا جو بالترتیب ۱۹۹۷ء اور ۱۹۹۸ء میں ادارۂ "طالب علم" مالیگاؤں سے اشاعت پذیر ہوئیں۔ اس ترجمے کی خوبی یہ ہے کہ کتاب میں جہاں جہاں مراٹھی ادب یا ہندو عقیدے پر مبنی معلومات تھیں، موصوف نے بڑی محنت کے بعد ان کی جگہ اردو زبان و ادب اور اسلامی معلومات بہم پہنچائی ہیں جس کے سبب

دونوں کتابیں اردو داں طبقے کے لئے مزید مفید ہوگئی ہیں۔دسویں جماعت کے لئے ان کا تحریر کردہ معاشیات کا رہبر بھی اسی ادارے کی معرفت ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا۔فی الحال وہ اسکالرشپ امتحانوں میں کام آنے والے ضروری مواد کی فراہمی میں مصروف ہیں تاکہ اردو طبقے کی رہنمائی کا مزید انتظام ہوسکے۔

عموماً مسلم طلبہ کی دلچسپی مسابقتی امتحانات میں کم ہی رہتی ہیں۔موصوف کی یہ رہنمایانہ کوششیں ان کے لئے مفید بھی ہیں اور حوصلہ افزائی کا سبب بھی۔ملت اسلامیہ میں بیداری کی جولہر آئی ہوئی ہے اس کے پیشِ نظر سلطان ڈانگے کو اپنی کوششوں میں تیزی لانے کی ضرورت ہے۔

مشتاق ایوبی

پیدائش : یکم جون ۱۹۵۴ء

مشتاق احمد کے والد محمد ایوب کا تعلق پرتاپ گڑھ (یوپی) سے ہے۔ مشتاق احمد مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۷۹ء میں انہوں نے معاشیات میں بی اے کیا اور پیشۂ تدریس اختیار کرنے کے ارادے سے ۱۹۹۲ء میں بی ایڈ کیا۔ لیکن اسکرین پرنٹنگ کے چلتے کاروبار میں ایسے مصروف ہوئے کہ ملازمت کی طرف توجہ نہیں گئی۔ مشتاق صاحب اچھے آرٹسٹ بھی ہیں۔ ان کے آرٹ کے نمونوں کی نمائش بھی ہو چکی ہے۔ ایلمینٹری گریڈ ڈرائنگ امتحان کی میرٹ لسٹ میں آنے والے وہ شہر کے پہلے طالب علم ہیں۔ مصوری میں آصف بختیار سعید اور ماسٹر حیدر علی ان کے استاد ہیں۔ کتابت انہوں نے خود سیکھی جس کی تربیت پرائمری اسکول کی طالب علمی کے زمانے میں مل چکی تھی۔

۱۹۶۸ء میں جب ساتویں جماعت میں تھے ان کی اردو نصابی کتابوں میں مولانا الطاف حسین حالی کی نظم "محبِ وطن" شامل تھی۔ یہ پڑھ کر انہوں نے چند مزید کتابوں کا مطالعہ کیا اور اسی عنوان پر تین فل اسکیپ صفحات پر مشتمل ایک مضمون لکھ ڈالا۔ اور اپنے استاد مشہور شاعر صالح بن تابش کو دکھایا۔ صالح صاحب کو یقین نہیں آیا کہ اتنا اچھا مضمون اس طالب علم نے لکھا ہوگا۔ بہر حال انہوں نے حوصلہ افزائی میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

مشتاق ایوبی اس زمانے میں نور اور کھلونا جیسے بچوں کے رسالوں کے ساتھ ساتھ بیسویں صدی اور شمع (دہلی) کے افسانے بھی بڑے شوق سے پڑھتے تھے۔ اسی مطالعہ سے لکھنے کا حوصلہ ملا۔ ان کی پہلی نثری تخلیق کا عنوان "منزل" ہے جو اردو رپورٹر (ممبئی) میں شائع ہوئی۔ انقلاب اور ممبئی کے دیگر اخبارات میں ان کے کئی افسانے شائع ہو چکے ہیں۔ تقریباً پندرہ سولہ افسانے تحریر کر چکے ہیں۔ لیکن ان کی خصوصی تخلیقات وہ "منی افسانے" ہیں جو انقلاب میں نمایاں طور پر شائع ہوئے اور جو چند سطروں میں بھرپور تاثر دے جاتے ہیں۔

اردو رپورٹر (ممبئی) کے آل مہاراشٹر مقابلۂ افسانہ نویسی میں ان کے افسانے ''سراب'' کو تیسرے انعام کا مستحق قرار دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک اور ریاست گیر سطح پر بیڑ میں منعقدہ مضمون نویسی کے مقابلے میں ان کے مضمون ''ادب اور زندگی'' کو اوّل انعام ملا۔ انہوں نے اس مضمون میں دونوں کو لازم وملزوم قرار دیا ہے۔ ادارۂ ادب اسلامی کی نشستوں میں بھی وہ متعدد بار افسانے پیش کر چکے ہیں۔

مشتاق ایوبی نے صرف اسی صنف کو موضوع قلم بنایا۔ افسانوں کا کوئی مجموعہ اب تک شائع نہیں ہوا ہے۔ آج کل کاروباری مصروفیتوں کے سبب افسانوں کا سفر بھی سست رفتار ہو چکا ہے۔

عبدالرشید قادری

پیدائش : یکم جون ۱۹۵۴ء

عبدالرشید ابن عبدالقادر پورا نام ہے۔ مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔ آبائی وطن اورنگ آباد ہے۔ اے ٹی ٹی ہائی اسکول سے ۱۹۷۱ء میں میٹرک کیا، ۱۹۷۵ء میں بی اے، ۱۹۷۸ء میں انگریزی ادب سے ایم اے کیا۔ ملازمت کرنے کی بجائے انہوں نے جنرل اسٹور سنبھالا اور گھر کے پاورلوم کی دیکھ ریکھ کرتے رہے۔ کارخانہ اب ان کے بھائی دیکھتے ہیں۔

اخبارات میں مراسلوں کے ذریعے تحریری کاموں کا آغاز کیا اور پھر چھوٹے چھوٹے مضامین لکھنے لگے۔ ہائی اسکول کے زمانے میں ''نقش دیوار'' Wall Paper کے لئے مضامین لکھتے تھے۔ ۱۹۸۱ء میں مالیگاؤں سے ہفتہ وار ''پرنس'' کا اجراء ہوا۔ تب عبدالرشید قادری کی تحریر کا ایک بالکل ہی نیا پہلو سامنے آیا۔ اس میں انہوں نے طنزیہ ومزاحیہ مضامین لکھنے شروع کئے۔ یہ مضامین بڑے شوق اور دلچسپی سے پڑھے جاتے تھے۔ بعد میں اورنگ آباد ٹائمز سے وابستہ ہوئے اور چھ مہینے تک انگریزی اور مراٹھی کے ترجمے کر کے خبریں بنانے کا کام کرتے رہے۔ ہفت روزہ ''رفتار شکن'' مالیگاؤں میں بھی اداریے، خبریں اور مضامین لکھتے رہے۔ آج کل ''روزنامہ'' پر پوری توجہ صرف کر رہے ہیں۔

ادارۂ ادب اسلامی کی ادبی نشستوں میں دو تین افسانے سنائے۔ کچھ افسانے اور مضامین ماہنامہ ''نور'' میں اشاعت پذیر ہوئے۔ ان مضامین کا تعلق دین اور طب سے ہے۔ کالج میگزین میں بھی ان کے مضامین شائع ہوئے۔

عبدالرشید قادری کے اندر طنز و مزاح لکھنے کی بڑی صلاحیت ہے۔ اگر وہ اس طرف سنجیدگی سے توجہ دیں تو ایک اچھے مزاح نگار ہو سکتے ہیں۔ انکی تحریروں میں اصلاحی پہلو غالب رہتا ہے۔ مزاح اور اصلاح کا یہ امتزاج انہوں نے ملا ابن العرب مکی کے مشہور کالم ''مسجد سے میخانے تک'' سے سیکھا ہے۔

فی الحال اگر چہ انہوں نے ''روز نامہ'' کو ہی اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے۔ لیکن شہر کا طنزیہ و مزاحیہ ادب ان کے انتظار میں آنکھیں بچھائے ہوئے ہے۔

گذشتہ سال انہیں مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکیڈمی کی رکنیت سے نوازا گیا۔

خان انعام الرحمٰن

پیدائش : یکم جون ۱۹۵۵ء

انعام الرحمٰن کے والد کا نام شبیر احمد ہے، شاعر، شکاری اور ممتاز مدرس تھے۔ انعام الرحمٰن کی پیدائش مالیگاؤں میں ہوئی۔ ۱۹۷۳ء میں اے ٹی ہائی اسکول سے ایس ایس سی کیا۔ ۱۹۷۸ء میں انگریزی خصوصی مضمون کے ساتھ بی اے اور ۱۹۸۰ء میں اسی مضمون میں ایم اے کیا۔ ۱۹۸۱ء میں اورنگ آباد سے بی ایڈ کیا۔ ۸۳-۱۹۸۲ء میں ایک سال کے لئے شاد آدم جونیئر کالج بھیونڈی میں مدرس رہے۔ اس کے بعد ایک سال کے لئے مالیگاؤں ہائی اسکول میں ملازمت کی۔ دونڈ اچہ (ضلع دھولیہ) میں دو سال کارگذار صدر مدرس رہے۔ تین برس تک جامعۃ الہدیٰ اور نیشنل انگلش میڈیم اسکول میں تعلیم دی۔ ۱۹۸۹ء میں سردار ہائی اسکول اینڈ جونیئر کالج، مالیگاؤں میں استقلال نصیب ہوا۔ بحیثیت صدر مدرس تقرری ہوئی۔ اب بھی اسی عہدے پر قائم ہیں اور اسکول کی ترقی میں کوشاں ہیں۔

سٹی کالج، مالیگاؤں میں بی اے کی تعلیم کے دوران کالج میگزین کے سکریٹری بنائے گئے۔ یہیں سے ان کی تخلیقی سرگرمیوں کی شروعات ہوئی۔ اسی دوران ان کے دو ڈرامے کالج کے طلبہ نے اسٹیج کئے (۱) بن مانگے موتی ملے (۲) شادی کرلو۔ دوسرے ڈرامے میں مزاح کے عناصر بھی تھے۔ ممبئی سے نکلنے والے روزنامے اردو رپورٹر میں آبگینے نام کا ایک صفحہ ترتیب دیا جاتا تھا۔ خان انعام الرحمٰن اور خیال انصاری نے شہر میں اسی نام کی ادبی انجمن کی تشکیل کی۔ خان انعام الرحمٰن جنرل سکریٹری بنائے گئے۔ اس انجمن کی جانب سے منعقدہ افسانوں کے ایک انعامی مقابلے میں خان صاحب کے افسانے ''دشمن'' کو تیسرا انعام ملا۔ اردو رپورٹر کا ادبی صفحہ دریچے کے نام سے شائع ہوتا تھا۔ انعام الرحمٰن کے کئی افسانے ''دریچے'' اور کئی کہانیاں ''آبگینے'' میں اشاعت پذیر ہوئیں۔ اسی دوران اردو ٹائمز (ممبئی) میں دو تنقیدی اور تبصراتی مضامین بھی شائع ہوئے۔ ان میں ڈاکٹر اشفاق انجم کے مجموعۂ کلام ''سایہ سایہ دھوپ''

اور شکیل شاہ جہاں کی کتاب ''ہم سب ایک ہیں'' کا جائزہ لیا گیا تھا۔ ان تخلیقات کے بعد ڈرامہ نویسی کی طرف رجحان بڑھ گیا۔ اسکولی طلبہ کیلئے کئی ڈرامے لکھے۔ ان میں سے قصہ سڑک کا، بلیدان، میرے ہم سفر، دوسراج، وی آر اماپارٹنٹ، جہیز اور کالی روشنی، کافی مقبول ہوئے۔

۱۹۸۵ء میں انہیں پاکستان جانے کا موقع ملا۔ وہاں ڈیڑھ مہینہ مقیم رہے۔ اس دوران بچوں کے لئے تحریر کردہ ان کی تین کہانیاں پاکستانی رسالے ''مون'' میں اور ایک افسانہ ''بے چہرے والے سر کا سوال'' پاکستانی ڈائجسٹ ''دوشیزہ'' میں شائع ہوا۔ کئی افسانے انہوں نے ادارۂ ادب اسلامی کی ادبی نشستوں میں بھی پیش کئے۔ شامنامہ (مالیگاؤں) کے اولین شمارے میں ''لال اور کالے کلر کا کمبی نیشن'' شائع ہوا۔ افسانوں کے علاوہ علمی اور ادبی مضامین بھی مقامی اخبارات کی زینت بنتے رہے۔ بحیثیت مجموعی کہا جاسکتا ہے کہ خان انعام الرحمٰن بنیادی طور پر افسانہ نگار ہیں۔ جدید افسانہ لکھنے کا انہیں سلیقہ بھی ہے اور شعور بھی۔ وہ فکر اسلامی سے متاثر ضرور ہیں لیکن نئی لفظیات اور نئی تیکنک سے بدکتے بھی نہیں۔ آج کل اسکول کی مصروفیات، ادبی مصروفیات میں حائل ہوگئی ہیں۔ ۱۹۹۳ء میں انہوں نے اپنا آخری افسانہ ''کلائیڈ واسکوپ'' لکھ کر قلم رکھ دیا۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ اس تعطل کو غلطی مانتے ہیں اور نادم ہیں۔

مولانا اقبال احمد آصفؔ ملّی

پیدائش : یکم جون ۱۹۵۵ء

مولانا اقبال احمد کے والد محمد یٰسین، محلّہ خوشامد پورہ میں رہتے تھے۔ محنت مزدوری کر کے اپنے خاندان کی کفالت کرتے تھے۔ مولانا اقبال احمد نے درجہ چہارم تک پرائمری مدرسے میں تعلیم پائی۔ اس کے بعد جمہور ہائی اسکول کی پانچویں جماعت میں داخل ہوئے لیکن سال پورا بھی نہ ہوا تھا کہ ان کے والد نے انہیں معہد ملت میں داخل کر دیا۔ مولانا نے ۱۹۷۴ء میں سند فضیلت حاصل کی۔ فراغت کے دو ماہ بعد ہی معہد ملت میں درس و تدریس کے لئے تقرری ہوئی۔ اب تک اسی خد[مت] پر مامور ہیں۔

ذوق مطالعہ و تحریر طالب علمی کے زمانے سے تھا۔ کچھ شعر و سخن سے لگاؤ پیدا ہو گیا اسلئے آصفؔ تخلص اختیار کیا۔ معہد ملت میں تقرری کے بعد مولانا محمد حنیف ملّی کی صحبت نے ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو جلا بخشی۔ طالب علمی کے آخری سال میں انہوں نے ''نازش انبیاء'' کے عنوان سے اپنا پہلا مضمون لکھا جو مدرسے کے قلمی رسالے ''بیداری'' میں موجود ہے۔ مولانا عبدالحمید نعمانی کی حیات میں مولانا اقبال احمد نے ایک عربی مضمون کی اردو تلخیص ان کے سامنے پیش کی جسے انہوں نے سراہا۔ مولانا محمد حنیف ملّی نے ساحرؔ لدھیانوی پر ایک مضمون بیباک میں شائع کروایا۔ اس پر بڑی تنقیدیں ہوئیں۔ ان تنقیدوں کا سخت الفاظ میں جواب شائع کروانے والے مولانا اقبال احمد آصفؔ ہی تھے۔ مگر ان پر اپنا نام نہیں دیتے تھے۔ ؁۱

؁۱ : مولانا اقبال احمد نے راقم سے اعتراف کیا ہے کہ وہ مراسلات انہوں نے ہی لکھے تھے۔ چونکہ مولانا محمد حنیف ملّی نے جواب دینے سے سختی سے منع کر رکھا تھا، اس لئے اپنا نام ظاہر نہیں کرتے تھے۔

بہر حال ان تحریروں کے بعد مضامین اور تراجم کا ایک سلسلہ چل پڑا۔ ساتھ ہی مشق سخن بھی جاری رہی۔ مولانا کے زیادہ تر مضامین اصلاح معاشرہ، سیرت صحابہؓ اور سیرت رسول ﷺ سے متعلق ہیں۔ یہ مضامین ہفت روزہ البیان، پندرہ روزہ گلشن، العدل اور دعوت انسانیت وغیرہ رسالوں میں شائع ہوئے۔ ''گلشن'' میں مولانا کے اٹھارہ مضامین اشاعت پذیر ہوئے، دعوت انسانیت (کرن) کے چند شماروں کو چھوڑ کر تمام شماروں میں، نیز العدل کے آٹھ دس شماروں میں مضامین شائع ہوئے۔

سیرت صحابہؓ پر انہوں نے جو مضامین رقم کئے ہیں وہ بڑے قابل قدر ہیں۔ نظر ثانی کے بعد انہیں کتابی شکل دی جائے تو صحابہ کرام پر ایک منفرد اور مفید کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں اللہ کی وحدانیت کا علمی اور سائنسی بنیادوں پر ثبوت فراہم کرنیوالے ایک عربی کتابچہ "الله فی العلم الجدید" کا ترجمہ بھی انہوں نے کر رکھا تھا جو گم ہو چکا ہے۔ وہ دوبارہ توجہ دیں تو ایک اور علمی کتاب وجود میں آسکتی ہے۔

فی الحال لکھنے پڑھنے کی ساری سرگرمیاں گردش ایام کی بناء پر ماند پڑ گئی ہیں۔ مایوسی کے اسباب کچھ بھی ہوں، علم و مطالعہ کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔ ڈر ہے یہ تخلیقی سوتے بالکل خشک نہ ہو جائیں۔ موصوف کی ایک کتاب شائع ہو چکی ہے۔

روشن ستارے:

۱۰۴ رصفحات کی یہ کتاب اکتوبر ۱۹۹۹ء میں مالیگاؤں سے شائع ہوئی۔ یہ تحریر دراصل سعودی عربیہ کے پرائمری اسکول کے بچوں کے لئے داخل نصاب، سیرتِ صحابہؓ پر تحریر کردہ مضامین پر مشتمل عربی کی کتاب ''صور من حیاۃ الصحابہ'' کے ایک حصے کا ترجمہ ہے۔ ترجمہ بچا تلا، سلیس اور ادبیت سے بھرپور ہے۔ اس ترجمہ کے ذریعے مولانا نے اپنے استاد مولانا عبدالحمید نعمانی مرحوم کی روایت کو تابندگی عطا کی ہے۔

مولانا حافظ جاوید احمد ملّی

پیدائش : ۶؍جون ۱۹۵۶ء

مولانا جاوید احمد ملّی کے والد قاری محمد حسن پہلے پاورلوم کے میکنک تھے اور اعزازی طور سے سلیمانی مسجد میں امامت بھی کرتے تھے بعد ازاں وہ شاہی مسجد میں پچیس برس تک امامت کرتے رہے۔ ۱۹۶۵ء میں جاوید صاحب جب پرائمری چوتھی جماعت میں تعلیم حاصل کررہے تھے، ان کے والد نے پرائمری اسکول سے نکال کر انہیں معہد ملت میں داخل کردیا۔ وہاں انہوں نے ڈھائی برس میں قرآن پاک کا حفظ مکمل کیا۔ اس کے بعد شعبۂ عالمیت میں داخلہ لیا۔ ۱۹۷۴ء میں عالمیت کا درس مکمل کرکے سند فراغت حاصل کی۔ اس کے چند ماہ بعد مولانا عبدالحمید نعمانی کے حکم پر معہد ملت میں درس وافادہ کے مسند نشین ہوئے۔ یہ خدمت گذشتہ ستائیس برسوں سے جاری ہے۔ مزید برآں نورانی مسجد میں امامت کے فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ دینی اصلاحی اور اسلامی کتابوں کی دوکان کررہے ہیں۔

مولانا جاوید احمد کی نثر نگاری میں مولانا محمد حنیف ملّی کی حوصلہ افزائی کا بڑا دخل ہے جو انہیں بار بار تاکید کرتے تھے کہ کچھ بنا ہو تو ترجمہ کرنے اور مضامین لکھنے کی عادت ڈالئے۔ مولانا نے تراجم سے آغاز کیا۔ چنانچہ ۱۹۷۴ء میں ایک عربی مضمون کا ترجمہ ”سن لی خدانے اس کی جس نے جبیں جھکا دی“ کے عنوان سے ہفت روزہ البیان میں شائع کرایا۔ اس کے بعد ان کے ترجمے مسلسل البیان میں شائع ہوتے رہے۔ انکے علاوہ بے شمار تخلیقی مضامین مقامی اخبارات کی زینت بنے۔ ممبئی کے روزناموں نے بھی انکے مضامین شائع کئے۔ ستر کے قریب مضامین ”گلشن“ کی زندگی کے آٹھ برسوں میں شائع ہوچکے ہیں۔

معہد ملت کے دیگر علماء کی طرح مولانا بھی سارا زورِ قلم امتِ مسلمہ کی بیداری اور اصلاح میں صرف کرتے ہیں۔ یہ مزاج اور روش علمائے معہد ملت نے اپنے ان اکابرین سے پائی ہے جن کے دل ملتِ اسلامیہ کی حالتِ زار پر کڑھتے تھے اور جن کے قلم اور زبان، انہیں خوابِ غفلت، پسماندگی

اور جہالت کے اندھیروں سے نکالنے کیلئے حرکت میں آجاتے تھے۔ ان کی یہ کوشش قابل قدر اور لائق تحسین ہے۔ جانے کیا بات ہے کہ تحریر کی بے پناہ صلاحیت ہوتے ہوئے بھی ان علماء کی نثر نگاری کا وقفہ طویل سے طویل تر ہوتا جارہا ہے۔ تخلیقی سرگرمیاں کم ہوتی جارہی ہیں۔ یہی روش رہی تو خدشہ ہے کہ معہد ملت کی آنے والی نسل تحریر کے جوہر دکھانے والوں سے یکسر محروم نہ ہوجائے۔

آج کل مولانا جاوید احمد ملی نے ایک نہایت کارآمد اور مفید کام اپنے ہاتھ میں لیا ہے۔ ان کی تمنا ہے کہ معاشی طور پر اتنی پختگی علماء کے اندر آجائے کہ وہ پیش آمدہ فتنوں، وقت کے نئے چیلنجوں اور نئے دور کے فرعونوں کی سرکوبی کرسکیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کی طرح نہ سہی اسی نہج پر ایک طرف تجارت بھی رہے اور دوسری طرف تعلیم وتعلم کا سلسلہ بھی باقی رہے۔ تاکہ جو امانت سینوں میں ہے اس سے امت کو فیض یاب کیا جاسکے۔ اس مقصد کے پیش نظر وہ فی الحال مولانا محمد حنیف ملی کی نئی اور پرانی تصانیف کو نورانی بک ڈپو سے شائع کررہے ہیں۔ آئندہ بھی کچھ کتابیں چھاپنے کا ارادہ ہے۔ علاوہ ازیں وہ خود اپنے مضامین کی اشاعت کا بھی ارادہ رکھتے ہیں۔ ان کا ایک سفرنامہ اشاعت پذیر ہوچکا ہے۔

سفر نامہ جزیرۂ فرانس ری یونین:

۱۹۹۹ء میں مولانا جاوید احمد ملی کو جزیرۂ فرانس ری یونین میں دو ماہ قیام کا موقع ملا تھا۔ اس سفر کے تاثرات پہلے تو ہفت روزہ بیباک میں قسط وار شائع ہوئے۔ بعد میں مولانا محمد حنیف ملی کے اصرار پر اسے جون ۲۰۰۰ء میں کتابی شکل دی گئی۔ چالیس صفحات کی اس کتاب میں ری یونین کے جغرافیائی اور معاشرتی حالات کے علاوہ چند بزرگوں سے ملاقات کا حال بھی تحریر کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر اقبال برکی

پیدائش : یکم جون ۱۹۵۷ء

نام اقبال احمد ابن محمد مصطفیٰ ہے۔ محلہ اسلامپورہ مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۷۹ء میں بی اے، ۱۹۸۲ء میں بی ایڈ ۱۹۸۶ء میں ایم اے، اور ۱۹۹۷ء میں پونہ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۸۲ء میں اے ٹی ہائی اسکول میں مدرسی کی ملازمت اختیار کی۔ بعد ازاں ایک سال نگر دیولہ اور دو سال کے لئے اگت پوری میں ملازمت کرنے کے بعد ۱۹۸۷ء میں دوبارہ اے ٹی ہائی اسکول میں واپس آئے۔ فی الحال یہیں پر معاون مدرس کے طور پر خدمات انجام دے رہے ہیں۔

نثری سرگرمیاں:

دسویں جماعت میں انہوں نے ''کرسی کی آپ بیتی'' لکھی۔ اسکول کے ایک مدرس پٹیل سر نے اقبال برکی کے اندر چھپے ہوئے نثر نگار کو پہچان لیا اور ان کی بڑی حوصلہ افزائی کی۔ اسکے بعد ہی سے انہوں نے چھوٹے چھوٹے مضامین، مزاحیہ تحریریں اور مختصر افسانے لکھنے کا آغاز کیا۔ یہ تخلیقات کہیں شائع نہیں ہوئیں۔ ۱۹۸۲ء میں واجدہ تبسم کا ایک افسانہ ''تیاپانچہ'' شائع ہوا تھا۔ اقبال برکی نے اس افسانے پر ''واجدہ تبسم کا تیاپانچہ'' کے عنوان سے تنقید لکھی۔ یہ ادبی تخلیق ہفت روزہ بیباک کے ادبی کالم ادب نما میں شائع ہوئی۔ روزنامہ ''آوازِ مالیگاؤں'' میں ''چھیڑ خوباں سے چلی جائے'' کے مستقل عنوان سے مزاحیہ اور طنزیہ تحریریں لکھتے رہے۔ اس کالم میں ڈاکٹر پیر محمد رحمانی کے عجیب و غریب طریقہ ہائے علاج کو موضوع بنا کر ''ابن بقراط کے تعاقب میں'' لکھا۔ اس وقت وہ ''سکندر بخت'' کے فرضی نام سے کالم لکھتے تھے۔ اسی نام سے روزنامہ شامنامہ میں بھی کئی تحریریں اشاعت پذیر ہوئیں۔ شامنامہ میں ''ایوب سوڈے والے کا خاکہ'' اور ایک مزاحیہ ''سانڈوے سے امبیڈکر تک'' ؎ لکھا۔ ''میر صاحب موجودہ پارلیمنٹ میں'' یہ مضمون اردو ٹائمز اور اورنگ آباد ٹائمز

؎ سانڈوا Sandway اور امبیڈکر مالیگاؤں کے دو پلوں کے نام ہیں جو موسم ندی پر بنائے گئے ہیں۔

دونوں میں شائع ہوا اور اردو ٹائمز میں ہی ایک اور سیاسی انشائیہ ''مٹی کا مادھو'' شائع ہوا ہے۔ ڈاکٹر اشفاق انجم اور پونہ کے حکیم رازی ادیبی کی ملاقات سے نکتہ پیدا کر کے ''اپنے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کیا نہ کہوں '' کے عنوان سے مالیگاؤں افق ویکلی میں ایک مضمون شائع کروایا۔ ماحولیات کے تحفظ کی حمایت میں انکا مضمون ''پھول والوں کی سیر'' کافی جاندار ہے۔ ''خواجہ غلام السیدین'' پر مقالہ لکھ کر انہوں نے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

خواجہ غلام السیدین ,ادبی اور تعلیمی خدمات:

اپنے تحقیقی مقالے کے لئے اس عنوان کے انتخاب کا سبب وہ خود بتاتے ہیں کہ سیدین نے اپنی والدہ کے تعلق سے جو کچھ لکھا ہے اسمیں انہیں اپنی والدہ کا عکس دکھائی دیا۔ فرق یہ ہے کہ اقبال برکی کی والدہ غریب اور انپڑھ تھیں اور سیدین کی والدہ آسودہ اور تعلیم یافتہ۔ اقبال برکی پہلے سے خواجہ غلام السیدین، عابد حسین اور ڈاکٹر ذاکر حسین کی تحریروں سے متاثر تھے۔ خوش قسمتی سے انہیں شہر کے ایک معزز اہل علم اور قابل معلم عمران احمد حافظ محمد سعید کی ہم نشینی میسر آ گئی۔ اس ''صحبت صالح'' سے انہوں نے بڑا فیض پایا۔ اقبال برکی انہیں اپنا استاد تسلیم کرتے ہیں۔ سستے ادب سے ان کا رخ موڑ کر ادبی مطالعے سے لطف اندوز ہونے کا ذوق انہی کا پیدا کردہ ہے۔

بہر حال ۱۹۸۹ء میں انہوں نے پونہ یونیورسٹی سے رجسٹریشن کروایا۔ عبدالحفیظ انصاری صاحب، سابق پرنسپل آرٹس اینڈ کامرس کالج، مالیگاؤں سٹی، جیسے ماہر تعلیم استاد نے رہنمائی فرمائی۔ ڈاکٹر اشفاق انجم اور ڈاکٹر ہارون فراز جیسے اہل علم وادب کے گراں قدر مشورے شامل حال رہے۔ انہوں نے کام کا آغاز کر دیا۔ زیادہ تر مواد بابا صاحب امبیڈکر مراٹھواڑہ یونیورسٹی اورنگ آباد، اور ممبئی یونیورسٹی کے کتب خانوں سے دستیاب ہوا۔ اردو لائبریری مالیگاؤں بھی مفید ثابت ہوئی۔ سیدین کے کچھ تعلیمی مضامین خدابخش لائبریری (پٹنہ) اور لیڈز یونیورسٹی (لندن) کی لائبریری سے حاصل ہوئے۔ غرض مواد کی فراہمی کے لئے انہیں آگ کے دریا سے ڈوب کر گذرنا پڑا جو ہر سچے محقق کا مقدر ہے۔ ۳۲۵ صفحات پر مشتمل اپنا مقالہ انہوں نے ۱۹۹۶ء میں پونہ یونیورسٹی کے ارباب حل وعقد کو پیش کر دیا۔ جس پر انہیں ۱۹۹۷ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کی گئی۔

فی الحال وہ اپنے مقالے کی اشاعت کی تیاریوں میں منہمک ہیں اور مزید مواد اکٹھا کرنے کی جستجو میں لگے ہیں۔

اقبال برکی کو گھر میں ادبی ماحول نہیں ملا۔ انہوں نے جو کچھ بھی حاصل کیا ذاتی مطالعے اور محنت کی بنیاد پر کیا۔ حال ہی میں ان کے چند تعلیمی مضامین شائع ہوئے ہیں۔ جن سے ان کی نثری صلاحیت کی ایک نئی جہت کا پتہ چلا ہے۔

شکیل صادق

پیدائش : یکم جون ۱۹۵۷ء

شکیل احمد ابن محمد صادق مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔۱۹۷۴ء میں جمہور ہائی اسکول سے ایس ایس سی کیا۔۱۹۷۸ء میں سٹی کالج مالیگاؤں سے انگریزی ادب میں بی اے کیا۔اور ۱۹۸۲ء میں اسی مضمون سے ایم اے پاس کیا۔۱۹۸۳ء میں اورنگ آباد سے بی ایڈ کیا۔

بی ایڈ کرنے کے بعد انہوں نے انجمن خیر الاسلام ہائی اسکول، گوریگاؤں (ضلع رائے گڑھ) میں ملازمت اختیار کی۔ چھ برس سروس کرنے کے بعد اپنی مادرِ علمی جمہور ہائی اسکول میں معاون مدرس بنے۔۱۹۹۰ء میں جونیئر کالج کے قیام کے بعد وہیں انگریزی کے لیکچرر ہوگئے۔فی الحال جونیئر کالج انچارج ہیں۔

شکیل صادق نے انگریزی زبان وادب میں بڑا درک پیدا کیا ہے۔انہوں نے شیکسپیئر کے ناول، برنارڈ شا کے مضامین، رابندر ناتھ ٹیگور کی انگریزی کہانیاں، ورڈس ورتھ کی رومانی نظمیں اور انگریزی میں تنقیدی مضامین کا خوب خوب مطالعہ کیا۔ریڈرس ڈائجسٹ سے بھی کافی مدد ملی۔اردو میں مشتاق یوسفی، شفیق الرحمٰن، کرنل محمد خان، ڈاکٹر وزیر آغا، یوسف ناظم، جوگیندر پال اور سعادت حسن منٹو کا خصوصی مطالعہ کیا۔نیز مذہبیات میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، وحید الدین خان اور سید سلیمان ندوی وغیرہ کی کتابیں پڑھیں۔

شکیل صادق کی نثر نگاری ڈراموں، طنزیہ ومزاحیہ مضامین اور انشائیوں پر مشتمل ہے۔کالج کی تعلیم کے دوران انہوں نے دو ڈرامے تحریر کئے۔امر اور مجھے جینے دو۔یہ دونوں ڈرامے یک بابی تھے جنہیں کالج کے طلبہ سے اسٹیج کیا۔اسی زمانے میں طنزیہ ومزاحیہ مضامین ہفت روزہ بیباک میں شائع ہوتے رہے۔

گوریگاؤں کی ملازمت کے دوران انہیں نسبتاً زیادہ ذہنی سکون اور خوشگوار ماحول میسر آیا اس لئے قلم میں بھی تیزی آئی۔ انقلاب کے مقبول عام کالم ''خالی پیلی'' میں ان کی درجنوں مزاحیہ اور طنزیہ تحریریں شائع ہوئیں اور پسند کی گئیں۔ اس کے ساتھ مسلمانوں میں تعلیمی بیداری کے مقصد کے تحت تعلیمی مضامین کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ تقریباً پندرہ مضامین اشاعت پذیر ہوئے۔

مالیگاؤں آجانے کے بعد ان کی توجہ مضامین سے ہٹ کر ڈراموں پر مرکوز ہوئی۔ ان کے تحریر کردہ تمام ہی ڈرامے یک بابی ہیں اور اسکول کے طلبہ و طالبات کے لئے لکھے گئے ہیں۔ ان میں تین ڈرامے بھارت بند، تالیاں، اور سب ٹھیک ہو جائے گا، ایسے ہیں جن کے ہر پہلو مثلاً، رائٹر، ایکٹر، ڈائرکٹر اور کاسٹیوم وغیرہ کو اوّل انعام سے نوازا گیا۔ ان کے ڈرامے دیگر شہروں میں بھی اسٹیج ہوئے۔ اب تک انہوں نے دس ڈرامے لکھے ہیں۔

انگریزی میں ان کی صلاحیت کے پیش نظر انہیں ''ریسورس پرسن'' کی تربیت کے لئے ممبئی بھیجا گیا۔ واپسی پر انگریزی کی تدریس کے موثر طریقوں کے سلسلے میں اساتذہ کی رہنمائی میں مصروف ہوئے۔ ان مصروفیتوں کی وجہ سے نثر نگاری سے توجہ ہٹ گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے نئی تعلیمی پالیسی کے مطابق انگریزی پڑھانے کے لئے اساتذہ کی رہنمائی کو اپنا مشن بنالیا ہے۔ اس کام میں انہیں خود اتنی محنت اور تحقیق و تیاری کرنی پڑتی ہے کہ دیگر سرگرمیوں کے لئے وقت نہیں نکال پاتے۔ انہوں نے دسویں اور بارہویں جماعت کے لئے انگریزی کے رہبر بھی لکھے ہیں۔

آخری مزاحیہ مضمون جو شگوفہ (حیدرآباد) میں شائع ہوا ''پڑھ کے لکھا تو تبصرہ کیسا'' ہے اور آخری ڈرامہ ''زمین کے زیور'' ہے۔ جو بچوں کے رسالے ''جل پری'' (مالیگاؤں) میں شائع ہوا۔ ان کے طنزیہ و مزاحیہ مضامین ان کی ذہانت اور خلاقی کی دلیل ہیں۔ وہ طنز سے زیادہ مزاح پر زور دیتے ہیں اور مزاح بھی نہایت لطیف اور شگفتہ ہوتا ہے۔ البتہ ڈراموں میں طنز کا عنصر زیادہ ہوتا ہے۔ مگر یہ آج کل اردو ڈراموں کا غالب رجحان بھی تو ہے۔

اردو میں یوں بھی اچھے یک بابی ڈراموں کی اسکرپٹ کم ہی دستیاب ہیں۔ شکیل صادق کے یہ ڈرامے شائع ہو جاتے تو اردو داں طبقے کے کام آتے۔ ان کے مزاحیہ مضامین کا مجموعہ بھی بہ آسانی شائع ہو سکتا ہے۔ مصروفیتوں کے سبب امید کم ہے کہ اب وہ اپنی تخلیقی سرگرمیاں دوبارہ جاری کریں گے۔

❖❖❖❖❖

شکیل کیفی

پیدائش : یکم جون ۱۹۵۷ء

شکیل کیفی بھی ان تخلیق کاروں میں ہیں جنھوں نے صحافت کی بھول بھلیوں میں ادبی اور نثری تخلیقات کا راستہ گم کر دیا ہے۔ ان کا نام شکیل احمد ابن محمد، تخلص کیفی ہے۔ ۱۹۷۴ء میں اے ٹی ٹی ہائی اسکول سے ایس ایس سی کرنے کے بعد سٹی کالج میں داخلہ لیا۔ لیکن انٹر آرٹس تشنۂ تکمیل چھوڑ کر پاور لوم کے کاروبار میں مصروف ہو گئے۔ چونکہ وہ اپنے والد کی واحد نرینہ اولاد ہیں اس لئے ساری ذمہ داریاں ان کے سر پر آ پڑیں۔

نثری سرگرمیوں کی ابتدا بچوں کی کہانیوں سے ہوئی۔ ساتھ ہی ساتھ شاعری بھی کرتے رہے۔ ان کی ابتدائی کہانیاں انقلاب، اردو ٹائمز، آج اور اردو رپورٹر میں شائع ہوئیں۔ بعد میں افسانے اور غزلیں بھی انہی اخبارات میں شائع ہوئیں۔ ادارۂ ادب اسلامی کی ادبی نشستوں میں مختصر افسانے اور غزلیں سناتے رہے۔ صحافت میں ہفت روزہ یوتھ آرگن (مالیگاؤں) کے ذریعے داخل ہوئے۔ ۱۹۹۵ء میں روزنامہ ہندوستان کے مالیگاؤں سے اجراء کے بعد اسی سے وابستہ ہو گئے۔ اس میں سیاسی، سماجی اور اصلاحی مضامین بڑی تعداد میں شائع ہوئے۔

شکیل کیفی کا نثری سرمایہ بہت ہی کم ہے۔ ان کا قلم بیباک ہے اور سماجی خرابیوں کی جراحی میں نہایت تیز ہے۔

مستقبل میں ان کا ارادہ بچوں کا ادب تخلیق کرنے کا ہے۔ اس میدان میں لکھنے والے یوں بھی معدودے چند ہیں۔ اگر شکیل کیفی اس طرف آتے ہیں تو ان کا استقبال ہی کیا جائے گا۔

انصاری اقبال احمد

پیدائش : یکم جون ۱۹۵۷ء

انصاری اقبال احمد کے والد مرحوم محمد اسحٰق حاجی ایک معمولی ملازم تھے۔ محنت مزدوری کر کے اپنے بیٹے کو تعلیم دلائی۔ اقبال احمد نے مالیگاؤں ہائی اسکول سے ۱۹۷۴ء میں ایس ایس سی کیا۔ بعد میں ٹیلرنگ کا ڈپلومہ کرنے کے لئے ممبئی چلے گئے۔ ۱۹۷۸ء میں مالیگاؤں میں راکسی ٹیلرس کے نام سے دوکان ڈالی۔ گذشتہ بیس برسوں سے اسی پیشہ سے وابستہ ہیں اور کامیاب ہیں۔

افسانے اور کہانیوں کے مطالعے نے اقبال احمد میں لکھنے کا شوق پیدا کیا۔ ۱۹۸۵ء میں "میرے جیون ساتھی" کے عنوان سے ایک چھوٹی سی کہانی ان کی پہلی کوشش ہے۔ اس کے بعد وہ مسلسل افسانے لکھتے رہے۔ لیکن اشاعت کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ان کا پہلا مختصر افسانہ "ایک لاکھ روپئے" کے عنوان سے تھا جو ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا صلہ۔ اس تخلیق کی پذیرائی کی وجہ سے ہمت کھلی اور لگاتار کئی افسانے مقامی اخبارات میں شائع ہوئے انکی زیادہ تر تخلیقات مقامی ہفت روزہ ہاشمی آواز میں اشاعت پذیر ہوئیں۔ صلہ

اقبال احمد کو افسانوں کے علاوہ کسی دوسری صنف میں دلچسپی نہیں۔ ان کے افسانے سچ مچ نہایت مختصر ہوتے ہیں۔ وہ اپنے خیال کو طویل تحریروں میں پھیلاتے نہیں۔ ان کی ابتدائی کہانیوں میں واقعات کا بیان، رپورٹنگ کے انداز میں ہوتا رہا۔ بعد میں آہستہ آہستہ ان میں افسانویت آتی گئی۔ وہ اخلاقی پہلو پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ زندگی کے تضادات کو اپنی تخلیقات کا موضوع بناتے ہیں۔ اپنے آس پاس سے موضوعات کا انتخاب کرتے ہیں اور انہیں پر تاثیر بنا کر پیش کرتے ہیں۔ ان کے اکثر افسانے چونکا دینے والے انجام تک پہنچتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جدید افسانوں کا مطالعہ بالکل نہیں کیا ہے۔

صلہ : انصاری اقبال احمد ماسٹر راکسی ٹیلر، ایک لاکھ روپئے، ہفت روزہ نعمانی ناشر، مالیگاؤں، ۱۵/ ستمبر ۱۹۹۳ء

صلہ : ہفت روزہ ہاشمی آواز مالیگاؤں کے نو شمارے راقم کے پاس موجود ہیں جن میں اقبال احمد کے افسانے شائع ہوئے ہیں۔

جس کی وجہ سے ان کے افسانوں میں بھی بچوں کی کہانیوں کا رنگ جھلکتا ہے۔ ان کے پاس لکھنے کی صلاحیت ہے۔ لیکن فن پر عبور حاصل کرنے کے لئے سنجیدگی اور محنت چاہئے جس کی توقع اقبال احمد سے کی جا سکتی ہے۔

نمونۂ نثر:

.........''چوری کی سزا کاٹتے کاٹتے تقریباً ایک سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔ میں حسب عادت جیل کی اندھیری وسنسان کال کوٹھری میں تنہا، اداس بیٹھا، اپنی بے بسی اور لاچاری پر افسوس کرتے ہوئے، ماضی کے گناہوں سے دور بہت دور بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک جیل کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں جیسے ہی جیل کی کال کوٹھری سے باہر نکلا تو میری نظر ان قیدیوں پر پڑی جو کھانے کی میز پر بیٹھے ہوئے کھنا کھن کی آواز سے فضا کو آلودہ کر رہے تھے۔ میں کھانے کی میز پر خاموش جا کر بیٹھ گیا کیونکہ تمام قیدیوں میں میرا معاملہ جدا تھا۔ میں جیل میں بالکل چپ چاپ اپنے ہی خیالوں میں گم رہتا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی میرے قیدی ساتھی ہمیشہ کی طرح آج پھر مجھ پر دباؤ ڈالنے لگے کہ آخر کیا بات ہے............؟ تم اتنے خاموش کیوں رہتے ہو............؟ چوری ہی تو کی ہے..........؟ کوئی قتل تو نہیں کیا ہے؟ اور پھر ایک مہینے کی تو بات ہے پھر تم آزاد ہو جاؤ گے۔..........(رھائی ....افسانہ)

جلیل عثمانی

پیدائش : یکم جون ۱۹۵۷ء

جلیل عثمانی شہر کے ان منفرد نثر نگاروں میں ہیں جنہوں نے اپنا راستہ خود پیدا کیا۔ انہوں نے دنیا کے مختلف ممالک کے اندرونی حالات، واقعات اور مسائل کو اپنی تحریروں کا موضوع بنایا۔ ان مضامین کے مطالعے سے احساس ہوتا ہے کہ جس گہرائی تک جا کر انہوں نے دنیا کے چھوٹے بڑے ممالک کے خانگی مسائل کا تجزیہ کیا ہے شاید اس ملک کے بہت سے لوگ بھی اس باریکی اور تفصیل سے نہیں لکھ سکتے۔

ان کا پورا نام جلیل احمد ابن عثمان غنی ہے۔ جب وہ دوسری جماعت میں تھے۔ انہیں اخبار پڑھنے کا چسکہ لگ گیا۔ حالانکہ اس کم عمری میں اس کی توقع نہیں کی جاسکتی مگر ان کی ذہانت اور شوق نے ان کے لئے اخبار بینی کی راہیں ہموار کردیں۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر مختلف اخبارات پڑھنے لگے۔ پھر یہ شوق جنون میں تبدیل ہوگیا۔ اسکول جانا ترک ہوا اور ایسا کہ پھر دوبارہ اسکول کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ بعد میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی جانب سے منعقدہ ''ادیب'' کا امتحان پاس کیا۔ ساری زندگی پاورلوم مزدور کی حیثیت سے کام کر کے روزی روٹی کا بندوبست کرتے رہے اور آج بھی اسی سے وابستہ ہیں۔ یہ حقیقت بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ اخبارات میں ان کی ساری دلچسپی سیاسی حالات اور خبروں سے وابستہ رہی۔ خصوصاً بین الاقوامی سیاست میں زیادہ دلچسپی رہی۔ مختلف ڈائجسٹوں میں ترجمہ شدہ مضامین کا باریک بینی سے مطالعہ کیا، مختلف نیوز ایجنسیوں کی جانب سے شائع ہونے والے مضامین پڑھتے رہے۔ اور اس انوکھے ذوق مطالعہ نے ان کے اندر بھی سیاسی مضامین لکھنے کا شوق پیدا کردیا۔

۱۹۸۶ء میں انہوں نے اپنی زندگی کا پہلا مضمون لکھا۔ جس کا عنوان تھا ''کوشاریکا کی امن مساعی'' یہ اورنگ آباد ٹائمز میں شائع ہوا۔ اس کے بعد انہوں نے لگاتار پندرہ سولہ مضامین لکھے۔

جو سب کے سب انقلاب (ممبئی) اور دعوت (دہلی) میں شائع ہوئے۔ جو مضامین دستیاب ہو سکے ہیں ان میں پناما اور امریکی مفادات، چلی میں آمریت کا زوال اور جمہوری عناصر، کونٹرا باغی اور امریکن خارجہ پالیسی، ہنڈوراس اور نکاراگوا پر جنگ کے بادل، ایل سلواڈور میں خانہ جنگی وغیرہ شامل ہیں۔

حیرت ہوتی ہے کہ ایک معمولی پڑھا لکھا آدمی جو مختلف ملکوں کے ناموں کا تلفظ بھی صحیح طور سے ادا نہیں کر سکتا کس طرح محض جذبۂ شوق کے تحت دور دراز کے ملکوں کے اندرونی حالات پر عالمانہ مضامین لکھتا ہے۔ اردو صحافت عموماً ملکی سیاست کے دائرے سے قدم باہر نہیں نکالتی اور کبھی نکالتی بھی ہے تو سعودی عرب، ایران، افغانستان وغیرہ کی سیر کر کے واپس آجاتی ہے۔ جلیل عثمانی نے جن موضوعات پر قلم اٹھایا ہے ان پر لکھنے کی توقع انگریزی اخبارات ورسائل کے سیاسی کالم نگاروں یا بین الاقوامی حالات پر مستقل لکھنے والوں سے ہی کی جا سکتی ہے۔ ان مضامین کا سلسلہ ۱۹۹۰ء تک جاری رہا۔ لیکن بوجوہ انھوں نے لکھنا بند کر دیا۔ اب راقم الحروف کے احساس دلانے پر وہ دوبارہ قلم اٹھانے پر آمادہ ہیں۔ لیکن جذباتی اور سنسنی خیز مضامین کے دلدادہ اردو خواں عوام کیا ان کے مضامین کی قدر کر سکیں گے؟ اور کیا اردو اخبارات ان مضامین کی اشاعت کا ''رسک'' لے سکیں گے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے جوابات اسی وقت مل پائیں گے جب جلیل عثمانی دوبارہ اپنے قلم کو حرکت میں لائیں گے۔

عبدالرشید صدیقی

پیدائش : ۱۸؍مارچ ۱۹۵۸ء

عبدالرشید صدیقی، عبدالمجید مظہر صدیقی کے چھوٹے بھائی ہیں۔ مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۸۹ء میں اردو سے ایم اے کیا اور ۱۹۹۲ء میں معاشیات سے۔ بی ایڈ کی ٹریننگ ۱۹۸۳ء میں حاصل کی۔ ایک سال انجمن خیرالاسلام ہائی اسکول، مھسلہ ضلع رائے گڑھ میں ملازمت کرنے کے بعد جون ۱۹۸۵ء سے اے ٹی ہائی اسکول مالیگاؤں میں مدرسی اختیار کی۔ یہ ملازمت اب بھی جاری ہے۔

عبدالرشید نے نثر نگاری کی شروعات ڈراموں سے کی۔ ان کے تحریر کردہ ڈرامے اسکول کے طلبہ نے اسٹیج پر پیش کئے۔ شائع نہیں ہوئے۔ ڈراموں کے علاوہ انہوں نے کچھ افسانے بھی تحریر کئے۔ نثر نگاری کی ابتدا میں ان کے دو تعلیمی مضامین بھی منظر عام پر آئے۔ ایک نصاب میں فرقہ پرستی کے مواد کی نشان دہی، اور دوسرا مدارس میں تعلیم کا گرتا معیار ہے۔ ہفت روزہ بیباک میں کئی مہینوں تک وہ ''خواب خلیل خاں کے'' کے عنوان سے طنزیہ و مزاحیہ کالم لکھتے رہے۔ حب الوطنی اور قومی یک جہتی کے موضوع پر انہوں نے ایک ناول ''داستان ایک جانباز کی'' لکھا ہے۔ یہ ناول روزنامہ ہندوستان میں قسط وار شائع ہوتا رہا۔

عبدالرشید صدیقی کو طلبہ، تعلیم اور اپنی زبان سے جو لگاؤ اور محبت ہے وہ ان کی تخلیقی سرگرمیوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ طلبہ کے اندر تخلیقی صلاحیت اور تقریر کی قابلیت پیدا کرنے کی وہ پوری کوشش کرتے رہے ہیں۔ آج کل اسکولی طلبہ وطالبات کے لئے جو تقریری مقابلے منعقد ہوتے ہیں وہ طلبہ سے زیادہ ان اساتذہ کی مقابلہ آرائی میں تبدیل ہو چکے ہیں جو ان طلبہ کو تقریریں لکھ کر دیتے ہیں اور تیاری کرواتے ہیں۔ عبدالرشید صدیقی نے جو تقریریں بچوں کے لئے لکھی تھیں، انہیں یکجا کر کے ''انداز بیاں'' کے نام سے چھپوا دیا ہے۔ اس کے علاوہ طلبہ کے لئے ان کی دوسری مفید کتاب ''مضمون نویسی اور قواعد''

بھی شائع ہو چکی ہے۔ نیز اردو اور معاشیات کے گائیڈ بھی لکھے ہیں۔

۱)انداز بیان:

مارچ ۱۹۹۵ء میں مالیگاؤں سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں چوبیس تقاریر شامل ہیں۔ جو مختلف موضوعات اور عنوانات پر لکھی گئی ہیں۔ حقیقتاً یہ تخلیقی مضامین کا درجہ رکھتی ہیں۔ مشہور محقق اور شاعر ڈاکٹر اشفاق انجم نے ''نقشِ اوّل'' کے عنوان سے فکر انگیز دیباچہ لکھا ہے۔ جس میں انہوں نے اس فن کا بصیرت افروز جائزہ پیش کیا ہے۔ ....لکھتے ہیں:۔

> ''ان تقاریر میں موضوع کے لحاظ سے زبان واسلوب اور لب و لہجہ کا استعمال خاص اہمیت کا حامل ہے۔ شکوہِ الفاظ، شوکت بیان، بلندی تخیل، مافی الضمیر کی خوبصورت ادائیگی، غرض ہر وہ خوبی موجود ہے جس کا یہ فن متقاضی ہے......ان تقاریر میں ایجاز و اختصار کی خوبی بھی پائی جاتی ہے...''ص۱

یہ تقاریر طلبہ کو فن تقریر سکھانے میں ہی نہیں تحریری صلاحیت پیدا کرنے میں بھی مفید ہیں۔
اس کتاب پر انہیں نالہ سوپارہ سے سرسید ادبی ایوارڈ ملا ہے۔

۲)اردو مضمون نویسی مع قواعد:

ترقی تعلیم پبلی کیشنز مالیگاؤں کے توسط سے یہ کتاب ۱۹۹۷ء میں شائع ہوئی۔ مضمون نویسی اور قواعد کے موضوع پر ایک جداگانہ حیثیت رکھتی ہے۔اس میں مختلف لسانی، ادبی ، سماجی، مذہبی، سائنسی، تعلیمی موضوعات پر ۶۳ رمضامین شامل اشاعت ہیں۔ بعض طنز و مزاح کا احاطہ کرتے ہیں۔ اپنی نوعیت کے لحاظ سے یہ مضامین تخیلی، تاثراتی، تجزیاتی، بیانیہ، اور تصوراتی وغیرہ کے خانوں میں تقسیم کئے جاسکتے ہیں۔ ضرب الامثال اور کہاوتوں کی وضاحتیں ۳۰ رکی تعداد میں ہیں۔ ۱۶ رخطوط ۱۴، رعریضے، ۵ ردعوت ناموں کے نمونے

ص۱ :ڈاکٹر اشفاق انجم، نقش اوّل، اندازِ بیان، عبدالرشید صدیقی، مالیگاؤں، مارچ ۱۹۹۵ء

بھی شامل کیے گئے ہیں۔ مضمون نگاری اور خطوط نگاری کے رموز و نکات، تفہیم نثر و نظم، اختصار نویسی، محاورے اور قواعد کے بے شمار موضوعات کی تفصیل کے ساتھ ساتھ صنائع بدائع اور اصناف سخن کی معلومات کی شمولیت نے کتاب کو بے حد مفید بنا دیا ہے۔ اس میدان میں عبدالرشید صدیقی کی کاوشیں لائق تحسین ہیں۔

ان کے پاس ڈرامے کافی تعداد میں موجود ہیں۔ اگر وہ ان کی اور اپنے ناول "داستان ایک جانباز کی" کی اشاعت پر توجہ دیں تو بہتر بات ہوگی۔

خلیل فریدی (ابن شفیع)

پیدائش : یکم جون ۱۹۵۸ء

نام مع ولدیت خلیل احمد محمد شفیع ہے۔ مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۷۵ء میں مالیگاؤں ہائی اسکول سے ایس ایس سی کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد انگریزی خصوصی مضمون لے کر ۱۹۸۰ء میں بی اے اور ۱۹۸۲ء میں ایم اے کیا۔ چونکہ خاندان میں پاورلوم کا کاروبار اچھا ہے، اسلئے تعلیم حاصل کرنے کے بعد اسی میں مصروف ہو گئے۔

موصوف کو بچپن سے مطالعہ کا شوق ہے۔ سن شعور کو پہنچ کر شاعری میں ساحر لدھیانوی، شکیل بدایونی، ڈاکٹر اقبال اور مرزا غالبؔ اور نثر میں خصوصاً ابن صفی کے جاسوسی ناولوں اور کرشن چندر کی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ ان کے لکھنے کی ابتدا یوں ہوئی کہ کسی افسانے یا ناول سے متاثر ہوتے تو اسے اپنے الفاظ میں لکھنے کی کوشش کرتے۔ رفتہ رفتہ انہوں نے خود اپنا راستہ نکالا اور افسانے لکھنے لگے۔ ان کی اولین تخلیق "نمک" نام کا افسانہ ہے جو کہیں شائع نہیں ہوا۔ ان کے دیگر افسانے، انقلاب، اردو ٹائمز، اورنگ آباد ٹائمز اور مقامی اخبارات میں شائع ہوتے رہے۔ افسانوں کے علاوہ جاسوسی کہانیاں بھی لکھیں جو ہفتہ وار کاتب (پونہ) میں شائع ہوئیں۔

خلیل صاحب ابن صفی (پاکستان) کی تحریروں سے بے حد متاثر ہوئے۔ حتیٰ کے انہوں نے ان کے مشہور کردار "فریدی" کو اپنے قلمی نام کا حصہ بنالیا۔ ابن صفی کے انتقال کے بعد ان کی خواہش ہوئی کہ ان ہی کے طرز کو اپنا کر جاسوسی ناول تخلیق کریں۔ اس کوشش کا آغاز ۱۹۹۱ء میں ہوا اور وہ بڑی حد تک کامیاب رہے۔ خلیل فریدی نے اپنے کردار تخلیق کئے، اپنے پلاٹ ترتیب دیئے اور یکے بعد دیگرے چھ جاسوسی ناول لکھ ڈالے۔ ابن صفی کے جاسوسی ناولوں کے شائقین ان ناولوں کو بھی انتہائی دلچسپ محسوس کرتے ہیں۔ خلیل فریدی نے ان ناولوں کو چھپوانے کی بہت کوشش کی لیکن پذیرائی نہ ہو سکی۔ مایوس ہو کر بیٹھ گئے۔

۱۹۹۵ء میں صحافت سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ روزنامہ ہندوستان (مالیگاؤں) میں ''پوسٹ مارٹم'' کے عنوان سے ایک کالم لکھنے لگے۔ جس میں سیاسی اور سماجی موضوعات پر مضامین شامل ہوتے تھے۔ اس دوران انہوں نے دینی کتب کا کافی مطالعہ کیا۔ بعد میں ہفت روزہ ''اسلاف'' میں مضامین کا سلسلہ شروع کر کے حلقۂ اسلاف سے وابستہ ہو گئے۔

۱۹۹۰ء تک وہ خلیل فریدی کے قلمی نام سے لکھتے رہے۔ لیکن جاسوسی ناولوں کے تخلیق کے ساتھ ہی اپنا قلمی نام ابن صفی کے وزن پر ابن شفیع کر لیا۔ فی الحال اسی نام سے لکھ رہے ہیں۔

موصوف اپنے مضامین میں سیاسی اور نیم سیاسی موضوعات کو ہدفِ قلم بناتے ہیں اور ان کے ذریعے اسلام کی خوبیوں کو اجاگر کرتے ہیں۔ ۱۹۹۶ء کے بعد تقریباً ہر ہفتہ ایک مضمون قلم بند کیا ہے اور سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

بیس پچیس افسانوں، اتنی ہی غزلوں، چھ ناولوں اور ڈھیر سارے مضامین تحریر کرنے والے اس تخلیق کار نے اب ساری توجہ سنجیدہ مضامین پر مرکوز کر دی ہے جو بڑے شوق سے پڑھے جاتے ہیں۔

رئیس احمد شمس الضحیٰ

پیدائش : ۲؍اپریل ۱۹۵۹ء

رئیس احمد نے بارہویں آرٹس تک تعلیم پائی ہے۔لیکن آخری سال نامکمل چھوڑ کر کرانہ دکان چلانے میں مصروف ہو گئے۔انہیں دو ہی شوق ہیں۔نثر نگاری اور ڈراموں میں اداکاری۔ ڈراموں میں ڈاکٹر افتخار احمد کو اپنا استاد مانتے ہیں۔مقامی ڈرامہ فنکاروں کی تنظیم ''ارزو اسٹیج'' کے رکن ہیں۔ کیفی اعظمی اور پروفیسر جاوید خان کے ہاتھوں اداکاری کا انعام پا چکے ہیں۔

نثر کی ابتدا انہوں نے مراسلہ نگاری سے کی۔چھوٹے چھوٹے موضوعات پر مراسلے لکھ کر مختلف مقامی اخبارات میں شائع کرواتے تھے۔وہ بتاتے ہیں کہ انہیں ایک جنازے میں شرکت کا موقع ملا۔جلوس جنازہ میں بمشکل چھ سات آدمی تھے۔مسجد کے امام بھی نہیں تھے۔جنازہ قبرستان پہنچا تو کوئی نماز جنازہ پڑھانے والا بھی نہیں تھا۔بہر حال قبرستان کے احاطے میں واقع مدرسہ اسلامیہ کے ایک طالب علم نے نماز پڑھائی اور تدفین کا سارا کام رئیس احمد نے انجام دیا۔مالیگاؤں جیسی اس دینی بستی میں حالات کے اس رخ نے ان کو بے چین کر دیا۔اس واقعے سے متاثر ہو کر انہوں نے اپنا پہلا مختصر مضمون لکھا جو ہفت روزہ ''ہاشمی آواز'' کے کالم ''چھوٹی سی بات'' میں شائع ہوا۔وہ دن ہے اور آج کا دن،ان کا کالم جاری ہے۔اب تک تین سو سے زائد قسطیں لکھ چکے ہیں۔

موصوف چھوٹی چھوٹی باتوں کو موضوع بنا کر مختصر لیکن دلچسپ انداز میں بیان کرتے ہیں۔مزاح کی ہلکی لہروں کے ساتھ تفکر کا عنصر غالب رہتا ہے۔موجودہ سماج ناہمواریوں سے پر ہے اسلئے موضوعات کی کمی نہیں۔معمولی باتوں کو بھی وہ فنکارانہ انداز میں بیان کر جاتے ہیں۔اصلاح کا پہلو غالب رہتا ہے۔شوقیہ لکھتے ہیں۔بہت بڑا نثر نگار بننے کی کوئی تمنا ان کے دل میں موجود نہیں۔

مختصر نویسی دشوارترین کام ہے۔لیکن رئیس احمد نے اس میں کمال حاصل کیا ہے۔ان کا کالم ''چھوٹی سی بات'' اب ہاشمی آواز اور خود ان کی شناخت بن چکا ہے۔اس کے علاوہ وہ اور کچھ نہیں لکھتے۔
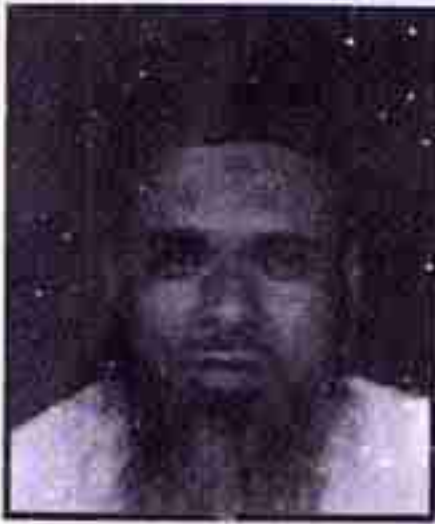
مولانا اقبال احمد قاسمی

پیدائش : یکم جون ۱۹۵۹ء

پورا نام اقبال احمد ابن محمد احمد مقادم ہے۔ ان کے والد محلہ موتی تالاب میں رہتے تھے۔ پاورلوم پر مزدوری کر کے اہلِ خانہ کی کفالت کرتے تھے۔ مولانا اقبال احمد کی پیدائش مالیگاؤں میں ہوئی۔ عمر کے ساتویں سال میں مدرسہ بیت العلوم میں داخل ہوئے۔ اور ۱۹۷۵ء میں سند فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد دو سال کے لئے دارالعلوم دیوبند گئے اور تکمیل کر کے لوٹے۔ ۱۹۷۷ء کے اواخر میں مدرسہ بیت العلوم میں بحیثیت مدرس تقرری ہوئی۔ ۱۴ ربرس تک اپنی مادر علمی میں درس و تدریس کے بعد نظم و نسق کے معاملات میں اصولی اختلاف کے سبب ۱۹۹۲ء میں استعفیٰ دے دیا۔ اور لڑکیوں کی عظیم دینی درسگاہ جامعۃ الصالحات میں دفتری کام کاج سنبھال لیا۔ علاوہ ازیں دیوبند سے لوٹنے کے بعد مولانا مکرم مسجد میں امامت وخطابت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ نومبر ۱۹۸۱ء سے الیاس مسجد میں ذمہ داریاں سنبھالیں جواب تک جاری ہیں۔

نثری کام:

مئی ۱۹۹۰ء میں مولانا محمد حنیف ملی کی سرپرستی میں ہفت روزہ ملی بیداری کے اجراء کے ساتھ ہی ''چل مرے خامہ بسم اللہ'' کے مصداق • نا اقبال احمد کا قلم بھی حرکت میں آ گیا۔ ''ملتِ اسلامیہ کی بنیاد علم پر ہے۔'' ان کا پہلا مضمون ہے ص۱ . مدازاں مفید اصلاحی مضامین کا یہ سلسلہ ملی بیداری میں فروری ۱۹۹۱ء تک جاری رہا اس میں مولانا کے تیرہ مضامین شامل اشاعت ہیں۔ دوسری تحریری سرگرمی انہوں نے ہفت روزہ عوامی آواز مالیگاؤں میں ''اصلاحِ معاشرہ'' کے عنوان سے مختلف عناوین کے تحت مضمون نگاری سے شروع کی۔

ص۱ مولانا اقبال احمد قاسمی ملت' سہ کی بنیاد علم پر ہے ہفت روزہ ملی بیداری مالیگاؤں ۲۵ مئی ۱۹۹۰ء

اس میں نو دس مضامین اشاعت پذیر ہوئے۔ ان کی نثر کا تیسرا پہلو سوانح نگاری ہے۔ مولانا نے جن شخصیات پر قلم اٹھایا ان میں مولانا محمد عثمان، مولانا عبدالحق رازی، مولانا عبدالقادر، حافظ فہیم اور مولانا منت اللہ رحمانی شامل ہیں۔ ان میں سے بعض مضامین روزنامہ ''شامنامہ'' میں بھی شائع ہوئے۔

مولانا اقبال احمد قاسمی بھی عموماً انہیں موضوعات پر قلم چلاتے ہیں جو شہر کے اکثر علماء کا خاصہ رہا ہے۔ مسلمانوں کی تربیت، بیداری ملت اور اصلاح معاشرہ۔ ان کی تحریروں میں جوش کی بجائے ٹھہراؤ کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ ان کا آخری مضمون جنوری ۲۰۰۱ء میں ''ارباب مدارس کے لئے لمحۂ فکریہ'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔

مقصود اظہرؔ

پیدائش : ۲۴؍نومبر ۱۹۵۹ء

مقصود احمد طویل عرصے سے عروس البلاد میں مقیم ہیں۔ اپنی تعلیم کے دوران بھی وہ اکثر باہر ہی رہے۔ جس کی وجہ سے شہر کی ادبی محفلوں میں شرکت نہ کر سکے اور ادبی حلقوں سے ٹھیک طور سے متعارف بھی نہ ہو سکے۔ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ مقصود اظہر شہر کے ایک معزز تعلیم یافتہ گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان کے والد عبدالستار انعامدار مرحوم اے ٹی ٹی ہائی اسکول مالیگاؤں میں ایک طویل مدت تک مدرسی کرنے کے بعد سبکدوش ہوئے لیکن چند ہی برسوں میں انتقال ہوگیا۔ مقصود اظہر مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد مالیگاؤں سے ہی ۱۹۸۰ء میں بی ایس سی کیا۔ پھر اورنگ آباد سے ایم ایس سی کیا۔ ممبئی میں قیام کے دوران ممبئی یونیورسٹی سے ایم اے (اردو) کا امتحان بھی پاس کرلیا۔ ممبئی میں مہانگر ٹیلی فون نگم لمیٹیڈ میں سب ڈویژنل انجینیر کے عہدے پر ہیں۔

مقصود اظہر کو اسکول کی طالب علمی کے زمانے میں مطالعے کا شوق ہوا۔ نثر سے خصوصی دلچسپی تھی۔ دوران مطالعہ سعادت حسن منٹو، جوگیندر پال اور راجندر سنگھ بیدی وغیرہ سے متاثر ہوئے۔ شاعری کی طرف میلان نہیں تھا۔ مطالعے سے ترغیب پا کر ۱۹۷۵ء میں افسانہ نگاری کی شروعات کی۔ لیکن اس وقت شائع کروانے کی ہمت نہ ہوئی۔ دو تین برسوں کی مشق کے بعد اپنا پہلا افسانہ ''سنیما گھر'' روزنامہ انقلاب میں اشاعت کیلئے بھیجا جو ۱۹۷۸ء میں شائع ہوا۔ کسی رسالے میں شائع ہونے والا ان کا پہلا افسانہ ''ایک بوند پانی'' ہے۔ ص۱

ان اشاعتوں سے حوصلہ پا کر انہوں نے مختلف رسالوں میں افسانے شائع کروانے

ص۱ : ماہنامہ 'شمع' دہلی، جولائی ۱۹۸۳ء

شروع کئے۔ان میں جواز،توازن، (مالیگاؤں)، تمثیل (بھیونڈی)، ایوانِ اردو (دہلی)، آہنگ (گیا) اور زبان و ادب (پٹنہ) شامل ہیں۔ان کی تخلیقات انقلاب کے علاوہ اورنگ آباد ٹائمز اور اردو ٹائمز میں بھی اشاعت پذیر ہوئیں۔آکاش وانی اورنگ آباد سے "محور" احمد آباد سے "لمحوں کا سفر" اور ممبئی سے ایک مضمون، نشر ہو چکا ہے۔ایک عدد افسانوی مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

کُشتن:

۱۲/افسانوں اور ۱۶۰/صفحات پر مشتمل ان کے افسانوں کا یہ مجموعہ ۱۹۹۷ء میں ادبی آفسیٹ، ممبئی سے طبع ہو کر شائع ہوا۔ کتاب کے پیش لفظ میں سلیم شہزاد نے ان افسانوں کا تجزیہ ان الفاظ میں کیا ہے:۔

"کشتن کے افسانے دو خانوں میں الگ کئے جاسکتے ہیں، جیسے سماجی رشتوں اور روایتوں کے تسلسل کو برقرار رکھنے میں کوشاں فرد کے افسانے (پیپر ویٹ، کشتن، گھر آنگن اور بیز، ایک بوند پانی) اور عصری زندگی کے خلفشار سے پیدا شدہ مسائل میں گومگو کی کیفیت میں مبتلا فرد کے افسانے (طائر لا مکاں، سرگذشت، نیوٹن کا تیسرا قانون، خانہ بدوش، جہد، اجلا پن، درمیاں کی دیوار) صؔ۱ نیز

"کشتن کے افسانے جدید تر اردو افسانے کی روایت کا حصہ بنتے اور اپنے تیکنیکی، لسانی اور فنی برتاؤ سے اپنی ایک انفرادی شناخت بناتے ہیں۔صؔ۲

رؤف صادق رقم طراز ہیں:

"ان کے لہجے میں فکر اور سنجیدگی پائی جاتی ہے۔جب وہ تمثیلی استعاراتی اور علامتی زبان استعمال کرتے ہیں تو ان کی فنی صلاحیتیں ابھر کر سامنے آتی ہیں صؔ۳

صؔ۱ :سلیم شہزاد، دربیان کشتن، کشتن از مقصود اظہر، ممبئی، ۱۹۹۷ء، ص ۱۳
صؔ۲ :..................ایضاً..................، ص ۱٤
صؔ۳ :رؤف صادق، فن اور اسلوب کی نئی یافت، کشتن از مقصود اظہر، ممبئی، ۱۹۹۷ء، ص ۱۸

جوگیندر پال نے حوصلہ افزائی کے لئے یہ الفاظ استعمال کئے:۔

''مقصود اظہرؔ بہت زرخیز آدمی ہیں اور آمادہ بھی۔ ایسے ہی فنکاروں کی پیہم بے چینیاں انہیں نت نئی راہیں سجھاتی رہتی ہیں۔ اور ان کے اولین یا آخری ادوار میں انہیں اس سے بڑھ کر اور کیا چاہئے کہ آگے کے راستے ان پر کسی طور بند نہ ہوجائیں۔ ہر تخلیقی سفر میں راستے ہی اہم تر ہوتے ہیں۔ منزلیں نہیں، کیونکہ تخلیق کار کو بالآخر راستوں پر ہی سے اٹھ جانا ہوتا ہے، نہ جانے کہاں جانے کے لئے؟.........''ص۱

مقصود اظہر کا یہ مجموعہ بھی سنگ میل ہے منزل نہیں۔ ان کے افسانے دور موجودہ کی المناکی کی داستانیں بیان کرتے ہیں۔ یہ دراصل ان لوگوں کی کہانیاں ہیں جو چھوٹے چھوٹے شہروں، قصبوں اور دیہاتوں سے شہر عظیم ممبئی کی طرف رخ کرتے ہیں اور پھر اس کی وسعتوں میں گم ہوکر اپنی شناخت سے محروم ہوجاتے ہیں۔ وہ روایتوں کی مدد سے نئی سوچ کو گرفت میں لینے کے لئے قلم اٹھاتے ہیں اور کامیاب رہتے ہیں۔ یہ ان کی فنکاری کی دلیل ہے۔

ص۱: جوگیندر پال، سرورق، کشتی، از مقصود اظہرؔ، ممبئی، ۱۹۹۷ء

جاوید احمد نور الھدیٰ

پیدائش : ۳؍فروری ۱۹۶۲ء

قلمی نام ہی اصل نام ہے۔ مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔نویں جماعت تک تہذیب ہائی اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد تعلیم ترک کردی۔ بعد میں باہر سے امتحان دے کر میٹرک پاس کیا۔اس کے بعد جامعہ محمدیہ منصورہ میں داخلہ لیا۔ چار سال تک سلسلہ تعلیم جاری رہا۔لیکن ایک آپریشن کے سبب منقطع کرنا پڑا۔ پاورلوم کے اپنے آبائی کاروبار میں مصروف ہوگئے۔۱۹۹۰ء میں ڈی ایڈ کیا۔۲۴؍جون ۱۹۹۳ء کو ایس ایم خلیل ہائی اسکول میں ملازمت اختیار کی۔ بعد میں اسی ادارے کے پرائمری اسکول کے صدر مدرس کے عہدے پر فائز ہوئے اور اب بھی ہیں۔

جاوید احمد کا مطالعہ کہانیوں اور ناولوں سے شروع ہوا۔رفتہ رفتہ اس میں تنوع آتا گیا۔بعض کتب انہوں نے حلقہ اسلاف سے لیکر، کچھ اردو لائبریری سے حاصل کرکے اور چند ایک خرید کر پڑھیں۔ڈی ایڈ میں داخلہ لینے کے بعد ''تلفظ کی درستی'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا۔صوت الحق میں ''صلاحیت کا عدم استعمال'' کے عنوان سے تعلیمی مضمون شائع ہوا۔ نیز پرسنل لاء کے موضوع پر تحریر کردہ ایک کتاب کی تلخیص بھی شائع ہوئی۔

فی الحال ''اسلاف'' سے وابستہ ہیں۔اکثر اداریئے لکھتے ہیں اور ''ابونبیل'' کے فرضی نام سے ایک مستقل کالم ''ریاض الاخلاق'' تحریر کررہے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کی سیرت نگاری کی طرف رجحان غالب ہے۔لیکن حلقہ اسلاف کے دوسرے اراکین کی طرح ان کے لکھنے میں باقاعدگی اور تسلسل نہیں ہے۔اگر وہ سیرت مبارکہ ہی کو موضوع بنالیں تو کافی گراں قدر تحریری سرمایہ پیش کرسکتے ہیں۔

حافظ زبیر احمد ملّی

پیدائش : یکم جون ۱۹۶۲ء

حافظ صاحب کے اجداد کا تعلق ضلع اعظم گڑھ (یوپی) سے تھا۔ وہ مولانا محمد حنیف ملی کے برادرزادے ہیں۔ ان کے والد کا نام عبدالسلام ہے جو پارچہ بافی سے منسلک ہیں۔ شعروشاعری کا عمدہ ذوق رکھتے ہیں۔ ندیم ریاضی کے نام سے شعراء کے حلقے میں معروف ہیں۔ حافظ زبیر احمد نے پرائمری مدرسے میں ساتویں جماعت تک تعلیم پائی۔ اس کے بعد اے ٹی ٹی ہائی اسکول سے آٹھویں جماعت پاس کر کے ۱۹۷۶ء میں معہد ملت کی جماعت حفظ میں داخلہ لیا۔ چونکہ اسکول کی تعلیم کے ساتھ ہی ۱۳ر پارے حفظ کر چکے تھے اس لئے ایک ہی سال میں حفظ قرآن کی تکمیل اور دور سے فرصت ہوگئی۔ انہوں نے ۱۹۷۷ء میں حفظ کی سند، ۱۹۷۹ء میں تجوید وقرأت کی سند اور ۱۹۸۳ء میں شعبۂ عالمیت سے فراغت کی سند حاصل کی۔ دارالعلوم ندوہ میں داخلہ لیا لیکن طبیعت کی خرابی کے سبب تین مہینوں میں واپس آگئے۔ ایک سال معہد ملت میں امتحان دینیات کے انچارج رہے اور ۱۹۸۴ء میں بہ حیثیت استاذ تقرری عمل میں آئی۔ آج بھی یہیں درس وتدریس سے وابستہ ہیں۔ انہوں نے ۱۹۸۸ء میں بارہویں آرٹس کا امتحان بھی پاس کرلیا۔

معہد ملت آنے کے بعد قرطاس وقلم سے وابستہ اساتذہ کرام کی صحبت ملی۔ یہیں سے ذوق تحریر پیدا ہوا۔ خصوصاً شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف ملی سے بڑا حوصلہ ملا۔ حافظ صاحب نے دیواری پرچہ "عندلیب" سے تخلیقی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ پھر اسی کے ساتھ مقامی اخبارات میں بھی مضامین کی اشاعت ہونے لگی۔

حافظ صاحب بڑے تیز لکھنے والے ہیں۔ مقامی اخبارات وجرائد کے علاوہ ان کے بے شمار مضامین ملک کے موقر رسائل میں اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔ ان میں الرشاد (اعظم گڑھ)،

رضوان (لکھنؤ)، ریاض الجنۃ (جونپور)، دعوتِ انسانیت (کرنؔ، ضلع احمد نگر)، نقیب (پٹنہ)، ندائے ملت (لکھنؤ)، دینی دعوت (کوپر گاؤں) اور اقراء ڈائجسٹ (کراچی) قابل ذکر ہیں۔ معہد ملت کے ترجمان گلشن میں ان کے انتالیس مضامین شائع ہو چکے ہیں۔

حافظ زبیر صاحب کی خصوصیت یہ ہے کہ جس عنوان پر قلم اٹھاتے ہیں اس سے متعلق اکابر علماء کی آراء، نظریات اور افکار سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں اور اپنی بات کو مدلل اور موثر طریقے سے پیش کرتے ہیں۔ حسب ضرورت واقعات، ضرب الامثال، محاورات اور اشعار سے نثر کو آراستہ و پیراستہ کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کی تحریر پر کشش، دلکش اور جاذب نظر ہو جاتی ہے۔ اہل علم و ادب ان کی تحریروں کو بہ نظر استحسان دیکھتے ہیں اور قدر کرتے ہیں۔ ان کے مضامین دینی، اصلاحی اور تربیتی ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی سوانحی خاکے بھی قلم بند کرتے ہیں۔ اردو، فارسی اور عربی زبان پر قدرت ہونے کی وجہ سے تحریر میں ادبیت کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ مضمون نگاری کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ انہیں اپنے منتخبہ مضامین کی اشاعت کی کوشش بھی کرنی چاہئے۔ مولانا کی ایک چھوٹی سی کتاب شائع ہو چکی ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

آداب ملاقات:

حافظ صاحب کی ایک تحریر "آداب ملاقات" اقراء ڈائجسٹ کراچی کے ستمبر ۱۹۸۹ء کے شمارے میں شائع ہوئی تھی۔ مدرسہ افضل العلوم تاج گنج آگرہ نے اسے کتابی شکل میں شائع کرکے تقسیم کیا۔ ۲۴ صفحات کے اس مختصر رسالے میں سلام کے طریقے، اہمیت، فضیلت اور اس کے اجر کا بیان کیا گیا ہے۔ حافظ صاحب اگر اسی طرح چھوٹے چھوٹے موضوعات پر سیر حاصل طریقے سے لکھتے رہے تو عام مسلمانوں کے لئے نہایت مفید اور کارآمد ہوگا۔

دینی، علمی و اصلاحی عنوانات پر پانچ سو اشعار کا گراں قدر مجموعہ "پرواز تخیل" کے نام سے اپریل ۲۰۰۰ء میں شائع کروا چکے ہیں۔

کلیم عارفی

پیدائش : یکم جون ۱۹۶۳ء

پورا نام کلیم احمد ابن محمد عارف ہے۔ مدرسہ بیت العلوم سے تعلیم کی شروعات ہوئی۔ لیکن ساتویں جماعت تک پہنچ کر تعلیم ترک کردی۔ فی الحال ریسٹورنٹ روزی کا ذریعہ ہے۔

۱۹۸۰ء میں انہوں نے اپنی پہلی تخلیق ''کاغذ کی آپ بیتی'' لکھی۔ اس کے لکھنے کا خیال ان کے دل میں مدرسہ کی خستہ حال بیاضوں کو دیکھ کر آیا۔ اس کہانی نما مضمون کے بعد انہوں نے افسانہ نگاری کی دنیا میں قدم رکھا۔ ''اور روح پرواز کر گئی'' ان کی پہلی افسانوی تخلیق ہے۔ اس افسانوی سفر میں انہوں نے بہت سے افسانے لکھے ان میں، آخر کس ماں کے قدموں تلے جنت ہے، اولاد، غداری، دوست کی وفاداری، ناؤ کاغذ کی، بلند پرواز، پاگل، بے سہارا، مفلسی کا زہر وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے تقریباً تمام ہی افسانے مقامی اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں۔ نور، بتول، اردو ٹائمز وغیرہ رسائل و اخبارات میں اکا دکا تخلیقات شائع ہوئی ہیں۔ ایک دو مضامین اور بچوں کی کہانیاں بھی لکھ چکے ہیں۔ انہوں نے ''سسکتا سماج'' کے نام سے افسانوں کا ایک مجموعہ ترتیب دیا ہے جس کی اشاعت کی تیاریاں جاری ہیں۔

موصوف کے قصر افسانہ کا بنیادی ستون غریبی ہے۔ چونکہ وہ خود بڑے بُرے حالات سے گذر چکے ہیں اسلئے ذاتی تجربات کا گہرا رنگ ان کی تخلیقات سے صاف جھلکتا ہے۔ زبان آسان اور طرز ادا سلیس ہے۔ سماجی شعور کا پرتو بھی ان میں صاف نظر آتا ہے۔ لکھتے رہے تو یقیناً کامیاب ہوں گے۔

نعیم اعجاز

پیدائش : ۹؍جون ۱۹۶۲ء   پیدائش : ۳۰؍نومبر ۱۹۶۴ء

نعیم اعجاز کسی ایک قلم کار کا نام نہیں ہے بلکہ دو مختلف شخصیتوں کے نام ہیں۔ انہوں نے ڈراموں سے لے کر فلم تک جو بھی لکھا ایک ساتھ لکھا۔ نثر نگاروں کے تذکرے میں دو قلم کاروں کا یکجا تذکرہ عجیب لگتا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان کی تمام ہی تخلیقات ان کی مشترکہ کوششوں کا نتیجہ ہیں۔

نعیم:

پورا نام نعیم شیخ یعقوب ہے۔ مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔ اے ٹی ٹی ہائی اسکول سے ۱۹۷۹ء میں ایس ایس سی کا امتحان پاس کر کے سٹی کالج، مالیگاؤں میں کامرس کلاس میں داخلہ لیا لیکن بی کام کے آخری سال کے امتحان میں ناکامی کے بعد تعلیم کا سلسلہ ختم کر دیا۔

اعجاز:

پورا نام اعجاز احمد عثمان غنی ہے۔ مقام پیدائش مالیگاؤں ہے۔ اے ٹی ٹی ہائی اسکول سے ۱۹۸۱ء میں ایس ایس سی کا امتحان پاس کیا۔ ممبئی جا کر صابو صدیق سے ٹیکنکل مضمون کے ساتھ گیارہویں جماعت کا امتحان پاس کیا اور مالیگاؤں چلے آئے۔ مالیگاؤں ہائی اسکول میں بارہویں (ٹیکنکل) جماعت میں داخلہ لیا۔ ۱۹۸۳ء میں فیل ہو جانے کے بعد گھر کے کام کاج میں مصروف ہو گئے۔

نعیم اعجاز:

لکھنے کا شوق دونوں کو طالب علمی کے زمانے سے ہی تھا۔ نعیم کی کہانیاں جو ممبئی کے اخبارات خصوصاً اردو ٹائمز میں چھپتی تھیں، اعجاز کی نظروں سے گذریں۔ ایک ہی اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے سے قریب آ گئے۔ ایک دوسرے کو سمجھا۔ معلوم ہوا کہ فلم رائٹر بننے کا مشترکہ شوق دونوں کے اندر جنون کی حد تک موجود ہے۔

دونوں نے مشترکہ ڈرامے لکھنے سے آغاز کیا۔ ایک ہی ڈرامے میں دونوں کے قلم چلتے تھے۔ کبھی کوئی سچویشن نعیم لکھتے، کبھی کوئی مکالمہ اعجاز کے قلم سے ٹپکتا۔ اس طرح ایک دوسرے کی معاونت سے وہ ڈرامے تخلیق کرتے رہے۔ ۱۹۸۱ء کے بعد دونوں نے چودہ پندرہ مشترکہ ڈرامے لکھے۔ یہ تمام ڈرامے مالیگاؤں میں اسٹیج ہوتے رہے اور بے حد کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ ان کے کامیاب ڈراموں میں سرجن، آج کا مجنوں، نامراد، مان نہ مان، دھوپ چھاؤں، ناخدا، پتھر کے لوگ اور ہم ہار گئے وغیرہ شامل ہیں۔

ڈرامے لکھنے اور اسٹیج کرنے کے ساتھ ساتھ فلم لائن میں جانے کا خواب وہ کبھی بھلا نہ پائے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ان ڈراموں کے ذریعے وہ اس خواب کی تعبیر کی تلاش میں مصروف رہے۔ ناظرین کو ان کے ڈرامے دوسروں سے منفرد محسوس ہوتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان ڈراموں میں بھی فلموں کی جھلک ہوتی تھی، ڈراموں کے کردار اور مکالموں کی ادائیگی سب کچھ فلم اسکرین کی طرح ہو، اس کا خاص خیال رکھتے تھے۔ لائٹ افیکٹ کے ذریعے ڈراموں میں تاثر پیدا کرنے کا سلسلہ شہر میں سب سے پہلے انہوں نے ہی شروع کیا۔

آخر الامر فلمی دنیا میں قسمت آزمائی کے لئے دونوں ۲۵ ستمبر ۱۹۸۷ء کو ممبئی پہنچے۔ خوش قسمتی سے ان کی ملاقات فلموں کے مشہور ڈائرکٹرس عباس مستان اور ان کے بھائی مشہور فلم ایڈیٹر حسین برماوالا سے ہوئی۔ ان کی وجہ سے خاک نہیں چھاننی پڑی اور فلم ''اگنی کال'' میں ڈائیلاگ لکھنے کا موقع مل گیا۔ دوسری فلم ''کھلاڑی'' کے ڈائیلاگ بھی دونوں نے لکھے۔ اب تک پچیس فلموں کے ڈائیلاگ لکھ چکے ہیں۔ اپنے خواب کی تعبیر پا کر انکا مطمئن ہونا فطری بات ہے لیکن آگے بڑھنے کا جذبہ سرد نہیں ہوا ہے۔ چھوٹے پردے پر بھی نعیم اعجاز اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا رہے ہیں۔ سونی ٹی وی کی مشہور سیریل ''حنا'' کا سینیریو اور ڈائیلاگ 'اسٹار پلس میں'' ہسنامت'' کے ڈائیلاگ بی فور یو میں ''رہنما'' کے ڈائلاگ، انہیں کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔

فی الحال دونوں اسٹوری اور اسکرین پلے لکھنے میں دلچسپی لے رہے ہیں اور اس میدان میں بھی کارہائے نمایاں انجام دینے کا مضبوط ارادہ لئے جدوجہد میں مصروف ہیں۔ چونکہ حوصلے جوان ہیں اسلئے کامیابی کے امکانات روشن ہیں۔ فلم کی گلیمرس دنیا کی بلندیاں کل کے ان ناکام طالب علموں کے انتظار میں ہیں۔

مولانا ابو زہرہ رضوی

پیدائش : ۳۱؍مئی ۱۹۶۵ء

پورا نام جمیل احمد ابن سراج احمد ہے۔ قلمی نام ابوزہرہ رضوی ہے۔ مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم بزودہ (گجرات) میں گجراتی زبان میں ہوئی۔ اس کے بعد دارالعلوم معین الاسلام ضلع بھروچ (گجرات) میں حفظ قرآن کی تکمیل کی۔ اور مالیگاؤں آکر دارالعلوم حنفیہ سنیہ میں درس نظامی کی تعلیم لینی شروع کی۔ ان کے والد بحیثیت داعی اور مبلغ انگلینڈ میں مقیم تھے، انہوں نے ابوزہرہ کو بھی وہیں بلوالیا جس کے سبب دارالعلوم حنفیہ سنیہ کی تعلیم ادھوری رہ گئی۔ انگلینڈ پہنچ کر علامہ قمرالزماں اعظمی سے تکمیل درس لیا۔ وہ ورلڈ اسلامک مشن کے جنرل سکریٹری اور مولانا عبیداللہ اعظمی کے خالہ زاد بھائی لگتے ہیں۔ مولانا ابوزہرہ سترہ برس کی عمر میں انگلینڈ پہنچے تھے۔ انگریزی وہیں سیکھی۔ ابتدا میں ایک شبینہ مکتب میں ناظرہ قرآن اور اردو پڑھانے میں مشغول ہوئے لیکن یہ سلسلہ تادیر قائم نہ رہ سکا اور وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ بزنس میں لگ گئے۔

۱۹۸۹ء کا واقعہ ہے، پاکستان سے ایک عالم انگلینڈ پہنچے۔ انہوں نے جمعہ سے قبل کی چار رکعت نماز سنت پر اعتراض کیا کہ یہ صحیح حدیثوں سے ثابت نہیں ہے۔ اس دعوے نے ابوزہرہ رضوی کے اندر خوابیدہ محقق کو بیدار کردیا۔ انہوں نے اس تعلق سے احادیثِ نبوی جمع کر کے ایک تحقیقی مضمون تحریر فرمایا جو کتابچہ کی شکل میں شائع ہوا۔ یہیں سے ان کی تحریری سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔ ان کے دیگر مضامین حجاز (لندن)، حجاز جدید (دہلی) اور انوار (مالیگاؤں) میں شائع ہوئے۔ یہ ساری تحریریں مسلک اہلسنت کے احقاق وفروغ کے لئے لکھی گئی ہیں۔ تحریر کے معاملے میں مولانا ابوزہرہ، مولانا قمرالزماں اعظمی کی حوصلہ افزائی کے احسان مند ہیں۔

مولانا ابوزہرہ کی کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

۱)عرش سے افضل:

مرقدِ پاک مصطفیٰ ﷺ کی فضیلت پر مولانا کی یہ تحقیق ۱۹۹۰ء میں رضا ریسرچ اینڈ پبلیشنگ بورڈ، مانچسٹر، برطانیہ کی معرفت شائع ہوئی۔ کتاب کی تالیف میں بڑی محنت اور عرق ریزی کا ثبوت دیا گیا ہے۔ مختلف مسالک کے علماء وفقہا اور احادیث کے حوالوں نے کتاب کو بے حد وقیع بنادیا ہے۔ اس کا گجراتی ترجمہ گونڈل (گجرات) کے ایک اشاعتی ادارے نے شائع کیا ہے۔

۲)جامع الحیثیات:

جامع الحیثیات میں امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کے کارناموں اور خدمات کے ایک پہلو کا تذکرہ ہے۔ اس میں بحیثیت فقیہہ ان کی شخصیت کا جائزہ لیا گیا ہے۔ نیز جن جلیل القدر علماء، اداروں اور افراد نے امام صاحب سے فتوے لئے اور رہنمائی پائی ان کا بھی بیان ہے۔

۱۹۹۲ء میں یہ کتاب بھی مندرجہ بالا ادارے کے ذریعے برطانیہ سے شائع ہوئی۔

۳)آیات نور:

یہ بھی ۱۹۹۲ء میں برطانیہ سے شائع ہوئی۔ سرور کائنات ﷺ کی نورانیت کے اثبات پر اپنی نوعیت کی غالبًا پہلی تحقیقی کاوش ہے۔ مولانا نے ان آیات کو جمع کیا ہے جن سے صراحۃً حضور ﷺ کا نور ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یا جن سے اشارۃً، دلالۃً، اقتضاءً ثابت ہوتا ہے۔ کتاب میں ۱۰۴ صفحات ہیں۔

۴)مناقب غوث جیلانی مولانا تھانوی کی زبانی:

یہ بھی ۱۹۹۲ء میں برطانیہ سے شائع ہوئی۔ اس کتابچے میں مولانا اشرف علی تھانوی کی چار کتابوں سے غوث پاک کے تعلق سے بیانات اخذ کر کے یکجا کئے گئے ہیں۔

مولانا ابوزہری رضوی کی تحریری سرگرمیاں مسلکِ اہلسنّت کی تبلیغ ودفاع کے مقصد کے لئے ہیں۔ انہوں نے امام احمد رضا خان کی بے شمار کتابیں جمع کر کے ایک بڑے کتب خانے کی شکل دی ہے۔ ان کے بیان کے مطابق امام صاحب کی تخلیقات کا اتنا بڑا ذخیرہ یورپ میں اور کہیں نہ ہوگا۔ مولانا کی اکثر کتابیں گجراتی میں بھی شائع ہو چکی ہیں۔

اشفاق رہبر

پیدائش : یکم جون ۱۹۶۵ء

پورا نام اشفاق احمد خورشید احمد ہے۔ والد مزدوری کرتے تھے۔ اشفاق احمد نے دنیا میں آنکھیں کھولیں تو غریبی کا اندھیرا دیکھا، اسی سبب سے تعلیم بھی نہ پا سکے، پانچویں جماعت نامکمل چھوڑ کر تعلیم ترک کر دی۔ بہر حال اخباروں اور رسائل و کتب کا مطالعہ کرتے رہے۔ اسی مطالعے نے ان کے اندر لکھنے کا شوق پیدا کیا۔ ۱۹۹۴ء میں انہوں نے اپنے پہلے افسانے ''معصوم بچے کی عید'' سے نثر نگاری کی شروعات کی جو ہفت روزہ ہاشمی آواز (مالیگاؤں) میں شائع ہوا[ص۱]۔ معاش کی پریشانیوں کی وجہ سے لکھنے میں تسلسل نہیں رہتا، اس کے باوجود اب تک وہ سولہ سترہ افسانے تخلیق کر چکے ہیں۔ ۱۹۹۷ء میں ''کردار'' نام کا افسانہ غیر منقوطہ لکھ کر انہوں نے ایک نیا تجربہ کرنے کی کوشش کی۔ اس کے بعد تقریباً ایک سال تک ان کی تخلیقی سرگرمیاں تعطل کا شکار رہیں۔ گذشتہ چند مہینوں سے ان کے اندر کا فنکار دوبارہ انگڑائیاں لینے اور آنکھیں ملنے لگا ہے۔ دعا ہے کہ یہ سلسلہ دوبارہ شروع ہونے کے بعد مستقل جاری ہے۔

ص۱: اشفاق رہبر، معصوم بچوں کی عید، ہفت روزہ ہاشمی آواز، مالیگاؤں، ۱۹/ اپریل ۱۹۹۴ء

ابو رضوان محمدی

پیدائش : ۱۵؍جون ۱۹۶۵ء

اسلاف اور صوت الحق (مالیگاؤں) دونوں جمعیۃ اہلحدیث کے ترجمان ہیں۔ان میں مضامین لکھنے والے نوجوانوں کا ایک پورا حلقہ وجود میں آچکا ہے۔ جسے ''حلقۂ اسلاف'' کا نام دیا جاسکتا ہے صد یہ تمام نوجوان تعلیم یافتہ ہیں۔خوب مطالعہ کرتے ہیں۔اپنے مسلک کی ترویج واشاعت کے ساتھ بے شمار ایسے مضامین بھی قلم بند کررہے ہیں۔ جو عامۃ المسلمین کے لئے مفید اور ملتِ اسلام کے لئے رہنما ہوتے ہیں۔ابو رضوان ان میں سب سے تیز لکھنے والے ہیں۔

ان کے والد محمد اسماعیل اکبر ایک صحافی اور بہترین ظرافت نگار تھے۔ان کا ہفت روزہ ''اکبر ٹائمز'' عوام میں بے حد مقبول تھا۔ابو رضوان نے ہوش سنبھالا تو اپنے گھر میں صحافت کی چلت پھرت دیکھی۔گھر میں لکھنے پڑھنے کا ماحول تھا۔اس لئے پرائمری اسکول کی طالب علمی کے دوران مطالعہ کا موقع اور مواد حاصل رہا۔ساتویں جماعت پاس کرنے کے بعد جامعۂ محمدیہ منصورہ میں داخلہ لیا اور عالمیت کی سند حاصل کی اسی دوران باہر سے میٹرک کا امتحان بھی پاس کرلیا۔جامعۂ محمدیہ کے بعد جامعۂ سلفیہ بنارس میں داخلہ لیا اور سند فضیلت حاصل کی۔

بچپن میں ان کے مطالعے کا محبوب نشانہ شکاریات تھا۔شعور حاصل کرنے کے بعد ادبی کتابوں اور ناول وغیرہ کا مطالعہ کیا۔طنز و مزاح میں شفیق الرحمٰن، کرنل محمد خان، مشتاق یوسفی وغیرہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا۔مولانا ابوالکلام آزاد اور علامہ نیاز فتح پوری کو پڑھا۔پاکستان کے محمد سعید صاحب کی تحریریں خصوصی دلچسپی کے ساتھ پڑھیں۔پھر ان کے سامنے جامعۂ محمدیہ منصورہ کی مکمل لائبریری موجود تھی جہاں دینی کتب کا مطالعہ ان کا مشغلہ تھا۔

صدا : حلقه کے احباب نے ادارے کو "اسلامک اسٹڈیز سرکل" کا نام دیا ہے۔

ان کی پہلی تخلیق کا موضوع پردہ تھا۔ جو اکبر ٹائمز میں ۱۹۸۳ء میں شائع ہوئی۔ اسی اخبار میں چھوٹے موٹے شذرات بھی لکھتے رہے۔ ۱۹۸۴ء میں ان کے والد کے انتقال کے بعد اخبار بند ہوگیا۔ اس وقت تک ابو رضوان بڑی حد تک عربی کتابوں کا مطالعہ کر چکے تھے۔ جامعہ محمدیہ میں ''نقش دیوار'' کا حوصلہ افزا سلسلہ جاری تھا جس میں ان کے دینی مضامین شامل رہتے۔ مدرسہ میں عالمیت کا کورس کرنے والے طالب علم کے لئے شعبہ صحافت لازمی ہے۔ اس لئے دینی کتب کا مطالعہ اور تحریری صلاحیت کا حصول ناگزیر ہے۔ عالمیت ثانی کے بعد منصورہ کے سالانہ میگزین میں ان کا کوئی نہ کوئی آرٹیکل ضرور شامل رہتا۔ اس میگزین میں ان کا سب سے پہلا مضمون ''اسلام اور وطن پرستی'' کے عنوان سے شائع ہوا۔

جامعہ سلفیہ بنارس میں دورانِ تعلیم انہوں نے اپنے ایک ساتھی عبدالسلام کے ساتھ مل کر نقشِ دیوار کا سلسلہ شروع کیا۔ عبدالسلام عربی کا حصہ دیکھتے تھے اور ابو رضوان اردو کا۔ اداریئے عموماً ابو رضوان لکھتے تھے۔ بنارس کے قیام کے دو برسوں میں آٹھ دس مضامین تحریر کئے۔ ان میں سے ایک مولانا آزاد کی شخصیت سے متعلق تھا اور دوسرا مولانا وحید الدین خان کی تردید میں۔ اخلاق رسول ﷺ کے عنوان پر منعقدہ ایک تقریری مقابلے میں انہوں نے تیرہ بچوں کے لئے الگ الگ تقریریں تحریر فرمائیں۔

بنارس سے فراغت کے بعد چھ مہینے امامت و خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ڈھائی سال تک جامعۃ الہدیٰ مالیگاؤں میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ یکم مئی ۱۹۹۲ء سے جامعہ محمدیہ منصورہ میں بحیثیت معلّم خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس دوران کبھی کبھار وہ ضرور تنامراسلات اور مضامین لکھتے رہے۔ صوت الحق کے لئے چند اداریئے سپردِ قلم کئے۔ ۱۹۹۲ء میں صوت الحق کی ادارتی ذمہ داری انہیں سونپی گئی۔ یہ ان کی تخلیقی صلاحیتوں کا اعتراف، امتحان اور اعزاز بھی کچھ ہے۔

فی الحال صوت الحق میں نہایت فکر انگیز اداریئے لکھتے ہیں۔ ہر شمارے میں ان کا کوئی نہ کوئی مضمون یا ترجمہ شامل رہتا ہے۔ اسلاف کی مجلس ادارت میں بھی شامل ہیں اس لئے اس میں باقاعدگی سے لکھ رہے ہیں۔ البلاغ، (ممبئی) میں صحابہ کرام کی شخصیات پر مضامین کا ایک سلسلہ بھی جاری ہے۔ حقیقت الصوفیہ، قرآن وسنّت کی روشنی میں اور قرآن سے علاج کے عنوان سے دو عربی کتابچوں کے ترجمے بھی کئے ہیں۔ عقیدہ توحید کو عقلی و نقلی طور پر ثابت کرنے کے لئے غیر مسلموں کے لئے ایک کتاب لکھ رکھی ہے۔ ان کی کوشش ہے کہ یہ کتاب ہندی میں طبع ہو تاکہ برادرانِ وطن اس سے کما حقہٗ استفادہ کر سکیں۔

ابورضوان کی تحریروں میں علمیت، بردباری، سنجیدگی اور تفکر کے عناصر کیساتھ ساتھ تحقیقی مزاج کی کارفرمائی نظر آتی ہے، یہ عوامل ان کی تحریروں کو وقار اور وقعت عطا کرتے ہیں۔ لیکن ان پر صحافتی انداز حاوی ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ملک میں اسلام پسند صحافیوں کی قلت ہے اور اس میدان میں کام کرنے کی ضرورت بھی ناگزیر۔ اس کی اہمیت سے بھی انکار نہیں لیکن یہ بہرحال وقتی چیز ہے۔ اللہ رب العزت نے ابورضوان کو اس کم عمری میں بڑی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ اس کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ زیادہ مفید اور مستقل تصنیفات پر توجہ فرمائیں اور امتِ مسلمہ کے حق میں کوئی بڑا کارنامہ انجام دے جائیں۔

اشفاق طائر

پیدائش : ۷؍مارچ ۱۹۶۷ء

پورا نام اشفاق احمد ابن جلیل احمد ہے۔ تخلص طائرؔ ہے۔ تعلیم صرف ساتویں جماعت تک پائی۔ پیشے سے بنکر ہیں لیکن تلاش معاش اڑپی (کرناٹک) کھینچ لے گئی کچھ روز وہاں رہ کر اردو کے لئے بنجر اس علاقے کے بچوں اور بڑوں کو اردو سکھانے کا کام کرتے رہے۔ اب مالیگاؤں واپس آچکے ہیں۔

اشفاق طائر نے کبھی ایک صنف پر استقلال سے نہیں لکھا۔ کبھی کہانیاں لکھیں تو کبھی غزلیں کہنے لگے۔ کبھی افسانہ نگاری پر توجہ رہی تو کبھی بچوں کی نظموں پر۔ چند ایک اصلاحی مضامین بھی تحریر کر چکے ہیں۔ لکھنے لکھانے کا شوق ۱۹۸۲ء سے ہوا۔ ان کی پہلی تخلیق ۱۹۸۴ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔ جن اخبارات ورسائل میں ان کی تخلیقات شائع ہوئی ہیں ان کی فہرست خاصی طویل ہے۔ مقامی اخبارات کے ساتھ ساتھ ممبئی کے اردو ٹائمز، انقلاب، اخبار عالم میں بھی اشاعت پذیر ہوئیں۔ ان کے علاوہ زرین شعاعیں (بنگلور)، حق و باطل، امین وطن (میسور)، ہندی سماچار (آگرہ)، گل بوٹے (ممبئی)، اچھا ساتھی (بجنور)، ہلال، نور، بتول (رامپور) میں بھی ان کی تخلیقات اشاعت پذیر ہو چکی ہیں۔ اب تک چھوٹی بڑی ڈیڑھ سو سے زائد تخلیقات ان کا نثری سرمایہ ہیں۔

موصوف کا غالب رجحان افسانہ نگاری کی طرف ہے۔ لکھنے کا شوق، جذبہ اور صلاحیت میں بھی کلام نہیں، لیکن غیر مستقل مزاجی کے سبب اہل نظر کی توجہ سے محروم ہیں۔ مستقبل نے ان سے بھی امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں۔

ڈاکٹر افتخار احمد انصاری

پیدائش : ۵/جولائی ۱۹۶۷ء

ڈاکٹر افتخار احمد انصاری بھی حلقۂ اسلاف (اسلامک اسٹڈیز سرکل) سے تعلق رکھتے ہیں۔ سرکل کے تمام ہی اراکین کی خصوصیت یہ ہے کہ مطالعہ خوب کرتے ہیں۔ بحث ومباحثہ میں حصہ لیتے ہیں اور مضامین کے ذریعے خلاصۂ گفتگو ومطالعہ پیش بھی کرتے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر ابھی جوان ہیں اسلئے جوش غالب ہے۔ عمر کے ساتھ جب سنجیدگی اور متانت کا غلبہ ہوگا تو امید کی جاسکتی ہے کہ ان کا قلم گوہر اگلے گا۔

موصوف نے ایس ایس سی کا امتحان ۱۹۸۲ء میں پاس کیا۔ گیارہویں سائنس میں کامیاب ہوکر بارہویں آرٹس میں دخلہ لیا۔ لیکن ناکامی مقدر بنی۔ بی یو ایم ایس کے لئے طبیہ کالج میں داخلہ لیا مگر یہ کورس بھی نامکمل رہا۔ سلسلۂ تعلیم ترک کرکے والد صاحب کے ہاسپٹل میں پریکٹس کرنے لگے۔ اسی دوران بی ای ایم ایس کا کورس پورا کرلیا۔ شروع میں تبلیغی جماعت سے وابستہ ہوئے۔ دو تین سال کے بعد علم حدیث کی طرف رغبت ہوئی۔ مختلف مسالک کے علماء کے جلسوں میں شرکت کا شوق ہوا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ اکثر علماء بخاری شریف کو ترجیح دیتے ہیں اسلئے خود سے مطالعہ کا شوق بڑھا۔ بعد میں مطالعہ کا شوق جنون میں تبدیل ہوگیا۔ کتابیں خریدنے میں ہزاروں روپے لگادیے۔ آج ان کی ذاتی لائبریری میں کتب احادیث، سیرت، تاریخ اور تفاسیر کا نہایت گراں قدر ذخیرہ جمع ہوچکا ہے۔

مراسلہ نگاری کے ذریعے انہوں نے اپنی تحریری سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ ان مراسلوں میں سماج کی خرابیوں پر تنقید ہوتی تھی۔ یہ فرضی نام سے چھپتے تھے۔ بخاری شریف کے مطالعے کے دوران ڈاکٹر صاحب کی نظروں سے تراویح کے تعلق سے حدیث گذری۔ انہوں نے دس ہزار کی تعداد میں ہینڈ بل ''تراویح کی نماز ہی نہیں ہوتی'' کے عنوان سے چھپوا کر تقسیم کیا۔ جس میں حدیث بیان کرکے تبصرہ تحریر کیا گیا تھا۔ یہی ان کی پہلی تحریر تھی۔ ۹۱-۱۹۹۰ء کے دوران اکا دکا مضامین صوت الحق میں بھی شائع ہوتے رہے۔

ڈاکٹر صاحب نے ایک بار محدثین پر لعن طعن سنی انہوں نے اس کا مدلل جواب لکھا جو "محدثین پر الزام کی حقیقت" کے عنوان سے التوعیہ (دہلی) اور ملی بیداری (مالیگاؤں) دونوں میں شائع ہوا۔ صوت الحق میں شائع شدہ ان کا ایک مضمون "موضوع حدیث کے مضر اثرات" علمی حلقوں میں سراہا گیا۔ "نماز میں صفوں کی درستگی" کے عنوان سے ایک مضمون انقلاب اور اردو ٹائمز میں شائع ہوا۔ مقامی روزنامہ "آواز مالیگاؤں" میں شرک کی حقیقت اور ہفت روزہ پریس میں گڑ بازار کا پاگل اور حضرت عمرؓ کے نام سے مضامین شائع ہوئے۔ آخر الذکر مضمون پر فرضی نام دیا گیا تھا۔ فی الحال "اسلاف" میں پابندی سے لکھ رہے ہیں۔

۱۹۹۲ء کے اواخر میں "حنفی علماء سے سوالات" کے عنوان سے ایک سوال نامہ ترتیب دیا جو ڈیڑھ سال تک علمائے اہلسنت، ان کے مدارس اور مختلف اداروں کو روانہ کیا جاتا رہا۔ لیکن کہیں سے کوئی جواب نہ ملا۔ صرف مولانا محفوظ الرحمن قاسمی مرحوم نے گیارہ صفحات پر مشتمل جواب روانہ کیا تھا۔ ڈاکٹر افتخار احمد نے جواب الجواب لکھ کر انہیں پہنچایا۔ اسی سوال نامے کے جواب میں حنفی علماء کی ایک تنظیم نے ایک کتاب شائع کی۔ ڈاکٹر موصوف نے اسکے جواب میں ایک کتاب شائع کروائی، تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱) اختلافی مسائل اور صراط مستقیم:

ڈاکٹر صاحب کے سوال نامے نے حنفی اور غیر مقلدین اصحاب وعوام کے درمیان بڑا تنازعہ کھڑا کر دیا۔ حنفی علماء کو ارسال کردہ ان کے سوال نامے کے جواب میں حنفی علماء کی تنظیم جمعیۃ المسلمین نے "الدلائل الشرعیہ" کے نام سے ایک کتاب شائع کی۔ جس کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے "اختلافی مسائل اور صراط مستقیم" نام کی کتاب تحریر کی۔ جو فروری ۱۹۹۵ء میں مالیگاؤں سے شائع ہوئی۔ گذشتہ دنوں جواب الجواب کے طور پر جمعیۃ المسلمین کی جانب سے "توثیق الدلائل الشرعیہ، اختلافی مسائل اور صراط مستقیم پر تبصرے" کے عنوان سے ایک اور کتاب منظر عام پر آئی ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ ڈاکٹر صاحب موصوف تحریری صلاحیت اور تحقیقی نظر رکھتے ہیں۔ لیکن ان کی تحریروں میں ہوش سے زیادہ جوش، ٹھہراؤ کی بجائے مناظراتی کیفیت اور علمی استدلال و مبحث کے مقابلے میں چیلنج کی نوعیت پائی جاتی ہے۔ تحقیقی نظر بڑی مشکل سے ملتی ہے۔ اگر ڈاکٹر صاحب کو قدرت نے یہ ملکہ عطا کیا ہے تو انہیں اس کے مثبت اور تعمیری استعمال کے ذریعے علم دین اور امت مسلمہ کی خدمت کے راستے تلاش کرنے چاہئیں۔

شکیل احمد رحمانی

پیدائش : ۱۶/اگست ۱۹۶۷ء

شکیل احمد رحمانی اپنی نوعیت کے شہر میں تنہا نثر نگار ہیں۔ان کی خصوصی دلچسپی اسپورٹس اور فلموں سے ہے۔اگر چہ لکھنا شروع کئے ابھی زیادہ دن نہیں گذرے لیکن اپنے مضامین کے ذریعے وہ اپنی شناخت بنا چکے ہیں۔یہ مضامین بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔اور اخبارات کے رنگین صفحات پر بڑے اہتمام سے شائع کئے جاتے ہیں۔

شکیل احمد کے والد عبدالستار رحمانی خود بھی اچھے نثر نگار ہیں۔انہوں نے اپنے بچوں کی تربیت کرنے اور انہیں اعلیٰ تعلیم سے بہرہ ور کرنے پر بڑی توجہ کی۔یہی سبب ہے کہ ان کے تمام ہی بیٹے مطالعہ اور نثر نگاری کا شوق رکھتے ہیں۔شکیل احمد نے ایم ایس سی تک تعلیم حاصل کی۔بی ایڈ اورنگ آباد سے کیا۔امبو ضلع جالنہ کی صلاح الدین ہائی اسکول میں مدرس ہیں۔انہیں مطالعے کا شوق جنون کی حد تک ہے۔ایک مدت تک اردو لائبریری مالیگاؤں ان کا دوسرا گھر رہی۔اپنی نثر نگاری کی ابتدا انہوں نے روزنامہ انقلاب کے کالم "خالی پیلی" سے کی اس کالم میں ان کا مضمون "شاعر اور شرابی" ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا۔جولائی ۱۹۸۷ء میں "پاگل" کے عنوان سے ایک مزاحیہ مضمون اشاعت پذیر ہوا۔اس کے فوراً بعد انہوں نے اپنا اشہب قلم اسپورٹس کے میدان کی طرف موڑ دیا۔اسی سال کرکٹ کا ورلڈ کپ مقابلہ منعقد ہوا۔اس موضوع پر ان کا ایک پورے اخباری صفحے کا مضمون انقلاب میں شائع ہوا۔بعد میں یہی مضمون سچے واقعات کے اکتوبر ۱۹۸۷ء کے شمارے میں بھی نقل ہوا۔ستمبر ۱۹۸۷ء میں ورلڈ کپ پر جو مضمون انہوں نے اردو ٹائمز میں لکھا، مشہور قلمکار اور صحافی ساجد رشید نے اسے "دستاویزی" قرار دیا۔مشہور اداکار اور گلوکار کشور کمار کی وفات پر ایک معلوماتی مضمون نومبر ۱۹۸۷ء میں اردو ٹائمز میں شائع ہوا۔

ان مضامین کے بعد ہی شکیل احمد رحمانی کا قلم پر لگا کر اڑنے لگا۔اب تک ان کے

سو سے زیادہ مضامین شائع ہو چکے ہیں ص۱۔ انمیں سے بیشتر کا تعلق اسپورٹس سے ہے۔ ان میں کرکٹ ، اولمپک گیمز، ہاکی ، ٹینس ، فٹبال ، ایشین گیمز اور ڈیوس کپ سے متعلق مضامین شامل ہیں۔ مختلف کھلاڑیوں کی زندگی اور ان کے کھیل سے تعلق رکھنے والے مضامین بھی انہوں نے بڑی تعداد میں لکھے ہیں۔ دوسرا سلسلہ جس میں شکیل رحمانی کی دلچسپی نمایاں ہے، وہ گلوکاروں کی حیات اور ان کے فن سے متعلق مضامین کی اشاعت ہے۔ جن گلوکاروں پر انہوں نے قلم اٹھایا ہے۔ وہ کندن لال سہگل، کشور کمار، محمد رفیع ، ہیمنت کمار مکھرجی وغیرہ ہیں۔ ان دو موضوعات کے علاوہ اب کسی تیسرے موضوع کے لئے ان کا قلم مشکل سے ہی اٹھتا ہے۔

اکثر ایسا ہوا ہے کہ ''انقلاب'' کا پورا صفحہ ان کے لئے وقف کر دیا جاتا ہے۔ کبھی کبھی تو ایک صفحے پر دو مضامین شائع ہوئے ص۲۔ بعض مضامین کئی قسطوں میں شائع ہوئے۔ ص۳

شکیل احمد رحمانی نے اپنے لکھنے کے لئے ان میدانوں کا انتخاب کیا ہے جن میں دنیا کی دلچسپی پاگل پن کی حد تک ہے۔ انگریزی پرچوں میں ان موضوعات پر لکھنے والے بہت ملیں گے لیکن اس قسم کے مضامین سے اردو قارئین کی پیاس بجھانے والے خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ شکیل احمد رحمانی کا دماغ اسپورٹس کی معلومات کا خزانہ ہے۔ لکھنے کی صلاحیت انہیں ورثہ میں ملی ہے۔ ان دونوں کے امتزاج سے انہوں نے جو مضامین لکھے ہیں انہیں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ اس میدان میں شہر کے تخلیق کاروں میں وہ تنہا ہیں، نہ ان کا کوئی ثانی ہے، نہ ہمسر۔

ص۱ :تمام مضامین کی مکمل فائل بحفاظت ان کے پاس موجود ہے۔

ص۲ :انقلاب ممبئی، ۲۱ رمئی ۱۹۸۷، کی اشاعت میں صفر کی ستم ظریفی کی داستان اور ٹیسٹ کرکٹ کی سب سے لمبی اورشاندار اننگ ،دونوں شائع ہوئے۔

ص۳ :کندن لال سہگل پر ان کا مضمون انقلاب میں پانچ قسطوں میں شائع ہوا۔

عبدالحلیم صدیقی

پیدائش : ۲۰/دسمبر ۱۹۶۹ء

عبدالحلیم صدیقی ایک نوجوان اور حوصلہ مند شخصیت کا نام ہے۔ان کے والد اصغر سلیمان ایک مشہور صنعت کار اور معروف سماجی خدمت گار ہیں۔عبدالحلیم صدیقی کی پیدائش مالیگاؤں کی ہے۔مالیگاؤں ہائی اسکول سے ۱۹۸۴ء میں ایس ایس سی کا امتحان پاس کیا۔جمہور جونیئر کالج میں بارہویں جماعت تک پہنچے لیکن امتحان نہ دے سکے۔فی الحال صحافت سے وابستہ ہیں۔

انہوں نے تحریری سرگرمیوں کا آغاز ۱۹۹۱ء میں ہفت روزہ سٹی زن ٹائمنر سے کیا۔ دو برس اس سے منسلک رہ کر صحافت کا تجربہ حاصل کیا۔جولائی ۱۹۹۳ء سے روزنامہ شامنامہ سے وابستہ ہوئے۔شامنامہ میں موصوف کی جاندار رپورٹنگ اور جائزاتی مضامین کافی پسند کئے جاتے ہیں۔شہر کے بزرگوں سے انٹرویو کا ایک مفید سلسلہ بھی شروع کر رکھا ہے۔جس سے شہر کی قدیم تاریخ کے مختلف گوشے منظر عام پر آتے جارہے ہیں۔اس سے قبل روزنامہ انقلاب ممبئی میں ان کے تعلیمی اور مالیگاؤں سے متعلق مضامین کی اشاعت ہو چکی ہے۔ان کی دو کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔

۱) نقش قدم:

اس کتاب کی ترتیب کا خیال انہیں علمائے کرام کے تذکرے ''اجالوں کے سفر'' سے آیا۔چونکہ عبدالحلیم صدیقی کو تاریخ اور تحقیق سے بڑی دلچسپی ہے اس لئے انہوں نے شہر کے ادبی،سیاسی،سماجی،معاشرتی،تعلیمی ،دینی اور صنعتی میدان میں کارہائے نمایاں انجام دینے والی شخصیتوں کا تذکرہ لکھنے کا بیڑہ اٹھایا جواب اس دنیا میں نہیں رہیں۔انہوں نے ایسی سو شخصیات کے مختصر حالات زندگی،ان کے کارناموں اور خدمات پر مشتمل ایک کتاب تالیف کی جو جون ۱۹۹۸ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔

عبدالحلیم صدیقی نے اگرچہ شہر کی سربرآوردہ مرحوم شخصیتوں کے تذکرے لکھے ہیں۔ لیکن بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ ان افراد کی داستان ہے جو ایک خاندان کے اراکین کی طرح دکھ اور سکھ جھیلتے رہے، سرد و گرم کا مقابلہ کرتے رہے، اور برے سے برے حالات میں بھی سینہ سپر ہو کر اپنی بقا کی لڑائی لڑتے رہے۔ کتاب کی خوبی یہ ہے کہ تذکروں کے پس منظر میں شہر کی ادبی، صنعتی، دینی، سماجی تاریخ آپ ہی آپ مرتب ہوتی چلی جاتی ہے۔

۲) مالیگاؤں: ایک شہر ایک جہاں:

نومبر ۲۰۰۰ء میں اشاعت پذیر ہونے والی اس کتاب میں عبدالحلیم صدیقی نے سچ مچ ایک دنیا سمودی ہے۔ دینی تعلیم، عصری تعلیم، تعلیمی اداروں کا سروے، صنعت، جدوجہد آزادی، سیاست، طب، نیز مالیگاؤں کے فعال تعلیمی، صنعتی اور سماجی اداروں کا بیان شامل کر کے کتاب کو دستاویزی حیثیت عطا کر دی ہے۔ شہر عزیز کا اتنا بھرپور تعارف اس سے قبل کسی کتاب میں نہیں پایا جاتا۔

ہما ناہید

پیدائش : ۱۸ر اپریل ۱۹۷۰ء

ناہید کے والد غلام محمد زیدی افسانہ نگار اور ناول نگار ہیں۔ ان کے افسانوں کا ایک مجموعہ اور دو ناول شائع ہو چکے ہیں۔ موصوف کی تحریری صلاحیتیں ان کی صاحبزادیوں میں بھی موجود ہے۔ ہما ناہید اور لبنیٰ زیدی دونوں کے قلم نثر نگاری میں تیز ہیں۔

ہما ناہید کی پیدائش مالیگاؤں کی ہے۔ انہوں نے ۱۹۹۳ء میں ایس ایس سی کا امتحان کامیاب کیا۔ اس کے بعد بی ای ایم ایس کا طبی کورس مکمل کیا۔ فی الحال مطب چلا رہی ہیں۔ شعور کی آنکھیں کھلنے پر انہوں نے گھر میں لکھنے پڑھنے کا ماحول دیکھا۔ خواتین کے لیے مخصوص رسائل پاکیزہ آنچل، مشرقی آنچل، نیز سراج انور کی کہانیاں خوب پڑھیں۔ اس مطالعے کے سبب ان کے اندر بھی لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ ان کی اولین تخلیق ''ہم ہی نہ رد ٹھ سکے'' کے عنوان سے ایک افسانہ ہے۔ ہفت روزہ ڈسپلن میں ان کا ایک کارآمد مضمون ''بدترین عمل، طلاق'' شائع ہو چکا ہے۔ مختصر کہانیاں بچوں کے اخبار خیر اندیش میں شائع ہوئیں۔ نیز کالج کی تعلیم کے دوران دو مزاحیہ مضامین بھی تحریر کئے جو'' آخر دولت ہی شرمائی'' اور'' جدیدت کا ماڈل اسٹوڈنٹ'' ہیں۔ '' دین کی شمع بجھ ہی نہ جائے'' کے عنوان سے ایک اصلاحی مضمون بھی لکھ چکی ہیں۔

لیکن ہما ناہید کی کہانیاں اور مضامین ان کا اصل تحریری سرمایہ نہیں۔ انہوں نے '' رت گئی انتظار کی'' کے عنوان سے ایک ضخیم ناول لکھا ہے جو اشاعت سے محروم ہے۔ دوسرے ناول'' پری جمال تقدیر'' پر کام جاری ہے۔ بہت جلد پایۂ تکمیل تک پہنچنے کی امید ہے۔

ہما ناہید ایک حساس طبع فنکارہ ہیں۔ اپنے آس پاس کے حالات و واقعات کا بہت جلد اثر قبول کر لیتی ہیں اور اسے اپنی تحریروں کا موضوع بنا کر افسانہ، ناول یا مضمون کی شکل میں ڈھال دیتی ہیں۔ لکھنے کا شوق بے انتہا ہونے کے باوجود مطالعے کی کمی کا احساس ان کی تحریروں سے صاف جھلکتا ہے اور زبان و بیان اور اظہار میں ناپختگی کا احساس ہوتا ہے۔ موصوفہ اسی طرح لکھتی رہیں تو خاتون ناول نگاروں میں اپنا مقام بنائیں گی بشرطیکہ وہ زبان کی اصلاح پر توجہ دیں۔

مولانا محمد شاہد

بشیر احمد

پیدائش : یکم جون ۱۹۷۲ء

مولانا نے محلہ گولڈن نگر، مالیگاؤں میں ایک غریب گھرانے میں آنکھیں کھولیں۔ پرائمری اسکول میں پنجم جماعت پاس کرنے کے بعد ۱۹۸۵ء میں مدرسہ بیت العلوم میں داخلہ لیا۔ ۱۹۹۱ء میں تحصیل فراغت سے سرفرازی حاصل کی۔ مدرسہ میں داخلے کے ایک سال کے اندر ہی والد صاحب کا انتقال ہوجانے کے سبب مولانا دوران تعلیم پاورلوم کے کارخانے میں (گھنٹی جوڑنے کا) کام بھی کرتے رہے۔ مدرسہ بیت العلوم سے ہی مولانا نے حفظ قرآن بھی مکمل کیا۔ قرب وجوار کے مختلف مقامات پر تراویح میں ختم قرآن کا شرف حاصل کیا۔ فی الحال مالیگاؤں سے قریب واقع ایک دیہات سائے گاؤں میں امامت اور تدریس مکتب کی ذمہ داریاں سنبھال رہے ہیں۔

نثری خدمات:

مولانا کی نثری خدمات کا ایک ہی پہلو ہمارے سامنے ہے۔ لیکن نہایت روشن۔ انہوں نے مقامی روزنامہ ''شامنامہ'' میں ''ہمارے شہر کے علمائے کرام'' پر مختصر مضامین کا ایک مفید اور معلوماتی سلسلہ شروع کیا تھا۔ شہر عزیز کے سو سے زائد علمائے کرام کے حالات جمع کئے، اپنے قلم کی جولانیوں کی مدد سے ان کے تذکرے لکھے جو وقفے وقفے سے اشاعت پذیر ہوتے رہے۔ یہ سلسلہ انہوں نے مولانا عبدالقادر مرحوم کے ذکر سے شروع کیا تھا۔ ان تحریروں کا مقصد خود مولانا محمد شاہد کی زبانی سنئے:

''علمائے عارفین کے نقش پائے قدم سے تھوڑی سی خاک اٹھا کر ان خرقہ نشینوں کی بوئے قدم تک پہنچنا راقم الحروف کا مقصد ہے تا کہ ان کے نقوش پہ امت محمدیہ اپنے قدموں کو آراستہ' ثبات کرسکے''

مولانا کو یقیناً تحریر کا ملکہ حاصل ہے۔اس لئے شہر بجا طور پر ان سے کسی مستقل تصنیف کا تقاضہ کرسکتا ہے۔ویسے مولانا کی یہ تحریریں بھی گراں قدر ہیں اور کتابی شکل میں اشاعت کے قابل۔

آصف اقبال مرزا

پیدائش : یکم جون ۱۹۷۲ء

آصف اقبال مرزا بڑے باصلاحیت نوجوان ہیں۔ان کے والد اکبر مرزا بہترین شاعر اور کاتب تھے۔اکتوبر ۱۹۹۸ء میں دورۂ قلب کے باعث انتقال ہوا۔آصف اقبال نے بارہویں جماعت پاس کرنے کے بعد ڈی ایڈ کیا۔بعد ازاں ڈرائنگ کا امتحان پاس کیا۔خود بھی بڑے اچھے کاتب ہیں۔کتابت اور ربر اسٹامپ بنانا پیشہ ہے۔

ان کی تخلیقی سرگرمیوں کی شروعات کہانیوں سے ہوئی۔۱۹۸۷ء میں ہفت روزہ خیر اندیش میں ان کی پہلی کہانی ''بلاعنوان'' کے عنوان سے شائع ہوئی اور ۱۹۸۸ء میں پہلا افسانہ ''زمین کی خوشبو'' ہفت روزہ بیباک میں شائع ہوا۔گذشتہ دس بارہ برسوں میں وہ سو سے اوپر افسانے اور اسّی کے قریب کہانیاں لکھ چکے ہیں۔یہ تمام تخلیقات مقامی اخبارات کے ساتھ ساتھ رسالہ امنگ، آج کی خاتون، خاتون مشرق اور نور وغیرہ میں اشاعت پذیر ہو چکی ہیں۔افسانوں اور کہانیوں کے علاوہ موصوف کو ڈرامہ نویسی، تبصروں اور مضمون نگاری کا بھی شوق ہے۔وہ ایک اچھے ہدایت کار اور اداکار بھی ہیں۔ایکتا ڈرامہ گروپ کے صدر ہیں ''ز''ہکاروں کی مقامی انجمن اربابِ قلم کی صدارت کی ذمہ داریاں بھی نبھا رہے ہیں۔اربابِ قلم کی جانب سے افسانوی تنقیدی نشستیں منعقد ہوتی ہیں۔اور تنقید و تبصرہ کے ذریعے نوجوان لکھنے والوں کی اصلاح اور حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ادارہ نے ''خوشبو نگر نگر کی'' کے عنوان سے خوبصورت اشعار کا انتخاب شائع کیا ہے۔کافی دنوں سے ہفت روزہ ہاشمی آواز میں دلچسپ سوال و جواب کا مستقل کالم ترتیب دے رہے ہیں۔مختلف مقابلوں میں چھوٹے بڑے انعامات حاصل کر چکے ہیں۔

آصف اقبال مرزا کی صلاحیتوں میں کوئی شبہ نہیں۔لیکن بسیار نویسی نئے مسائل کو جنم دیتی ہے۔اصل چیز یہ ہے کہ عصری ادب کے مطالعے کے بعد اسکی خصوصیات سے واقفیت حاصل کی جائے۔

آج اردو افسانہ بہت آگے جا چکا ہے۔ پلاٹ اور تیکنک کے نئے تجربات ہو رہے ہیں۔ ساتھ ہی نیا افسانہ نئی عصری حسیت اور نئے سماجی شعور کا تقاضہ بھی کرتا ہے۔ آصف اقبال اپنے فن کی پرورش ان خطوط پر کرنے پر توجہ دیں تو ان کے لئے زیادہ سودمند ہوگا۔

نفیس احمد

پیدائش : ۱۴/اپریل ۱۹۷۴ء

نفیس احمد کے والد کا نام نجم الحسن ہے جو خود بھی اچھے شاعر ہیں اور نجمی ابن جاوید کے نام سے مشاعروں میں پر جوش انداز میں کلام سناتے ہیں۔ نفیس احمد فی الحال انگریزی ادب میں بی اے کرر ہے ہیں۔ اس کم عمری میں ہی انہوں نے مصوری اور پینٹنگ سیکھ لی ہے اور اسکے ذریعے روزی کمار ہے ہیں۔

بارہویں جماعت سے انہیں افسانہ نگاری کا شوق پیدا ہوا۔ اپنے شفیق استاد شفیق واسع کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی کی روشنی میں قدم بڑھاتے گئے۔ سب سے پہلا افسانہ جو اشاعت پذیر ہوا وہ ''مظلوم'' ہے صلہ۔ اسکے بعد اکتوبر ۱۹۹۷ء میں ہاشمی آواز (مالیگاؤں) میں ''نشیب'' نام کا ایک افسانہ شائع ہوا۔ مبشر میں ہی مزید دو افسانے شائع ہو چکے ہیں۔

اب تک چودہ پندرہ افسانے لکھ چکے ہیں۔ افسانوں کے ساتھ ساتھ مضمون نگاری کا بھی شوق ہے۔ ابتدائی افسانوں میں زبان کی خامیاں پائی جاتی ہیں۔ مزید مشق و مطالعے کے ساتھ رفتہ رفتہ زبان و بیان پر قابو ہوتا جائے گا۔ چونکہ مصور ہیں اس لئے واقعات کی منظر کشی خوب کرتے ہیں۔ افسانوں سے سماجی بصیرت جھلکتی ہے۔ انہیں افسانہ نگاری میں استقلال پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

صلہ: روزنامہ مبشر، مالیگاؤں، ۹/ستمبر ۱۹۹۷ء

مومن رفیق احمد

پیدائش : ۱۶/اکتوبر ۱۹۷۶ء

نام رفیق احمد ابن شکیل احمد ہے۔ والد صاحب معمولی سی نوکری کرتے تھے اسلئے غریبی میں بسر ہوتی تھی۔ اس کا اثر رفیق احمد پر بھی پڑا۔ بارہویں جماعت کامیاب ہونے کے بعد سلسلہ تعلیم ترک کر کے مزدوری کرنے لگے اور اپنے خاندان کا سہارا بن گئے۔ لکھنے کا شوق ہائی اسکول کے زمانے میں پیدا ہو چکا تھا اسلئے ترک تعلیم کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ پہلا افسانہ ''جلتی رفاقتوں کے عذاب'' لکھا۔ مزید چند افسانے لکھے جو مقامی اخبارات میں شائع ہوئے۔ ابھی نومشقی کا عالم ہے۔ افسانہ نگاری کا سلسلہ جاری ہے لیکن خدشہ یہ ہے کہ فکر روزی کہیں اس ابھرتے ہوئے افسانہ نگار کو چھین نہ لے جائے۔ ویسے وہ خود سلسلۂ تحریر جاری رکھنے کا عزم رکھتے ہیں۔ اور ادبی بزم ''احباب ادب اردو'' کے دوستوں کی رفاقت ان کا حوصلہ بنائے ہوئے ہے۔

لبنیٰ زیدی

پیدائش : ۱۶/۱ اکتوبر ۱۹۷۶ء

مالیگاؤں کے مسلم معاشرے کی تشکیل کچھ اس قسم کی ہے کہ یہاں خاتون نثر نگاروں کے ابھرنے اور پنپنے کی گنجائش بہت کم ہے۔ مرحومہ عائشہ حکیم خواتین میں شہر کی اولین نثر نگار تھیں۔ ان کے بعد چند خواتین ہی اس میدان میں کچھ کام کرسکیں۔ لبنیٰ زیدی مشہور خطاط حسن رقم مرحوم الحاج غلام رسول کی پسر زادی اور افسانہ و ناول نگار غلام محمد زیدی کی دختر ہیں۔ بی اے بی ایڈ تک تعلیم پائی ہے۔ پڑھنے اور لکھنے کا شوق جنون کی حد تک ہے۔ ان کے گھر میں پڑھنے لکھنے کا ماحول موجود تھا لیکن لبنیٰ کی طبعی تنہائی پسندی نے انہیں استفادے سے محروم رکھا۔ بات ناممکن سی لگتی ہے لیکن یہ سچ ہے کہ ۱۹۹۲ء تک انہیں اس کا بھی پتہ نہیں تھا کہ ان کے والد ایک اچھے نثر نگار ہیں جن کی تین کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔

جس وقت وہ چھٹی جماعت میں تھیں انہوں نے ایک کہانی لکھ کر اپنے استاد کو دکھائی مگر حوصلہ افزائی نہ مل سکی۔ ان کے مطالعے کا آغاز سراج انور کے ناولوں سے ہوا۔ اس کے بعد مسلسل ادبی اور معاشرتی ناولوں کا مطالعہ کرتی گئیں۔ لبنیٰ زیدی نے اگر چہ والد سے استفادہ نہیں کیا لیکن لکھنے کی صلاحیت ضرور ورثہ میں پائی۔ ۱۹۹۲ء سے خود بہ خود ان کا قلم چلنے لگا۔ انہوں نے ناول نویسی سے شروعات کی۔ ۱۹۹۲ء میں ''نائلہ'' نام کا ایک ناول لکھا جو طبع نہیں ہوا۔ اس کے فوراً بعد دوسرا ناول ''جذبوں کی کشش'' کے نام سے لکھا اور ۱۹۹۵ء میں تیسرے ناول ''شہر پناہ'' کی تخلیق کی۔ یہ تینوں ناول ان معاشرتی ناولوں کے طرز پر لکھے گئے ہیں جو عموماً خواتین ناول نگاروں کے ذریعے تخلیق ہوتے ہیں۔ راقم الحروف نے ان تینوں ناولوں کو دیکھا ہے اسلئے یہ کہنے میں خود کو حق بجانب سمجھتا ہے کہ ناول نگار کی کم عمری، ناپختگی اور مطالعے کی کمی کے سبب زبان و بیان میں اصلاح کی کافی گنجائش ہے لیکن وسیع تر امکانات کی ایک دنیا بھی آباد ہے۔

ان ناولوں کے علاوہ انہوں نے بیس تا پچیس افسانے بھی لکھے ہیں۔ روزنامہ ہندوستان کے مالیگاؤں سے اجراء کے بعد بہت سے نئے فنکاروں کے ساتھ لبنیٰ زیدی کو بھی عوامی طور پر خود کو متعارف کرنے کا موقع ملا۔ روزنامہ ہندوستان میں ''شکریہ'' کے عنوان سے سب سے پہلا افسانہ شائع ہوا صا۔ یہ ایک گونگی لڑکی کی کہانی ہے ہفت روزہ شوق (مالیگاؤں) میں استانی کے عنوان سے ایک افسانہ اشاعت پذیر ہوا صا اس شمارے میں ایک فرضی ادیب شنکر جی کا انٹرویو بھی شائع ہوا۔ روزنامہ ہندوستان ہی میں ''گھٹی خواہش'' کے نام سے ایک اور افسانہ شائع ہوا جو ایک نوکرانی کے کردار کے گرد بُنا گیا ہے صا۔ دیگر کہانیوں میں ہاتھی کے دورنے ڈاڑھ، نوجوان کا اصلاحی خیال وغیرہ کے ساتھ ساتھ ایک معاشرتی اصلاحی مضمون ''وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ روزنامہ ہندوستان میں ہی انہوں نے ایک سلسلہ وار مضمون ''دو قدم اور منزل'' کے عنوان سے شروع کیا تھا مگر ادھورا رہا۔

گذشتہ تین چار برسوں میں لبنیٰ زیدی کے کئی افسانے قرطاس (ناگپور) میں شائع ہو چکے ہیں۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کا تخلیقی سفر بھی جاری ہے۔ رفتہ رفتہ ان کے فن میں پختگی آتی جا رہی ہے۔ زبان و بیان کی غلطیوں میں کمی ہو رہی ہے۔ خیالات اور اپروچ میں فرق کے ساتھ وسعت بھی آتی جا رہی ہے۔ اب وہ معاشرتی اور سماجی ناولوں کی فارمولہ ٹائپ تحریروں سے قدم باہر نکال رہی ہیں۔ لکھنے میں وہ تیز تو ہیں ہی، مزید مطالعہ ان کے فن میں نکھار پیدا کرے گا۔ مقامی اردو ادب اس خاتون افسانہ و ناول نگار سے بہت سی توقعات رکھتا ہے۔

صا: لبنیٰ زیدی، شکریہ، روزنامہ ہندوستان، مالیگاؤں، ۳۰/اپریل ۱۹۹۵ء

صا: لبنیٰ زیدی، استانی، ہفت روزہ شوق، مالیگاؤں، ۱۱/اگست، ۱۹۹۵ء

صا: لبنیٰ زیدی، گھٹی خواہش، روزنامہ ہندوستان، مالیگاؤں، جون ۱۹۹۵ء

طاہر انجم صدیقی

پیدائش : یکم جون ۱۹۷۷ء

پورا نام محمد طاہر محمد صدیق ہے۔ان کے والد پاورلوم کے میکنیک ہیں۔ بارہویں جماعت پاس کرنے کے بعد طاہر انجم نے اے ٹی ڈی کا امتحان کامیاب کیا ہے۔

طاہر انجم اپنے ہم عمر نوجوانوں میں سب سے تیز لکھنے والے ہیں۔ابن صفی کے جاسوسی ناولوں کے مطالعے سے لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔شہر میں ادبی بزم "ارباب قلم" کے قیام کے بعد اس سے وابستہ ہوگئے۔سب سے پہلا افسانہ "مسلمان" ہے جو ہفت روزہ حیات نو (مالیگاؤں) میں شائع ہوا۔اس مختصر افسانے کی اشاعت نے ان کے حوصلوں کو جلا بخشی اور ان کا قلم شاہراہِ افسانہ پر برق رفتاری سے چل پڑا۔تقریباً پچاس مختصر افسانے تخلیق کر چکے ہیں۔درجنوں افسانے بیباک ،ہاشمی آواز،مبشر، ہندوستان وغیرہ مقامی اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں۔رسالہ نوید نو (مالیگاؤں) اور نور (رامپور) میں بھی ان کے افسانے شائع ہوئے۔موصوف کے بعض سائنسی مضامین بھی اشاعت پذیر ہو چکے ہیں "وہ حملہ غلط تھا" ص۱ ۔اور "آپ کو نیند کیوں نہیں آتی" ص۲ ۔یہ دو مضامین رسالہ سائنس میں چھپ چکے ہیں۔چند سماجی اور اصلاحی مضامین مقامی اخبارات کی زینت بن چکے ہیں۔

اس کم عمری میں بھی ان کا سماجی شعور کافی پختہ ہے۔ان کے افسانوں میں الفاظ، تراکیب اور فقروں کا بے تکلف استعمال پایا جاتا ہے۔زبان صاف اور سلیس ہے۔اسلوب میں تیکھا پن صاف محسوس ہوتا ہے۔انکے افسانے سماج کیلئے "تنقید برائے اصلاح" کا درجہ رکھتے ہیں۔جدید افسانوں کا مطالعہ ان کے فن کو نکھار سکتا ہے۔بیرونی رسائل کی حوصلہ شکنی سے مایوس ہیں لیکن لکھنے کا حوصلہ برقرار ہے۔

ص۱ :رسالہ سائنس،دھلی،مئی ۱۹۹۶ء

ص۲ :رسالہ سائنس،دھلی،جولائی ۱۹۹۶ء

طاہر انجم صدیقی میں لکھنے کا جو اعتماد پیدا ہوا ہے اس سے لگتا تھا کہ وہ بہت آگے جائیں گے۔ بدقسمتی سے انہیں شاعری کا چسکہ لگ گیا ہے۔ اس لئے اب نہیں کہا جاسکتا کہ ان کے نثری سفر کا انجام کیا ہوگا۔

نمونۂ نثر:

.... تھوڑی دیر اپنا منہ چھپائے رہنے کے بعد میں نے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کے درمیان سے دوبارہ حالات کا جائزہ لینے کی غرض سے دیکھا تو ایک ناقابلِ یقین منظر دکھائی دیا۔ کہ وہ بڑھیا بھی میری ہی طرح اپنے چہرے کو ہاتھوں سے چھپائے انگلیوں کے درمیان سے اپنی سرخ سرخ آنکھیں نکالے مجھے گھورے جارہی تھی......خوفزدہ ہوکر میں نے دوبارہ آنکھیں بند کرلیں اور اپنے چہرے کو پھر سے چھپا لیا۔ اس طرح کچھ وقت گذرا۔ میں نے حجابِ دست ہٹایا تو..........پھر وہی منظر نظر آیا۔ جس نے مجھے سرتاپا لرزادیا تھا۔ لیکن اس مرتبہ میں نے ہمت سے کام لیتے ہوئے اپنا بایاں ہاتھ نیچے کیا۔ تو اس نے بھی اپنا ایک ہاتھ پھرتی سے نیچے گرادیا۔ اس وقت تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس خوفناک بڑھیا نے میری ہر حرکت کی نقل اتارنی شروع کردی۔.......... (وہ کون تھی.... افسانہ)

دورِ چہارم پر تبصرہ

(۱۹۸۱ء تا ۲۰۰۱ء)

موجودہ دور بھی گذشتہ دور کی طرح کافی زرخیز ثابت ہوا۔اس دور میں ساٹھ سے زائد افسانہ نگار دکھائی دیتے ہیں، ان کے علاوہ پچھلے دور کے بعض قلم کاروں کا سفر بھی جاری رہا۔ دورِ چہارم کے شروع ہوتے ہوتے حالات میں کافی تبدیلی پیدا ہو چکی تھی ۔ وہ تمام ادبی انجمنیں جن کا تذکرہ گذشتہ دور میں کیا گیا ہے اپنی سرگرمیاں ترک کر چکی تھیں ۔ تمام ہی ادبی رسائل اپنی اشاعت منقطع کر چکے تھے۔ جنوری ۱۹۸۴ء میں ایک نئے ادبی رسالے ''توازن'' کا اجراء ہوا۔لیکن مقامی نثر نگاروں کو اس میں شاذ و نادر ہی جگہ ملی۔ان ناموافق حالات کے باوجود نثر نگاروں نے اپنی بساط بھر تخلیقی سرمایہ پیش کیا۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱)اصلاحی اور مذہبی تخلیقات:

اصلاحی ،اخلاقی ،سماجی اور مذہبی تحریروں کے جس سلسلے کا دوبارہ آغاز مولانا محمد حنیف ملی مرحوم نے گذشتہ دور میں کیا تھا اسے اس دور کے قلم کاروں نے جاری رکھا۔ پندرہ روزہ گلشن، ماہنامہ العدل اور ہفت روزہ ملی بیداری وغیرہ اخبارات نے ان کی تخلیقات کو اہتمام اور تواتر کے ساتھ شائع کیا۔ دیگر مقامی اخبارات بھی پابندی سے انہیں جگہ دیتے رہے۔ مذہبی نثر میں سب سے نمایاں نام ڈاکٹر محمد سلیم شیخ کا ہے جنہوں نے ''احقاقِ حق اور ابطالِ باطل'' کے نام سے ایک ضخیم تالیف پیش کی ۔ جسے شیعہ مذہب کا انسائیکلو پیڈیا کا نام دیا جا سکتا ہے۔ دیگر قلم کاروں میں مولانا عبدالاحد ازہری، محمد رمضان (غیمس) ، پروفیسر عبدالمجید مظہر صدیقی، خالد فیضی ، مولانا محمد ادریس ملی، حافظ محمد مصطفیٰ (بی کام) مولانا حافظ جاوید احمد ملی، مولانا نہال احمد ملی، مولانا اقبال احمد آصف ملی۔ خلیل فریدی، مولانا محمد میاں مالیگ، حافظ زبیر احمد ملی، ابوزہرہ رضوی، ابورضوان محمدی اور ڈاکٹر الیاس صدیقی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

۲)بین الاقوامی سیاست:

بہت پہلے بین الاقوامی سیاست پر چند مضامین احمد نسیم یناگری نے تحریر کئے تھے۔اس کے بعد یہ موضوع ایک زمانے تک شجر ممنوعہ بنا رہا۔زیر بحث دور میں جلیل عثمانی نے اس موضوع پر بڑے اچھے مضامین لکھے ۔ان کے علاوہ اس موضوع پر دوسرے کسی قلم کار نے اس قدر شرح وبسط کے ساتھ نہیں لکھا۔البتہ مسلم عالمی سیاست پر بعض علماء نے چند مضامین ضرور تحریر کئے لیکن یہ سرسری ہیں اور جذباتی انداز رکھتے ہیں۔جلیل عثمانی کے تجزیاتی مضامین ان کے بھرپور مطالعہ اور جزئیات سے واقفیت کا نتیجہ ہیں۔مقامی طور پر اس میدان میں ان کا کوئی ثانی نہیں ہے۔

۳)تعلیمی مضامین:

تعلیمی موضوعات پر کئی اہلِ علم حضرات نے قلم اٹھایا۔جن میں خصوصیت سے محمد حسن فاروقی،اسحٰق خضر، ڈاکٹر عبدالعزیز انصاری،عبدالودود ایم ایس سی،خالد فیضی اور جاوید احمد نورالہدیٰ کے نام پیش کئے جاسکتے ہیں۔ایم اے زاہد نے معلوماتی مضامین تحریر کئے۔بہر حال یہ سرمایہ شہر کی تعلیمی ترقی کے تناظر میں غیر اطمینان بخش ہے۔دیکھا جائے تو محمد حسن فاروقی کے علاوہ تعلیمی مضامین تحریر کرنے میں کسی قلم کار میں باقاعدگی نہیں ہے۔

۴)تنقید و تبصرہ:

اس دور میں تنقید وتبصرہ کا سب سے وقیع سرمایہ سلیم شہزاد نے پیش کیا ہے۔انہوں نے صرف مضامین ہی نہیں لکھے بلکہ مستقل کتابیں تصنیف وتالیف کیں۔ان کاوشوں کے سبب ان کا شمار ادب کے ممتاز ناقدین میں ہوتا ہے۔دوسرے قلم کار جنہوں نے تنقید وتبصرہ کا سرمایہ پیش کیا ان میں ڈاکٹر اشفاق انجم،عتیق احمد عتیق، ڈاکٹر ہارون فراز،ڈاکٹر اقبال برکی،اسحٰق خضر،پروفیسر عبدالمجید صدیقی اور شبیر آصف کے نام قابل ذکر ہیں۔

۵)تحقیق ،تاریخ، تذکرے:

تحقیق کے نقطۂ نظر سے دور چہارم بے حد اہم ہے۔اس دور میں جتنا تحقیقی کام ہوا ہے اس سے قبل کسی دور میں نہیں ہوا۔ڈاکٹر عبدالعزیز انصاری،ڈاکٹر اشفاق انجم،ڈاکٹر ہارون فراز،ڈاکٹر نجم الہدیٰ شیخ،

ڈاکٹر عبداللطیف انصاری، ڈاکٹر اقبال برکی، اورڈاکٹر الیاس صدیقی نے مختلف موضوعات پر تحقیقی مقالے رقم کئے اور پی ایچ ڈی کی ڈگری پائی۔

ڈاکٹر اشفاق انجم کا تحقیقی مقالہ ''شعرائے مالیگاوٗں'' ایک قیمتی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کے حوالوں کے بغیر شہر کی ادبی تاریخ کے راستے پر قدم آگے نہیں بڑھایا جاسکتا۔ عبدالحلیم صدیقی نے دو کتابیں لکھیں جو اگرچہ تحقیق کے مروجہ اصولوں کے پیش نظر نہیں لکھی گئیں لیکن شہر اور شہر کی مشہور اور ممتاز مرحوم شخصیتوں کا اجمالی تعارف ضرور پیش کرتی ہیں۔ حافظ محمد مصطفیٰ ملی (بی کام) نے تحقیق کا نیا راستہ چنا۔ انہوں نے پہلے تو ''شرعی وزن اور پیمانے'' کے سلسلے میں گراں قدر تحقیقی کام کیا۔ اس کے بعد جنگ بدر اور احد کے صحابہؓ کرام کے حالات رقم کرکے تحقیق کا حق ادا کردیا۔

شہر میں تحقیق کا سلسلہ اب بھی جاری ہے اور کئی قلم کار اس میدان میں کام کررہے ہیں۔

۶)سوانح نگاری:

سوانحی مضامین یوں تو پروفیسر عبدالمجید مظہر صدیقی، حافظ زبیر احمد ملیؔ اور دیگر علماء نے بھی تحریر کئے لیکن ڈاکٹر عبدالعزیز انصاری نے تحقیقی اصولوں کی روشنی میں ''حیات حافظ مدار بخش'' کی تالیف کرکے مستقبل کے سوانح نگاروں کے لئے ایک مثالی نمونہ پیش کیا ہے۔

۷)مزاح نگاری:

طنزیہ ومزاحیہ تحریریں لکھنے والے قلم کاروں کی تعداد اس دور میں کچھ زیادہ ہی ہے۔ محمد حسین منشی، اسحٰق خضر، ڈاکٹر الیاس صدیقی، رفیع احمد، ظہیر ابن قدسی، سلطان نیازی مرحوم، ڈاکٹر اشفاق انجم، سراج دلار، محی الدین مالیگانوی، محمد سلطان، رشید قادری، ڈاکٹر اقبال برکی، شکیل صادق، عبدالرشید صدیقی، رئیس احمد شمس الضحیٰ اور ہما ناہیدان سبھی نے مزاحیہ تخلیقات پیش کیں۔ لیکن مستقل تصانیف پیش کرنیکا شرف صرف محمد حسین منشی، اسحٰق خضر اور محی الدین مالیگانوی کو ہی حاصل ہوسکا۔ بحیثیتِ مجموعی دور چہارم مزاح نگاری کے نقطۂ نظر سے پربہار ثابت ہوا۔

۸)ڈرامہ نگاری:

کئی قلم کاروں نے ڈرامہ نگاری پر توجہ دی۔ ان کے ڈرامے اسٹیج بھی ہوتے رہے لیکن بدقسمتی سے ان کی

اشاعت نہ اخبارات ورسائل میں ہوئی اور نہ کتابی شکل میں۔ ڈرامہ نگاروں میں سب سے نمایاں اور اہم نام سراج ولار کا ہے۔ دیگر فنکاروں میں ڈاکٹر افتخار احمد، خان انعام الرحمٰن، شکیل صادق اور عبدالرشید صدیقی کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ سلیم شہزاد نے منظوم ڈراموں کا ایک نیا طرز اختیار کر کے شیکسپیئر اور آغا حشر کاشمیری کی روایتوں کی تجدید کی۔

۹) بچوں کا ادب:

رفیع احمد، ظہیر ابن قدسی، اسحٰق خضر، اور ڈاکٹر افتخار احمد نے بچوں کا ادب تخلیق کرنے میں خصوصی دلچسپی لی اور قابل قدر سرمایہ پیش کیا۔ ان کی بعض کتابیں بھی منظر عام پر آئیں۔ علاوہ ازیں گذشتہ ادوار کے فنکاروں میں سے ایم یوسف انصاری، خیال انصاری، اور آصف بختیار سعید کا سفر بھی جاری رہا۔

۱۰) سفر نامے:

شبیر آصف نے ایک مختصر سفر نامہ لکھا لیکن عمر اسلم شیخ نے اپنے عراق کے سفر نامے کو باقاعدہ کتابی شکل عطا کی۔ ان کے علاوہ سفر ناموں پر کام نہیں ہوا۔

۱۱) افسانہ نگاری:

گذشتہ دور کے فنکاروں میں سلطان سبحانی، عرفان عارف اور احمد عثمانی افسانوں کے سرمایہ میں اضافہ کرتے رہے۔ زیر تبصرہ دور میں مقصود اظہر، خان انعام الرحمٰن اور مشتاق ایوبی نے کافی افسانے تخلیق کئے۔ دیگر فنکار جنہوں نے کچھ حد تک اس سرمایہ میں اضافہ کیا محمد سلطان، شکیل کیفی، اقبال ابن اختر اور نہال حفیظ ہیں۔

گذشتہ چند برسوں میں نوجوان افسانہ نگاروں کا ایک بڑا قافلہ اس شاہراہ پر گامزن ہوا ہے جن میں سے چند افسانہ نگاروں کا ذکر اس کتاب میں نمونتہً شامل کیا گیا ہے لیکن ان کا فن ابھی ابتدائی مرحلے میں ہے۔ بہر حال مستقبل کو ان سے کافی امیدیں وابستہ ہیں۔

۱۲) ناول:

رضیہ حکیم، لبنیٰ زیدی، اور ہما ناہید، ان تین خاتون قلم کاروں نے ناول نگاری پر توجہ کی۔ رضیہ حکیم کا ایک ناول شائع ہو چکا ہے۔ سلیم شہزاد نے اس میدان میں بھی اپنی انفرادیت کا ثبوت دیتے ہوئے تجرباتی ناول تخلیق

کئے جو ادب میں ایک اضافہ ہیں۔ خلیل فریدی نے چھ جاسوسی ناول لکھے جو اشاعت پذیر نہ ہو سکے۔

۱۳)طب و حکمت:

اس موضوع پر لکھنے والے ڈاکٹر پیر محمد رحمانی واحد قلم کار ہیں۔ انہوں نے مختلف طریقہ ہائے علاج کو اپنی تحقیق و جستجو کا موضوع بنایا اور کئی کتابیں تخلیق کیں۔ اس ضمن میں دوسرے کسی نثر نگار کی تخلیقات سامنے نہیں آئیں۔

۱۴)موسیقی:

فن موسیقی پر صرف محمد رمضان (فینس) نے قلم اٹھایا انہوں نے اس موضوع پر نہ صرف مضامین تحریر کئے بلکہ ایک کتاب بھی ترتیب دی۔

۱۵)فرہنگ:

مالیگاؤں کی ادبی تاریخ میں پہلی بار سلیم شہزاد نے ایک اہم اور مفید کام انجام دیا۔ انہوں نے برسوں کی محنت کے بعد ''فرہنگ ادبیات'' کے نام سے ایک نہایت گراں قدر تالیف لکھی جو شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہے۔

دور کی خصوصیات:

دور چہارم کی نثر نگاری بھی کافی متنوع ہے۔ ادبی اصناف کے علاوہ دیگر علوم و فنون پر بھی قلم کاروں نے توجہ دی لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ خالص ادبی نثر کے معاملے میں یہ دور گذشتہ دور سے پیچھے رہا۔ افسانہ تو بالکل ہی پس منظر میں چلا گیا۔ جو چند نئے لکھنے والے سامنے آئے وہ مطالعہ کی کمی اور زبان و بیان کی خامیوں کی وجہ سے فی الحال قابل توجہ نہیں۔ انہیں اپنا مقام بنانے کے لئے بڑی جدو جہد کرنی ہوگی۔ سلیم شہزاد اور رضیہ حکیم کے علاوہ جن دو خاتون قلم کاروں نے ناول کے میدان میں قدم رکھا ہے انہیں ابھی سخت مجاہدہ کی ضرورت ہے۔

اس دور کی سب سے افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ بیشتر فنکار تحریر کے معاملے میں غیر سنجیدہ اور غیر مستقل مزاج ثابت ہوئے۔ بحیثیت مجموعی اس دور میں مختلف النوع مضامین کا بڑا سرمایہ پیش کیا گیا اور تحقیق و تنقید کے تعلق سے شہر کی اب تک کی نثری تاریخ کا بہترین سرمایہ وجود میں آیا۔

چھٹا باب

مجموعی جائزہ

کسی زمانے میں مالیگاؤں شعراء کی کثرت کے سبب پہچانا جاتا تھا۔ بطور لطیفہ کئی باتیں مشہور تھیں۔ مثلاً یہ کہ یہاں جس پتھر کو ہٹایئے ایک شاعر نمودار ہوتا ہے۔ یا پھر یہ کہ شہر کا کوئی فرد جب کسی دوسرے مقام پر جاکر اپنے تعارف میں کہتا تھا کہ ''ناچیز مالیگاؤں سے حاضر ہوا ہے'' تو مخاطب ''آپ کا اسم شریف؟'' پوچھنے کی بجائے کہتا تھا ''آپ کا تخلص کیا ہے؟'' بیرونی دنیا کو مالیگاؤں سے آنے والا ہر شخص شاعر ہی دکھائی دیتا تھا۔ شہر کے بارے میں یہ تاثر یہاں کے مشاعروں، قدیم شعری گلدستوں، شعری مجموعوں، ہندوستان کے مختلف شاعروں میں یہاں کے شعراء کی شرکت اور ملک کے ادبی رسالوں اور گلدستوں میں ان کے کلام کی اشاعت نے قائم کیا تھا۔ استادی اور شاگردی کی روایت نے یہاں شعراء کی تعداد میں اضافہ کرنے میں بڑا کردار ادا کیا۔ مولانا محمد یوسف عزیزؔ، مسلم، شوقؔ، ادیب، اخترؔ، منشی نصیرؔ اور وقارؔ وغیرہ اساتذۂ سخن میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کے تیس چالیس شاگرد نہ ہوں۔ شعر و سخن کا یہ ماحول طویل زمانے تک قائم رہا جس کی وجہ سے مالیگاؤں نے ''شاعروں کے شہر'' کی حیثیت سے نام پایا۔

شہر کے بارے میں اس تصور کو توڑنے کی اولین کوشش عبد المجید وحید کی طرف سے ہوئی جنہوں نے باقاعدہ نثر نگاری اختیار کی اور کئی کتابیں تصنیف و تالیف کیں۔ دوسری کوشش شہر کے ان علماء کرام کی جانب سے ہوئی جنہوں نے اپنے مضامین اور دیگر نثری تخلیقات کے ذریعے شہر کو ایک الگ پہچان دینے میں کامیابی پائی۔ نثر نگاری کا بنیادی پتھر انہیں علماء کرام کے دست مبارک سے رکھا گیا۔ اس کے بعد لوگ اس کارواں میں شامل ہوتے گئے اور نثر نگاری کی ترقی ہوتی گئی۔ گذشتہ سو برس کے عرصے میں ڈیڑھ سو سے زائد نثر نگاروں نے قابل قدر سرمایہ فراہم کیا ہے۔

نثری سرمائے کا مجموعی جائزہ لینے کیلئے یہ طے کرنا ضروری ہے کہ یہ سرمایہ کتنا ہے؟ کس قسم کا ہے؟ اس میں ادب کتنا ہے؟ کن اصناف میں کام ہوا اور کونسی اصناف توجہ سے محروم رہیں؟

کتنی کتابیں تصنیف وتالیف ہوئیں؟ پیش کردہ نثر کا معیار کیا ہے؟ ان سوالوں کا جواب پانے کے لئے مختلف اقسام کی نثری تخلیقات پر تفصیلی نظر ڈالنی ہوگی۔

۱) مالیگاؤں میں نثر نگاری کی ابتدا چونکہ علماء نے فرمائی اس لئے شروع ہی سے اصلاحی، اخلاقی، مذہبی اور علمی نثر حاوی رہی۔ یہ سلسلہ دوسرے دور میں موقوف رہا لیکن تیسرے اور چوتھے دور میں ایسا عروج حاصل ہوا کہ دوسرے دور کی بھی کمی پوری ہوگئی۔ ان میں سے بے شمار مضامین مقامی اور بیرونی رسائل واخبارات میں اشاعت پذیر ہوئے۔ لیکن منتخب مضامین کی کتابی شکل میں اشاعت پر توجہ نہیں دی گئی۔ البتہ دینی اور مذہبی موضوعات پر کئی کتابیں لکھی گئیں جن کا تفصیلی ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس قسم کی نثر پیش کرنے والے قلم کاروں کی تعداد سب سے بڑی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مالیگاؤں کا مسلم معاشرہ ہمیشہ سے اصلاح پسند رہا ہے۔ اور بنیادی دور پر دینی فکر ومزاج رکھتا ہے۔ شہر کی اس خصوصیت کی وجہ سے صرف علماء کرام ہی نے نہیں بلکہ دیگر نثر نگاروں نے بھی اصلاح افراد ملت اور معاشرہ میں سماجی برائیوں کے سد باب کے نقطۂ نظر سے مضامین کا کافی سرمایہ پیش کیا۔ بلا مبالغہ ان مضامین کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ حتیٰ کے ان قلم کاروں نے جو سوانحی مضامین لکھے ان میں بھی اصلاح کے پہلو کو نظر انداز نہیں کیا۔ ہر چند ان تخلیقات کو ادب کے زمرے میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ اسکے باوجود یہ تسلیم کرنے میں تامل نہ ہونا چاہئے کہ اس قسم کی تخلیقات مالیگاؤں کی نثر نگاری کے بنیادی ستون کا درجہ رکھتی ہیں۔

ان میں اگر تعلیمی مضامین کو بھی شامل کر لیا جائے تو یہ سرمایہ اور زیادہ قیمتی اور وقیع ہو جاتا ہے۔

۲) دوسرا عظیم اور گراں قدر سرمایہ صنف افسانہ میں پیش کیا گیا۔ دورِ اول اگرچہ افسانوں اور کہانیوں سے خالی رہا لیکن دور دوّم کامل طور پر دور افسانہ نگاری ثابت ہوا۔ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ یہاں تک کہ جو نئے لکھنے والے نثر کے میدان میں آرہے ہیں ان کی توجہ بھی دیگر اصناف کی بجائے افسانوں کی جانب ہے۔

مالیگاؤں میں افسانہ نگاری کی شروعات ترقی پسند تحریک کے زیر اثر ہوئی۔ لیکن اس نے ہر دور کے بدلتے رجحانات کا ساتھ دیا۔ دور ترقی پسندی میں تحریر کردہ افسانے ملک کے دیگر علاقوں میں تخلیق کردہ افسانوں سے کم تر درجے کے نہیں تھے۔ یہ افسانے معیاری رسائل میں اہتمام سے شائع کئے جاتے تھے۔ بد قسمتی سے اس دور کے قلم کاروں نے اپنی تخلیقات کی حفاظت اور افسانوی مجموعوں کی اشاعت

پر توجہ نہیں دی۔ آخری دو ادوار میں افسانوں کے کئی مجموعے شائع ہوئے۔ ملک اور بیرون ملک کے ادبی رسائل میں ان پر تبصرے ہوئے نیز ادیبوں اور ناقدین نے شہر کے فن افسانہ نگاری کا اعتراف بھی کیا۔

افسانوں نے جب جدیدیت کی سرحدوں میں قدم رکھا تو شہر کے افسانہ نگار بھی پیچھے نہیں رہے۔ علامتیت، عصری حسیت، جدید اسلوب و ٹیکنک، نئی لفظیات اور موضوعات کی تازہ کاری سے آراستہ افسانے بڑی تعداد میں منظر عام پر آئے جو ہندو پاک کے معیاری رسائل میں شائع ہوئے اور اردو دنیا سے اپنا خراج وصول کیا۔

آج بھی افسانوں کا یہ سفر جاری ہے۔ بہت سے لکھنے والے فن افسانہ نگاری کو آگے بڑھانے اور افسانوی سرمایے میں گراں قدر اضافے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ ان میں وہ نئے لکھنے والے بھی شامل ہیں جن کا فن ابھی ابتدائی منزل میں ہے۔

۳) ڈرامہ نگاری کی شروعات ضیاء ڈرامائسٹ نے کی۔ شہر کے وہ واحد ڈرامہ نگار تھے۔ جن کے تمام ہی ڈرامے اشاعت پذیر ہوئے۔ ان کے بعد بہت سارے فنکاروں نے اس صنف پر توجہ دی اور ڈراموں کا اچھا خاصہ سرمایہ پیش کیا۔ یہ ڈرامے کئی مقامات پر اسٹیج بھی ہوئے لیکن افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ کسی بھی قلم کار نے ڈراموں کی اشاعت پر توجہ نہیں دی۔ اسلئے ڈراموں کا کوئی مجموعہ منظر عام پر نہ آسکا۔

جہاں تک ان ڈراموں کے ادبی معیار کا سوال ہے وہ اپنے عصر کے ڈراموں میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض ڈرامہ نگاروں نے جدید تیکنک کا استعمال کر کے علامتی ڈرامے بھی تخلیق کیے ہیں اس طرح سے فن ڈرامہ نگاری کو بہت آگے بڑھا دیا ہے۔ لیکن چونکہ شائع ہو کر منظر عام پر نہیں آسکے اسلئے اردو دنیا نہ تو ان سے بہتر طور پر واقف ہوسکی اور نہ ان کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ لگا سکی۔ اب بھی وقت نہیں گذرا ہے۔ فن کاروں کو ان کی اشاعت پر توجہ دینی چاہیے۔

۴) طنزیہ و مزاحیہ نثر میں بھی قلم کاروں نے نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے اور طنز و مزاح کا ایک بڑا سرمایہ پیش کیا ہے۔ طنز و مزاح کے نشانات مالیگاؤں کی نثر نگاری کے ہر دور میں ملتے ہیں۔ ماسٹر عبدالرحمن صدیقی سے لیکر رفیع احمد تک لکھنے والوں کی ایک طویل فہرست ہے۔ انمیں سے اکثر فنکاروں کی تخلیقات مقامی سرحدوں تک محدود رہیں۔ صرف چند نام ایسے ہیں جن کی تخلیقات بیرونی رسائل میں

اشاعت پذیر ہوئیں۔ مضامین کو کتابی شکل عطا کرنے کا شرف محض پانچ سات فنکاروں کو ہی حاصل ہوسکا۔ ان مجموعوں نے ہند و پاک کے ممتاز ناقدین اور اہلِ نظر کی توجہ پائی۔

ایک افسوس ناک حقیقت یہ ہے کہ دورِ ہائے گذشتہ کے قلم کاروں کے لکھنے میں باقاعدگی نہ تھی اور عصرِ حاضر کے فنکاروں میں بیشتر نے اب قلم رکھ دیا ہے۔ شہر میں اس صنف کا مستقبل کچھ زیادہ روشن دکھائی نہیں دیتا۔

۵) بچوں کے ادب کے سلسلے میں شہر نے اپنی کارگذاریوں کی وجہ سے سارے ملک کی توجہ اپنی جانب مبذول کرلی ہے۔ آج سے ستر سال قبل مستقیم مالیگانوی کی تحریر کردہ بچوں کی کہانیوں سے لے کر اب تک بے شمار فنکاروں نے بچوں کے ادب کا زبردست سرمایہ پیش کیا ہے۔ اس میں نثر و نظم دونوں شامل ہیں۔ بعض فنکاروں نے بچوں کے ادب میں منفرد اور نہایت ممتاز مقام حاصل کیا ہے۔ ان فنکاروں کی لاتعداد کہانیاں بچوں کے رسائل اور اخبارات میں شائع ہوئیں۔ کہانیوں کی بہت سی کتابیں اشاعت پذیر ہوئیں۔ بچوں کے اخبارات و رسائل جاری ہوئے۔ کئی اب بھی جاری ہیں۔ بعض فنکاروں نے خود کو بچوں کے ادب کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ نئے لکھنے والے بھی سامنے آرہے ہیں۔ اس لئے یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ ماضی کی طرح بچوں کے ادب کا مستقبل بھی روشن رہے گا۔

۶) تحقیق و تنقید کے سلسلے میں حالات اطمینان بخش نہیں ہیں۔ جن چند اساتذہ نے تحقیقی مقالے تحریر کئے انہوں نے ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد گویا اپنی منزل پالی اور اپنا تحقیقی سفر ترک کردیا۔ ڈاکٹر اشفاق انجم ان سے مستثنیٰ ہیں کہ جنہوں نے ''شعرائے مالیگاؤں'' کے بعد بھی اپنا تحقیقی سفر جاری رکھا ہے اور مختلف موضوعات پر کام کررہے ہیں۔ ان کے ساتھ ہی ساتھ حافظ محمد مصطفیٰ ملی اب بھی مذہبی موضوعات پر تحقیقی کام میں سرگرم ہیں۔ چند دیگر قلم کار مختلف موضوعات پر تحقیقی مقالے لکھنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں لیکن ان کا سفر انتہائی سست رفتار ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ حافظ محمد مصطفیٰ کے علاوہ کسی بھی تخلیق کار نے اپنے تحقیقی مقالے کی اشاعت پر توجہ نہیں دی جس کی وجہ سے کئی گراں قدر تالیفات زندانِ اوراق میں قید ہوکر رہ گئی ہیں۔

تنقید کا سرمایہ تو اور بھی کم ہے۔ چند تخلیق کاروں کے جستہ جستہ مضامین کے علاوہ اگر کسی فنکار نے ادبی تنقید پر بھی بھرپور توجہ دی ہے تو وہ سلیم شہزاد ہیں۔ ان کے مضامین معیاری ادبی رسائل میں تواتر کے ساتھ اشاعت پذیر ہو رہے ہیں۔ نیز ان کی کئی کتابیں بھی منظر عام پر آچکی ہیں۔

بحیثیت مجموعی ادبی تنقید و تحقیق کی فضا دھندلی ہے اور مستقبل میں مطلع صاف ہونے کی امید بھی نہیں۔

۷) جہاں تک ناول نگاری کا سوال ہے اگر جاسوسی ناولوں کو خارج کر دیا جائے تو صرف چند ناول باقی رہ جاتے ہیں۔ اس صنف میں کام نہ ہونے کے برابر ہے۔ بایں ہمہ سلیم شہزاد کے تجرباتی ناولوں کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں جنھوں نے اردو دنیا کو ناول کی ایک نئی جہت سے روشناس کیا ہے۔ چند غیر مطبوعہ ناول ضرور موجود ہیں لیکن ان کے چھپنے کے امکانات معدوم ہیں۔ پتہ نہیں مستقبل کی نسلیں مالیگاؤں کے کسی تخلیق کار کا تحریر کردہ ناول شائع شدہ حالت میں دیکھ پائیں گی یا نہیں؟

۸) سوانح نگاری اور سفرناموں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ چند مضامین اور چند کتابیں جن میں بالخصوص مولانا حنیف ملی کا نقوشِ نعمانی اور پروفیسر عبدالعزیز انصاری کی کتاب ''حیات حافظ مدار بخش'' قابل ذکر ہیں، مالیگاؤں میں سوانح نگاری کا کل سرمایہ ہیں۔ سفرنامے لکھے ضرور گئے، ان کی اہمیت سے انکار بھی ممکن نہیں۔ لیکن چند ہی اشاعت پذیر ہو سکے۔ ان سفرناموں میں مولانا محمد حنیف ملی کا سفرنامہ ''نقوشِ چین'' اور شبیر حکیم کا سفر امریکہ ''نیویارک ڈائری'' ممتاز مقام پانے کے حق دار ہیں۔

۹) طب، سائنس اور دیگر فنون میں بھی بس اکا دکا نثر نگار ہی دکھائی دیتے ہیں۔ یہ بات قابل اطمینان ہے کہ سرمایہ قلیل ہونے کے باوجود نہایت ہی منفرد، وقیع اور قیمتی ہے۔

غرض اب تک مالیگاؤں میں ادبی و فنی نثر نگاری کا جو سرمایہ پیش کیا گیا ہے اور جتنی کتابیں تحریر کی گئی ہیں کسی بھی قیمت پر نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔ بلکہ یہ دیکھ کر اطمینان ہوتا ہے کہ عموماً کسی ایک مقام پر نثر کا ایسا وسیع اور وقیع سرمایہ وجود میں نہیں آتا۔ اردو کے ہر اہم مرکز کی خصوصیت یہ ہے کہ وہاں شعراء کی تعداد نثر نگاروں سے عموماً دس گنا زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے شعری سرمایہ دس گنا زائد وجود

میں آتا ہے۔ یہ مالیگاؤں کی خوش قسمتی ہے کہ مشہور اور نمایاں ادبی مراکز سے دور ہونے کے باوجود شعری تخلیقات سے بڑھ کر نثر کا سرمایہ سامنے آیا۔ ڈیڑھ سو سے زائد نثر نگاروں نے اپنے قلم کے جوہر دکھائے اور نثر کا ایسا قیمتی اور گراں قدر سرمایہ پیش کیا جو کسی بھی بستی کے لئے باعثِ فخر ہے۔ مالیگاؤں کا اردو داں طبقہ بھی بجا طور سے اس پر فخر کر سکتا ہے۔ شہر کے قلم کار اگر اشاعت کتب پر مزید توجہ کرتے تو اردو دنیا مالیگاؤں کے نثری ادب کا زیادہ بہتر اعتراف کرتی۔

مستقبل کے امکانات:

مالیگاؤں کے نثر نگاروں کے حالات کا باریک بینی سے مطالعہ کرنے سے ایک عجیب افسوس ناک حقیقت پر سے پردہ اٹھتا ہے۔ وہ یہ کہ ان میں سے زیادہ تر قلم کار نثر نگاری میں ایک مخصوص حد سے آگے نہ گئے۔ عمر کے ایک مخصوص دور میں یا یوں کہہ لیجئے عالم شباب میں انہوں نے نثر پر خاصی توجہ دی لیکن جب ان کے فن میں پختگی آنے لگی اور نام کو اعتبار حاصل ہونے لگا تو لکھنا ترک کر کے بیٹھ گئے۔ تمام ادوار کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ نصف سے زائد قلم کار ایسے ہیں جنہوں نے کسی وقتی جوش، جذبے، شوق، ضرورت یا مصلحت کے تحت نثر کے میدان میں قدم رکھ تو دیا یا پھر کسی کے بولنے سمجھانے سے دو چار تخلیقات تحریر کر دیں۔ لیکن ان اسباب کے ختم ہو جانے پر لکھنا یوں ترک کیا کہ پلٹ کر نہیں دیکھا۔ اس کی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں۔

ڈاکٹر ظ انصاری مرحوم اکثر تقریروں میں کہا کرتے تھے کہ شاعری نثر کا بچپن ہے۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ نثر بہر حال شاعری سے مشکل ہے۔ مشق و مطالعہ کی کمی، وقت اور محنت کا فقدان، احساسِ کمتری، پذیرائی سے مایوسی، الیکٹرونک میڈیا کے اثرات وہ دوسرے اسباب ہو سکتے ہیں جو شہر کے نثر نگاروں کا راستہ کاٹتے رہے۔ ایک اور اہم سبب یہ ہے کہ مالیگاؤں کے فنکار عموماً کثیر جہتی سرگرمیوں میں الجھے رہتے ہیں اور یکسو ہو کر ایک سمت میں سفر نہیں کرتے جس کے منفی اثرات ان کی تخلیقات میں دکھائی دیتے ہیں۔

دورِ حاضر کا جائزہ لیا جائے تو حالات کی نزاکت کا پتہ چلتا ہے۔ ۷۵؍ نثر نگاروں میں سے ۲؍ کا انتقال ہو چکا ہے۔ ۳۰؍ قلم کاروں نے لکھنا بالکل ترک کر دیا ہے۔ ۱۲؍ ایسے ہیں جو کبھی کبھی نیند سے چونک پڑتے ہیں۔ جو ۲۸؍ بچ رہتے ہیں ان میں سے دس قلمکار بالکل نئے ہیں جو ابھی قلم پکڑنا سیکھ رہے ہیں۔

گذشتہ ادوار کے نوقلم کاروں نے اپنا تخلیقی سفر جاری رکھا ہے۔ انہیں شامل کرلیا جائے تو کل ۷۲ نثر نگار ہی بچتے ہیں جو استقلال اور استواری کے ساتھ نثری ادب تخلیق کر رہے ہیں۔

ان اعداد و شمار سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ اردو لکھنے، پڑھنے اور بولنے والی اتنی بڑی آبادی میں نثر نگاروں کی تعداد تشویش ناک حد تک کم ہو چکی ہے۔ اگر شعوری اور منصوبہ بند کوششیں نہ کی گئیں تو مالیگاؤں میں اردو نثر نگاری کے مستقبل کے تعلق سے مایوسی کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

حرف آخر:

اب سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ اس سلسلے میں کیا کیا جا سکتا ہے؟ راقم کے خیال میں ادبی انجمنوں کو چاہئے کہ وہ شعری نشستوں کے ساتھ ساتھ نثری ادبی نشستوں پر بھی توجہ دیں، اساتذۂ سخن اپنے شاگردوں کو نثر نگاری کی ترغیب دلائیں، ماضی میں جس طرح دائرۂ ادبیہ صرف نثر کے فروغ کے لئے قائم کی گئی تھی اسی طرح بعض ادبی بزموں کو اپنی سرگرمیاں نثر کے لئے مختص کرنی چاہئے۔ اردو تعلیمی ادارے بھی نثر کے فروغ اور بقا میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

الیکٹرونک میڈیا خواہ کتنا ہی پرکشش اور طاقت ور ہو پرنٹ میڈیا کی جگہ نہیں لے سکتا۔ نئے قلم کار اگر یکسوئی، محنت اور لگن سے کام لیں، قدیم و جدید نثری ادب خصوصاً ادبی رسائل کا بھرپور مطالعہ کریں، خود کو عصری ادب سے قریب تر رکھیں اور ستائش اور صلے سے بے پرواہ ہو کر ادب تخلیق کرنے کی کوشش کریں نیز اپنی تخلیقات کو مقامی اور بیرونی اخبارات و رسائل میں اشاعت کے لئے بھیجتے رہیں تو یقیناً جہانِ اردو کی طرف سے پذیرائی ہوگی۔

آخری بات یہ کہ وطن عزیز کے صاحبانِ ثروت اور اہلِ ذوق حضرات مقامی قلم کاروں کی شائع شدہ کتابوں کو خریدنے میں فراخدلی کا مظاہرہ کریں اور فنکاروں کی حوصلہ افزائی میں کوئی کسر نہ چھوڑیں تو انشاء اللہ ماضی کی طرح مالیگاؤں کا ادبی مستقبل بھی روشن اور تابناک رہے گا۔

ساتواں باب

ادبی انجمنیں صہ

ادبی انجمنیں کسی بھی مقام کے ادب وزبان کی ترقی میں نمایاں اوراہم کردار ادا کرتی ہیں۔ان کی وجہ سے ادبی ماحول وجود میں آتا ہے،قلم کاروں کی حوصلہ افزائی اور اصلاح ہوتی ہے۔فن میں پختگی آتی ہے،خیالات میں وسعت پیدا ہوتی ہے،معلومات میں اضافہ ہوتا ہےاورسب سے بڑی بات یہ کہ خوداعتمادی پیدا ہوتی ہے۔مالیگاؤں اس لحاظ سے خوش نصیب ہے کہ یہاں ابتدا ہی سے شعروادب کی مختلف انجمنیں ادب کے میدان میں سرگرم رہیں۔ان انجمنوں نے نہایت مفیدادبی پروگرام منعقد کئے اور بہت ساری کتابیں شائع کیں اور نثرونظم کی ترقی اورفروغ میں زبردست رول ادا کیا۔ان کے تفصیلی تذکرے کے بغیر مالیگاؤں میں اردو نثر نگاری کی تاریخ نامکمل رہے گی۔چونکہ ادبی ماحول کے بنانے میں شعری اور نثری دونوں قسم کی انجمنوں کا برابر کا حصہ ہوتا ہے اسلئے اس باب میں دونوں کے تذکرے شامل ہیں۔ شعری بزموں کا سرسری ذکر کیا گیا ہے۔لیکن ان انجمنوں کا ذکر قدرے تفصیل سے کیا گیا ہے،جنہوں نے نثر نگاری کی ترقی اورنشوونما میں حصہ لیا۔ان کے بیان میں تاریخی ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے۔

۱)ترقیٔ سخن:

۱۹۲۰ء میں لطیف اناوی،احسن،شوق،اور مولوی عبدالسلام صمصام وغیرہ نے اس شعری بزم کی تشکیل کی۔ اس کے اولین صدر اکھن شمشاد اور سکریٹری صدیق حسن شوق تھے۔بزم کے زیراہتمام طرحی مشاعرے منعقد ہوتے تھے۔

صہ :اس باب کے لئے بچوں کے شاعر وادیب رفیع احمد کی تحریروں سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔راقم ان کا شکرگذار ہے۔

۲)دائرہ ادبیہ:

دائرۂ ادبیہ نے دورِ اول میں نثر نگاری کی ترقی میں سب سے اہم کردار ادا کیا۔ اس کا قیام دراصل نثر نگاری کے لئے ہی عمل میں آیا تھا۔ اس کا قیام محرم الحرام ۱۳۴۱ھ (اگست ۱۹۲۲ء) میں مدرسہ بیت العلوم کے ماتحت عمل میں آیا۔ مولانا عبدالحمید نعمانی ناظم تھے اور مولانا محمد یوسف عزیز نائب ناظم۔ مولانا عبدالحمید نعمانی نے ۱۹۲۶ء میں اپنے ایک مضمون میں دائرۂ ادبیہ کے مندرجہ ذیل مقاصد بیان کئے تھے ص۱۔

(الف) ملک کی علمی وادبی رفتار معلوم کرنے کی غرض سے ماہوار مقتدر علمی وادبی رسائل منگائے جائیں تا کہ ان کا مطالعہ ادبیات، رغبت اور دلچسپی کا باعث ہو۔

(ب) ایک وسیع کتب خانہ قائم کیا جائے۔

(ج) تقریر کا ملکہ پیدا کرنے کے لئے ہفتہ وار ایک مجلس خطاب قائم ہو۔

(د) مشترکین دائرہ میں سے ایک جماعت مضمون نویسی کا فرض انجام دے اور تحریر شدہ مضامین ملک کے کسی نہ کسی رسالے میں بغرض طباعت بھیج دئے جائیں۔

مولانا نے اس تحریر میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس وقت تک (یعنی ۱۹۲۶ء تک) مضامین کی تعداد ۳۰ تک پہنچ چکی ہے جو مختلف رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں ص۲۔

مولانا نعمانی نے یہ تحریر دھولیہ میں بیٹھ کر برجستہ لکھی تھی جس کی وجہ سے وہ دائرہ کا ایک اہم مقصد بیان کرنا بھول گئے۔ محمد صدیق مسلم نے دائرہ کی سالانہ رپورٹ میں اسے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ''ادب'' نامی ایک ماہوار دستی رسالے کا اجراء، مسلم صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''ادب'' کے تین نمبر نکل چکے ہیں ص۳۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قلمی رسالے ''ادب'' کا اجراء ۱۹۲۴ء میں ہو چکا تھا۔ بعد میں شاید تعطل کا شکار ہو گیا۔ لیکن ۱۹۳۳ء میں دوبارہ پورے آب و تاب سے جاری ہوا۔

رسالہ ادب (قلمی) میں ان تمام علمائے کرام اور نثر نگاروں کی تخلیقات دستیاب ہوتی ہیں جن کا تذکرہ اس مقالے کے دوسرے باب میں کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی تحریریں ملک کے

ص۱: رسالہ البدر، دھولیہ، فروری و اپریل ۱۹۲۶ء، ص ۱۲

ص۲: افسوس ان میں سے کوئی بھی مضمون دستیاب نہ ہوسکا۔

ص۳: محمد صدیق مسلم مالیگانوی، قومی رپورٹ، المومن، کلکتہ، جنوری ۱۹۲۵ء، ص ۲۳

یہ شمارے دستیاب نہ ہوسکے۔

مختلف رسائل میں بھی اشاعت پذیر ہوئیں۔

یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ دائرۂ ادبیہ نے نثر نگاری کے فروغ میں تاریخ ساز کردار ادا کیا۔

۳)بزم عزیزی:

حضرت مسلم اور حضرت شوق نے مولانا یوسف عزیز کے شاگردوں کو یکجا کر کے اس شعری بزم کی بنیاد ۱۹۲۳ء میں ڈالی۔ مولانا محمد یوسف تاحین حیات اس کے سرپرست رہے۔ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۷۰ء تک ماسٹر صدیق حسن شوق اس کے صدر رہے۔ نثر نگاری کے فروغ میں جو کردار دائرۂ ادبیہ نے ادا کیا، شاعری میں وہی کردار بزم عزیزی نے ادا کیا۔ ۱۹۲۳ء میں ہی بزم عزیزی کے شعری گلدستے سہ ماہی ''بہار'' کا اجرا ہوا۔ اس میں شعراء کے طرحی اور غیر طرحی کلام کے علاوہ ادبی مضامین کی اشاعت بھی ہوتی تھی۔ ابتدا میں آگرہ سے چھپ کر آتا تھا بعد میں میرٹھ میں طباعت ہوتی رہی۔ رسالہ ۱۹۲۵ء تک جاری رہا۔

اس بزم سے شعراء کے ایک بہت بڑے قافلے کی وابستگی رہی۔ ایک طویل زمانے تک بزم کے زیر اہتمام طرحی اور غیر طرحی مشاعروں کا انعقاد ہوتا رہا۔ فی الحال اسحٰق خضر اس کے صدر اور صالح بن تابش سکریٹری ہیں۔ برسوں سے کوئی پروگرام منعقد نہیں ہوا ہے۔

٤)بزم سخن:

بزم سخن کا باقاعدہ قیام ۱۹۳۲ء میں عمل میں آیا، مولانا ثاقب مرحوم اس کے اولین صدر تھے۔ مختلف اوقات میں عبدالستار قریشی، ادیبؔ مالیگانوی، مولوی محمد یونس، منشی نصیرؔ وغیرہ صدارت کے عہدے پر فائز رہے۔ بزم کی جانب سے ہفتہ واری اور ماہانہ طرحی مشاعروں کے علاوہ سالانہ مشاعرۂ عام بھی منعقد ہوتے تھے۔ آج کل الحاج بشیر ادیب، خالد انصاری اور جمیل انصاری نے پرچم سنبھال رکھا ہے اور بزم کے تنِ مردہ میں جان ڈالنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔

۵)قصر الادب:

۱۹۳۶ء میں حضرت ادیبؔ نے حضرت اخترؔ کے ساتھ بزم سخن سے علاحدگی اختیار کر لی اور قصر الادب کی بنیاد ڈالی۔ ادیبؔ صاحب تاعمر اس کی سرپرستی فرماتے رہے۔ بزم کے تربیت یافتہ بہت سے شعراء و ادباء نے

نثر و نظم اور صحافت میں اونچا مقام حاصل کیا۔ احمد نسیم مینا نگری، عزیز ادیبی اور ڈاکٹر اشفاق انجم ان میں نمایاں ہیں۔ بزم کے زیر اہتمام شعری و ادبی نشستیں منعقد ہوتی تھیں۔ حضرت ادیبؔ کے وصال کے بعد بزم کی سرگرمیاں ختم ہو گئیں۔

۶) بزم ادب:

اس شعری بزم کا قیام ۱۹۳۸ء میں محلّہ قلعہ میں عمل میں آیا۔ مرحوم محمد خلیل سیٹھ اور خورشید حسن مرزا سرپرستی کرتے تھے۔ مشاعروں کا انعقاد اور ادبی کاموں میں دلچسپی لینا بزم کا خاص مقصد تھا۔ اس کے زیر اہتمام کئی شاندار و یادگار مشاعرے منعقد ہوئے۔ فی الحال بسملؔ کاملی اس کے صدر ہیں اور سرگرمیاں برسوں سے معطل ہیں۔

۷) انجمن ترقی اردو:

۱۹۳۷ء میں عبدالحفیظ خاں (اس وقت کے مالیگاؤں بلدیہ کے چیف آفیسر) ان کے برادر ڈاکٹر عبدالمجید خاں وحشی اکبر آبادی اور عابد انصاری کی کوششوں سے انجمن کا قیام عمل میں آیا۔ یہ کل ہند انجمن ترقی اردو کی ایک شاخ تھی۔ جس کا مقصد اردو کے کاز کے لئے جد و جہد کرنا تھا۔ چیف آفیسر عبدالحفیظ خاں کو اردو ادب سے گہری دلچسپی تھی اور وہی سب سے زیادہ سرگرم رہتے تھے۔ ان کی کوششوں سے ڈاک گھر میں منی آرڈر کے فارم اردو میں دستیاب ہونے لگے۔ چودہ پندرہ برس کے بعد انجمن کی سرگرمیاں موقوف ہو گئیں۔ ۱۹۵۷ء میں احیاء عمل میں آیا۔ مولانا عبدالحمید نعمانی نے صدارت کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ بعد میں ڈاکٹر پیر محمد رحمانی صدر بنائے گئے۔ انجمن کے زیر اہتمام ادبی تنقیدی نشستیں منعقد ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ یوم منشی پریم چند، تقریری مقابلہ اور یوم غالبؔ جیسے یادگار پروگرام بھی منعقد ہوئے۔ ۱۹۶۹ء میں انجمن کی سرگرمیاں ایک بار پھر تعطل کا شکار ہو گئیں۔ ۲۵ رفروری ۱۹۹۲ء کو انجمن کی تشکیل جدید ہوئی۔ پروفیسر عبدالحفیظ انصاری (سابق پرنسپل سٹی کالج) اس کے صدر ہیں، شعبان جامعی اور ڈاکٹر ہارون فرازؔ نائب صدور اور خیال انصاری جنرل سکریٹری کے عہدے پر فائز ہیں۔

۸)انجمن آئینۂ ادب:

اس شعری بزم کو ۱۹۴۱ء میں اختر مالیگانوی نے قائم کیا۔ شعراء کی بڑی تعداد اس سے وابستہ تھی۔ بزم کے زیر اہتمام ماہانہ مشاعرے منعقد ہوتے تھے۔ بزم نے ''جمال ہم نشیں'' اور شہکار ہم نشیں'' دو کتابیں بھی شائع کیں۔ جن میں شعراء کے نمونۂ کلام کے ساتھ ساتھ مختصر حالات بھی درج ہیں۔ بزم اب موجود نہیں۔

۹)انجمن فردوس ادب:

مولانا یحییٰ زبیر کی سرپرستی میں موتی تالاب کے چند نوجوانوں نے اس انجمن کی بنیاد ۱۹۴۵ء میں ڈالی۔ صدر اول محمد یونس ظفر فردوسی تھے۔ شمیم گلریز نائب صدر، سکریٹری عبدالمجید سرور تھے۔ بزم کی جانب سے پندرہ روزہ اور سالانہ مشاعرے منعقد ہوتے تھے۔ بعض پروگرام نہایت شاندار ہوئے۔ چند برسوں کے بعد سرگرمیاں موقوف ہوگئیں۔ ۱۹۵۸ء میں انجمن کی نشاۃ الثانیہ ہوئی تو یوسف فیض صدر بنائے گئے۔ عبدالمجید سرور بزم کے روح رواں اور اس کی تمام سرگرمیوں میں پیش پیش رہے۔

۱۰)انجمن ترقی پسند مصنّفین:

ترقی پسند ادبی تحریک نے ۱۹۳۶ء میں تنظیمی شکل اختیار کی۔ مالیگاؤں میں اس کی ہوا دس برس کے بعد پہنچی۔ شہر کے کئی قلمکاروں کو ممبئی کے ترقی پسند ادیبوں کے جلسوں میں شرکت کا موقع ملا۔ ان میں نشاط شاہدوی سب سے نمایاں تھے۔ نشاطؔ نے ممبئی سے لوٹنے کے بعد مالیگاؤں میں انجمن ترقی پسند مصنّفین کے قیام میں عملی دلچسپی لی۔ اس کا قیام ۱۹۴۶ء میں عمل میں آیا۔ انجمن کی پہلی نشست محمد یونس محوی کے مکان پر منعقد ہوئی۔ اس نشست میں مولانا محمد یوسف عزیز، ادیبؔ مالیگانوی، شبیر احمد حکیم، ڈاکٹر وحشی اکبرآبادی اور محمد یونس محوی شریک تھے۔

اس کی نشستیں باقاعدگی سے منعقد ہوتی تھیں۔ قلم کاروں کا زور نثری ادب پر زیادہ رہتا تھا۔ تخلیقات پر علمی بحثیں ہوتی تھیں۔ ۱۹۴۸ء میں نشاطؔ کا انتقال ہوگیا۔ جس کے سبب انجمن کی سرگرمیاں مدھم پڑ گئیں۔

۱۱)ادارۂ ادب اسلامی:

ترقی پسند مصنفین کے جواب میں شہر کے اسلام پسند ادبا و شعراء نے ۱۹۵۰ء میں انجمن تعمیر پسند مصنفین کی بنیاد ڈالی۔ جو ۱۹۵۵ء میں ادارۂ ادب اسلامی میں تبدیل ہوگئی۔ ادارے کی ادبی اور تنقیدی نشستیں احرار دارالمطالعہ میں منعقد ہوتی تھیں۔ بعد میں الشفاء دواخانے میں منعقد ہونے لگیں۔ مادہ پرستانہ اور خدا بیزار نظریات کے بالمقابل اسلامی افکار کو فروغ دینا انجمن کا بنیادی مقصد تھا۔ ادارے میں بہت سے نئے لکھنے والوں کو تربیت اور حوصلہ افزائی ملی۔ احمد نسیم ینا نگری، عبدالمجید سرور، رائے حبیب الرحمٰن، رفیع احمد، یوسف عزیز، لطیف عزیز، فضل الرحمٰن، خان انعام الرحمٰن وغیرہ مختلف اوقات میں فعال رہے۔ احمد نسیم ینا نگری کچھ عرصہ صدر رہے۔ فی زمانہ لطیف عزیز سکریٹری ہیں۔ گذشتہ چند برسوں سے ادبی سرگرمیاں ختم سی ہوکر رہ گئی ہیں۔

۱۲)انجمن نوجوان مصنفین:

۱۹۵۵ء کے بعد انجمن ترقی پسند مصنفین کی جگہ ترقی پسند ادب کے فروغ کے لئے انجمن نوجوان مصنفین کے نام سے ملک بھر میں تنظیمیں قائم ہونے لگیں۔ مالیگاؤں میں انجمن نوجوان مصنفین کا قیام ۵۹-۱۹۵۸ء میں عمل میں آیا، اسماعیل راز صدر اور لطیف جعفری سکریٹری تھے۔

اس کی ادبی سرگرمیاں بہت طویل مدت تک جاری رہیں۔ نوجوان فنکاروں پر اس نے نمایاں اثرات چھوڑے۔ عموماً انجمن کے زیر اہتمام ادبی و تنقیدی نشستیں منعقد ہوتی تھیں۔ تخلیق کار اپنی تخلیقات نظم و نثر پیش کرتے تھے۔ گرما گرم بحث و مباحثہ ہوتا تھا۔ میٹنگوں اور اجلاسوں کی روداد یں اور رپورتاژ مقامی و بیرونی اخبارات میں شائع ہوتے تھے۔ اس سے وابستہ نثر نگاروں میں سے بہت سوں نے ادب میں مقام بنایا۔ بعض کے نام ہندو پاک میں احترام سے لئے جاتے ہیں۔ نمایاں فنکاروں میں عتیق احمد عتیق، سلطان سبحانی، احمد عثمانی، فیاض اختر، لطیف جعفری، سجاد عزیز اور نشاط انور شامل ہیں۔

۱۳)انجمن پاسبان ادب:

۱۹۵۹ء میں اسکولی طلبہ نے قائم کی۔ مختار یونس، محمد اسحٰق ہنر (فی الحال خضر) محمد نور محمد وغیرہ بنیادی اراکین تھے۔ انجمن کی ادبی نشستیں اسلام پورہ میں منعقد ہوتی تھیں اور پڑھی گئیں تخلیقات ممبئی کے روزناموں کے ادبی

صفحات میں اشاعت کے لئے بھیج دی جاتی تھیں۔ ایک سال بعد سرگرمیاں ختم ہو گئیں۔

۱۴)بزم صالح ادب:

۱۹۶۵ء میں محلہ بیلباغ کے چند نوجوانوں نے مولانا رشید احمد عثمانی کی سرپرستی میں اسے قائم کیا۔ ڈاکٹر افتخار احمد اس میں پیش پیش تھے۔ ڈاکٹر ہارون فراز نے اپنی ابتدائی تخلیقات اسی بزم کی نشستوں میں پیش کیں۔

۱۵)بزم ناسخ:

۱۹۶۵ء میں قائم ہوئی۔ فدا حسین فدا الہ آبادی اس کے پہلے صدر اور ڈاکٹر اشفاق انجم سکریٹری تھے۔ بزم کے زیر اہتمام ادبی وشعری نشستوں اور مشاعروں کا انعقاد ہوتا تھا۔ ۸۔۷۔۱۹۷۷ء میں بزم کی جانب سے جو طرحی مشاعرہ ہوا تھا۔ اس میں شہر کے تمام ہی اساتذۂ سخن اپنے اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر، (شاید آخری بار) یکجا ہوئے تھے۔ بزم کے زیر اہتمام ۱۹۶۷ء میں ایک مشترکہ شعری مجموعہ ''شعلۂ احساس'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ جس میں شعراء کا مختصر تعارف بھی شامل ہے۔

۱۶)انجمن معیار ادب:

انجمن کی بنیاد ۱۹۶۶ء میں پڑی۔ حاجی غلام رسول حاجی محمد صدیق سرپرست، ڈاکٹر غلام حیدر رفعت صدیقی صدر اور غلام مصطفیٰ اثر صدیقی سکریٹری تھے۔ انجمن کے زیر اہتمام ادبی وشعری نشستوں کے علاوہ نظم گوئی، غزل گوئی اور نعت گوئی کے مقابلے، کسی ایک شاعر کی چند غزلوں کا تجزیاتی مطالعہ، شعرائے کرام کے جشن کے علاوہ ایک آل انڈیا مشاعرہ بھی منعقد ہو چکا ہے۔

انجمن کا سب سے اہم کارنامہ سہ ماہی ادبی رسالے ''نوید نو'' کا اجراء ہے جو تقریباً تین سال تک باقاعدگی سے نکلتا رہا۔ اس میں بہت سے مقامی نثر نگاروں کی تخلیقات اشاعت پذیر ہوتی رہیں۔ اب یہ انجمن ''مامن ایجوکیشنل سوسائٹی'' میں تبدیل ہو چکی ہے اور سماجی، فلاحی اور ادبی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہے۔ امین صدیقی اس کے صدر ہیں۔

۱۷)بزم محافظانِ ادب:

اختر مالیگانوی اور مظفر اشرف غازی کی سرپرستی میں ۱۹۷۲ء میں قائم ہوئی۔ بزم نے بزرگ شعراء کی ادبی خدمات کے اعتراف میں ایک شاندار مشاعرہ منعقد کیا تھا۔ اس کے علاوہ چھوٹے بڑے کئی مشاعرے شہر کے مختلف علاقوں میں منعقد کئے۔ شعبان کنول صدر تھے۔ لیکن ڈاکٹر نعیم اختر سب سے فعال رکن تھے۔

۱۸)بزم زندہ دلانِ مالیگاؤں:

زندہ دلانِ حیدرآباد کے طرز پر مالیگاؤں کے طنز و مزاح نگاروں نے اسے مئی ۱۹۷۶ء میں قائم کیا۔ ڈاکٹر پیر محمد رحمانی بزم کے سرپرست تھے۔ الیاس صدیقی صدر اور ڈاکٹر اشفاق انجم سکریٹری تھے۔ بزم کے زیر اہتمام متعدد ماہانہ طرحی مزاحیہ مشاعروں اور ادبی نشستوں کا انعقاد ہوا۔

بزم زندہ دلان مالیگاؤں کی وجہ سے طنزیہ و مزاحیہ ادب کی طرف ادباء کی توجہ بڑھی اور کئی قلم کاروں نے اس بزم کے ذریعے مزاحیہ نثر کے میدان میں قدم رکھا۔

۱۹)اردو محل:

۱۹۸۶ء میں قیام عمل میں آیا۔ سرپرست غلام مصطفیٰ اثر صدیقی، صدر محشر جالنوی اور سکریٹری ڈاکٹر انیس بوستانی تھے۔ بزم کا مقصد نئے شعراء کی تربیت تھا اس لئے مشاعروں پر توجہ رہی۔ اس کے علاوہ طلبہ کی حوصلہ افزائی کے لئے تقریری مقابلے اور لطیفہ گوئی کے مقابلے بھی منعقد کیے گئے۔

۲۰)بزم اربابِ سخن:

۱۹۸۷ء میں ادیب غازی پوری کی صدارت میں قائم ہوئی۔ مزدور بستیوں میں مشاعروں کے انعقاد کے ذریعے ادبی خدمات انجام دے رہی ہے۔

۲۱)بزم مینارۂ ادب:

عتیق احمد عتیق (مدیر توازن) اور ڈاکٹر رفعت صدیقی کی سرپرستی میں ۱۹۸۹ء میں قائم ہوئی۔ محمد عمر استاد صدر اور جاوید انصاری سکریٹری ہیں۔ بزم کے زیر اہتمام مشاعروں کے علاوہ غزل گائیکی کے پروگرام بھی منعقد

ہوتے ہیں۔ایک یادگار نعتیہ مشاعرہ کا انعقاد بھی ہو چکا ہے۔

۲۲)بزم ارباب ذوق:

۱۲ رنومبر ۱۹۸۶ء کو اس کی داغ بیل ڈالی گئی۔صدر ڈاکٹر ہارون فراز اور سکریٹری نجمی ابن جاوید ہیں۔حبیب الرحمن صدیقی مرحوم، یوسف سودا صدیقی مرحوم، ریاض احمد ریاض، اسحق خضر اور الیاس صدیقی سرپرستی کرتے رہے۔بزم نے اپنے بامقصد، تربیتی، مفید، انوکھے اور دلچسپ ادبی پروگراموں کے ذریعے علاحدہ شناخت بنائی ہے۔

بزم کے یادگار پروگراموں میں ظہیر شناسی (ظہیر ابن قدسی کے فن اور شخصیت کا جائزہ) کل ہند شعری انعامی مقابلہ، نقوش روشن (ساٹھ برس سے زائد عمر کے شعراء کا مشاعرہ) حرف حرف تبسم، پہلی غلطی، انا البحر، گلدان، وغیرہ کتابوں کے اجراء کے پروگرام، جدت شناسی (ثروت حسین کی ایک غزل پر تنقید، تبصرہ اور مباحثہ کا پروگرام) شب انشائیہ، آگ کے عنوان پر مناظمہ، مقابلہ مضمون نویسی، ادبی تنقیدی نشستیں، تضمین نگاری، بارہ فی البدیہہ مشاعرے اور فارسی آموزی کی کلاس، وغیرہ زبردست پروگرام منعقد ہو چکے ہیں۔شہر کی کسی دوسری بزم نے اتنے انوکھے اور افادیت سے بھرپور پروگرام پیش نہیں کیے۔

۲۳)ادارۂ ارباب قلم:

نوجوان افسانہ نگاروں نے یکم جنوری ۱۹۹۲ء کو یہ ادارہ قائم کیا۔صدر کلیم عارفی اور سکریٹری رفیق انور تھے۔بزم کے زیر اہتمام ماہانہ افسانوی نشستوں کا انعقاد ہوتا رہا۔فنکاروں کی حوصلہ افزائی اور رہنمائی کے لئے تنقید و تبصرہ بھی ہوتا تھا۔سال میں ایک بار افسانوں کے مقابلے بھی منعقد ہوتے تھے۔ادارے نے ''خوشبو نگر نگر کی'' کے عنوان سے خوبصورت شعروں کا انتخاب بھی شائع کیا ہے۔

۲۴)احباب ادب اردو:

ارباب قلم سے علاحدگی اختیار کر کے چند افسانہ نگاروں نے اس انجمن کو قائم کیا ہے۔گذشتہ تین برسوں سے اس کی افسانوی نشستیں منعقد ہو رہی ہیں۔

۲۵)بزم افکار جدید:

۲۰؍اپریل ۱۹۹۷ء کو قائم ہوئی۔ صدر اظہار سلیم اور سکریٹری سلیم قیصر ہیں۔ ابھی تک اس کی سرگرمیاں چند شعری نشستوں اور طرحی مشاعروں سے آگے نہیں بڑھی ہیں۔

آٹھواں باب

رسائل

ادبی انجمنوں کی طرح اخبارات، جرائد، گلدستوں اور رسالوں نے بھی نثر نگاری کے فروغ اور فنکاروں کی حوصلہ افزائی میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ شہر سے بلا مبالغہ سینکڑوں اخبارات جاری ہوئے اور کچھ عرصے تک صحافتی خدمات انجام دینے کے بعد بند ہو گئے۔ اس صحافتی داستان کو بیان کرنے کیلئے ایک دفتر چاہئے صٌ مالیگاؤں سے پہلا اخبار ہفت روزہ ''بیداری'' مولانا عبدالحمید نعمانی نے جاری کیا تھا۔ اس کے فوراً بعد ''تاج'' نام کا اخبار خانصاحب عبدالرحیم اور ان کے ساتھیوں نے جاری کیا۔ تاج ۱۹۳۶ء تک جاری رہا۔ ان اخبارات کے بعد میدانِ صحافت میں سناٹا طاری رہا۔ ۱۹۵۰ء کے بعد اخبارات کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا تو نصف صدی کے عرصے میں سینکڑوں اخبارات منصۂ شہود پر آگئے اور اپنا حصہ ادا کرنے کے بعد گمنامی کے اندھیروں میں یوں غائب ہوئے کہ آج کوئی ان کے نام تک نہیں جانتا۔ یہ اخبارات عموماً چار صفحات کے ہوتے تھے۔ زیادہ تر سیاسی، سماجی اور شہری موضوعات کا احاطہ کرتے تھے۔ چند ہی اخبارات ایسے تھے جنھوں نے جداگانہ روش اختیار کی۔ ان کے ذریعے بہت سے قلم کاروں کی نثری تخلیقات سامنے آئیں۔

اخبارات کے ساتھ ساتھ گلدستوں اور ادبی، مذہبی اور بچوں کے رسائل نے بھی نثر نگاری کی ترقی میں بڑا رول ادا کیا۔ مالیگاؤں کی ادبی وصحافتی تاریخ کے ہر طالب علم کو ان رسالوں سے واقف ہونا ضروری ہے۔ اسلئے تاریخی ترتیب کے ساتھ ان کا مختصر تعارف دیا جاتا ہے۔

۱) مفید الانام:

یہ ایک ماہوار رسالہ تھا جس میں مذہبی اور اصلاحی مضامین کے ساتھ ساتھ انجمن ہدایت اسلام کی کارگذاریوں

صٌ: اس ضمن میں عبدالمجید سرور کی کتاب نقش پاکا مطالعہ مفید ہوگا۔

کی رپورٹیں شائع ہوتی تھیں۔ حاجی عبدالحمید ڈائمنڈ والے رسالے کے سرپرست تھے اور یعقوب میاں جی (بدرالدجیٰ تبسم کے والد اور غزل سنگر شاہد اختر کے دادا) اس کے مدیر تھے۔ رسالے کی کوئی کاپی دستیاب نہیں ہے البتہ حفیظ مالیگانوی نے ''نقوش'' کی دوسری جلد میں رسالہ مفید الانام سے ایک اقتباس دیا ہے۔ صلہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ ۱۹۱۲ء میں جاری تھا۔ یہ معلوم نہ ہوسکا کہ یہ کب جاری ہوا؟ کتنے شمارے شائع ہوئے اور بند کب ہوا؟

۲)معیار سخن:

ماہانہ شعری گلدستہ تھا جس کا پہلا شمارہ جنوری ۱۹۲۳ء میں شائع ہوا۔ عموماً ۲۴ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ بعض شمارے بتیس صفحات کے بھی نکلے۔ رسالے میں مدیر کا نام نہیں ہے۔ البتہ یہ تحریر ہے کہ سرپرست محمد ابراہیم عارجؔ تھے اور عبداللطیف لطفؔ مالیگانوی کے زیر اہتمام شائع ہوتا تھا۔ ابتدا میں مطبع مصطفائی، ممبئی سے طبع ہوتا رہا۔ چند شماروں کے بعد مطبع آگرہ اخبار، آگرہ میں چھپنے لگا۔ کل انیس شمارے میں شائع ہوئے۔ آخری شمارہ جولائی ۱۹۲۴ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد بند ہوگیا۔ رسالے میں صرف غزلیں اور نظمیں ہی اشاعت پذیر ہوتی تھیں، نثری تخلیقات نہیں ہوتی تھیں۔

۳)افتخار سخن:

یہ بھی ماہوار شعری گلدستہ تھا۔ فروری ۱۹۲۳ء میں پہلے شمارے کی اشاعت ہوئی۔ رسالہ ۳۲ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ سرپرست منشی عبدالوہاب طالب، مہتمم عبدالخالق خلیق اور مدیر نبی بخش مالیگانوی تھے۔ مطبع جہانگیری، ممبئی میں طبع ہوتا تھا۔ اس کے بہت کم شمارے شائع ہوئے۔ جون ۱۹۲۳ء میں آخری شمارہ منظر عام پر آیا اس کے بعد سلسلۂ طباعت منقطع ہوگیا۔ چند صفحات ادبی اور تنقیدی مضامین کے لئے مختص رہتے تھے۔

۴)بہار:

اراکین بزم عزیزی کا گلدستہ ''بہار'' ابتدا میں سہ ماہی تھا۔ بعد میں دو ماہی ہوگیا۔ مارچ ۱۹۲۳ء میں جاری ہوا۔ مولانا یوسف عزیز سرپرست اور محمد صدیق مسلم مدیر تھے۔ کل سات شمارے ہی نکل پائے جو مطبع آگرہ

صلہ: حفیظ مالیگانوی، نقوش، جلد دوم، غیر مطبوعہ

اخبار، آگرہ، خورشید پریس میرٹھ اور علوی پریس بھوپال میں طبع ہوئے۔ جنوری فروری ۱۹۲۵ء کا شمارہ آخری ہے۔

گلدستے میں طرحی مصرعوں پر شعراء کے کلام کے ساتھ ساتھ قند فارسی کے عنوان سے فارسی کلام بھی شائع ہوتا تھا نیز ادبی اور تنقیدی مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔

۵) تاجدار:

مولانا عبدالمجید وحیدؔ کی ادارت میں اس ماہوار شعری گلدستے کا پہلا شمارہ جنوری ۱۹۲۴ء میں شائع ہوا۔ کل پانچ شمارے ہی شائع ہو سکے۔ مولانا عبدالمجید وحید نے ان رسالوں کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

"مالیگاؤں میں شعرو سخن کے چار صحیفے ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۵ء تک بڑی ہی آب و تاب سے جاری ہوکر دور دور تک شائع ہوئے لیکن یکے بعد دیگرے تین چار برس کے اندر سب بند ہوگئے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ پہلا افتخار سخن، دوسرا معیارِ سخن، تیسرا بہار چوتھا تاجدار......" صلہ

۶) رسالہ ادب (قلمی):

نثر نگاری کے نقطۂ نظر سے یہ سب سے اہم رسالہ ہے۔ اس کا اجراء ادبی بزم "دائرۂ ادبیہ" کے اراکین نے کیا تھا۔ محمد صدیق مسلمؔ نے دائرہ کی سالانہ رپورٹ میں دائرۂ ادبیہ کے مقاصد میں سے ایک مقصد "دستی رسالے ادب کا اجراء" بھی بیان کیا ہے، نیز یہ کہ "ادب" کے تین نمبر نکل چکے ہیں صلہ۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ قلمی رسالہ ۱۹۲۴ء میں جاری ہوا۔ افسوس اس زمانے کے شماروں کا پتہ نہ چل سکا۔ بعد میں جب مالیگاؤں کے طلبہ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے پہنچے تو وہاں بھی انہوں نے اسی نام کا قلمی رسالہ جاری کیا۔ مولانا محمد عثمان اس میں پیش پیش تھے۔ لیکن اس دور کے شمارے بھی نہ مل سکے۔

۱۹ر دسمبر ۱۹۳۳ء کو تیسری بار اس کا اجراء مالیگاؤں سے ہوا۔ مولانا عبدالحق رازیؔ

صلہ: مولانا عبدالمجید وحیدؔ، تاریخ شہر مالیگاؤں، دوسرا ایڈیشن، ۱۹۵۷ء، ص ۵۴

صلہ: محمد صدیق مسلمؔ، قومی رپورٹ، المومن، کلکتہ، جنوری ۱۹۲۵ء، ص ۳۴

اس کے مدیر تھے۔انہیں کے بیان کے مطابق رسالہ تیار ہونے کے بعد مختلف لائبریریوں میں مطالعے کیلئے رکھ دیا جاتا تھا۔اس کے بعض شمارے یوپی تک گئے۔ کتابت محمد اسحٰق ناصؔر اور ماسٹر عبدالرحمٰن صدیقی (فوقؔ) کرتے تھے۔اس کے سولہ شمارے شائع ہوئے۔آخری شمارہ اپریل ۱۹۳۵ء میں اشاعت پذیر ہوا۔

رسالے میں دائرۂ ادبیہ سے وابستہ تمام ہی اراکین کی نظم ونثر شامل رہتی تھیں۔زیر نظر مقالے کے دورِاوّل میں جن نثر نگاروں کے تذکرے شامل ہیں،ان تمام کی تخلیقات نثر"ادب" میں شائع ہوئیں۔رسالے نے مالیگاؤں میں نثر نگاری کو مضبوط بنیاد عطا کی۔

۷)خورشید:

قصر الادب کے زیرِاہتمام اس ماہوار ادبی رسالے کا پہلا شمارہ دسمبر ۱۹۴۷ء میں شائع ہوا۔ادارۂ تحریر میں ادیبؔ مالیگانوی اور شورشؔ انصاری کا نام شامل ہے۔چونکہ متعلقہ حکام کی اجازت کے بغیر رسالہ نکلا تھا اس لئے دو تین شماروں کے بعد بند کرنا پڑا۔

۸)پیغام:

اس ادبی رسالے کا پہلا شمارہ مرکزِ اردو، نیا پورہ کی جانب سے اکتوبر ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا۔رسالے کے نگراں حضرت اخترؔ مالیگانوی اور مالک و مدیر محمد عمر جوشؔ تھے۔ادارہ تحریر میں رومان انصاری، اورشؔ انصاری کے نام شامل ہیں۔پہلا شمارہ جو دستیاب ہے ۳۲؍صفحات کا ہے۔یہ پتہ نہ چل سکا کہ کتنے شمارے شائع ہوئے۔

۹)جمال:

رئیس مالیگانوی (شاعر اعراض) کی ادارت میں یہ ادبی رسالہ ۱۹۶۱ء میں جاری ہوا۔مزید تفصیلات نہ مل سکیں۔

۱۰)بچوں کا ساتھی:

بچوں کے لئے یہ ماہنامہ ۱۹۶۲ء میں افسانہ و ناول نگار غلام محمد زیدی نے جاری کیا۔ادیبؔ صاحب کے شوکت پریس میں انہیں کی سرپرستی اور رہنمائی میں چھپتا تھا۔اس کے بارہ شمارے شائع ہوسکے۔

۱۹۶۳ء میں بند ہوا۔ قلمی معاونین میں عقیل احمد انصاری، علی احمد، بی بی طاہرہ، حلیمہ بانو وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔

۱۱) آب حیات:

اس کا ڈکلیریشن ۱۹۶۵ء میں مبین احمد خاں غازی نے حاصل کیا تھا۔ اس کا ایک شمارہ مبین غازی ترتیب دیتے تھے اور دوسرا ڈاکٹر افتخار احمد۔ ڈاکٹر صاحب اسے بچوں کے لئے ترتیب دیتے تھے۔ آج پریس ممبئی سے چھپ کر آتا تھا۔ محض تین شمارے شائع ہو سکے۔

۱۲) ھیرا:

آب حیات کی اشاعت منقطع ہو جانے کے بعد ڈاکٹر افتخار احمد نے بچوں کا یہ دوسرا ماہنامہ جاری کیا۔ مولانا یاور حسین کتابت کرتے تھے۔ ادیب مالیگانوی، عزیز ادیبی اور رعنا ادیبی وغیرہ کی بچوں کے لئے لکھی گئی نظمیں بھی شائع ہوتی تھیں۔ اس کے پانچ شمارے شائع ہوئے۔ خسارے کے سبب بند کر دینا پڑا۔

۱۳) اردو کومک:

بچوں کے اس رسالے کا پہلا شمارہ جنوری ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا۔ مدیر انصاری حفیظ الرحمن اور نائب مدیران کے برادر بزرگ ایم یوسف انصاری ایم اے تھے۔ ابتدا میں دو ماہی تھا، چند شماروں کے بعد ماہنامہ ہوگیا۔ ادارۂ تحریر کے دیگر اراکین میں آصف بختیار سعید اور خیال انصاری کے نام شامل تھے۔ ترتیب و تزئین میں افسانہ نگار الیاس خورشید اور ان کے برادر خرد مختار حسن کا تعاون بھی شامل رہتا تھا۔ اگست ۱۹۶۸ء تک اجمل پریس ممبئی میں چھپتا رہا۔ بعد ازاں جنوری ۱۹۶۹ء کے آخری شمارے تک عوامی پریس مالیگاؤں میں طبع ہوتا رہا۔ کل چوبیس شمارے شائع ہوئے۔

اردو کومک نے مقبولیت کی تمام حدوں کو پار کر لیا۔ ''اطفال فیملی'' کے تمام ہی اراکین اس کے لئے زبردست محنت کرتے تھے۔ اور رسالے کے معیار کو بہتر سے بہتر بنانے کی جدوجہد میں دن رات مصروف رہتے تھے۔ اردو کومک کی مصوری آصف بختیار سعید کے مشاق ہاتھوں کی مرہون منت ہوا کرتی تھی۔

۱۴)نوید نو:

اسیر امیدی برہانپوری کی ادارت میں یہ سہ ماہی ادبی رسالہ اگست ۱۹۷۱ء میں جاری ہوا۔ شبیر احمد ہاشمی معاون مدیر اور ڈاکٹر غلام حیدر رفعت صدیقی سرپرست ونگراں تھے۔ تیسرے شمارے سے ادارت کی ذمہ داری غلام مصطفیٰ اثر صدیقی نے سنبھالی۔ سرورق رشید آرٹسٹ کے فن سے مزین ہوتا تھا۔ کتابت اکبر مرزا کرتے تھے۔ بارہ شماروں کے بعد ۱۹۷۴ء میں اشاعت منقطع ہوگئی۔

رسالے میں مالیگاؤں کے بہت سے فن کاروں کی نثری تخلیقات اشاعت پذیر ہوئیں۔ جن میں خصوصیت سے شبیر احمد ہاشمی، رائے حبیب الرحمٰن، عرفان عارف، سلطان سبحانی، سلیم شہزاد، سلطان نیازی، مختار یونس اور اثر صدیقی وغیرہ قلم کار شامل ہیں۔ رسالہ شہر کی نثر نگاری کے فروغ میں کافی مدد گار ثابت ہوا۔

۱۵)جلیس:

ماہنامہ جلیس ادبی رسالہ تھا۔ جولائی ۱۹۷۳ء میں جاری ہوا۔ عموماً ساٹھ صفحات کا ہوتا تھا۔ مدیر رائے حبیب الرحمٰن اور نائب مدیرہ عذرا حبیب تھیں۔ ادارۂ تحریر میں سید اصغر علی عابدی، احمد نسیم مینا نگری اور اکبر رحمانی جلگانوی بھی شامل تھے۔ چھ شماروں کی اشاعت کے بعد دسمبر ۱۹۷۳ء میں بند ہوگیا۔

رسالہ جلیس تعمیر پسند ادب کا ترجمان تھا۔ اس کے اکثر فنکار اور معاونین فکر اسلامی سے متاثر تھے لیکن دوسرے مکتب خیال کے قلم کاروں کی تخلیقات بھی شامل ہوتی تھیں۔

۱۶)نشانات:

اس دو ماہی معیاری رسالے کے مالک وناشر سید عارف اور مدیر سلطان سبحانی تھے۔ عموماً ۴۶ رصفحات کا ہوتا تھا۔ کبھی کبھی ۸۰ رصفحات بھی ہو جاتے تھے۔ کتابت اکبر مرزا کرتے تھے۔ ستمبر ۱۹۷۴ء میں پہلا شمارہ شائع ہوا اور گیارہ اشاعتوں کے بعد نومبر ۱۹۷۶ء میں بند ہوگیا۔

رسالے میں ترقی پسند ادباء و شعراء کی تخلیقات کے ساتھ ساتھ جدید ادب کے فن پاروں کو بھی جگہ دی جاتی تھی۔ شہر کے بہت سارے قلم کاروں کو اس کے وسیلے سے دور دور تک خود کو متعارف کروانے کا موقع ملا۔ یہ شہر کا پہلا ادبی رسالہ تھا جس نے ہندوپاک کے معیاری رسالوں کی صف میں جگہ بنائی۔

۱۷) جواز:

نشانات کی اشاعت منقطع ہو جانے کے بعد سید عارف نے اپنا دوسرا ادبی رسالہ ''جواز'' جنوری ۱۹۷۷ء میں جاری کیا۔ اس کی ادارتی ذمہ داری وہ خود سنبھالتے تھے۔ معاون مدیر کے طور پر نشاط انور مدد کرتے تھے۔ اشاعت ماہانہ تھی۔ رسالے کی تیاری میں سجاد عزیز، سلیم شہزاد، احمد عثمانی، مجید انور، فیاض اختر وغیرہ بھی بڑی محنت کرتے تھے۔ سردار پریس اور عوامی پریس میں طبع ہوتا تھا۔

جواز جدید ادب کا ترجمان تھا۔ سید عارف اسے کافی خسارہ اٹھا کر نکالتے تھے۔ رسالہ ضخیم ہوتا تھا، اس کے بعض شمارے سات سو صفحات کے بھی شائع ہوئے۔ عالمی اردو ادب کے نمائندہ اہم اور ممتاز ادباء وشعراء کی تخلیقات اشاعت پذیر ہوتی تھیں۔ دنیا کے بیشتر ممالک تک اسکی رسائی تھی۔ تیس شماروں کی اشاعت کے بعد ۱۹۹۰ء میں بند ہوا۔

۱۸) ہم زباں:

سید عارف سے علاحدگی کے بعد سلطان سبحانی نے ترقی پسند قدروں اور صحت مند جدید رجحانات کا علم بردار رسالہ ہم زباں جاری کیا۔ سرورق پر اگرچہ ''ماہنامہ'' چھپا ہوتا تھا لیکن یہ ہر تین مہینے پر شائع ہوتا تھا۔ مئی ۱۹۷۷ء میں پہلا شمارہ منظر عام پر آیا۔ ہر شمارہ ۸۰ر صفحات کا ہوتا تھا اور سردار پریس میں طبع ہوتا تھا۔ سلطان سبحانی اس کے لئے بڑی محنت کرتے تھے۔ گیارہ شماروں کی اشاعت کے بعد جنوری ۱۹۸۰ء میں اشاعت منقطع ہوگئی۔

۱۹) گلاب کی مہک:

بچوں کا یہ ماہنامہ ڈاکٹر عبدالسلام قادری نے نومبر ۱۹۷۹ء میں جاری کیا۔ رسالہ ۶۸ ر صفحات پر مشتمل ہوتا تھا جس کی طباعت نورانی پریس میں ہوتی تھی۔ ادارۂ تحریر میں ایم یوسف انصاری اور عقیل احمد انصاری شامل تھے۔ چھ شمارے شائع ہوئے۔ مئی ۱۹۸۰ء کا شمارہ آخری ہے۔

۲۰) روایت:

سلیم شہزاد اور سلطان شاہد نے جنوری ۱۹۸۰ء میں ہارون بزمی کے ''اردو اسٹیج'' کو ایک سہ ماہی ادبی رسالے

کی شکل دینے کی کوشش کی مگر ایک شمارہ ہی شائع ہو سکا۔ تب ان دونوں حضرات کی مشترکہ کوششوں سے جنوری ۱۹۸۰ء میں ہی سہ ماہی ''روایت'' وجود میں آیا۔ اس کے مدیر اظہر مقصود تھے۔ بدقسمتی سے سلسلۂ اشاعت تین شماروں سے آگے نہ بڑھ سکا۔

۲۱) صوت الحق :

۵؍فروری ۱۹۸۱ء کو اس کا پہلا شمارہ مولانا عبدالنور راغب سلفی کی ادارت میں شائع ہوا۔ ابتدا میں پندرہ روزہ تھا اور اخباری سائز پر ڈیڑھ سال تک نکلتا رہا۔ اب یہ رسالے کی شکل میں نکلتا ہے۔ جامعہ محمدیہ کے اساتذہ میں سے مختلف علماء ادارت کی ذمہ داری سنبھالتے رہے۔ فی الحال مولانا ابو رضوان محمدی اس کے مدیر ہیں۔ صوت الحق کا مزاج اگر چہ دینی ہے، لیکن حالات حاضرہ سے متعلق سیاسی تبصرے اور تجزیے نیز تعلیمی مضامین بھی شامل اشاعت ہوتے ہیں۔ پابندی سے شائع ہو رہا ہے اور خصوصاً جمعیۃ اہل حدیث کے حلقے میں دور دراز کے مقامات تک جاتا ہے۔ ملک کے مقتدر علمائے کرام کی تحریریں اشاعت پذیر ہوتی ہیں۔

۲۲) توازن :

سہ ماہی توازن عتیق احمد عتیق کا نہایت وقیع اور معیاری رسالہ ہے۔ یکم مارچ ۱۹۸۴ء کو اس کا پہلا شمارہ شائع ہوا۔ تب سے اب تک باقاعدگی سے جاری ہے۔ یہ شہر کا واحد ادبی رسالہ ہے جو دست بردِ زمانہ سے محفوظ رہ گیا ہے۔ مناظر عاشق ہرگانوی رسالے کے ترتیب کار اور معاون ہیں۔ اب تک ۳۵؍شمارے شائع ہو چکے ہیں۔

عتیق احمد عتیق کا یہ رسالہ دنیا کی ہر اس سرزمین تک جاتا ہے جہاں اردو کے لکھنے والے موجود ہیں۔ رسالے کے ساتھ ساتھ شہر مالیگاؤں کا نام بھی عالم اردو کی ہر اہم بستی تک پہنچ چکا ہے۔ رسالے کا ادبی قد نہایت بلند ہے۔ عتیق صاحب اس بزرگی میں بھی تنہا محنت کرتے ہیں اور رسالے کو معنوی اور صوری اعتبار سے خوب سے خوب تر بنانے کی ان تھک جدوجہد میں لگے رہتے ہیں۔

۲۳) نامہ بر ڈائجسٹ :

اس ماہنامے کا اجراء فروری ۱۹۹۳ میں عمل میں آیا۔ مشہور مصنف و مورخ شبیر احمد حکیم اس کے مالک، ناشر اور مدیر تھے۔ کل بارہ شمارے ہی شائع ہو سکے۔ ان میں سے بھی بعض مشترکہ شمارے تھے۔ جنوری فروری ۱۹۹۴ء میں آخری شمارہ شائع ہوا۔ رسالے کی ترتیب و تزئین شبیر احمد حکیم خود کیا کرتے تھے۔

۲۴) نعمت قرآن :

یہ ایک خالص دینی ماہنامہ تھا جو ۲؍مارچ ۱۹۹۳ء کو جاری ہوا۔ محمد عین الہدیٰ شیخ رسالے کے مدیر، مالک و ناشر تھے اور مولوی خلیل احمد محمد یونس قریشی نائب مدیر کی ذمہ داریاں سنبھالتے تھے۔ رسالے کے ادارۂ تحریر اور قلمی معاونین میں مولانا عبدا لاحد ازھری، مولانا عبدالکریم پاریکھ (ناگپور)، ڈاکٹر پیر محمد رحمانی، عبدالرزاق عبداللطیف پٹیل (پنویل) کے ساتھ ساتھ دیگر علماء بھی شامل تھے۔ رسالے میں دینی اور مذہبی مضامین بڑی تعداد میں اشاعت پذیر ہوئے۔ کل ۳۴؍شمارے شائع ہوئے۔ آخری شمارے پر یکم دسمبر ۱۹۹۵ء کی تاریخ ہے۔

۲۵) العدل :

مجلس علم و ادب، بیلباغ، مالیگاؤں کے زیر اہتمام یہ علمی ماہنامہ مولانا محمد حنیف ملی کی ادارت میں اکتوبر ۱۹۹۳ء میں جاری ہوا۔ موصوف رسالے کے مالک و ناشر بھی تھے۔ مولانا جاوید احمد ملی نائب مدیر تھے۔ دیگر معاون قلمکاروں میں مولانا اقبال احمد آصف ملی، مولانا نہال احمد ملی، مولانا نعیم الظفر ندوی وغیرہم شامل تھے۔ رسالے کی ترتیب میں مولانا محمد ایوب قاسمی، مولانا عبدالحمید جمالی اور ماسٹر شکیل احمد انصاری معاونت کرتے تھے۔

عموماً دینی اور مذہبی مضامین کی اشاعت ہوتی تھی لیکن ایسے مضامین خصوصی طور پر شائع کئے جاتے تھے جن میں ملت اسلامیہ کو پیش آمدہ مسائل کا احاطہ کیا جاتا تھا۔ اسلئے اصلاح معاشرہ، اصلاح افراد ملت اور بیداری مسلمانان کے تعلق سے بہت سارے مضامین اشاعت پذیر ہوئے۔ کل ۱۳؍شمارے شائع ہوئے۔ آخری شمارہ اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۹۴ء کا مشترکہ شمارہ ہے۔

۲۶) جل پری:

تفریحی و تربیتی ادب اطفال کا ترجمان ''جل پری'' ستمبر ۱۹۹۷ء میں جاری ہوا۔ مدیر، مالک، طابع، ناشر ڈاکٹر افتخار احمد اور معاون مدیر کے طور پر نازاں ضیاء الرحمٰن کا نام ہے۔ رسالے کے بانی ایم یوسف انصاری ہیں۔ تقریباً ۳۰؍شمارے شائع ہوئے۔ ڈاکٹر افتخار احمد کی خصوصی دلچسپی، توجہ اور محنت کے سبب رسالے کا معیار بلند تھا اور کافی مقبول بھی۔ گذشتہ سال سے اشاعت منقطع ہے۔

حوالہ جات

(ا) قلمی نسخے

ا۔آ

۱) احقاق حق اور ابطال باطل — ڈاکٹر محمد سلیم شیخ

۲) اردو ادب — محمد صدیق انصاری

۳) آمین بالجہر کی تردید میں — مولانا عبداللہ الاعظمی

۴) آئینہ (شعری مجموعہ) — حفیظ مالیگانوی

ت

۵) تمھارے بنا — رضیہ حکیم

ج۔چ

۶) جگن ناتھ آزاد، عہد و فن — ڈاکٹر نجم الہدیٰ شیخ

۷) جیل کی شاعری — ڈاکٹر ہارون فراز

۸) چنگاریاں — حفیظ مالیگانوی

خ

۹) خودنوشت — مولانا جمال الدین لبیب

۱۰) خودنوشت — محمد ابراہیم عارجؔ

۱۱) خواجہ غلام السیدین، ادبی اور تعلیمی خدمات — ڈاکٹر اقبال برکی

ر

۱۲) رہبر (رسالہ) — اینگلو اردو ہائی اسکول، مالیگاؤں

۱۳) رت گئی انتظار کی — ہما ناہید

س

۱۴) سراج مجید عرف نور المجالس ترجمہ اردو دار المجالس — مولانا عبدالمجید وحید

ش

۱۵) شعرائے مالیگاؤں — ڈاکٹر اشفاق انجم

۱۶) شگوفے — محمد صدیق انصاری

۱۷) شمائیلہ — سلطان سبحانی

ص

۱۸) صبغۃ اللہ المعروف بہ جادۂ عاشقاں — سید ظفر عابد پیرزادہ

ع

۱۹) عورت — محمد صدیق انصاری

۲۰) عصمت چغتائی فن اور شخصیت — ڈاکٹر عبداللطیف انصاری

م

۲۱) مسلم کی حیات و آخرت (تین جلدیں) — حاجی عبدالرشید خاں عرف بنے خاں

۲۲) ملفوظات — سید ظفر عابد پیرزادہ

۲۳) مافوق الفطرت — سلطان سبحانی

ن

۲۴) نقوش (تین جلدیں) — حفیظ مالیگانوی

ہ

۲۵) ہمارے چچا جمن — سعید عقاب

۲۶) ہمارا حج — سید ظفر عابد پیرزادہ

۲۷) ذاتی ڈائریاں اور انٹرویوز — محمد اسحاق ایوبی

(۲) کتابیں

نمبر	کتاب	مصنف/مولف	ناشر	سن اشاعت
ا۔آ				
۱)	آئینۂ قرأت	مولانا عبدالمجید وحید	مولانا وحید قلعہ، مالیگاؤں	۱۹۲۶ء
۲)	اسباب بغاوت ہند	سرسید احمد خان	اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، پاکستان	۱۹۵۷ء
۳)	اردو ادب کی تاریخ	نسیم قریشی	فرینڈس بک ہاؤس، علی گڑھ	۱۹۶۶ء
۴)	اجنبی نگاہیں	سلطان سبحانی	مکتبۂ اردو، محمد علی روڈ، مالیگاؤں	۱۹۶۶ء
۵)	آپ سے ملئے	شوکت صدیقی	مکتبۂ اردو، محمد علی روڈ، مالیگاؤں	۱۹۷۰ء
۶)	اپنے آپ کا قیدی	احمد عثمانی	سلطان سبحانی، انجمن ترقی پسند مصنفین، مالیگاؤں	۱۹۷۵ء
۷)	افضل السوانح	مولانا جمال الدین لبیب	الحاج نثار احمد۔ مالیگاؤں	۱۹۸۱ء
۸)	اجالوں کا کرب	خیال انصاری	خیال انصاری، خوش آمد پورہ، مالیگاؤں	۱۹۸۳ء
۹)	آداب ملاقات	حافظ زبیر احمد ملی	مدرسہ افضل العلوم، آگرہ	۱۹۸۹ء
۱۰)	انوار التجوید	قاری عبدالصمد فیضی	....	۱۹۸۹ء
۱۱)	اپنی مٹی	احمد عثمانی	جواز پبلیکیشنز، نیاپورہ، مالیگاؤں	۱۹۹۱ء
۱۲)	اجالوں کے سفیر	مختلف قلمکار	ڈاکٹر مختار ایجوکیشنل اینڈ سوشل ویلفیئر سوسائٹی، مالیگاؤں	۱۹۹۲ء
۱۳)	آیات نور	ابوزہرہ رضوی	رضا ریسرچ اینڈ پبلشنگ بورڈ، مانچسٹر، برطانیہ	۱۹۹۳ء
۱۴)	اہرام میں آرام	ڈاکٹر پیر محمد رحمانی	ڈاکٹر پیر محمد رحمانی، رحمانی کلینک، مالیگاؤں	۱۹۹۴ء
۱۵)	انداز بیاں	عبدالرشید صدیقی	جمال الدین للے، اسلامپورہ، مالیگاؤں	۱۹۹۵ء
۱۶)	ایس ایس سی کے بعد کیا	مختار یوسف	....	۱۹۹۵ء
۱۷)	آئی اے ایس افسر کیسے بنیں	مختار یوسف	طالب علم پبلی کیشنز، مالیگاؤں	۱۹۹۵ء

نمبر	کتاب	مصنف/مولف	ناشر	سن اشاعت
۱۸)	اردو مضمون نویسی مع قواعد	عبدالرشید صدیقی	ترقی تعلیم پبلیکیشنز، مالیگاؤں	۱۹۹۷ء
۱۹)	آؤ مضمون لکھیں	رفیع احمد	طالب علم پبلیکیشنز، مالیگاؤں	۱۹۹۸ء
۲۰)	اگلی باقی ابھی عدالت ہے	مولانا محمد میاں مالیگ،	رضا اکیڈمی، مالیگاؤں،	۲۰۰۰ء
۲۱)	آؤ نماز پڑھیں	رفیع احمد	رفیع احمد	۲۰۰۰ء
۲۲)	الاحسان	صوفی محمد الیاس جوش	....	۲۰۰۰ء
۲۳)	آئی ٹی آئی کورسیز	محمد یوسف	....	......
۲۴)	ایم یوسف انصاری	عبدالمجید سرور	مکتبۂ اطفال، مالیگاؤں	۲۰۰۱ء

ب

نمبر	کتاب	مصنف/مولف	ناشر	سن اشاعت
۲۵)	باغ عروس مع افتخار مجید	مولانا عبدالمجید وحید	حافظ محمد اسحاق، تاجر کتب، مالیگاؤں	۱۹۲۰ء
۲۶)	بدن گشت بادبان	سلطان سبحانی	ہمزباں پبلیکیشنز، ہزارکھولی، مالیگاؤں،	۱۹۹۰ء
۲۷)	بیان کی وسعت	سلیم شہزاد	منظر نما پبلشرز، ملاباڑہ، مالیگاؤں،	۱۹۹۳ء
۲۸)	Pyramid, A medical Rationale Therapy	ڈاکٹر پیر محمد رحمانی، ڈاکٹر پی ایم رحمانی، رحمانی کلینک، مالیگاؤں،		۱۹۹۳ء
۲۹)	بڑوں کا ادب	رفیع احمد	واحد پبلی کیشنز، ہزارکھولی، مالیگاؤں	۱۹۹۸ء
۳۰)	بدری اور احدی صحابہ کرام،	حافظ محمد مصطفیٰ ملی	ادارۂ تعمیر، شعبۂ تحقیقات اسلامی، خیرآباد، مالیگاؤں،	۱۹۹۸ء
۳۱)	بحر، بھاؤ صاحبانجی	سوپنی	ناگپور	نامعلوم

پ

نمبر	کتاب	مصنف/مولف	ناشر	سن اشاعت
۳۲)	پھول رانی	بشیر احمد انصاری	سلیقہ کتاب گھر کیمپ، پونہ	۱۹۸۸ء
۳۳)	پہلی غلطی	اسحٰق خضر	ہم زباں پبلی کیشنز، مالیگاؤں	۱۹۸۹ء
۳۴)	پیارا قرآن	رفیع احمد	واحد پبلی کیشنز، ۳۰۸، اسلامپورہ، مالیگاؤں	۱۹۹۶ء

نمبر	کتاب	مصنف/مولف	ناشر	سن اشاعت
	ت			
۳۵)	تحفۂ مجید عرف چراغ نماز	مولانا عبدالمجید وحید	محمد عبدالمجید، قلعہ، مالیگاؤں	۱۹۱۶ء
۳۶)	تاریخ شہر مالیگاؤں	مولانا عبدالمجید وحید	سیٹھ محمد عبدالخالق، دریائی ہوٹل، مالیگاؤں	۱۹۲۳ء
۳۷)	تقویم ہجری وعیسوی	ابوالنصر محمد خالدی	انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی	۱۹۵۲ء
۳۸)	تاریخ شہر مالیگاؤں (دوسرا ایڈیشن)	مولانا عبدالمجید وحید	سیٹھ محمد عبدالخالق۔ دریائی ہوٹل، مالیگاؤں	۱۹۵۷ء
۳۹)	تذکرۂ یوسف	مولانا جمال الدین لبیب	جمال الدین لبیب مدرسۂ اسلامیہ، مالیگاؤں	۱۹۶۰ء
۴۰)	تنویر المسلمین المعروف بہ منور المومنین	حاجی عبدالرشید خان عرف بنے خاں	سید عبدالباری، پرنسپل انجمن کامرس کالج ممبئی	۱۹۷۱ء
۴۱)	تیسیر الطبع فی اجراء السبع (جلد اول)	قاری محمد حسین اشرفی	طلباء جامعہ تجوید وقرأت، مالیگاؤں	۱۹۷۱ء
۴۲)	تاریخ ادب اردو جلد اول	ڈاکٹر جمیل جالبی	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶	۱۹۷۷ء
۴۳)	تاج آفرینش (باردوم)	مولانا عبدالحمید نعمانی	مجلس علم وادب، ہنکولی، پربھنی	۱۹۸۳ء
۴۴)	تیسیر الطبع (دوم)	قاری محمد حسین اشرفی	الحاج نیاز احمد قاری محمد حسین، قصاب باڑہ، مالیگاؤں	۱۹۸۴ء
۴۵)	تعلیم غوثیہ	سید ظفر عابد پیرزادہ	سید ظفر عابد پیرزادہ، مالیگاؤں	۱۹۹۳ء
۴۶)	تاریخ خاندیش کے بکھرے اوراق	اکبر رحمانی	ڈائرکٹر ایجوکیشنل اکادمی اسلامپورہ، جلگاؤں	۱۹۹۴ء
۴۷)	توثیق الدلائل الشرعیہ	جمعیۃ المسلمین	اراکین جمعیۃ المسلمین، مالیگاؤں	ندارد
۴۸)	تعارف موسیقی	محمد رمضان قیس	....	۲۰۰۱ء

نمبر	کتاب	مصنف/مولف	ناشر	سن اشاعت
	ج			
۴۹)	جغرافیہ تعلقہ مالیگاؤں	محمد صدیق مسلم	نامعلوم	۱۹۲۸ء
۵۰)	جغرافیہ ضلع ناسک	.....ایضاً.....	نامعلوم	۱۹۲۸ء
۵۱)	جغرافیہ احاطہ ممبئی مع عام معلومات ہندوستان	.....ایضاً.....	نامعلوم	۱۹۳۴ء
۵۲)	جدید شاعری کی ابجد	سلیم شہزاد	منظر نما پبلیشرز، ملاباڑہ، مالیگاؤں	۱۹۸۳ء
۵۳)	جامع الحیثیات	ابوزہرہ رضوی	رضا ریسرچ اینڈ پبلشنگ بورڈ، برطانیہ	۱۹۹۴ء
	چ			
۵۴)	چڑیوں کا شہر	مجید انور	سعیدہ شاہین، کہکشاں سیریز، اسلام پورہ، مالیگاؤں	۱۹۹۵ء
	ح			
۵۵)	حرامی مغلوب، ترشحات وحید	مولانا عبدالمجید وحید	محمد عبدالمجید، قلعہ، مالیگاؤں	۱۹۱۸ء
۵۶)	حرف بہ حرف	سرفراز افسر	ٹریڈ یونین سینٹر، کسمباروڈ، مالیگاؤں	۱۹۶۸ء
۵۷)	حالات زندگی	سرفراز افسر	ٹریڈ یونین سینٹر، کسمباروڈ، مالیگاؤں	۱۹۶۹ء
۵۸)	حضرت شاہ ولی اللہ اور علم حدیث	مولانا محمد حنیف ملی	مجلس علم و ادب، نیاپورہ، مالیگاؤں	۱۹۸۴ء
۵۹)	حیات حافظ مدار بخش	ڈاکٹر عبدالعزیز انصاری	انصاری عبدالمجید، کمہار باڑہ، مالیگاؤں	۱۹۸۴ء
۶۰)	حکم نامہ	سلطان سبحانی	، اسرائیل سبحانی، ہمزباں پبلی کیشنز، مالیگاؤں	۱۹۸۵ء
۶۱)	حیا کت کی حکایت	شبیر احمد حکیم	شبیر احمد حکیم، اردو لائبریری، مالیگاؤں	۱۹۹۱ء

نمبر	کتاب	مصنف/مولف	ناشر	سن اشاعت
۶۲)	حج بیت اللہ	مولانا محمد الیاس	....	نامعلوم
خ				
۶۳)	خدنگ غدر	معین الدین حسن خان	شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی، دہلی	....
۶۴)	خیالات	عارف	انجمن خیالات، رسولپورہ، مالیگاؤں	....
۶۵)	Khandesh Dist. Gazettier, 1880 Reprint, 1985	....	حکومت مہاراشٹر، ممبئی	۱۹۸۵ء
۶۶)	خطبات محفوظ	مولانا محفوظ الرحمٰن قاسمی	محمد حسنین، طیب نگر، مالیگاؤں	۲۰۰۱ء
د				
۶۷)	دینی مدارس کا نظام تعلیم وتربیت	مولانا محمد حنیف ملی	معہد معراج العلوم، ہنگولی	۱۹۸۰ء
۶۸)	دستاویز	مختلف قلم کار	اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ	۱۹۸۳ء
۶۹)	دشت آدم	سلیم شہزاد	منظر نما پبلیشرز، ملاباڑہ، مالیگاؤں	۱۹۸۵ء
ر				
۷۰)	راستے بھی چلتے ہیں	سلطان سبحانی	کریم رحمانی، مکتبہ اردو، محمد علی روڈ، مالیگاؤں	۱۹۶۹ء
۷۱)	رہنمائے اردو	عقیل احمد انصاری	سراج پبلیشنگ ہاؤس مسلم پورہ، مالیگاؤں	۱۹۸۰ء
۷۲)	رات کا منظر	احمد عثمانی	جواز پبلیکیشنز، نیاپورہ، مالیگاؤں	۱۹۸۱ء
۷۳)	رہنمائے تعلیمی نفسیات	مختار یوسف	....	۱۹۸۴ء
۷۴)	رابن ہڈ	شبیر احمد حکیم	اردو پبلیشرز، نظیر آباد، لکھنؤ	۱۹۸۵ء
۷۵)	روشن ستارے	مولانا اقبال احمد آصف ملی	نورانی بک ڈپو، مالیگاؤں،	۱۹۹۹ء

نمبر	کتاب	مصنف/مولف	ناشر	سن اشاعت
۷۶)	رشکِ خوبانِ جہاں	مولانا محمد میاں مالیگ	رضا ریسرچ اینڈ پبلیشنگ بورڈ مانچسٹر، برطانیہ	ندارد
ز				
۷۷)	زینت	غلام محمد زیدی	آزاد اردو پبلی کیشنز جوہر چوک، مالیگاؤں	۱۹۶۷ء
۷۸)	زخم و مرہم	مرتبہ حاجی غلام رسول	........ایضاً........	۱۹۷۶ء
س				
۷۹)	سوانح عمری حاجی امداداللہ	مولانا جمال الدین لبیب	محمد الیاس جوش، مالیگاؤں	۱۹۷۱ء
۸۰)	سراج الوارثین	قاری محمد حسین اشرفی	الحاج نہال احمد قاری محمد حسین، مالیگاؤں	۱۹۷۷ء
۸۱)	سرخ رومال والے	مجید انور	شکیل احمد انصاری، مالیگاؤں	۱۹۹۴ء
۸۲)	سفرنامہ جزیرۂ فرانس ری یونین	مولانا جاوید احمد ملی	نورانی بک ڈپو، مالیگاؤں	۲۰۰۰ء
ش				
۸۳)	شاعری کی دکان	سلطان سبحانی	سرفراز افسر، مکتبہ اردو محمد علی روڈ، مالیگاؤں	۱۹۶۸ء
۸۴)	شوخیاں	شبیر احمد حکیم	فرخ حکیم، ۳۶۶، نیو وارڈ، مالیگاؤں	۱۹۷۱ء
۸۵)	شہر کا خواب	عرفان عارف	حسن خالق، اسلام پورہ، مالیگاؤں	۱۹۸۴ء
۸۶)	شوق ناتمام	عبدالاسلم شیخ	شبیر احمد ہاشمی، بدر کا باڑہ، مالیگاؤں	۱۹۸۷ء
۸۷)	شمع جلتی رہے	رضیہ حکیم	رضیہ حکیم، ۳۴، بنگالی روڈ، بھیونڈی	۱۹۸۸ء
۸۸)	شرک کیا ہے؟	مولانا محمد میاں مالیگ	رضا ریسرچ اینڈ پبلیشنگ بورڈ، مانچسٹر، برطانیہ	۱۹۹۳ء
۸۹)	شاعرِ اعظم	محی الدین مالیگانوی	ڈاکٹر سلیم ذکریا، ۵۹۵، ہزار کھولی، مالیگاؤں	۱۹۹۶ء

نمبر	کتاب	مصنف/مولف	ناشر	سن اشاعت
۹۰)	شرعی وزن اور پیمانے	حافظ محمد مصطفیٰ ملی	ادارہ تعمیر، شعبۂ تحقیقات اسلامی خیرآباد، مالیگاؤں	۱۹۹۷ء
۹۱)	شام کی ٹہنی کا پھول	سلطان سبحانی	سلطان سبحانی، ہزار کھولی، مالیگاؤں	۱۹۹۹ء
	ص			
۹۲)	صدیوں بعد کے لوگ	عرفان عارف	حسن خالق، اسلام پورہ، مالیگاؤں	۱۹۸۶ء
	ط			
۹۳)	طلسمی گھوڑا	ایم یوسف انصاری	مکتبۂ اطفال، بدر کا باڑہ، مالیگاؤں	۱۹۹۰ء
۹۴)	طبی استخارہ	ڈاکٹر پیر محمد رحمانی	رحمانی کلینک، مالیگاؤں	۱۹۹۶ء
	ع			
۹۵)	علیؓ، تاریخ اور سیاست کی روشنی میں	مولانا عبدالحمید نعمانی	قومی لائبریری، رسولپورہ، مالیگاؤں	۱۹۵۳ء
۹۶)	علم افعال الاعضاء و علم الصحت	ڈاکٹر محمد غفران	جوشی اینڈ لوکھنڈے، پونہ	۱۹۶۸ء
۹۷)	عرش سے افضل	ابوزہرہ رضوی	رضا ریسرچ اینڈ پبلیشنگ بورڈ، مانچسٹر، برطانیہ	۱۹۹۰ء
۹۸)	علم الامراض	ڈاکٹر محمد غفران	نامعلوم	۱۹۹۲ء
۹۹)	علم کا شوق	رفیع احمد	واحد پبلی کیشنز، ۳۰۸، اسلام پورہ، مالیگاؤں	۱۹۹۲ء
۱۰۰)	عثمانؓ، صرف تاریخ کی روشنی میں	مولانا عبدالحمید نعمانی	اے ایچ نعمانی، مدرسہ ملت، مالیگاؤں	ندارد
	غ			
۱۰۱)	غم غلط	محمد حسین فشی	ہارون بی اے، بیباک، مالیگاؤں	۱۹۹۳ء

نمبر	کتاب	مصنف/مولف	ناشر	سن اشاعت
ف				
۱۰۲)	فیضانِ وضو	ڈاکٹر پیر محمد رحمانی	رحمانی کلینک، مالیگاؤں	۱۹۸۵ء
۱۰۳)	فیوض اربعین	مولانا محمد حنیف ملی	مولانا اقبال احمد ملی، نورانی بک ڈپو، مالیگاؤں	۱۹۹۷ء
ق				
۱۰۴)	قوسِ قزح	غلام محمد زیدی	آزاد پبلیکیشنز، جوہر چوک، مالیگاؤں	۱۹۷۴ء
۱۰۵)	قانون حق تملیک	شبیر حکیم و فیروز شیخ	شبیر حکیم، رابعہ مینشن، سنگمیشور، مالیگاؤں	۱۹۹۵ء
ک				
۱۰۶)	کاغذ کے اہرام سے علاج	ڈاکٹر پیر محمد رحمانی	رحمانی کلینک، مالیگاؤں	۱۹۸۹ء
۱۰۷)	کشتن	مقصود اظہر	عبدالعزیز انعامدار، ملاڈ، ممبئی ۹۵	۱۹۹۲ء
۱۰۸)	کاروبار کی طرف	محی الدین مالیگانوی	محمد یوسف شیخ قطب الدین، ملاڈ، ممبئی ۴۰۰۰۹۵	۱۹۹۳ء
۱۰۹)	کرنوں کا سفر	عرفان عارف	عرفان عارف، ۱۱۶۲، اسلامپورہ، مالیگاؤں	۱۹۹۴ء
گ				
۱۱۰)	گلشن ابراہیم خلیل	مولانا عبدالمجید وحید	مولانا وحید، محلّہ قلعہ، مالیگاؤں	۱۳۲۹ھ
۱۱۱)	گلدستہ	عقیل احمد انصاری	سراج پبلیشنگ ہاؤس، مالیگاؤں	۱۹۶۷ء
ل				
۱۱۲)	Lady, Heal Thyself	ڈاکٹر پیر محمد رحمانی	رحمانی کلینک، مالیگاؤں	۱۹۹۰ء

نمبر	کتاب	مصنف/مولف	ناشر	سن اشاعت
	م			
۱۱۳)	مراٹھا نچیا اتہاسا چی سادھنے	وشوناتھ کاشی ناتھ راجواڑے	....	۱۸۹۸ء
۱۱۴)	مکائد النساء المعروف بہ عورتوں کے مکر (حصہ اوّل)	مولانا عبدالمجید وحید	....	۱۹۱۱ء
۱۱۵)	......ایضاً......(حصہ دوم)	......ایضاً......	....	۱۹۱۳ء
۱۱۶)	مجید غفار المعروف بہ قول مختار در بابت مسجد ضرار	مولانا عبدالمجید وحید	محمد عبدالمجید، محلّہ قلعہ، مالیگاؤں	۱۹۱۷ء
۱۱۷)	مکائد النساء (دوسرا ایڈیشن)	......ایضاً......	منشی محمد عبدالجبار پہلوان، قلعہ، مالیگاؤں	۱۹۲۵ء
۱۱۸)	مجید غفار (دوسرا ایڈیشن)	......ایضاً......	....	۱۹۲۵ء
۱۱۹)	مفید الاقوال فی شرح تحفۃ الاطفال	قاری محمد حسین اشرفی	حاجی غنی احمد، تاجر کتب، مطبع رزاقی، کانپور	۱۹۲۹ء
۱۲۰)	مختصر تاریخ ادب اردو	ڈاکٹر سید اعجاز حسین	اعجاز حسین، نشیمن، الہ آباد	۱۹۳۴ء
۱۲۱)	مصابیح شرعیہ عرف مجموعۂ فتاویٰ وحیدیہ مع وصیت نامہ	مولانا عبدالمجید وحید	خورشید مصطفیٰ (تاجدار) ۲۴۵ قلعہ، مالیگاؤں	۱۹۵۰ء
۱۲۲)	مالیگاؤں میں جنگ آزادی	محمد حسن احسن	انصار پبلیشنگ ہاؤس، مالیگاؤں	۱۹۶۷ء
۱۲۳)	منزل	غلام محمد زیدی	آزاد اردو بکس پبلی کیشنز، جوہر چوک، مالیگاؤں	۱۹۶۷ء
۱۲۴)	ملزم	عقیل احمد انصاری	....	۱۹۶۸ء
۱۲۵)	مزدور انقلاب	سرفراز فسر	ٹریڈ یونین سینٹر، کسمبا روڈ، مالیگاؤں	۱۹۷۱ء
۱۲۶)	ماجرائے وطن	شبیر احمد حکیم	انجمن خواتین، رابعہ مینشن، سنگمیشور، مالیگاؤں	۱۹۷۶ء
۱۲۷)	مراٹھی وشوکوش	....	حکومت مہاراشٹر، ممبئی	۱۹۷۷ء
۱۲۸)	معمولات یومیہ محمدیہ	صوفی محمد الیاس جوشؔ	....	۱۹۸۶ء

نمبر	کتاب	مصنف/مولف	ناشر	سن اشاعت
م				
۱۲۹)	میرا کھویا ہوا ہاتھ	سلطان سبحانی	ہمزباں پبلی کیشنز، ہزار کھولی، مالیگاؤں	۱۹۸۷ء
۱۳۰)	مقناطیس سے علاج	ڈاکٹر پیر محمد رحمانی	ڈاکٹر پیر محمد رحمانی، رحمانی کلینک، مالیگاؤں	۱۹۸۸ء
۱۳۱)	ماجرائے وطن (دوسرا ایڈیشن)	شبیر احمد حکیم	انجمن خواتین، رابعہ مینشن، سنگمیشور، مالیگاؤں	۱۹۸۸ء
۱۳۲)	Magenetic Age Theraphy	ڈاکٹر پیر محمد رحمانی	ڈاکٹر پیر محمد رحمانی، رحمانی کلینک، مالیگاؤں	۱۹۹۲ء
۱۳۳)	مناقب غوث جیلانی مولانا تھانوی کی زبانی	ابوزہرو رضوی	رضا ریسرچ اینڈ پبلیشنگ بورڈ، مانچسٹر، برطانیہ۔	۱۹۹۲ء
۱۳۴)	مقصود الٰہی کیا ہے؟	مولانا محمد میاں مالیگ	رضا ریسرچ اینڈ پبلیشنگ بورڈ، مانچسٹر، برطانیہ۔	۱۹۹۳ء
۱۳۵)	محاورے اور چٹخارے	محمد حسین نخشی	ہارون بی اے، بیباک ویکلی، مالیگاؤں	۱۹۹۴ء
۱۳۶)	مومن انصاری برادری کی تہذیبی تاریخ	ڈاکٹر مومن محی الدین	نوشابہ مومن ورخشندہ صادق، اندھیری، ممبئی،	۱۹۹۴ء
۱۳۷)	مسائل میراث	حافظ محمد مصطفٰی ملی	ادارۂ تعمیر، حافظ منزل، خیرآباد، مالیگاؤں	۱۹۹۵ء
۱۳۸)	متن و معنی کا تجزیہ	سلیم شہزاد	منظرنما پبلیشرز، ملاباڑہ، مالیگاؤں	۱۹۹۶ء
۱۳۹)	مالیگاؤں ایک شہر ایک جہاں	عبدالحلیم صدیقی	مصباح ایجوکیشن سوسائٹی، مالیگاؤں	۲۰۰۰ء
۱۴۰)	مختصر طبی لغت	ڈاکٹر محمد غفران	ڈاکٹر محمد غفران، پونے	۲۰۰۰ء
ن				
۱۴۱)	نقارۂ شرعیہ عرف مجموعہ فتاویٰ مجیدیہ	مولانا عبدالمجید وحید	تجمل چشتی قادری جلال پوری، ممبئی	۱۹۲۳ء
۱۴۲)	Nasik Dist. Gazettier, 1883, Reprint, 1975	....	حکومت مہاراشٹر ممبئی	۱۹۷۵ء

نمبر	کتاب	مصنف/مولف	ناشر	سن اشاعت
۱۴۳)	نقوش (جلد اول)	حفیظ مالیگانوی	اقبال احمد انصار بک ڈپو، نیا پورہ، مالیگاؤں	۱۹۷۹ء
۱۴۴)	نقش تحریر	مولانا محمد حنیف ملی	مجلس علم وادب، اسلام آباد مالیگاؤں	۱۹۸۳ء
۱۴۵)	نقش جمیل	مولانا محمد حنیف ملی	مجلس علم وادب، اسلام آباد، مالیگاؤں	۱۹۸۳ء
۱۴۶)	نقش حریت	مولانا محمد حنیف ملی	مجلس علم وادب، اسلام آباد، مالیگاؤں	۱۹۸۶ء
۱۴۷)	نکاح ایک عبادت	مولانا محفوظ الرحمٰن	ادارۂ فلاح الناس مرکز، مالیگاؤں	۱۹۹۵ء
۱۴۸)	نگار عالم	مولانا محفوظ الرحمٰن	ادارۂ فلاح الناس مرکز، مالیگاؤں	۱۹۹۶ء
۱۴۹)	نقوش چمن	مولانا محمد حنیف ملی	پیغام اردو بک ڈپو، جالیور، یوپی	۱۹۹۷ء
۱۵۰)	نقوش نعمانی	مولانا محمد حنیف ملی	مولانا جاوید احمد ملی نورانی بک ڈپو، مالیگاؤں	۱۹۹۷ء
۱۵۱)	نقش قدم	عبدالحلیم صدیقی	اقصیٰ پبلی کیشنز، ملاباڑہ، مالیگاؤں	۱۹۹۸ء
۱۵۲)	نیویارک ڈائری	شبیر احمد حکیم	............خود............	۲۰۰۰ء
۱۵۳)	نقش پا	عبدالمجید سرور	رائے حبیب الرحمٰن، مالیگاؤں	۲۰۰۰ء

ھ

نمبر	کتاب	مصنف/مولف	ناشر	سن اشاعت
۱۵۴)	ھدایۃ التجوید	مولوی قاری دین محمد	مدرسہ دارالعلوم، قصاب باڑہ، مالیگاؤں	۱۹۳۹ء
۱۵۵)	ہندی اردو ٹیچر	سرفراز افسر	مکتبۂ اردو، اسلامپورہ، مالیگاؤں	۱۹۶۹ء
۱۵۶)	ہماری لوک کہانیاں	منتخب مسعود	امیج آرٹس، ۱۲، ۱۷، خوش آمد پورہ، مالیگاؤں	۱۹۷۸ء
۱۵۷)	ہزار داستان	حمید اختر	مسعود اختر، دفتر شہریار، چونا بھٹی، مالیگاؤں	۱۹۸۱ء
۱۵۸)	ہفت رنگ	ڈاکٹر پیر محمد رحمانی	جواز پبلیکشنز، مالیگاؤں	۱۹۸۲ء

ی

نمبر	کتاب	مصنف/مولف	ناشر	سن اشاعت
۱۵۹)	یوم مئی	سرفراز افسر	سرفراز افسر، سردار پریس، مالیگاؤں	۱۹۷۳ء

(۳) شعری مجموعے

نمبر	کتاب	شاعر	ناشر	سن اشاعت
۱)	امربیل	نشاط شاہدوی	نشاط بکڈپو، بھیونڈی، تھانہ	۱۹۵۲ء
۲)	آتش پارے	سرفراز افسر	مکتبۂ اردو، محمد علی روڈ، مالیگاؤں	۱۹۶۷ء
۳)	اعراض	رئیس مالیگانوی	عبدالمجید سرورؔ، بزم جمال، مالیگاؤں	۱۹۷۷ء
۴)	آنکھ مچولی	رفیع احمد	واحد پبلی کیشنز، اسلامپورہ، مالیگاؤں	۱۹۹۷ء
پ				
۵)	پرواز تخیل	حافظ زبیر احمد ملی	....	۲۰۰۰ء
ت				
۶)	تبسّم	ادیب مالیگانوی	قصر الادب، نیاپورہ، مالیگاؤں	۱۹۶۰ء
۷)	ترکش	محمد عمر قدسی	ظہیر قدسی، منگلوارواڑ، مالیگاؤں	۱۹۷۷ء
۸)	تزکیہ	سلیم شہزاد	منظر نما پبلیشرز، ملاباڑہ، مالیگاؤں	۱۹۸۷ء
۹)	تشنگی رخت سفر	اسحٰق خضر	انجمن ترقی اردو، مالیگاؤں	۲۰۰۰ء
ج				
۱۰)	جمال ہم نشیں	مختلف شعراء	انجمن آئینہ ادب، نیاپورہ، مالیگاؤں	۱۹۵۹ء
چ				
۱۱)	چاند ستارے	اسحٰق خضر	مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکیڈمی، ممبئی	۱۹۸۸ء
۱۲)	چراغ راہگذر	ادیب مالیگانوی	حکیم رازی ادیبی، ساچا پیر اسٹریٹ، پونے	۱۹۹۳ء
ح				
۱۳)	حرف شیریں	اوجؔ مالیگانوی	نازاں مالیگانوی، مالیگاؤں	۱۹۸۵ء
۱۴)	حکم نامہ	سلطان سبحانی	ہمزباں پبلیکشنز، ہزارکھولی، مالیگاؤں	۱۹۸۵ء
۱۵)	حرف حرف تبسم	ظہیر ابن قدسی	سردار سرکل، ۸۶، منگلوارواڑ، مالیگاؤں	۱۹۸۸ء

نمبر	کتاب	شاعر	ناشر	سن اشاعت
خ				
۱۶)	خاک رنگ	احمد نسیم مینا نگری	عالیہ فردوس، بیلباغ، مالیگاؤں	۱۹۹۱ء
۱۷)	خوشبو نگر نگری	مختلف شعراء	ارباب قلم، مالیگاؤں	۱۹۹۴ء
د				
۱۸)	دیوانِ عطا المعروف بہ چراغ بقا	دادا میاں عطا مالیگانوی	قاضی عبدالکریم، تاجرانِ کتب، ممبئی	۱۸۸۹ء
۱۹)	دعا پر منتشر	سلیم شہزاد	روایت پبلیکیشنز، ملاباڑہ، مالیگاؤں	۱۹۸۷ء
ر				
۲۰)	رقص جام	ضیا ڈراماٹسٹ	نامعلوم	ندارد
ز				
۲۱)	زرخواب	احمد نسیم مینا نگری	قصرِ اردو، ۵۱۱ بیلباغ، مالیگاؤں	۱۹۷۹ء
س				
۲۲)	ستارے	ادیب مالیگانوی	ماہنامہ مشہور، دہلی۔	۱۹۴۴ء
۲۳)	سایہ سایہ دھوپ	ڈاکٹر اشفاق انجم	ڈاکٹر اشفاق انجم ۴۹ے ر نیاپورہ، مالیگاؤں	۱۹۷۹ء
ش				
۲۴)	شبکارِ ہم نشیں	مختلف شعراء	انجمن آئینہ ادب، نیاپورہ، مالیگاؤں	۱۹۵۴ء
۲۵)	شعلۂ احساس	مختلف شعراء	بزم تاریخ، مولانا آزاد روڈ، مالیگاؤں	۱۹۷۰ء
۲۶)	شاخ تمنا	احسن مالیگانوی	ڈاکٹر اشفاق انجم، ۴۹ے ر نیاپورہ، مالیگاؤں	۱۹۸۳ء
ص				
۲۷)	صلو علیہ والہ	ڈاکٹر اشفاق انجم	ڈاکٹر اشفاق انجم، نیاپورہ، مالیگاؤں	۲۰۰۱ء
گ				
۲۸)	گنج رواں	پانچ شعراء	آرزو پبلیکیشنز، نیاپورہ، مالیگاؤں	۱۹۷۴ء
۲۹)	گلشن	رفیع احمد	واحد پبلیکیشنز، اسلامپورہ، مالیگاؤں	۱۹۹۸ء

نمبر	کتاب	شاعر	ناشر	سن اشاعت
	م			
۳۰)	مناجات وحید منظوم مع حمد باری تعالیٰ	مولانا عبدالمجید وحیدؔ	محمد عبدالمجید، قلعہ، مالیگاؤں	۱۹۵۲ء
۳۱)	متاعِ عزیز	مولانا یوسف عزیز	منظور احمد، نیاپورہ، مالیگاؤں	۱۹۸۳ء
۳۲)	مٹی کے حوالے	شبیر آصف	جواز پبلیکیشنز، نیاپورہ، مالیگاؤں	۱۹۹۰ء
	ن			
۳۳)	نورِ فردا	عتیق احمد عتیق	بزم انجم نوائے ادب، نیاپورہ، مالیگاؤں	۱۹۶۵ء
۳۴)	نقطے اور لکیریں	امین تابش	امین تابش، ممبئی	۱۹۷۷ء
	ہ			
۳۵)	ہزار انجم	محمد صدیق مسلم مالیگانوی	حسن دانش، مصری خاں کا باڑہ، مالیگاؤں	۱۹۶۹ء
	ی			
۳۶)	یہ ہے میرا ہندوستان	سعید عقاب	سیدہ بانو زوجہ سعید عقاب، دھولیہ	۲۰۰۰ء

(٤) رسالے

نمبر	رسالہ	مقام اشاعت	وقفہ اشاعت	تاریخ و ماہ سال
	ا۔آ			
۱)	ادب قلمی	مالیگاؤں	ماہنامہ	۱۹ر دسمبر ۱۹۳۳ء، ۳ر جنوری ۱۹۳۴ء
				۱۷ر جنوری ۱۹۳۴ء، ۱۶ر فروری ۱۹۳۴ء
				۱۷ر مارچ ۱۹۳۴ء، اپریل ۱۹۳۴ء
				۱۴ر مئی ۱۹۳۴ء، ۱۴ر جون ۱۹۳۴ء
				۱۲ر اگست ۱۹۳۴ء، ۱۱ر ستمبر ۱۹۳۴ء
				۱۱ر اکتوبر ۱۹۳۴ء، ۸ر نومبر ۱۹۳۴ء
				۹ر دسمبر ۱۹۳۴ء، ۵ر فروری ۱۹۳۵ء
				۷ر مارچ ۱۹۳۵ء، اپریل ۱۹۳۵ء
۲)	افتخار سخن	مالیگاؤں	ماہنامہ	مئی ۱۹۲۳ء
۳)	المومن	کلکتہ	ماہنامہ	جنوری ۱۹۲۵ء
				اپریل ۱۹۲۶ء، اگست ۱۹۲۷ء، دسمبر ۱۹۲۷ء
۴)	انصار	سہارنپور	ماہنامہ	مئی ۱۹۳۳ء
۵)	ادبی دنیا	لاہور	ماہنامہ	نومبر ۱۹۴۴ء
۶)	الکلام	ممبئی	ماہنامہ	اگست ۱۹۵۲ء تا مئی ۱۹۵۳ء
۷)	امکان۔۳	ممبئی	سہ ماہی	۱۹۸۳ء
۸)	المیزان	ممبئی	ماہنامہ	جون ۱۹۷۵ء
۹)	البدر	دھولیہ	ماہنامہ	فروری و اپریل ۱۹۲۶ء
۱۰)	آریہ ورت	دہلی	ماہنامہ	۱۹۴۸ء

نمبر	رسالہ	مقام اشاعت	وقفہ اشاعت	تاریخ و ماہ سال
ب				
۱۱)	بہار	مالیگاؤں	ماہنامہ	مئی ۱۹۲۴ء
ت				
۱۲)	ترجمان مومن انصار	بنارس	ماہنامہ	اگست ۱۹۲۸ء
				فروری ۱۹۲۹ء، ستمبر ۱۹۲۹ء
				اکتوبر ۱۹۲۹ء، نومبر ۱۹۲۹ء
				دسمبر ۱۹۲۹ء، جنوری ۱۹۳۰ء
				مارچ ۱۹۳۰ء، شعبان و رمضان ۱۳۴۵ھ
ج				
۱۳)	جواز	مالیگاؤں	سہ ماہی	اپریل ۱۹۸۰ء
				نومبر ۱۹۸۸ء تا اگست ۱۹۸۹ء
خ				
۱۴)	خورشید	مالیگاؤں	ماہنامہ	مئی ۱۹۴۸ء
ر				
۱۵)	رگ سنگ	کانپور	ماہنامہ	اکتوبر ر نومبر ۱۹۷۳ء
ز				
۱۶)	زبان	منگرول کاٹھیاواڑ	ماہنامہ	اپریل ۱۹۲۳ء
س				
۱۷)	سائنس	دہلی	ماہنامہ	مئی ۱۹۹۶ء
	سائنس	دہلی	ماہنامہ	جولائی ۱۹۹۶ء
۱۸)	سنمتی	ناگپور	ماہنامہ	نومبر ر دسمبر ۱۹۶۷ء
ش				
۱۹)	شاعر	ممبئی	ماہنامہ	جون ۱۹۴۷ء
				ستمبر ر اکتوبر ۱۹۴۷ء، دسمبر ۱۹۴۷ء

نمبر	رسالہ	مقام اشاعت	وقفہ اشاعت	تاریخ و ماہ و سال
۲۰)	شمع	دہلی	ماہنامہ	جنوری ۱۹۸۳ء
۲۱)	شگوفہ	حیدرآباد	ماہنامہ	جنوری ۱۹۷۴ء مارچ ۱۹۷۴ء، مئی ۱۹۷۴ء جنوری ۱۹۷۵ء، مارچ ۱۹۷۶ء
	ص			
۲۲)	صبح امید	ممبئی	ماہنامہ	اکتوبر ۱۹۵۷ء، نومبر ۱۹۵۸ء اگست ۱۹۵۹ء، ستمبر/اکتوبر ۱۹۶۴ء
	ط			
۲۳)	طوفان	دھولیہ	ماہنامہ	اپریل/مئی ۱۹۴۸ء
	ع			
۲۴)	عالم گیر	لاہور	ماہنامہ	اپریل ۱۹۳۶ء مارچ ۱۹۴۳ء، اپریل ۱۹۴۳ء مئی ۱۹۴۳ء، مئی ۱۹۴۸ء
	ف			
۲۵)	فصاحت	حیدرآباد	ماہنامہ	مارچ ۱۹۴۲ء تا دسمبر ۱۹۴۲ء جنوری/فروری ۱۹۴۴ء
	ق			
۲۶)	قومی راج	ممبئی	ماہنامہ	مارچ ۱۹۷۶ء
	م			
۲۷)	معیارِ سخن	مالیگاؤں	ماہنامہ	نومبر ۱۹۴۴ء
۲۸)	مومن	بدایوں	ماہنامہ	جولائی ۱۹۳۶ء تا ستمبر ۱۹۳۶ء
۲۹)	مساوات	پھلواری شریف پٹنہ	ماہنامہ	ستمبر ۱۹۳۶ء
۳۰)	مرقع	لکھنؤ	ماہنامہ	جون ۱۹۳۶ء
۳۱)	مزاح نامہ	ناگپور	ماہنامہ	جنوری ۱۹۸۴ء

نمبر	رسالہ	مقام اشاعت	وقفہ اشاعت	تاریخ و ماہ و سال
ن				
۳۲)	نرالی دنیا	لاہور	ماہنامہ	نومبر۱۹۴۴ء
				جنوری۱۹۴۵ء، اگست۱۹۴۵ء
۳۳)	نویدِ نو	مالیگاؤں	سہ ماہی	اکتوبر۱۹۷۱ء، دسمبر۱۹۷۱ء
				مئی تا جولائی۱۹۷۲ء، جنوری۱۹۷۳ء
۳۴)	نشانات	مالیگاؤں	ماہنامہ	اکتوبر۱۹۷۴ء، نومبر۱۹۷۴ء
				اگست۱۹۷۵ء، تا اکتوبر۱۹۷۵ء
ہ				
۳۵)	ہندوستانی ادب	حیدرآباد	ماہنامہ	مئی جون۱۹۴۶ء، جولائی۱۹۶۰ء
۳۶)	ہم زباں	مالیگاؤں	ماہنامہ	مئی تا جولائی۱۹۷۸ء

(۵) اخبارات

نمبر	اخبار	مقام اشاعت	وقفہ اشاعت	تاریخ و ماہ و سال
	ا۔آ			
۱)	اردو ٹائمز	ممبئی	روز نامہ	۵رجولائی ۱۹۵۸ء
				۲۴راکتوبر ۱۹۶۰ء، ۲رمئی ۱۹۹۱ء
۲)	الوارث	ممبئی	ہفت روزہ	۳رجنوری ۱۹۳۶ء
				۶رمارچ ۱۹۳۹ء، ۱۳رمارچ ۱۹۳۹ء
				جنوری فروری ۱۹۳۹ء، مارچ ۱۹۵۰ء
۳)	اشار	لاہور	ہفت روزہ	جون ۱۹۳۸ء، ۷راگست ۱۹۳۸ء
				۴ردسمبر ۱۹۳۸ء، ۲۶ردسمبر ۱۹۴۲ء
۴)	السبیل	مالیگاؤں	ہفت روزہ	فروری ۱۹۷۶ء کے شمارے
۵)	اخبار تعلیم	لاہور	ہفت روزہ	۲۴راکتوبر ۱۹۲۴ء، ۷راپریل ۱۹۲۴ء
				۱۴راپریل ۱۹۲۴ء، ۲۲رستمبر ۱۹۲۴ء
				۲۹رستمبر ۱۹۲۴ء، ۶راکتوبر ۱۹۲۴ء
				۱۳راکتوبر ۱۹۲۴ء، ۲۷راکتوبر ۱۹۲۴ء
				۲۴رنومبر ۱۹۲۴ء
				۸ردسمبر ۱۹۲۴ء، ۲۱رجنوری ۱۹۲۴ء
				۲۸رجنوری ۱۹۲۴ء، یکم جنوری ۱۹۲۴ء
				۴رفروری ۱۹۲۴ء، ۲۴رمارچ ۱۹۲۴ء
				۳۱رمارچ ۱۹۲۴ء، ۵رمئی ۱۹۲۴ء
				۲۶رمئی ۱۹۲۴ء، ۹رجون ۱۹۲۴ء
				۱۶رجون ۱۹۲۴ء، ۱۱راگست ۱۹۲۴ء

نمبر	اخبار	مقام اشاعت	وقفہ اشاعت	تاریخ و ماہ و سال
				۱؍ستمبر ۱۹۲۴ء، ۸؍ستمبر ۱۹۲۴ء
				۸؍دسمبر ۱۹۲۴ء، ۱۵؍دسمبر ۱۹۲۴ء
				۲۲؍دسمبر ۱۹۲۴ء، مارچ ۱۹۲۶ء
				مئی ۱۹۲۶ء، اگست ۱۹۲۶ء
۶)	اجمل	ممبئی	ہفت روزہ	۲۲؍دسمبر ۱۹۲۹ء، ۲۹؍دسمبر ۱۹۲۹ء
				۵؍جنوری ۱۹۳۰ء، ۱۲؍جنوری ۱۹۳۰ء
				۱۹؍جنوری ۱۹۳۰ء، ۲؍فروری ۱۹۳۰ء
				۱۶؍فروری ۱۹۳۰ء، فروری ۱۹۳۰ء
				مارچ ۱۹۳۰ء، ۲۵؍مئی ۱۹۳۰ء
				یکم جون ۱۹۳۰ء، ۲۲؍جون ۱۹۳۰ء
				۸؍اگست ۱۹۳۰ء، ۲۲؍دسمبر ۱۹۳۰ء
				۲۹؍اکتوبر ۱۹۳۲ء، ۲۸؍جنوری ۱۹۳۳ء
				۵؍فروری ۱۹۳۳ء، ۱۹؍مارچ ۱۹۳۳ء
				۶؍اپریل ۱۹۳۳ء، ۲؍جولائی ۱۹۳۳ء
				۹؍جولائی ۱۹۳۳ء، ۳۰؍جولائی ۱۹۳۳ء
				۲۰؍مئی ۱۹۳۴ء تا ۲۳؍مئی ۱۹۳۵ء
۷)	آئینہ	ممبئی	ہفت روزہ	۲۲؍مارچ ۱۹۴۲ء
۸)	آوازِ مالیگاؤں	مالیگاؤں	روزنامہ	۸؍دسمبر ۱۹۸۸ء
	ب			
۹)	بیباک	مالیگاؤں	ہفت روزہ	۱۸؍اکتوبر ۱۹۹۱ء
	ت			
۱۰)	تعلیم و تربیت	لاہور	ہفت روزہ	جون ۱۹۳۱ء
۱۱)	تم ہم	مالیگاؤں	ہفت روزہ	یکم دسمبر ۱۹۶۱ء

نمبر	اخبار	مقام اشاعت	وقفہ اشاعت	تاریخ و ماہ و سال
	ث			
۱۲)	ثبات	مالیگاؤں	ہفت روزہ	۲؍جولائی ۱۹۷۳ء
	ج			
۱۳)	جمہور	ممبئی	ہفت روزہ	۶؍اگست ۱۹۲۷ء، ۲۷؍اگست ۱۹۲۷ء
				۲۱؍جولائی ۱۹۴۰ء، ۲۸؍جولائی ۱۹۴۰ء
				۴؍اگست ۱۹۴۰ء، ۱۱؍اگست ۱۹۴۰ء
				۱۸؍اگست ۱۹۴۰ء، ۲۵؍اگست ۱۹۴۰ء
				یکم ستمبر ۱۹۴۰ء، ۸؍ستمبر ۱۹۴۰ء
				۱۵؍ستمبر ۱۹۴۰ء، ۲۲؍ستمبر ۱۹۴۰ء
				۲۹؍ستمبر ۱۹۴۰ء، ۲۷؍اکتوبر ۱۹۴۰ء
				۶؍اکتوبر ۱۹۴۰ء، ۱۰؍نومبر ۱۹۴۰ء
				یکم دسمبر ۱۹۴۰ء، ۸؍دسمبر ۱۹۴۰ء
				۱۵؍دسمبر ۱۹۴۰ء، ۲۲؍دسمبر ۱۹۴۰ء
				۲۹؍دسمبر ۱۹۴۰ء، ۵؍جنوری ۱۹۴۱ء
				۱۲؍جنوری ۱۹۴۱ء، ۱۹؍جنوری ۱۹۴۱ء
				۲۶؍جنوری ۱۹۴۱ء، ۲؍فروری ۱۹۴۱ء
				۹؍فروری ۱۹۴۱ء، ۱۶؍فروری ۱۹۴۱ء
				۱۶؍مئی ۱۹۴۸ء
	ح			
۱۴)	حشر	ممبئی	ہفت روزہ	۲۲؍فروری ۱۹۴۲ء، یکم مارچ ۱۹۴۲ء
				۸؍مارچ ۱۹۴۲ء، ۱۵؍مارچ ۱۹۴۲ء
				۲۲؍مارچ ۱۹۴۲ء، ۲۹؍مارچ ۱۹۴۲ء
				۲۶؍جولائی ۱۹۴۲ء، ۲؍اگست ۱۹۴۲ء

نمبر	اخبار	مقام اشاعت	وقفہ اشاعت	تاریخ و ماہ و سال
	خ			
۱۵)	خلافت	ممبئی	روز نامہ	۷/جون ۱۹۳۶ء، ۲۸/جون ۱۹۳۶ء ۳۰/اگست ۱۹۳۶ء، ۲۷/ستمبر ۱۹۳۷ء
	ر			
۱۶)	رہنمائے تعلیم	لاہور	ہفت روزہ	جنوری ۱۹۲۶ء، مئی ۱۹۲۷ء اگست/ستمبر ۱۹۲۷ء
	س			
۱۷)	سروش	ممبئی	ہفت روزہ	۱۳/مارچ ۱۹۳۸ء، ۲۸/اگست ۱۹۳۸ء
	ش			
۱۸)	شوق	مالیگاؤں	ہفت روزہ	۱۱/اگست ۱۹۹۵ء
۱۹)	شاہنامہ	مالیگاؤں	روز نامہ	۱۶/اگست ۱۹۸۷ء
	ص			
۲۰)	صداقت	ممبئی	ہفت روزہ	۲۷/مئی ۱۹۳۳ء، ۳/جون ۱۹۳۳ء
	ع			
۲۱)	عوامی آواز	مالیگاؤں	ہفت روزہ	۷/نومبر ۱۹۷۵ء، ۱۴/نومبر ۱۹۷۵ء ۱۱/جنوری ۱۹۸۰ء، ۲/مئی ۱۹۸۳ء
	ک			
۲۲)	کیفی	مالیگاؤں	ہفت روزہ	۵/اگست ۱۹۶۳ء
۲۳)	کہکشاں	ممبئی	ہفت روزہ	۲۷/نومبر ۱۹۴۹ء ۱۹/مارچ ۱۹۵۰ء، ۲/اپریل ۱۹۵۰ء ۹/اپریل ۱۹۵۰ء، ۱۷/دسمبر ۱۹۵۰ء ۳۱/دسمبر ۱۹۵۰ء، ۲۸/جنوری ۱۹۵۱ء ۹/مارچ ۱۹۵۱ء، ۱۶/مارچ ۱۹۵۱ء ۶/اپریل ۱۹۵۲ء، ۱۳/اپریل ۱۹۵۲ء

نمبر	اخبار	مقام اشاعت	وقفہ اشاعت	تاریخ و ماہ و سال
	کہکشاں	ممبئی	ہفت روزہ	۲۰/اپریل ۱۹۵۲ء، ۲۲/جون ۱۹۵۲ء
	ل			
۲۴)	لوک مت	ناسک	روزنامہ	۲۶/مئی ۱۹۹۸ء
	م			
۲۵)	مبشر	مالیگاؤں	روزنامہ	۲۴/اپریل ۱۹۹۷ء، ۹/دسمبر ۱۹۹۷ء
۲۶)	ملی بیداری	مالیگاؤں	ہفت روزہ	۷/دسمبر ۱۹۹۰ء
۲۷)	مسلم	ممبئی	روزنامہ	۱۴/فروری ۱۹۴۵ء
۲۸)	مالیگاؤں افق	مالیگاؤں	ہفت روزہ	۱۲/جولائی ۱۹۹۳ء
	ن			
۲۹)	ندیم	ممبئی	ہفت روزہ	۸/اکتوبر ۱۹۳۲ء، ۲۸/جنوری ۱۹۳۳ء
۳۰)	نظام	ممبئی	ہفت روزہ	۲۱/اکتوبر ۱۹۴۵ء، ۴/نومبر ۱۹۴۵ء
				۶/جنوری ۱۹۴۶ء، ۲۷/جنوری ۱۹۴۷ء
				۱۰/فروری ۱۹۴۷ء
۳۱)	نعمانی ٹائمز	مالیگاؤں	ہفت روزہ	۱۵/ستمبر ۱۹۹۳ء، ۲۲/ستمبر ۱۹۹۳ء
				۲۷/اکتوبر ۱۹۹۳ء، ۹/نومبر ۱۹۹۴ء
	ہ			
۳۲)	ہلال	ممبئی	روزنامہ	۱۷/دسمبر ۱۹۳۳ء
				۲۲/جنوری ۱۹۳۴ء، ۱۱/دسمبر ۱۹۳۸ء
۳۳)	ہندوستان	مالیگاؤں	روزنامہ	۳۰/اپریل ۱۹۹۵ء، ۷/جون ۱۹۹۵ء
۳۴)	ہاشمی آواز	مالیگاؤں	ہفت روزہ	۱۹/اپریل ۱۹۹۴ء، ۱۵/اکتوبر ۱۹۹۵ء
				۲۶/دسمبر ۱۹۹۵ء، ۱۲/اگست ۱۹۹۷ء
				۹/ستمبر ۱۹۹۷ء، ۱۴/اکتوبر ۱۹۹۷ء
				۱۱/نومبر ۱۹۹۷ء، ۸/ستمبر ۱۹۹۸ء
				۱۵/ستمبر ۱۹۹۸ء، ۲۹/ستمبر ۱۹۹۸ء
۳۵)	ہماری زبان	دہلی	ہفت روزہ	جنوری ۱۹۷۸ء

اِظہارِ تَشکّر

راقم الحروف سب سے پہلے اللہ رب العزت کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس نے اس اہم کام میں غائبانہ رہنمائی فرمائی، راستے کی مشکلات کو دور فرمایا اور مقالے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق بخشی۔ اسکے علاوہ راقم مندرجہ ذیل افراد اور اداروں کا بھی بے حد احسان مند ہے جنہوں نے قدم قدم پر تعاون فرمایا:۔

ڈاکٹر عصمت جاوید:

شیخ صاحب نے نہ صرف تصنیف کو بنظر غائر دیکھنے کی زحمت فرمائی۔ بلکہ ایک جامع تحریر پیش لفظ کی صورت میں تحریر فرما کر راقم کو ہمیشہ کے لئے اپنی نوازشوں کا احسان مند بنالیا۔

مولانا محمد حنیف ملّی مرحوم:

گاہے بگاہے مناسب مشورے دیئے اور قدیم رسائل و کتب عنایت فرمائیں، نیز اس تصنیف پر گراں قدر تبصرہ بھی رقم فرمایا۔

سلطان سبحانی:

اپنی مصروف زندگی سے وقت نکال کر راقم کی نثر نگاری پر ایک خوبصورت اور گراں قدر مضمون تحریر فرمایا۔

ڈاکٹر اشفاق انجم: انہوں نے نہ صرف راقم السطور کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا بلکہ بہت سا قیمتی مواد بھی فراہم کیا۔ نیز کتاب پر تبصرہ بھی تحریر فرمایا۔

سلیم شہزاد:

زیرِ نظر تصنیف پر جامع تبصرہ تحریر فرما کر راقم کی حوصلہ افزائی میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

عتیق احمد عتیق: راقم اور اس کتاب پر نہایت جامعیت اور اختصار کے ساتھ تبصرہ فرما کر ہمت بڑھائی۔

الحاج محمد بشیر ادیب:

بے شمار قدیم کتابیں اور رسالے عنایت کئے۔ اردو لائبریری میں مواد کی تلاش کے دوران موصوف رسالوں کے بڑے بڑے گٹھے اٹھا کر لاتے تھے اور راقم کے دیکھ لینے کے بعد انہیں اٹھا کر ترتیب سے رکھتے جاتے

تھے۔اس پیرانہ سالی میں انہوں نے راقم کے ساتھ جو محبت اور شفقت کا معاملہ فرمایا اور تکلیف اٹھائی اسے فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

شبیر احمد حکیم:

موصوف نے اردو لائبریری کے تمام دروازے میرے لئے کھول دیئے۔کام کرنے کے لئے ایک مخصوص کمرہ، میز اور کرسیاں ہی مہیا نہیں کیں بلکہ ہر دوسرے تیسرے روز خیریت دریافت کرتے اور اپنی حوصلہ افزا اور رہنمایانہ گفتگو سے میری ہمت بندھاتے رہے۔

سعید احمد، حاجی فروغ احمد ، نذیر احمد:

اردو لائبریری کے لائبریرین سعید احمد اور ان کے معاونین نے بھی ریسرچ کے دوران بے حد ساتھ دیا۔

مومن رفیق احمد اور شکیل احمد رحمانی:

مواد کی تلاش اور فہرست سازی میں ان دونوں نوجوانوں نے بے حد تعاون دیا۔

ظہیر احمد وارثی اور مقبول وارثی:

کامٹی کے بزرگ ظہیر وارثی اور ان کے فرزند نے مکان میں محفوظ اخبارات و رسائل کا ذخیرہ دیکھنے اور قیمتی مواد اخذ کرنے کا موقع دیا۔

حبیب الرحمن فاروقی:

کامٹی میں فاروقی پریس کے مالک ہیں۔انہوں نے بھی اپنے خاندانی ذخیرۂ کتب کو دیکھنے کی اجازت دی۔

ڈاکٹر شرف الدین ساحل:

ناگپور کے مشہور مصنف محقق اور شاعر ہیں۔موصوف نے خود بھی رہنمائی فرمائی اور بہت سی کتابیں بھی اسی سلسلے میں عنایت فرمائیں۔

جاوید احمد:

انصار الیکٹریکلس کے مالک ہیں۔ان کے توسط سے مرحوم محمد اسحٰق ایوبی کے مکان (حیدرآباد) تک رسائی ہوئی اور مرحوم کی کتابیں اور بیاضیں دستیاب ہوئیں۔

فریدہ نصرت:

محمد اسحٰق ایوبی مرحوم کی دختر ہیں۔انہوں نے بھی نہایت فراخدلانہ اور گراں قدر تعاون دیا اور مرحوم کی ملکیت کے کتب و رسائل عنایت کیے۔

مولانا عبدالحق رازی اور محمد اسحق ناصر:
ان مرحومین نے دوراول کے نثر نگاروں کے تعلق سے نہایت قیمتی معلومات مہیا فرمائیں۔

محمد رمضان فیضی:
بعض مرحوم نثر نگاروں کی تاریخ وفات کی تصحیح کے لئے ہمیشہ تعاون سے نوازا۔

رفیع احمد: رسائل اور ادبی انجمنوں کی معلومات کے تعلق سے کافی مواد عنایت کیا۔

مالیگاؤں کی تاریخ کے تعلق سے راقم گواندے صاحب، یشونت گنجاڑ وکیل، آنجہانی جنے نارائن شرما، ڈاکٹر پی این دیشپانڈے (دھولیہ) اور ان کی اہلیہ، نیز شری ویرسنگھ جی پربھاکر گولے (مظفر نگر۔یوپی) کا احسان مند ہے۔

مالیگاؤں کے تمام کتب خانوں، ہائی اسکولوں کی لائبریریوں کے ساتھ ساتھ بالخصوص اردو لائبریری اور مدرسہ بیت العلوم کے کتب خانے سے استفادے کا کافی موقع ملا۔علاوہ ازیں عروس البلاد کے اداروں میں مہاتما گاندھی میموریل ریسرچ سینٹر، عوامی ادارہ، انجمن اسلام ریسرچ انسٹی ٹیوٹ سے بھی تعاون ملا۔دکن ایجوکیشن اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (پونہ) اور سندریا وگنانا کیندرم (حیدرآباد) کے ذخیرۂ کتب ورسائل سے کافی مدد ملی۔راقم ان تمام اداروں کے کارپردازان اور منتظمین کے پرخلوص اور گراں قدر تعاون کے لئے مشکور ہے۔

محترم عبدالحفیظ انصاری صاحب، ڈاکٹر ہارون فراز، ڈاکٹر اقبال برکی اور سجاد عزیز کے مفید مشورے ہر قدم رہنما رہے۔مواد کی فراہمی میں افتخار احمد دلار، ماسٹر اقبال احمد حفیظی، ہارون بی اے، محمد حنیف قبلہ (بھیونڈی) اور محمد نذیر عارج (دھولیہ) کی مدد شامل رہی۔ان سب کا بے حد شکریہ! پروف ریڈنگ کے لئے جاوید احمد آفاق اور نذیر احمد نذیر، نیز کمپیوٹر کے سلسلے میں سجاد ہمدانی (اقراء کمپیوٹرس) کا راقم شکر گذار ہے۔

اشاعت کے سلسلے میں میرے فرزندوں اعجاز احمد صدیقی، امتیاز احمد صدیقی اور عمران احمد صدیقی کے علاوہ یونیٹی پریس کے مالک ماسٹر زبیر احمد اور ان کے لائق فرزند عتیق احمد نے بھی بڑی محنت کی۔ان کے علاوہ جن حضرات اور اداروں نے کسی بھی شکل میں اپنے تعاون سے نوازا راقم ان کے احسانات سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔اللہ سب کو جزائے خیر دے۔آمین!

ڈاکٹر الیاس صدیقی

من آنم

(کوائف مصنف)

نام : محمد الیاس

والد کا نام : محمد حنیف (متوفی ۳۰؍جنوری ۱۹۸۲ء)

سرنیم : صدیقی

تخلص : وسیم

قلمی نام : (نثر) الیاس صدیقی (شاعری) الیاس وسیم صدیقی

تاریخ پیدائش : یکم مارچ ۱۹۴۵ء

مقام پیدائش : مالیگاؤں، ضلع ناسک، (مہاراشٹر)

مکمل پتہ : 299، گروواروارڈ، بیلباغ، مالیگاؤں، ضلع ناسک: 423203

فون نمبر : (0255) 439111

تعلیم

	امتحان	سال	درجہ	اسکول کالج یا یونیورسٹی
۱)	ایس ایس سی (میٹرک)	مارچ ۱۹۶۳ء	اوّل	مالیگاؤں ہائی اسکول، مالیگاؤں
۲)	بی اے	مارچ ۱۹۶۹ء	اوّل	پونہ یونیورسٹی، پونے
۳)	بی ایڈ	مارچ ۱۹۷۲ء	امتیازی	مراٹھواڑہ کالج آف ایجوکیشن، اورنگ آباد
۴)	ایم اے	مئی ۱۹۷۳ء	اوّل	پونہ یونیورسٹی، پونے
۵)	ایل ایل بی	اکتوبر ۱۹۸۵ء	دوّم	پونہ یونیورسٹی، پونے
۶)	ایل ایل ایم	اکتوبر ۱۹۸۹ء	سی گریڈ	پونہ یونیورسٹی، پونے
۷)	پی ایچ ڈی	فروری ۲۰۰۰ء	....	پونہ یونیورسٹی، پونے
۸)	شاستریہ سنگیت	مدھیما اوّل	کامیاب	اکھل بھارتیہ گاندھرو مہاودیالے، میرج

ملازمت:

۱) میونسپل پرائمری مدارس، مالیگاؤں میں معاون مدرس، ۱۹۶۵ء تا ۱۹۶۸ء

۲) معاون مدرس، جمہور ہائی اسکول اینڈ جونیئر کالج، مالیگاؤں ۱۶؍جون ۱۹۶۹ء تا ۳۱؍جولائی ۱۹۸۴ء

۳) سپروائزر جمہور ہائی اسکول اینڈ جونیر کالج، مالیگاؤں یکم اگست ۱۹۸۴ء تا ۳۱؍دسمبر ۱۹۹۹ء

۴) اسسٹنٹ ہیڈ ماسٹر، جمہور ہائی اسکول اینڈ جونیر کالج، مالیگاؤں یکم جنوری ۲۰۰۰ء سے

شاعری: خصوصاً غزل، گیت، قومی گیت، مزاحیہ اور طنزیہ کلام

ابتدائے شاعری: ۱۹۶۵ء لیکن باقاعدہ ۱۹۷۵ء سے آغاز ہوا۔

مشاعرے: سورت، دھولیہ، بھیونڈی، ممبئی، برہانپور، ایولہ، احمد نگر، شہادہ، شیر پور، ناگپور، جلگاؤں وغیرہ مقامات کے آل انڈیا مشاعروں میں بحیثیت شاعر شرکت

نظامت: مختلف آل انڈیا مشاعروں میں مختلف شہروں میں نظامت کے فرائض انجام دیئے۔

نثر نگاری: ۱) آغاز: دورانِ طالب علمی مالیگاؤں ہائی اسکول، مالیگاؤں کے نقشِ دیوار سے کہانیوں کا آغاز۔

: بعض کہانیاں انقلاب (ممبئی) اور ہندوستان (ممبئی)، بچوں کے صفحات میں شائع ہوئیں۔

: (۱۹۶۲ء سے ۱۹۷۰ء تک)

۲) مزاحیہ اور طنزیہ مضامین: ۱۹۷۵ء سے ابتداء

پہلا مزاحیہ مضامین ''ڈیڑھ داستان'' مارچ ۱۹۷۵ء میں شگوفہ حیدرآباد میں شائع ہوا۔

بعدازاں بہت سے مزاحیہ مضامین ماہنامہ شگوفہ (حیدرآباد) میں شائع ہوئے۔

۳) ہفت روزہ السبیل مالیگاؤں میں مستقل مزاحیہ کالم ''زندہ دل'' کے قلم سے ۷۷۔۱۹۷۶ء

۴) روزنامہ ''شامنامہ'' مالیگاؤں میں ''جاگ مرے شہر'' کے نام سے ہر منگل کو تعلیمی، سماجی، معاشرتی، اصلاحی، ادبی، صنعتی اور سیاسی عنوانات پر مزاحیہ اور سنجیدہ مضامین۔ اس میں ۲۵۸؍مضامین شائع ہوئے۔ اس سلسلے کا آخری مضمون ۱۱؍جون ۱۹۹۷ء کو شائع ہوا۔

۵) ہفت روزہ ''ملی بیداری'' میں سیاسی اور ملی افادیت رکھنے والے سنجیدہ مضامین

۶) تحقیقی مقالہ ''مالیگاؤں میں اردو نثر نگاری'' کی تالیف۔

۷) خاکہ نگاری

۸) تبصرہ نگاری (کتب)

۹) "رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ" کے عنوان سے سفرِ حج کے تاثرات

اصلاح سخن: کسی سے نہیں لی

رہنمائی اور مشورے: بہت سے مقامی اور بیرونی شعراء کے کلام پر اصلاح دیتا ہوں۔

دیگر شوق: مطالعۂ کتب، غزل اور گیت گائیکی

اسپورٹس: کیرم، شطرنج، کبڈی، والی بال، کرکٹ (زندگی کے مختلف ادوار میں)

تعلیمی اور سماجی کام:

۱) تعلیمی ٹرسٹ انجمن تعلیم جمہور، مالیگاؤں کے ذریعے تعلیمی خدمات (سابق جوائنٹ سکریٹری)

۲) جمہور ہائی اسکول اینڈ جونیئر کالج، مالیگاؤں میں تدریسی خدمات

۳) جمہور انڈسٹریل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ مالیگاؤں کے بانیوں میں سے ایک (سابق جوائنٹ سکریٹری)

۴) لائف ممبر، ٹی ایم ہائی اسکول، مالیگاؤں

۵) سابق صدر، اولڈ بوائز ایسوسی ایشن، مالیگاؤں ہائی اسکول اینڈ جونیئر کالج، مالیگاؤں

۶) سابق صدر، بزم زندہ دلان مالیگاؤں (مزاح نگاروں کی ادبی انجمن)

۷) سرپرست، بزم ارباب ذوق، مالیگاؤں (ایک فعال ادبی بزم)

۸) فاؤنڈر چیئرمین، وربل گھنگ کنزیومرس کوآپریٹیو سوسائٹی، تعلقہ مالیگاؤں

۹) سابق نائب صدر، سیکنڈری اسکول ٹیچرس ایسوسی ایشن، تعلقہ مالیگاؤں

۱۰) سابق اسپیشل ایگزیکیوٹیو مجسٹریٹ، .S.E.M حکومت مہاراشٹر

۱۱) مختلف مقامات پر تعلیمی اجلاسوں میں شرکت اور تقریر

۱۲) بانی چیئرمین پاورلوم ایسوسی ایشن، مالیگاؤں

۱۳) ناسک ضلع پریشد کی جانب سے ستمبر ۲۰۰۰ء میں ''مثالی مدرس'' کا ایوارڈ

روشنی کا ایک مینارِ عظیم

کسی موضوعی مظہر کے گرد ایک دوسرے کو متعدد نقاط پر قطع کرنے والے چھوٹے بڑے اتنے دائرے بن جاتے ہیں کہ اس موضوع کی مرکزیت کے ساتھ ساتھ اس کے گرد ظہور پانے والے یہ دائرے بھی خاصی اہمیت حاصل کر لیتے ہیں۔ اور یہ ایک مابعد جدید تصور ہے کہ اصل متن کے علاوہ حاشیے کی عبارت بھی اپنا اظہار چاہتی ہے۔

دہلی اور لکھنؤ کے اردو مراکز کی تاریخی اور عصری اہمیت اپنی جگہ، دوسرے الفیے کے خاتمے اور نئی صدی کے طلوع کے ساتھ اب اس زبان کے چھوٹے چھوٹے جغرافیائی علاقے بھی اپنی اپنی بولیوں کے رنگوں کی انفرادیت کے سبب خصوصی لسانی مطالعے کے متقاضی ہو گئے ہیں۔ اردو ادب کے مختلف اسالیب کے مطالعے کو بھی اس ذیل میں عمرانی افادیت کا حامل موضوع سمجھنا چاہیے چنانچہ نثری لسانی ادبی علمی اظہار کی کسی لسانی علاقے تک محدود تحقیق و تدقیق مابعد جدید شعبۂ علم کا طرۂ امتیاز بن گئی ہے۔

سرزمین مہاراشٹر میں اردو نظم و نثر کے تحقیقی مطالعات کو اگر ایک وسیع تر لسانی تناظر میں دیکھا جاتا ہے تو اس ریاست کے شہر مالیگاؤں میں اظہار کے ان اسالیب کی فنی، علمی اور ثقافتی چھان بین حاشیے پر موجود مظہری صورت حال کی افادیت کو اجاگر کرنے کے مترادف ہوگی۔ ڈاکٹر الیاس صدیقی کا تحقیقی مقالہ موسوم بہ "مالیگاؤں میں اردو نثر نگاری" لسانی حاشیے کی معنویتوں کی افہام و تفہیم کا ایک گراں قدر عالمانہ تحمل ہے۔ جس میں تاریخ، تہذیب، مذہب، علم، فن اور ادب جیسے شعبوں کو بیک عنوان سمجھنے سمجھانے کا ہمہ گیر (اگرچہ جغرافیائی لحاظ سے بے حد محدود) التزام نظر آتا ہے۔

مالیگاؤں کے شعری ادب کے متعدد تذکرے ایک زمانے سے اشاعت پذیر ہوتے آرہے ہیں۔ اب تک کسی اہل قلم نے شہر عزیز کے نثری ادب کو بنظر تحقیق نہ دیکھا تھا، ڈاکٹر موصوف نے اس موضوع کی افادیت کے پیش نظر اسے اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالے کیلئے منتخب کر کے نہ صرف اس کا حق ادا کر دیا بلکہ مالیگاؤں میں اردو بولنے اور پڑھنے لکھنے والی آئندہ نسلوں کیلئے روشنی کا ایک مینارِ عظیم بھی تعمیر کر دیا ہے۔

سلیم شہزاد